گھر کے ہر فرد کے لئے
ماہنامہ
پاکیزہ
کراچی
دسمبر 2013
نگرانِ اعلیٰ
معراج رسول
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام
"پارس" نمرہ احمد کے قلم کا حسین شاہکار
عنیزہ سید اور نفیسہ سراج کے مسلسل ناول
www.paksociety.com
اس کے علاوہ دیگر تفریحی و معلوماتی دلچسپ سلسلے اور بہت کچھ......

مدیرۂ اعلیٰ: عذرا رسول

مدیرہ: انجم انصار .... معاون: آمنہ حماد

اداریہ

مجھے کچھ کہنا ہے — مدیرہ 15

سلسلے وار ناول

امانت — رفعت سراج 18

شامِ شہرِ یاراں — عنیزہ سید 108

ناولٹ

کہیں دیپ جلے کہیں دل — قیصرہ حیات 58

منحوس — عنیقہ محمد بیگ 149

مکمل ناول

پارس — نمرہ احمد 220

منی ناول

اک نئے موڑ پر — رضوانہ پرنس 166

افسانے

بابو اور میں — صائمہ حیدر 51

دھند میں لپٹی شام — غزالہ عزیز 93

میرا آشنا ہوا اجنبی — سکینہ فرخ 137

محبت کا زیاں — خالدہ نسیم 189

ذرا نظریں تو ملاؤ — نشاط خان 203

جیسے کو تیسا — فوزیہ احسان 215

خصوصی مضامین

وہ آئے بزم میں... — نزہت اصغر 257

سروے — شائستہ زریں 267

شمعِ ہدایت — سیدہ ناز فاطمہ 272

مستقل عنوانات

دین کی باتیں — ادارہ 16

بہنوں کی محفل — مدیرہ 275

پاکیزہ ڈائری — عظمیٰ آفاق سعید 289

جلترنگ — انجم انصار 292

میں اکثر گنگناتی ہوں — صغریٰ زیدی 295

خوش ذائقہ — پاکیزہ بہنیں 297

پسند لیے — پاکیزہ بہنیں 298

روحانی مشورے — ادارہ 300

ہومیو کلینک 302

شعبہ اشتہارات

منیجر اشتہارات محمد شہزاد خان 0333-2256789 نمائندہ کراچی محمد رمضان خان 0333-2168391

نمائندہ لاہور سید افراز علی نازش 0332-4214400 رانا اے حمید 0323-2895528

ماڈل: عینی .... میک اپ: روز بیوٹی پارلر .... فوٹو گرافر: موسیٰ رضا

جلد 41 • شمارہ 09 • دسمبر 2013 • زرِ سالانہ 700 روپے • قیمت فی پرچا پاکستان 60 روپے •

پتا: پوسٹ بکس نمبر 662 کراچی 74200 • فون: 35895313 (021) فیکس 35802551 (021) E-mail:jdpgroup@hotmail.com

پبلشر و پرو پرائٹر: ذیشان رسول • مقامِ اشاعت: گراؤنڈ فلور C-63 فیز II ایکس ٹینشن، ڈیفنس، مین کورنگی روڈ کراچی 75500

پرنٹر: جمیل حسن • مطبوعہ: ابن حسن پرنٹنگ پریس ہاکی اسٹیڈیم کراچی

WWW.PAKSOCIETY.COM

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مجھے کچھ کہنا ہے......!

آج کی دنیا میں کوئی بھی فرد دوسروں سے الگ تھلگ رہ کر زندگی بسر نہیں کر سکتا۔ اس کے لیے دوسروں کے ساتھ رہنا، کام کرنا اور تعلقات رکھنا ناگزیر ہے۔ زندگی کا سب سے بڑا فن دوسروں کے ساتھ خوشگوار تعلقات قائم رکھنا اور خوشگوار زندگی بسر کرنا ہے۔ یہ وہ فن ہے جو کامیاب سماجی زندگی بسر کرنے کے لیے اہم ترین اور بنیادی حیثیت رکھتا ہے اگر آپ کو یہ فن نہیں آتا تو آپ کی ساری فہم و دانش اور اہلیت بھی زندگی کو حقیقی مسرتوں سے ہمکنار نہیں کر سکتی۔ لوگوں کے درمیان مل جل کر رہنا اور ہر ایک سے محبت اور خلوص کے رشتے استوار رکھنا اور ہر ماحول میں ہم آہنگ ہو جانا، وہ فن ہے جو زندگی کو انمول مسرتیں عطا کرتا ہے اور یہ صلاحیت ان تمام علوم سے زیادہ قیمتی ہے جو آپ درس گاہوں سے حاصل کرتے ہیں۔ کوئی سمجھدار شخص خود کو اپنے گرد و پیش کے حالات سے الگ تھلگ نہیں رکھتا، وہ اپنی آنکھیں کھلی رکھتا ہے اور ان ہی حالات میں وہ مواقع پیدا کرتا ہے جو اس کی کامیابی کی منزلوں تک رہنمائی کر سکیں۔ بلاشبہ غلطی کرنا کوئی جرم نہیں ہے، جرم تو یہ ہے کہ ہم اپنی غلطی کی تلافی نہ کریں۔ اس سے سبق حاصل نہ کریں اور سبق کی روشنی میں وہ راستہ اختیار نہ کریں، جس سے دوبارہ غلطی کرنے کا امکان نہ رہے۔ صرف مردے غلطی نہیں کرتے، زندہ لوگ جدوجہد کرنے والے لوگ ترقی کی راہیں تلاش کرنے والے لوگ غلطیاں کرتے ہیں اور ان کی اصلاح کر کے آگے بڑھتے ہیں...... غلطی کو اپنی انا کا مسئلہ کبھی نہیں بناتے...... تو آئیں آج نے ہم اپنے آپ سے یہ وعدہ کریں کہ...... اپنی غلطیوں کو سدھاریں گے انہیں دہرائیں گے نہیں...... نئے اسلامی سال کی مبارک باد کے ساتھ ہمارا یہی پیغام اپنے قارئین کے لیے ہے...... دلی دعا ہے کہ ہم سب کا نیا اسلامی سال کامیابی اور کامرانی کے ساتھ بسر ہو...... آمین۔

مدیرہ

انجم انصار

0334-9630911

WWW.PAKSOCIETY.COM

(یہ بدبخت) جھوٹ (بات) کے بڑے (شوق سے) سننے والے بڑے حرام خور ہیں پس اگر یہ لوگ تمہارے پاس آئیں تو ان میں باہم فیصلہ کرو یا ان سے اعراض کرو اور اگر تم ان سے اعراض کرو گے تو یہ ہرگز تمہیں کچھ (بھی) نقصان نہ پہنچا سکیں گے اور اگر تم فیصلہ کرو تو ان میں انصاف سے فیصلہ کرو کیونکہ بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے (۴۲) اور یہ لوگ تمہیں کیوں حکم بناتے ہیں حالانکہ ان کے پاس توریت موجود ہے جس میں اللہ کا حکم ہے پھر (اس سے بھی زیادہ قابل افسوس یہ ہے کہ) تمہارے حکم بنانے کے بعد (تمہارے حکم سے) پھر جاتے ہیں اور یہ (ہرگز) ایمان دار نہیں (۴۳) بے شک ہم نے تورات (موسیٰ پر) اتاری ہے اس میں (لوگوں کی) ہدایت ہے اور ایک نور ہے جس کے ذریعے سے (ہمارے) فرمانبردار پیغمبر یہود کے لیے (ان کے مقدمات میں) فیصلہ کیا کرتے تھے اور اللہ والے لوگ اور علما بھی اس سے یعنی اللہ کی کتاب (توریت) سے فیصلہ کیا کرتے تھے جس کے وہ حافظ بنائے گئے تھے اور وہ اس پر گواہ تھے پس (اے مسلمانو) تم (امر حق کے ظاہر کرنے میں) لوگوں سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو اور میرے احکام کے بدلے میں (دنیا کی مال و دولت جو در حقیقت بہت) تھوڑی قیمت (ہے) نہ لو اور جو کوئی اللہ کی نازل کی ہوئی چیز پر حکم نہ کرے تو وہی لوگ کافر ہیں (۴۴) اور ہم نے یہود پر توریت میں یہ فرض کیا تھا کہ جان کے عوض میں جان اور آنکھ کے عوض میں آنکھ اور ناک کے عوض میں ناک اور کان کے عوض میں کان اور دانت کے عوض میں دانت اور زخموں کے عوض زخم کا بدلہ (چاہیے) پھر جو کوئی (مظلوم یا مظلوم کا وارث) اس (ظالم کی خطا) کو معاف کردے تو یہ (معاف کرنا) اس کے لیے کفارہ ہو جائے گا اور جو کوئی اللہ کے نازل کیے ہوئے کے موافق فیصلہ نہ کرے تو وہی لوگ ظالم ہیں (۴۵) (سورۂ مائدہ آیت نمبر ۴۲ تا ۴۵)

آئیڈیل پبلک لائبریری
0334-9630911

سیدنا حامد ﷺ

صفاتی اسم مبارک

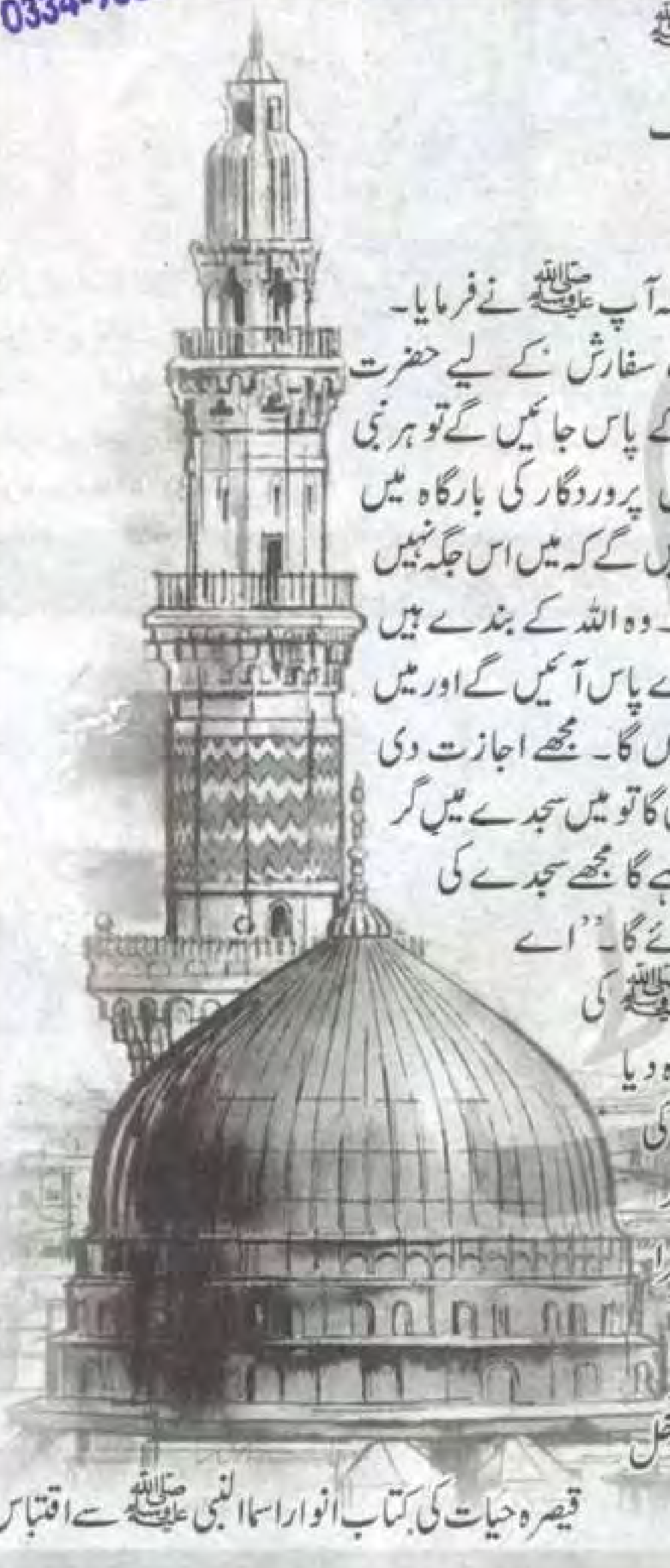

۲۔ الحدیث: (حامد ﷺ)

حضرت انسؓ سے راویت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔

"قیامت کے دن جب لوگ سفارش کے لیے حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰؑ کے پاس جائیں گے تو ہر نبی کہے گا کہ میری کیا مجال ہے کہ میں پروردگار کی بارگاہ میں جاؤں۔ حضرت عیسیٰؑ لوگوں سے فرمائیں گے کہ میں اس جگہ نہیں جاسکتا لیکن تم محمد ﷺ کے پاس جاؤ۔ وہ اللہ کے بندے ہیں وہ تمہاری سفارش کر سکتے ہیں وہ میرے پاس آئیں گے اور میں رب العزت سے اجازت طلب کروں گا۔ مجھے اجازت دی جائے گی جب میں پروردگار کو دیکھوں گا تو میں سجدے میں گر جاؤں گا پھر اللہ تعالیٰ جتنی مدت چاہے گا مجھے سجدے کی حالت میں رکھے گا پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔" اے محمد ﷺ! سر اٹھائیے اور کہیے آپ ﷺ کی بات سنی جائے گی اور جو مانگیں گے وہ دیا جائے گا اور شفاعت کیجیے آپ ﷺ کی شفاعت قبول ہوگی پھر میں 'حامد' بن کر پروردگار کی وہ تعریفیں کروں گا جو میرا پروردگار مجھے سکھائے گا پھر میں سفارش کروں گا میرے لیے ایک حد مقرر ہوگی میں ان کو جنت میں داخل کروں گا۔"

قیصرہ حیات کی کتاب انوار اسماء النبی ﷺ سے اقتباس

WWW.PAKSOCIETY.COM

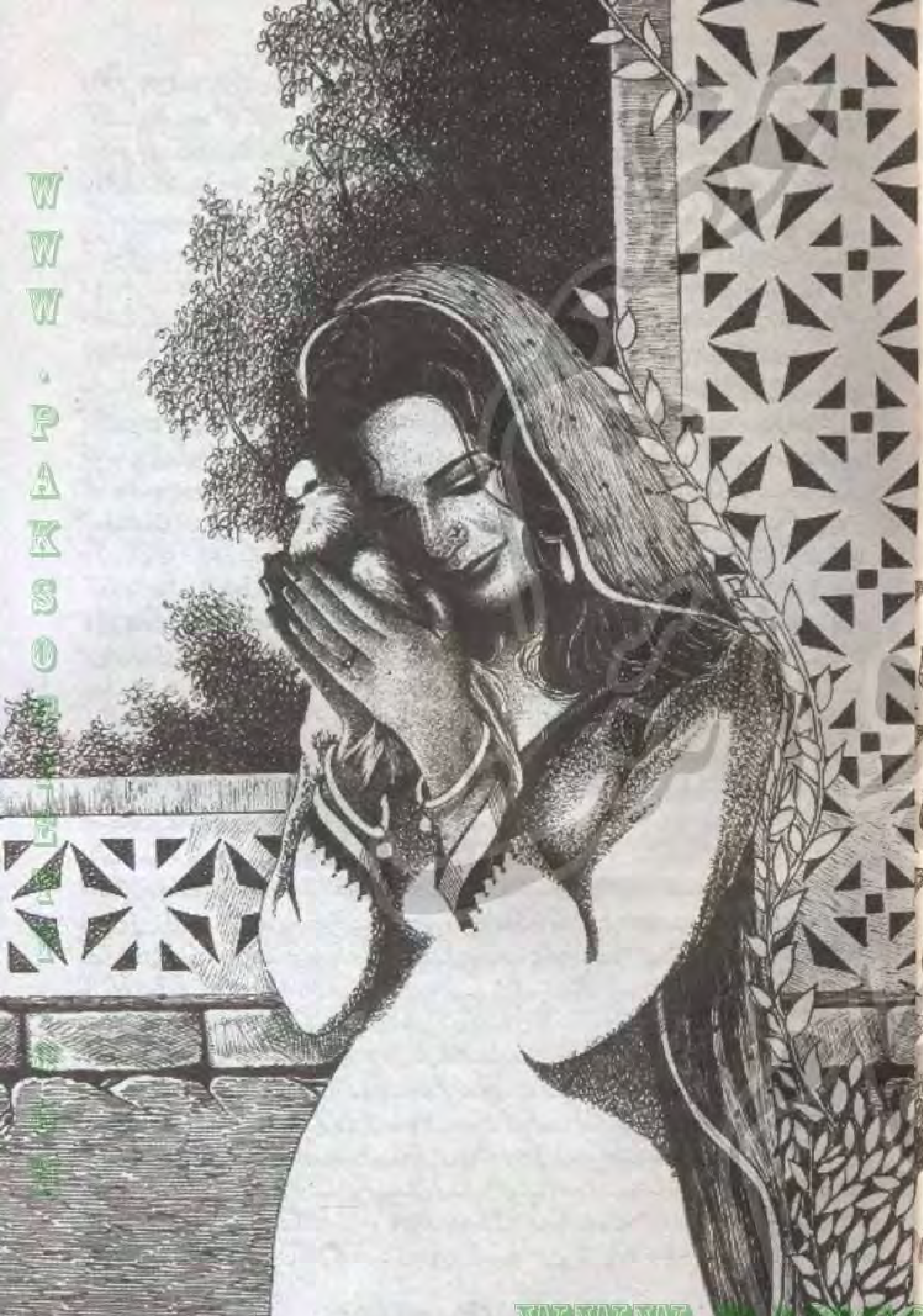

امانت

رفعت سراج

قسط 12

لہو سے سینچنے پڑتے ہیں برگ و بار کے، موسم
بظاہر یوں لگا دینا شجر آسان کتنا ہے
جنہوں نے دھوپ کی دشواریاں جھیلیں بتائیں گے
بدن پر سایۂ دیوار و در آسان کتنا ہے
شکستِ خاک سے لے کر نمو یابی کے منظر تک
ذرا دشوار ہے رستہ مگر آسان کتنا ہے

بات ایک امانت ہے، ذات ایک امانت ہے عفت ایک امانت ہے، زندگی خدا کی امانت ہے، زمین کے وجود پر سورج کی روشنی امانت ہے، تاروں کا نور ...... چاند کی چاندنی امانت...... امانت کو خیانت سے بدل دیا جائے تو چہار سو اندھیروں کا راج ہے۔ اسی اندھیرے میں امانت کی تابانیاں پھر سے روشنی کی کرنیں بکھیرتے ہوئے چہار سو اجالا کر دیتی ہیں۔

امانت و خیانت کو واضح کرتی ایک پُردرد مگر خوب صورت تحریر

WWW.PAKSOCIETY.COM

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

ڈاکٹر مہر جان نیورو سرجن تھیں۔ اپنی بہن گل جان اور بیٹیوں رابعہ اور رومانہ کے لیے ایک سخت گیر بہن اور ماں تھیں۔ وہ ہر کسی کو شک کی نگاہ سے دیکھتی تھیں...... اصیل خان ان کے گھر کا ایک ملازم اور معتمدِ خاص تھا۔ کائناز اپنے دادا شاہ عالم کے ساتھ ڈاکٹر مہر جان کے پڑوس میں رہتی ہے وہ اور روما بیسٹ فرینڈز ہیں لیکن مہر جان کو روما کی اتنی دوستی کبھی پسند نہیں۔ سب انسپکٹر جابر علی نے ہمیشہ رزقِ حلال کی کمائی سے اپنے گھر کو چلایا اس کی بیوی صابرہ، بیٹا برہان اور بیٹیاں شبینہ اور ستارہ اسی کمائی میں گزارہ کررہے تھے۔ ایس پی شیر زمان خان، جابر علی کو اپنے قابو میں کرنے کے لیے اس کی بیٹی کی شادی کے لیے اپنے ایک شریکِ کاروبار وارث علی کا رشتہ دیتا ہے جو برہان کو ناقابلِ قبول ہوتا ہے۔ جابر علی، برہان کے انکار کو کوئی اہمیت نہیں دیتا تو برہان گھر سے چلا جاتا ہے۔ برہان اخبار میں اشتہار دیکھ کر شاہ عالم کے پاس انٹرویو کے لیے جاتا ہے اور وہ اسے کائناز کو پڑھانے کے لیے رکھ لیتے ہیں۔ اصیل خان ماضی کے دنوں میں اپنے اور مہر جان کے گزرے یادگار لمحات میں گم ہوتا ہے کہ گل جان اسے مہر جان کے ہوش میں آنے کی اطلاع دیتی ہے۔ صابرہ، برہان کو فون کرتی ہے تو اس کی بات کائناز سے ہوتی ہے۔ صابرہ فون پر بات کررہی تھی کہ جابر علی اٹھ جاتا ہے اور وہ صابرہ پر چیختا ہے۔ گل جان، مہر جان کے پاس اسپتال میں ہوتی ہے تو اصیل خان فون پر بتاتا ہے کہ پولیس رابی کو مری سے گرفتار کرکے لے آئی ہے اب اسے گھر لاتا ہے۔ وارث علی اور ایس پی شاہ زمان اپنی فتح اور کامرانی پر خوش ہوتے ہیں۔ فائزہ، احمر کے ساتھ شبینہ سے ملنے آتی ہے تو اس کے جانے سے پہلے ہی جابر علی آجاتا ہے اور وہ اس کے آنے پر اپنی ناراضی کا اظہار کرتا ہے۔ شبینہ اپنے اندر اتنی ہمت نہیں پارہی تھی کہ ستارہ کو بتادے کہ شادی اس کی نہیں بلکہ ستارہ کی ہورہی ہے۔ گل جان نے روما کو بتایا کہ رابی کی شادی ہورہی ہے تو روما بھی پریشان ہوگئی۔ رابی اپنا کمرا بند کرکے بیٹھی تھی یہ بات گل جان کے لیے باعثِ تشویش تھی۔ برہان، شاہ عالم کے ہاں پہنچا تو اسے پتا چلا کہ وہ اپنا موبائل وہاں بھول گیا تھا۔ روما، گل جان سے پوچھتی ہے کہ وہ کائناز کو شادی میں بلالے تو گل جان منع کردیتی ہے۔ کائناز بخار کی شدت سے نڈھال تھی وہ دل بہلانے کے لیے روما کو فون کرتی ہے تو کوئی فون ریسیو نہیں کرتا۔ گل جان، رابی کو مہر جان کی دی ہوئی ساڑی دیتی ہے کہ وہ تیار ہوجائے۔ رابی نے ساڑی پہن کر اپنے آپ کو آئینے میں دیکھا اور پھر بے ترتیبی سے اپنے بال کاٹ لیے اس کے بعد اس نے تیزاب میں روئی بھگو کر اسے اپنے چہرے پر لائنیں کھینچنا شروع کردیں۔ اندر کی جلن نے ہر تکلیف کے احساس کو ختم کردیا تھا۔ کائناز کہتی ہے تو شاہ عالم اسے روما کے گھر لے جاتا ہے۔ صابرہ کی برہان سے بات ہوتی ہے تو وہ کائناز کے بارے میں پوچھتی ہے۔ کائناز اور شاہ عالم، مہر جان کے گھر پہنچتے ہیں تو انہیں پتا چلتا ہے کہ رابی کی شادی ہورہی ہے۔ مہر جان، اصیل خان سے کہتی ہے کہ وہ رابی کو یہاں سے کہیں بھی لے جائے کیونکہ رابی نے ان کو شکست دی ہے اور انہیں سر جھکا کر جینا نہیں آتا۔ سہراب خان رابی کی شکل دیکھ کر ششدر رہ جاتا ہے۔ رابی، شاہ عالم کے ساتھ ان کے گھر چلی جاتی ہے۔ مہر جان ایک بار پھر آئی سی یو میں داخل ہوگئی تھیں۔ شائستہ بیگم اور فائزہ شبینہ کے گھر آتی ہیں تو وہ انہیں دیکھ کر حیران رہ جاتی ہے شائستہ بیگم کو اس خبر سے تسلی ہوتی ہے کہ شبینہ کی شادی ہورہی ہے لیکن صابرہ، ستارہ کی اس بات کی نفی کرتی ہے۔ شبینہ، صابرہ سے کہتی ہے کہ وہ ستارہ کو بتادے کہ شادی اسی کی ہورہی ہے۔ صابرہ بالآخر ستارہ کو بتاتی ہے کہ شادی اس کی ہورہی ہے۔ مہر جان کو ہوش آتا ہے کہ گل جان کو پتا چلتا ہے کہ ان کا ذہن ماضی کی باتیں یاد کررہا ہے اور وہ حال کو فراموش کرچکی ہیں۔ روما، رابی اور کائناز کو گل جان کے بارے میں بتاتی ہے۔ ستارہ کا وارث علی سے نکاح ہوجاتا ہے۔ گل جان، شاہ عالم کو بتاتی ہے کہ وہ مہر جان کا علاج نہیں کرائے گی اور وہ روما کو بھی کچھ دن کے لیے اپنے گھر میں رہنے کی اجازت دے دیں جس پر شاہ عالم کو کوئی اعتراض نہیں ہوتا۔ صابرہ، ستارہ کی رخصتی کے بعد بہت روتی ہے کہ ستارہ یہ کہہ کر گئی ہے کہ وہ اب کبھی اس گھر میں نہیں آئے گی۔ روما فکرمند ہوتی ہے کہ وہ کب تک مہر جان کے سامنے نہیں جائے گی۔ وارث علی اپنی بیوی ستارہ کے انداز دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے وہ بغیر کسی جھجک یا گھبراہٹ کے وارث علی سے بات چیت کررہی تھی۔ ستارہ، برہان کو فون کرکے بتاتی ہے کہ شبینہ کی جگہ اس کی شادی ہوگئی ہے اور وہ اس سے ملنے اس کے گھر آسکتا ہے۔ گل جان، مہر جان کو اکیلا نہیں چھوڑتی ان کے ہی کمرے میں لیٹ کر ماضی میں گم ہوجاتی ہے جب وہ مہر جان سے کہتی ہے کہ اسے لگتا ہے کہ وہ اصیل خان سے محبت نہیں کرتی۔ مہر جان اس بات کی نفی کرتی ہے۔ برہان، ستارہ سے ملنے اس کے گھر جاتا ہے تو فون کرکے وارث علی سے ایڈریس سمجھتا ہے وارث علی برہان کی آمد سے تھوڑا پریشان ہوجاتا ہے۔

اب آگے پڑھیں

"خیریت تو ہے سر جی...... آپ تو ایک دم فکرمند نظر آنے لگے۔" ایس پی کے پُرتفکر چہرے پر وارث علی کی نظریں جمی ہوئی تھیں۔

"یار یہ تو ذہن میں رہا ہی نہیں کہ جابر علی کا ایک جوان بیٹا بھی ہے۔" ایس پی نے گم صم کھوئی کھوئی نظروں سے وارث علی کی طرف دیکھا...... پھر گہری سانس لے کر جیسے خود کو ریلیکس کیا۔

"سر جی...... کوئی غم نہیں، ایک بیٹا ہے ناں سات بیٹے بھی ہوتے تو ہمیں کوئی فرق نہیں پڑتا...... اب اس کے بیٹے کی بہن میرے گھر میں آچکی ہے۔" ایس پی نے وارث علی کے ہلکے پھلکے انداز پر بھی جیسے اپنے اندر اطمینان کی کیفیت محسوس نہیں کی۔ اسی طرح پُرتفکر لہجے میں گویا ہوا۔

"نہیں یار جوان لڑکے بہت غیر محتاط ہوتے ہیں، بڑی جلدی جوش میں آجاتے ہیں، اس لڑکے کی وجہ سے کہیں سارا اپنا بنایا کھیل نہ بگڑ جائے۔"

"چھوڑیں سر جی، آپ بھی کن چکروں میں پڑ گئے ہیں، مجھے دیکھیں میں تو اس سے ملا بھی ہوں، بڑا گبرو کڑیل جوان بچہ ہے مگر جب بہن، بیٹی کا معاملہ آجاتا ہے ناں تو بڑے بڑے کڑیل راستہ چھوڑ دیتے ہیں بلکہ راستہ دیتے ہیں۔" ایس پی نے وارث علی کی طرف دیکھا پھر اپنی تسلی کے لیے پوچھنے لگا۔

"تم ملے ہو اس لڑکے سے...... دیکھنے میں تو اچھا ہوگا مگر انداز کیسا تھا تمہیں قبول کرلیا تھا اس نے؟"

ایس پی کی یہ بات سن کر وارث علی نے ایک زبردست قہقہہ لگایا تھا۔

"سر جی مجھے اس کے باپ نے قبول کیا تھا۔ مجھے لڑکے کے قبول کرنے یا نہ کرنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ میں نے کوئی ٹینشن نہیں لی۔" ایس پی نے اب گہری سانس لی اور ذرا کھل کر مسکرایا۔

"تمہارا اطمینان دیکھ کر تو میرا فرض یہی بنتا ہے کہ میں بھی مطمئن رہوں۔"

"بالکل جی...... یہی تو میں آپ کو سمجھا رہا ہوں کہ آپ کو ٹینشن لینے کی ضرورت نہیں، کچھ نہیں کرسکتا وہ لڑکا...... ارے اس کا اتنا زوردار باپ کچھ نہیں کرسکے گا۔ وہ اس کے آگے کیا بیچتا ہے۔" ایس پی نے یوں گردن ہلائی جیسے اسے وارث علی کی بات پر یقین آگیا ہو، اس کی تسلی ہوگئی ہو۔

☆☆☆

"آپ کی طرح اس گھر کو میں بھی ہمیشہ، ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر آگئی بھائی۔" ستارہ، برہان کے سامنے اپنے پُرتعیش اور قیمتی اشیا سے سجے ہوئے ڈرائنگ روم میں بیٹھی بڑے اطمینان سے کہہ رہی تھی۔ برہان نے اس کی طرف یوں دیکھا جیسے اسے ستارہ کی ذہنی حالت پر شبہ ہورہا ہو۔

"یہ تم کیا کہہ رہی ہو ہمیشہ، ہمیشہ کے لیے؟ تمہاری تو باقاعدہ شادی ہوئی ہے ناں...... ابا جان نے ہی تمہیں رخصت کیا ہے ناں؟" وہ الجھے الجھے انداز میں گویا ہوا۔

"جی، رخصت تو ابا جان نے ہی کیا ہے...... اور یہ بہت اچھا ہوگیا کہ انہوں نے بڑے پیار سے محبت کے ساتھ مجھے اس گھر سے چھٹکارا دلا دیا۔"

برہان نے پھر ستارہ کی طرف یوں دیکھا جیسے واقعی اب تو اسے یقین ہوگیا ہو کہ ستارہ کی ذہنی حالت مشکوک ہے۔

"یہ کیسے ہوگیا ستارہ...... شادی تو شبینہ کی ہورہی تھی۔" بھائی کی بات سن کر وہ ہنس پڑی۔ بڑی عجیب سی ہنسی تھی اس کی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

''بھائی، ابا جان نے اپنے حساب سے کالے پانی کی سزا دی ہے مجھے...... اُن سے میرا سچ بولنا برداشت نہیں ہوتا تھا ناں...... اپنے حساب سے انہوں نے میری زبان کاٹ دی...... مگر اب میں ان کو بتاؤں گی کہ پہلے میری ایک زبان تھی۔ اب میری دس زبانیں ہیں اور دس کی دس اب اس طرح سچ اگلیں گی جیسے ہم سنتے ہیں جیسے جہنم کے اندر سے آگ ابلتی ہے۔'' ستارہ بولتے، بولتے ایک دم سنجیدہ ہوگئی تھی۔ اس کے چہرے پر گہری سوچ کی لکیریں نمایاں ہوگئی تھیں۔ لگتا تھا کہ اس کا ذہن کئی سمتوں میں سفر کر رہا ہو۔

''لیکن...... ستارہ تم نے...... تم نے کیا سوچا ہے اب...... میرا مطلب ہے شادی تو تمہاری ہوگئی۔'' برہان اس کی بات سن کر پریشان سا ہوگیا۔ اب وہ کچھ پوچھنا چاہ رہا تھا مگر الفاظ جیسے اس کی مٹھی سے ریت کی طرح پھسل پھسل کر گر رہے تھے۔

''کیا سوچنا بھائی...... شادی ہوگئی ہے، گھر مل گیا ہے، بس جس طرح باقی تمام لڑکیاں شادی کے بعد گھر میں رہتی ہیں، اسی طرح میں اپنے گھر میں رہوں گی اور آپ یہ سمجھ لیجیے کہ شاید شبینہ آپا کی قسمت مجھ سے بہت اچھی ہے...... بال، بال بچ گئیں مگر اب اپنی قسمت میں خود بناؤں گی۔'' ستارہ کے لہجے میں بلا کا اعتماد تھا۔ جس نے برہان کو جیسے چونکا سا دیا۔

''نہیں ستارہ اب تمہیں پہلے سے زیادہ احتیاط کرنا ہوگی کیونکہ یہ تمہارے باپ کا نہیں شوہر کا گھر ہے۔'' برہان نے اپنا دکھ چھپانے کی کوشش کرتے ہوئے بہن کو سمجھانے کی کوشش کی...... کیونکہ اتنا تو وہ سمجھتا تھا کہ جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔ اب جو ہو چکا اسے کیسے سنبھالنا ہوگا، اس وقت صرف یہی سوچنا تھا۔ ''اور تم بات کرنے میں احتیاط کیا کرو، جس طرح تم ابھی بے دھڑک بول گئیں۔ تمہیں اس طرح نہیں بولنا چاہیے۔ فرض کرو اگر تمہارا شوہر گھر میں ہو اور وہ ایسا کچھ سن لے تو مسئلہ ہو جائے گا۔ تمہیں اس کے گھر میں جگہ مل گئی ہے، اب دل میں بھی جگہ بنانی چاہیے کیونکہ جینے کا یہی راستہ رہ گیا ہے۔''

''بھائی وہ بہت مصروف بزنس مین ہیں، کہہ رہے تھے کہ بہت بڑے آدمی ہیں، تھوڑا سا مال اور جمع ہو جائے تو shipping کمپنی کھول لیں گے پھر وہ ان لوگوں میں سے ہو جائیں گے جن کے جہاز چلتے ہیں لیکن جن کے جہاز چلتے ہیں، ان کے جہاز ڈوبتے بھی تو ہیں۔'' ستارہ نے بڑے معنی خیز انداز میں یہ جملہ کہا تھا جسے سن کر برہان بہت زیادہ پریشان ہوگیا۔

''ستارہ دیکھو اب تمہارے شوہر کا فائدہ تمہارا فائدہ ہے، اس کا نقصان تمہارا نقصان ہے۔ ایسی باتیں نہیں کرنی چاہئیں۔ ویسے وہ تمہارے ساتھ کیسا ہے۔ ٹھیک ہے ناں کوئی پریشانی والی بات تو نہیں ہے؟ دیکھو میں تمہارا سگا اور بڑا بھائی ہوں، مجھ سے کبھی کچھ نہیں چھپانا......'' ستارہ بھائی کی بات سن کر دھیرے سے ہنس پڑی۔ اس وقت ملازم فریش جوس کے دو گلاس لے کر اندر داخل ہوا تھا۔ ستارہ اس کے آنے پر چند لمحے کے لیے خاموش ہوگئی۔ ملازم ٹرے ٹیبل پر رکھ کر واپس پلٹ گیا۔ اس کے نکلتے ہی وہ پھر بولنے لگی۔

''بھائی...... وارث علی کی لاٹری نکلی ہے، اس لیے میرے ساتھ تو ٹھیک ہی ہوں گے۔''

''کسی بات کا سیدھا جواب بھی دے دیا کرو ستارہ۔'' وہ جز بز سا ہو گیا تھا۔ ''دیکھو ناں تمہاری اسی بے احتیاطی کی وجہ سے آج یہ وقت آیا ہے کہ تمہاری شادی زبردستی کردی گئی۔ اب تو اپنے آپ کو سنبھالو، احتیاط سے بولنا سیکھو۔''

''بھائی عادت بدل سکتے ہیں، فطرت کیسے بدلیں۔ فطرت تو باپ پر گئی ہے، بس جو دل میں آتا ہے بول

دیتے ہیں، اب نفع ہو یا نقصان کچھ نہیں سوچنا۔ سچی سچی بتائیں بھائی، اتنے بڑے نقصان کے بعد کیا کچھ اور سوچنا چاہیے؟'' ستارہ کی بے ساختگی اور برجستگی نے جیسے وقتی طور پر برہان کو لاجواب کر دیا تھا۔ اس نے...... بے اختیار اپنا سر پکڑ لیا تھا۔

''تم باز نہیں آؤ گی ستارہ...... ابا جان کچھ اور طرح سے سمجھاتے تھے لیکن جو میں سمجھا رہا ہوں وہ تو سمجھنے کی کوشش کرو......''

''بھائی میں سب کچھ سمجھ گئی ہوں، آپ میری طرف سے بالکل بے فکر رہیں۔ یوں سمجھیں میں اس ٹھکانے...... پر آگئی ہوں...... اور یہ اب میرا ایک ٹھکانا ہے، مر کر ہی اس گھر سے نکلوں گی......'' ستارہ کا انداز وہی بے دھڑک اور لہجہ پُر اعتماد تھا۔ برہان گڑبڑا کر رہ گیا اور سوچ رہا تھا کہ کیا کہے...... کیونکہ ستارہ کے پاس ہر بات کا جواب تیار مل رہا تھا۔

''لیکن امی اور شبینہ کو تو تم ایک دم نہیں چھوڑ سکتیں...... پھر تم نے یہ فیصلہ کیسے کر لیا کہ تم اب اس گھر میں نہیں جاؤ گی؟''

''میں وہاں نہیں جا سکتی...... امی اور شبینہ آپا تو یہاں آسکتی ہیں ناں!''

''چلو ان کے آنے پر تو کوئی پابندی نہیں ہے...... اور ابا جان بھی تو آئیں گے۔'' اب برہان نے ذرا ہچکچاتے ہوئے کہا تھا۔

''آجائیں ابا جان سر آنکھوں پر، ایک مرتبہ چھوڑ ایک ہزار مرتبہ آئیں، میں ان کے سامنے نہیں جاؤں گی۔'' ستارہ نے اب بہت زوردار دھماکا کیا تھا...... برہان کے لیے تو واقعی یہ بہت بڑا دھماکا تھا...... وہ ہکا بکا ہو کر ستارہ کی شکل دیکھنے لگا۔

''ایسا کیسے ہو سکتا ہے، سوال ہی پیدا نہیں ہوتا......؟''

''اچھا جب ایسا کچھ ہو جائے گا تو بھائی آپ خود دیکھیں گے جو فیصلہ انہوں نے مجھ پر مسلط کیا تھا اس کا احساس انہیں زندگی بھر دلاتی رہوں گی...... چھوڑیں یہ باتیں تو ہوتی رہیں گی۔ کبھی نہ ختم ہونے والی باتیں، آپ یہ جوس پئیں گرم ہو جائے گا......''

''تم نے یہ تکلف کیوں کیا...... میں کوئی مہمان تو نہیں......'' ستارہ اس کی یہ بات سن کر بے ساختہ ہنس پڑی۔ شاید اس نے اپنی ہنسی میں بے ساختگی سے آنکھوں میں آنے والی نمی کو چھپانے کی کوشش کی تھی۔

''بھائی مہمانوں کو ٹرخا بھی دیں تو افسوس نہیں ہوتا...... لیکن اپنوں کو نہیں ٹرخانا چاہیے۔ اپنوں کو غیر بنتے دیکھا تو احساس ہوا کہ اپنے کیا ہوتے ہیں، چلیں آپ یہ جوس پی لیجیے......'' ستارہ نے گلاس اٹھا کر برہان کو تھمایا...... اور خود بھی اپنا گلاس اٹھا کر گھونٹ بھر کر پینے لگی۔ اب دونوں کے درمیان ایک گہری خاموشی حائل ہوگئی تھی۔ دونوں اپنی اپنی جگہ اپنی اُپنی افتاد پر سوچ بچار کر رہے تھے یا ایک دوسرے سے بات کرنے کے لیے کوئی نیا موضوع تلاش کر رہے تھے لیکن جو قیامت برپا ہو چکی تھی۔ وہ ابھی رخصت نہیں ہوئی تھی۔ ہلچل کا تاثر بدستور تھا۔ قیامت رخصت ہوتی تو شاید وہ بھی کچھ سوچتی ابھی تو مرحلہ وار تباہی کے نشان مٹانا تھے۔

برہان نے ایک سانس میں جیسے جوس کا گلاس خالی کر دیا تھا۔ اس پر ایک عجلت سی سوار ہوگئی تھی۔ اس نے ستارہ کی طرف دیکھنے کے بعد اپنی کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کی طرف ایک نگاہ کی...... پھر بہت پُرسکون انداز میں اپنی جگہ سے اٹھا اور ستارہ کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

''کسی بھی مشکل کے وقت گھبرانا نہیں ستارہ...... تمہارا بھائی ابھی زندہ ہے، ہر خوشی اور ہر مشکل میں تم مجھے اپنے سائے کی طرح ساتھ دیکھو گی۔'' وہ اب اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی۔ بھائی کی اپنائیت اور خون کا رشتہ دونوں میں بڑی قوت تھی۔ جس نے اس کے ہونٹوں پر بالآخر تالے ڈال ہی دیے تھے۔ وہ ایک دم برہان کے گلے لگ گئی۔ اب وہ آنسو پیتے پیتے نڈھال ہو گئی تھی۔ ایک دم آنکھوں کے کناروں سے ابل پڑے۔ بھائی کا رشتہ ہوتا ہی ایسا ہے۔ کوئی بہن اس کے سامنے اپنا دکھ نہیں چھپا سکتی۔ بھائی کو دیکھ کر تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے بھائی کو قدرت نے بہنوں کے آنسو پونچھنے کے لیے ہی پیدا کیا ہے۔

''ستارہ تم مجھ سے کچھ چھپا تو نہیں رہیں......؟'' برہان، ستارہ کے رونے سے ایک دم پریشان ہو گیا پھر بڑے اپنائیت بھرے لہجے میں پوچھا۔ اس نے سر اٹھا کر برہان کی طرف دیکھا......اور جلدی جلدی اپنے آنسو پونچھنے لگی۔

''نہیں بھائی' میں آپ سے کچھ نہیں چھپاؤں گی۔ مجھے آپ سے کوئی خوف نہیں جو میں آپ سے کچھ چھپاؤں...... میں تو وہ کچھ بھی نہیں چھپا پاتی جس کے چھپانے سے میری بچت ہو سکتی تھی۔ اب تو سارے خوف اور ڈر تو ختم ہو چکے...... اب کیا چھپانا، اب تو ہر چیز آپ تک پہنچے گی، اچھی ہو یا بری......'' برہان نے بے ساختہ ستارہ کا سر اپنے سینے سے لگا لیا۔

''میں تمہارے لیے دعا کرتا رہوں گا ستارہ...... اور ہاں پھر کہہ رہا ہوں کہ خود کو تنہا، اکیلا کبھی مت سمجھنا۔ تمہارا بھائی جب تک زندہ ہے تمہارے ساتھ ہے۔'' یہ کہہ کر اس نے ستارہ کے ماتھے پر بوسا دیا۔ ستارہ کی روح میں وہ سکون اترنے لگا۔ جس سکون کی اسے زندگی بھر تلاش رہی۔

☆☆☆

''وارث علی کی طرف سے ولیمے کی تو کوئی بات ہی نہیں ہوئی۔ ولیمہ تو سنت ہے، تمہارے ابا جان ہر معاملے میں شریعت کی بات کرتے ہیں...... لیکن ابھی تک انہوں نے ولیمے کا ذکر نہیں کیا...... ارے کسی بہانے تو اپنی بیٹی تک پہنچوں......'' صابرہ برآمدے میں پلنگ پر لیٹی ہوئی شبینہ سے اپنے دل کی باتیں کر رہی تھی۔ شبینہ قریب بیٹھی ماں کا سر دبا رہی تھی۔

''امی آپ سے ایک بات کہوں؟'' اس نے ہچکچاتے ہوئے ماں کی طرف دیکھا...... صابرہ نے غور سے بیٹی کا چہرہ دیکھا پھر بڑی اداسی کے ساتھ مسکرائی۔

''بیٹا...... ماں سے کیسا تکلف...... ماں سے ہی تو اپنے دل کی باتیں کرتے ہیں...... کہو کیا کہنا چاہتی ہو؟''

''وہ امی میں یہ کہہ رہی تھی کہ آپ ابا جان سے ولیمے وغیرہ کی بات مت کیجیے گا۔ ہمیں کیا پڑی ہے، فضول میں ایک نیا ہنگامہ کھڑا ہو جائے گا۔ اللہ، اللہ کر کے تو گھر میں آپ کو تھوڑا سا سکون ملا ہے۔'' شبینہ کی باتیں سن کر صابرہ کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔ ایک ٹھنڈی آہ اس کے سینے سے خارج ہوئی۔ وہ اپنے آنسو پیتے ہوئے بڑی مشکل سے گویا ہوئی۔

''بیٹا اس سکون کی کتنی بھاری قیمت تمہاری ماں نے ادا کی ہے، تمہیں اندازہ تو ہو گا۔''

''امی بس کریں کیونکہ جو کچھ ہو چکا وہ اب نہیں بدلے گا، ہم مانیں یا نہیں مانیں...... قبول کریں یا نہ کریں...... ہونی ہو چکی۔'' شبینہ نے بے ساختہ کہا تھا۔

''کتنی بڑی، بڑی لگنے لگی ہے میری بیٹی...... کتنی چھوٹی سی عمر میں کتنے بڑے، بڑے تجربے ہو گئے۔ جوانی

نے بوڑھا کر دیا میری بیٹی کو۔'' صابرہ بڑی دلسوزی سے گویا ہوئی۔

''پھر وہی...... امی اب تو اپنے آپ کو سنبھال لیں ناں...... پلیز......''

''کاش تمہارے ابا جان کو مجھ پر رحم آ جائے...... اب تو انہوں نے اپنی منوا لی، اب تو اُن کا پتھر دل موم ہو جانا چاہیے۔ میں ماں ہوں، میں تو اولاد کے لیے تڑپوں گی...... لیکن جابر علی بھی تو باپ ہے، باپ کے دل میں کیا اولاد کی محبت اتنی آسانی سے ختم ہو جاتی ہے، یہ وہی تو باپ ہے جو تم بہنوں اور بھائی کے لیے دن رات رزقِ حلال کمانے کے لیے محنت کرتا ہے۔ ان کا مزاج جو بھی ہے یہ اور بحث ہے مگر ایمانداری کی بات ہے تمہارے باپ نے شادی کے بعد اپنی ذمے داریوں کو پورا کیا ہے، سب کچھ انہوں نے ہی کیا ہے...... سر چھپانے کا ٹھکانا، راشن، پانی...... عید تہوار...... سب ان ہی کی ذمے داری ہیں اور انہوں نے نبھائی...... جو کچھ تھا میرے ہاتھ میں لا کر تھما دیا......''

''امی آپ جب ابا جان کی تعریف کرتی ہیں ناں تو بہت اچھی لگتی ہیں، میرے دل میں جو آپ کی عزت ہے وہ صرف اس وجہ سے نہیں کہ آپ میری ماں ہیں بلکہ میں آپ کی عزت اس لیے کرتی ہوں کہ میرا باپ جیسا بھی ہے، آپ اُن کے ساتھ بہت مخلص ہیں، دوسروں کے سامنے اُن کو برا نہیں کہتیں۔ اُن کی خامیوں پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتی ہیں، امی آپ اس وقت بہت عظیم دکھائی دیتی ہیں۔'' شبینہ نے یہ کہہ کر ماں کے ہاتھ تھام لیے اور اپنی آنکھوں سے لگا لیے...... صابرہ بے ساختہ مسکرا پڑی تھی۔ اس نے اپنا ایک ہاتھ بیٹی کے ہاتھ سے چھڑا کر اس کے سر پر رکھ دیا۔

''بیٹا محبت، خلوص اور وفا یہ بہت خوب صورت جذبات ہیں، اللہ جس کو نصیب کرے اس کے پاس بے شمار تکلیفوں کے باوجود بہت کچھ ہوتا ہے۔ تبھی تو میں اتنے سکون سے سب کچھ سہہ لیتی ہوں۔ برداشت کر لیتی ہوں اور مجھے کچھ نہیں ہوتا......'' شبینہ نے پھر ماں کا ہاتھ اپنی آنکھوں سے لگا لیا۔

''امی اللہ نہ کرے آپ کو کچھ ہو...... اللہ نہ کرے......'' شبینہ نے ماں کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں ماں کے لیے پیار ہی پیار تھا۔

''میرے کان تو فون کی گھنٹی پر ہی لگے ہوئے ہیں بیٹا...... آج سے پہلے مجھے تمہارے باپ کے فون کا کبھی اتنا انتظار نہیں تھا۔''

''خیریت تو ہے امی...... آپ ابا جان کے فون کا کیوں انتظار کر رہی ہیں، کوئی خاص بات ہے؟'' شبینہ ایک دم چونک پڑی تھی۔

''نہیں بیٹا خاص بات کیا ہو گی...... میں تو اس آس پر اُن کے فون کا انتظار کر رہی ہوں کہ شاید وہ فون کر کے کہہ دیں کہ شام کو ستارہ کے گھر ملنے جانا ہے۔'' صابرہ کے لہجے میں چھپی ہوئی حسرت بہت کھل کر سامنے آ گئی۔ شبینہ نے ایک گہری سانس لے کر ماں کی طرف بہت پیار سے دیکھا تھا۔ اب اس کی آنکھوں میں نمی اتر آئی۔

''بس کر دیں امی...... آپ کو تو بس عادت ہو گئی ہے، خود کو بہلانے کی...... دھوکا دینے کی...... اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو ابا جان پہلے ہی بتا دیتے۔''

''کیا کروں...... بیٹا ستارہ کو دیکھنے کے لیے دل تڑپ رہا ہے، یہ کیسی شادی ہے، آج تک دیکھی نہ سنی۔ شبینہ بیٹا تمہاری تو وہ سن لیتے ہیں، تم ہی اپنے ابا جان سے کہنا کہ وہ ہمیں ستارہ کے گھر لے چلیں۔'' صابرہ نے بیٹی کی طرف یوں دیکھا جیسے وہ کوئی نجات دہندہ ہو۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

"ٹھیک ہے امی، ابا جان کا موڈ دیکھ کر بات کروں گی۔ میرا خیال ہے کہ وہ ہمیں ستارہ کے گھر جانے سے نہیں روکیں گے۔ آپ پہلے سے پہلے پریشان ہونا چھوڑ دیں......"

"اللہ جیتا رکھے...... کتنی ہمت والی ہے میری بیٹی...... ارے میری یہ بیٹی ہمت اور حوصلے میں بیٹے سے کم نہیں...... اللہ اسے ہر بری گھڑی اور ہر بری نظر سے بچائے......" صابرہ نے اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لے کر بہت پیار سے کہا تھا۔

ماں کی طرف سے ملنے والا پیار کا اظہار شبینہ کے وجود پر بارش کی پھوار کی طرح برسا تھا۔ چند لمحے کے لیے دونوں ماں، بیٹی جیسے دنیا کے غموں سے بہت دور ہوگئیں۔ دونوں کے لیے ایک دوسرے کا وجود ایک ڈھال ایک نعمت تھا۔

☆☆☆

رابی کا بند کمرے میں پڑے پڑے جی گھبرانے لگا۔ عجیب سی وحشت نے اپنے حصار میں لے لیا تھا۔ چند لمحے اِدھر اُدھر بے چینی سے ٹہلنے اور کھڑکی سے جھانکنے کے بعد اس نے کمرے سے باہر جانے کا ارادہ کیا اور باہر کی طرف قدم بڑھائے۔ اس سے پیشتر کہ وہ دروازہ کھول کر باہر نکلتی روما سامنے آگئی۔ روما کو دیکھ کر وہ ایک دم چونک سی پڑی جیسے غیر متوقع طور پر روما کی آمد نے اسے ایک جہان سے دوسرے جہان میں آناً فاناً پہنچا دیا ہو۔

"آپا کیسی طبیعت ہے، ٹھیک ہیں ناں؟" روما نے ڈرتے ڈرتے اپنی طرف سے بات میں پہل کی۔

"اب میں ٹھیک ہوں یا غلط تم لوگ میرا پیچھا چھوڑ دو۔" رابی نے بڑی تلخی سے اس کی محبت کا جواب دیا تھا۔

"آپا ایسے نہ کریں۔ آپ کی ایسی باتوں سے بہت تکلیف ہوتی ہے۔" روما نے جیسے ہمت کی تھی۔

"دیکھو روما میں یہاں پر بہت سکون سے ہوں بلکہ یوں سمجھو کہ زندگی میں پہلی بار سکون کا مزہ محسوس کیا ہے۔ پتا چلا ہے کہ سکون ہوتا کیا ہے اور اس کے لیے میں تمہاری بہت شکر گزار ہوں اگر کائناز سے تمہاری دوستی نہ ہوتی تو پتا نہیں میں اس وقت کہاں ہوتی...... بہر حال میں زندگی بھر تمہاری شکر گزار رہوں گی۔" روما کی آنکھوں میں ایک دم آنسو آگئے تھے، اس نے بے اختیار رابی کا ہاتھ تھاما اور بے قراری کے انداز میں چوم لیا۔

"میری پیاری آپا...... شکریہ کس بات کا آپ میری بہن ہیں، میں آپ کے لیے کچھ بھی کروں، وہ آپ پر احسان تو نہیں ہے پھر میں نے تو آپ کے لیے ابھی کچھ کیا ہی نہیں۔ میری تو اتنی حیثیت ہی نہیں کہ میں آپ کی کوئی تکلیف دور کر سکوں۔ آپ کو آرام پہنچا سکوں۔ میں کچھ بھی نہیں کر سکتی آپا...... سب کے غصے سے ڈر لگتا ہے مجھے، آپ کے غصے سے بھی...... اور لوگ تو میری بات نہیں سنیں گے، آپ ہی سن لیں۔ مجھ پر غصہ نہ کریں آپا...... مجھے بڑا خوف آتا ہے، جس طرف دیکھتی ہوں غصے سے گھورتی ہوئی آنکھیں دکھائی دیتی ہیں، میں بھی انسان ہوں، میں آپ کو اتنا پیار کرتی ہوں کیا آپ کو مجھ سے ذرا سا بھی پیار نہیں۔" روما کے انداز میں اتنی معصومیت اور بے ساختگی تھی کہ رابی زیادہ دیر پتھر نہ بن سکی۔ اس نے اب روما کو اپنے بازو کے گھیرے میں لے کر اسے اپنے کندھے سے لگا لیا۔

"مجھے تم پر بہت ترس آتا ہے، روما میرے تو جو جی میں آتا ہے کہہ بھی دیتی ہوں، جو بولنا چاہتی ہوں بولنے کی ہمت بھی کر لیتی ہوں، تم تو بہت ڈرپوک ہو، دل کی بات دل میں رکھتی ہو، آخر تمہیں ڈر کس بات کا ہے، جان چلے جانے کا، کون لے سکتا ہے تمہاری جان، کسی میں اتنی ہمت نہیں اور رہی اماں جان کی تو وہ دھمکیاں تو سمجھو کہ وہ اپنا اسٹریس شفٹ کرتی ہیں اور کچھ بھی نہیں کر سکتیں۔ اگر انہیں کچھ کرنا ہوتا تو کر چکی

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہوتیں۔ وہ تو اتنی کمزور اور بودی نکلیں کہ میری شادی پر کمپرومائز کرنے لگ گئیں۔ اتنا ہائی فائی اسٹیٹس ہے، اتنی بڑی پرسنالٹی ہیں، شہر کی معزز خاتون ہیں، کیا اُن کی بیٹی کو کسی عزت دار گھرانے میں رشتہ ہی نہیں مل سکتا تھا...؟ تو پھر ایسی عزت اور ایسے اسٹیٹس کا کیا فائدہ...... جو آپ کے مسئلے حل نہ کر سکتا ہو اور اپنے مسئلے حل کرنے کے لیے سمجھوتے کرنے پڑیں۔ مت ڈرا کرو، کوئی ضرورت نہیں ہے ڈرنے کی۔'' رابی ایک جذب کی کیفیت میں بولے جا رہی تھی اور روما آنکھیں پھاڑے اس کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔ وہ تو رابی کو یہ بھی نہیں کہہ سکتی تھی کہ آپا اتنی مشکل باتیں نہ کیا کریں۔ باتیں کرنا آسان ہے اور کچھ کرنا یا کچھ کر کے دکھانا بہت مشکل...... اس لیے کہ رابی تو بہت کچھ کر کے دکھا چکی تھی۔

رابی نے روما کو خود سے الگ کیا پھر اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے مسکرائی۔

''دیکھو روما ڈر ڈر کے جینا کوئی جینا نہیں ہے، لوگ ہمارے سچ سے خوفزدہ کیوں ہوتے ہیں اس لیے کہ ہم انہیں آئینہ دکھاتے ہیں اور کوئی بھی شخص آئینے میں اپنی بگڑی ہوئی شکل دیکھنا پسند نہیں کرتا...... جیسے کہ میں نے آج کل آئینہ دیکھنا چھوڑ دیا ہے، آخر مجھے آئینہ دیکھنے کی ضرورت ہی کیا ہے، میں پھر تم سے کہہ رہی ہوں کہ سب سے ڈرنا چھوڑ دو اور سکون سے زندگی گزارو۔'' یہ کہہ کر وہ تھکے تھکے نڈھال انداز میں جا کر بیڈ پر بیٹھ گئی۔

روما ابھی تک کھڑی تھی...... رابی اتنا کچھ بولی تھی لیکن روما کے دل میں نہ کوئی لفظ اترا تھا نہ دماغ میں یادداشت کے خانے میں کوئی جملہ محفوظ ہوا تھا۔ اس کا ذہن تو جیسے فضا میں معلق تھا۔

''آپا اب آپ بالکل ریلیکس ہو جائیں، صرف آپ ہی کے نہیں شاید میرے بھی ڈر ختم ہو جائیں گے۔ آپ اماں سے ملیں، انہیں دیکھیں، آپ کو بہت دکھ ہوگا، اگر آپ کے کہنے کے مطابق انہوں نے ظلم کیا تھا تو انہیں اپنے اس عمل کی سزا مل تو گئی ہے، میں تو پاگل ہو گئی ہوں، آپا میں اُن کی بات سنتی ہوں یا ان کی طرف دیکھتی ہوں تو مجھے چکر آنے لگتے ہیں، میرا دماغ، میرا ساتھ چھوڑ دیتا ہے۔ آپا آپ ایک مرتبہ ان سے ملیں تو سہی، ڈرنے یا فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں تو یہ چاہتی ہوں کہ آپ ایک مرتبہ اس حالت میں اماں کو دیکھ لیں تاکہ آپ کے دل کو سکون مل جائے۔'' رابی بہت سنجیدگی اور توجہ سے روما کا ایک ایک لفظ سن رہی تھی۔

''سکون......؟'' رابی نے بے اختیار روما کی طرف دیکھا۔

''ہاں، آپ کو ان سے بہت شکایت تھی ناں...... اب اُن کا جو حال ہو گیا ہے، آپ یہاں بیٹھ کر سوچ بھی نہیں سکتیں۔''

''ڈاکٹر کیا کہتے ہیں؟'' اتنی دیر میں پہلی بار رابی نے دلچسپی لی اور روما سے سوال کیا۔ اس کے انداز اور لہجے میں گہری سنجیدگی واضح تھی۔

''خالہ جان نے تو صرف یہی بتایا تھا کہ انہیں کوئی دماغی مرض ہو گیا ہے، dementia اور وہ کچھ بتا ہی نہیں پا رہی تھیں تو میں نے ڈاکٹر صاحب سے خود فون کر کے پتا کیا تھا۔'' روما نے جواب دیا۔

''ڈاکٹر صاحب نے تمہیں کیا بتایا......؟'' رابی نے فوراً ہی سوال کیا تھا۔

''آپا ڈاکٹر ناز کہہ رہی تھیں کہ اماں کو dementia ایک دم سے نہیں ہوا ہے۔ یہ بیماری بہت پہلے سے اُن کے اندر پل رہی تھی اور وہ تو جو ہر وقت ہائپر رہتی تھیں ناں تو وہ بھی سائیکو مسئلہ تھا۔ ڈاکٹر ناز کہہ رہی تھیں کہ ہم تو چاہتے تھے کہ ڈاکٹر صاحبہ اپنی اس بیماری کو خود فیل کریں، ہم تو اُن سے کہہ نہیں سکتے تھے کہ وہ ایک بیماری کی طرف جا رہی ہیں اور وہ بھولنے بھی بہت لگی تھیں مگر اُن کو یہ یقین نہیں تھا کہ وہ بھول جاتی ہیں، وہ

دوسروں کو قصوروار ٹھہراتی تھیں۔ انہوں نے کبھی ایڈمٹ نہیں کیا کہ اُن سے بہت بھول چوک ہونے لگی ہے۔'' روما آہستہ، آہستہ بتا رہی تھی۔ رابی بہت غور اور توجہ سے اس کی بات سن رہی تھی۔

''تو کیا اس مرض میرا مطلب ہے dementia کا کوئی پراپر ٹریٹمنٹ نہیں ہوتا؟ خالہ جان انہیں اسپتال سے گھر کیوں لے آئیں؟'' رابی کے سوال پر روما ایک دم سے خاموش سی ہو گئی۔ پھر بدقت بولی۔

''وہ خالہ جانی بڑی عجیب سی ہو گئی ہیں، مجھے تو لگتا ہے کہ اُن کا ذہن بھی ٹھیک نہیں ہے، میں نے اُن سے کہا تھا کہ اماں جان کا علاج کیوں نہیں کرا رہی ہیں؟ گھر کیوں لے آئی ہیں؟ تو کہنے لگیں کہ میں اُن کا علاج نہیں کراؤں گی کیونکہ اماں جان اب پُرسکون ہیں، غصہ نہیں کرتیں، اُن کو کچھ یاد نہیں ہے اور یہ اُن کے لیے اچھا ہے۔''

''اچھا ہے......؟'' رابی نے حیرت زدہ ہو کر روما کی طرف دیکھا۔

''جی آپا...... خالہ جانی تو یہی کہہ رہی ہیں کہ اماں جانی کو ساری تکلیفوں سے نجات مل گئی ہے، وہ کسی بھی قیمت، کسی بھی صورت اماں جان کا علاج نہیں کرائیں گی۔''

''کمال ہے۔'' رابی کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ ''کہاں تو بہن پر جان دیے دیتی ہیں، اُن کو شاید اندازہ نہیں کہ جو پاگل کے ساتھ رہتا ہے خود بھی پاگل ہو جاتا ہے۔''

''توبہ، توبہ کریں آپا، کتنی دیر سے اماں جان کو پاگل، پاگل کہے جا رہی ہیں، بری بات، ماں ہیں وہ آپ کی۔'' رابی نے اس کی بات پر بڑی تیکھی نظروں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

''تمہیں بھی ایک دفعہ کی بات سمجھ نہیں آتی۔ ماں ہوں گی وہ تمہاری۔ میری ماں نہیں ہیں، مجھے تو پہلے شک تھا اب...... یقین ہو چکا ہے اگر وہ میری ماں ہوتیں تو آج میرا یہ چہرہ تیزاب سے جھلسا ہوا نہ دیکھتیں۔ ماں ایسی ہوتی ہے، وہ سمجھوتے نہیں کرتی، اولاد کو تکلیفیں دینے کے بجائے خود تکلیفیں برداشت کرنا چاہتی ہے۔'' رابی ایک دم چیخ کر بولی تو روما کو یوں محسوس ہوا کہ اب نئے سرے سے ایک تکلیف دہ بحث شروع ہو جائے گی، اس نے یہی غنیمت جانا کہ رابی کے پاس سے ہٹ جائے۔

''اچھا آپا، ٹھیک ہے آپ ریسٹ کریں میں پھر شام کو آپ کے پاس آؤں گی۔ آپ اپنا خیال رکھیں۔'' یہ کہہ کر وہ سر جھکا کر کمرے سے نکل گئی۔

رابی کے ہونٹوں پر ایک طنزیہ مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

''تو ڈاکٹر صاحبہ کو سارے غموں سے نجات مل گئی مگر میرا تو بیڑا غرق کر دیا ناں۔''

☆☆☆

برہان جب سے ستارہ سے مل کر آیا تھا ایک پل کے لیے اس کا ذہن اس کی طرف سے نہیں ہٹ رہا تھا یوں لگ رہا تھا کہ آج تو وہ کوئی کام نہیں کر سکے گا مگر شاہ عالم نے اس کے تقاضے کا انتظار کیے بغیر دس ہزار ایڈوانس بہت خاموشی و رازداری سے اس کے ہاتھ پر رکھ دیے تھے۔ اس نے کبھی زندگی میں کسی کے پانچ روپے ادھار نہیں رکھے تھے کجا کہ دس ہزار روپے کا اس پر قرض چڑھ گیا تھا۔ کائناز کو پڑھا کر وہ دوسری جگہ جاتا تھا وہاں تین بچے تھے فی بچہ پانچ ہزار طے ہوا تھا۔ ان لوگوں نے تو تعارف کے پہلے مرحلے میں ہی برہان کو صاف، صاف کہہ دیا تھا کہ وہ ایڈوانس نہیں دیں گے۔ پہلے دو ٹیوٹر ایڈوانس لے کر رفو چکر ہو گئے تھے۔ برہان نے اُن کو مطمئن کر دیا تھا کہ وہ ان سے ایڈوانس نہیں لے گا وہ تیس کے بجائے پینتیس دن بعد dues کلیئر کریں اسے کوئی اعتراض نہیں، کائناز بہت ذہین تھی مگر برہان کے حساب سے بہت باتونی تھی۔ وہ ابھی تک

WWW.PAKSOCIETY.COM

اسے ایک بچی کی طرح ہی ٹریٹ کررہا تھا۔ کیوٹ اور معصوم سی بچی...... جو بہت جلد اپنی کسی عزیز ترین دوست کو بھی اس کی شاگردی میں لانے کا مژدہ سنا چکی تھی۔ گویا آمدنی میں بہت جلد دس ہزار کے خوشگوار اضافے کا امکان تھا۔ اور اس کے لیے ضروری تھا کہ اس کی good will بنے اور good wil کے لیے ضروری تھا کہ وہ چھٹی یا معذرت نہ کرے۔

اس کی طرح ستارہ بھی جابر علی کے گھر سے باہر آگئی تھی اور اپنی کم عمری و ناتجربے کاری کے باعث اپنے تئیں بڑے، بڑے فیصلے بھی کر بیٹھی تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی جس لڑکی کی back کمزور ہوتی ہے وہ اپنے گھر میں طاقتور پوزیشن بھی حاصل نہیں کرسکتی اور کر بھی لے تو اسے پورا زور لگا کر خود کو منوانا ہوتا ہے، سالوں کی مشقت کے بعد کوئی نتیجہ سامنے آتا ہے۔ اگر وہ باپ سے بدلا لینے کے لیے خود کو تنہا کررہی ہے تو مزید حماقت کررہی ہے۔ اس لیے کہ باپ وہ پہلا محرم ہوتا ہے جس کے دم قدم سے ہر عورت معتبر ہوتی ہے مگر وہ ستارہ کی طبیعت سے واقف تھا۔ محسوس کررہا تھا کہ ایک دم سے ستارہ اس کی کُلی ذمے داری بن گئی ہے...... اسے ہر پل ستارہ کا دھیان رکھنا ہوگا۔

☆☆☆

''خوش ہو جابر علی......؟ اللہ کا شکر ادا کرو بیٹی کے فرض سے فارغ ہوگئے۔'' ایس پی اپنے اندر کی خباثت کمالِ مہارت سے چھپا کر بڑے مہربان انداز میں بات کررہا تھا۔

''جی سر، اللہ کا احسان ہے اور آپ کا شکریہ...... بیٹی کو اچھا گھر مل گیا مگر......'' جابر علی بولتے بولتے ایک دم چپ ہوگیا۔

''مگر کیا......؟'' ایس پی متفکر نظروں سے جابر علی کا چہرہ پڑھ کر کچھ اخذ کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

''سر جی...... وارث علی نے ولیمے کا کوئی ذکر نہیں کیا...... یہ تو سنت ہے۔'' جابر علی نے ہچکچاتے ہوئے اپنے دل کی بات کی۔

''ارے...... رات اس نے فائیو اسٹار ہوٹل میں جو شادی کا کھانا کھلایا ہے تم سوچ بھی نہیں سکتے۔ دس بارہ تو صرف سوئٹ ڈشز تھیں۔'' ایس پی نے بڑے فخریہ انداز میں یوں بتایا جیسے بل اسی نے دیا ہو۔

''وہ تو ٹھیک ہے سر جی...... مگر ولیمہ تو سنت ہے وارث علی نمازی، دیندار بندہ ہے اسے یہ بات پتا ہوگی......'' جابر علی نے سر جھکا کر کہا۔

''ضرور پتا ہوگی...... میرا خیال ہے ولیمے کا کوئی بہت بڑا پروگرام بنا کر بیٹھا ہے...... وہ اور جس کے پاس دولت ہو وہ تو خرچ کرنے کے بہانے ڈھونڈتا ہے ناں، کیا خیال ہے؟'' ایس پی...... بڑی مکاری سے سادہ مزاج جابر علی کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

''وہ تو ٹھیک ہے...... مگر سادگی اچھی بات ہے پھر وارث علی تو ایک دین دار بندہ ہے، کیا ضرورت ہے نمائش اور فضول خرچی کی؟'' جابر علی نے کچھ سوچتے ہوئے گم صم کیفیت میں کہا۔

''دین دار تو وہ بہت ہے مگر شادی زندگی میں ایک بار ہوتی ہے، اللہ کرے ایک بار ہی ہو...... پھر اس کے بڑے، بڑے رئیسوں سے تعلقات ہیں، لوگوں کی خوشیوں میں شریک ہوتا ہے، قیمتی تحفے تحائف دیتا ہے، اب اپنی خوشی میں بھی تو انہیں شریک کرے گا ناں...... تم فکر نہ کرو، مجھے لگتا ہے وہ شیرٹن یا پی سی میں ولیمہ ڈنر دے گا۔'' ایس پی نے جابر علی کو بہرحال مطمئن کردیا تھا۔

☆☆☆

گل جان، شاہ عالم کے سامنے سر جھکائے بہت مؤدبانہ انداز میں بیٹھی تھی۔ شاہ عالم کے چہرے پر تفکر کی لکیریں کھنچی ہوئی تھیں۔

''شاہ صاحب آپ کا احسان بلکہ احسانات میں اپنی آخری سانس تک یاد رکھوں گی، کچھ دنوں ہی کی بات ہے، بی بی جان پر تو روما کے گھر میں ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا مگر روما کو دیکھ کر مجھے بہت پریشانی ہو رہی ہے، وہ بی بی جان کی حالت دیکھ کر اتنی ٹینس، اتنی زیادہ پریشان رہنے لگی ہے کہ مجھے ڈر ہے کہ وہ پڑھائی وڑھائی سے نہ رہ جائے۔'' گل جان اس طرح آہستہ آہستہ ایک، ایک لفظ بول رہی تھی شاہ عالم کو جیسے اپنی درخواست پیش کررہی ہو۔

''گل جان بی بی آپ مجھے شرمندہ کررہی ہیں، آپ کو علم تو ہے کہ میرے پاس کام ہی کیا ہوتا ہے سوائے کھانے، پینے، سونے اور نمازیں پڑھنے کے...... ارے بھئی یہ پھول جیسی بچیاں اِن سے تو اس گھر میں رونق ہوگئی ہے، ہم دادا پوتی اس گھر میں بس اکثر ایک دوسرے کو ڈھونڈتے ہی رہتے ہیں۔'' شاہ عالم نے بہت محبت، اپنائیت اور ہمدردانہ انداز میں گویا گل جان کو تسلی دی۔

''مجھے تو خود بہت دکھ ہے کہ بچیوں کو اتنے مشکل حالات سے گزرنا پڑ رہا ہے، چھوٹی چھوٹی عمر کی یہ بچیاں جنہوں نے ابھی اس دنیا میں دیکھا ہی کیا ہے، بس میری اتنی درخواست ہے کہ آپ ڈاکٹر صاحبہ کے علاج معالجے پر توجہ دیجیے۔ دیکھیں باپ تو ان بچیوں کا ہے نہیں، ماں بھی ہوش کھو بیٹھی ہے، اللہ آپ کو زندگی اور ہمت دے۔ آپ بچیوں کی اچھی دیکھ بھال کرتی ہیں مگر ایک سے دو بھلے...... ماں بہرحال ماں ہوتی ہے۔'' شاہ عالم بولتے جارہے تھے اور گل جان ایک ٹک اُن کی طرف دیکھے جارہی تھی۔

''بس آپ اپنے ذہن پر کسی قسم کا بوجھ نہ رکھیں، یوں سمجھ لیں کہ ہر پل، ہر گھڑی آپ کے مشکل وقت میں، میں آپ کے اور بچیوں کے ساتھ ہوں۔ کائناز تو یہ سن کر خوشی سے پاگل ہوجائے گی کہ روما اب کچھ عرصہ اس کے پاس ہی رہے گی۔''

''جی شاہ صاحب اسی وجہ سے مجھے اتنا حوصلہ ہوا ہے کہ آپ سے یہ درخواست کر بیٹھی ہوں۔ اصل میں، میں تو بی بی جان کی دیکھ بھال میں لگی رہتی ہوں۔ روما بالکل اکیلی ہو کر رہ گئی ہے اور بی بی جان جس قسم کی باتیں کررہی ہیں، بچی سہم جاتی ہے۔ یہی مجھے پریشانی تھی کہ خدانخواستہ اس کے ذہن پر برا اثر نہ ہو۔''

''نہیں، نہیں آپ بالکل بے فکر رہیں اور روما کو آپ یہاں چھوڑ دیں اور کسی قسم کا تکلف محسوس نہ کیجیے۔ یوں سمجھیں کہ یہ بھی آپ ہی کا گھر ہے۔''

''بہت بہت شکریہ شاہ صاحب......''

''پھر وہی تکلف کی بات، ارے بھئی ہم ایک دوسرے کے کام آجائیں بتائیں اس سے اچھی کوئی بات ہوسکتی ہے۔ ارے اس زندگی کا کیا بھروسا آج مرے کل دوسرا دن...... کچھ اچھا کر جائیں کیا پتا اگلے جہان میں کیا ہے......؟''

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔'' گل جان ان کی باتیں سن کر پُرسکون دکھائی دے رہی تھی۔ جیسے اس کے سر سے اور دل سے منوں بوجھ سرک گیا تھا۔

''ٹھیک ہے شاہ صاحب اب میں چلوں گی، روما سے کہتی ہوں کہ اپنی ضروری چیزیں ساتھ لے لے پھر میں اسے آپ کے پاس چھوڑ جاؤں گی۔''

WWW.PAKSOCIETY.COM

"میں انتظار کررہا ہوں بلکہ یوں سمجھیں کہ کائناز اب ایک ایک پل گن کر انتظار کررہی ہے لیکن آپ میری درخواست مت بھولیے گا۔ آپ ڈاکٹر صاحبہ کا علاج ضرور کرائیں۔ یہ اُن کا حق ہے اور ہمارا فرض۔" یہ بات سن کر گل جان پھر گومگو کی کیفیت میں نظر آئی مگر اس نے جلد ہی خود کو سنبھال لیا تھا پھر زبردستی مسکرا کر بولی۔

"جی شاہ صاحب سمجھ گئی۔ آپ کی بات میری سمجھ میں آگئی ہے آپ فکر نہ کریں۔" گل جان کا انداز ایسا تھا جیسے وہ شاہ صاحب کا مان رکھ رہی ہو لیکن اپنی بات پر قائم ہو۔ یہ کہہ کر وہ لاؤنج سے چلی گئی تھی۔ شاہ صاحب سوچ رہے تھے کہ شاید وہ جانے سے پہلے رابی سے مل کر جائے گی مگر جب اس نے باہر کی طرف قدم بڑھائے تو شاہ عالم نے ٹوکا بھی نہیں...... یہی سوچ کر کہ وہ روما کو لے کر تھوڑی دیر میں جلدی ہی آئے گی۔

☆☆☆

رابی بستر پر لیٹے' لیٹے جیسے تنگ آگئی تھی۔ بے اختیار اٹھ کر وہ اوپر ٹیرس پر چلی آئی۔ اس نے اپنے...... بے ترتیب بالوں کو ایک اسکارف کے نیچے چھپایا ہوا تھا لیکن چہرے پر لگے ہوئے داغ اس نے چھپانے کی کوشش نہیں کی تھی اور یوں بھی وہ ٹیرس پر کھڑی باہر دیکھ بھی رہی تھی تو اسے کس نے دیکھنا تھا۔ گھر مین روڈ پر تو نہیں تھا نسبتاً ویران اور سناٹے والا علاقہ تھا۔ شام کی ٹھنڈی اور نرم ہوا نے ٹیرس پر اس کا استقبال کیا تھا مگر بجائے اس کے کہ اس ہوا سے وہ ٹھنڈک اور سکون محسوس کرتی، اس ہوا نے تو اس کے چہرے کے زخموں کو نئے سرے سے جلانا شروع کردیا تھا۔ اس نے سوزش کو سہنے کی کوشش کرتے ہوئے اپنا نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبا لیا تھا۔ معاً اس کی نظر شاہ عالم کی کوٹھی کے مین گیٹ کی طرف گئی۔ ایک بائیک گیٹ پر آکر رکی تھی۔ جس پر دو نوجوان لڑکے سوار تھے۔ رابی اپنی جگہ ٹھٹک کر اُن دونوں کی طرف دیکھنے لگی۔ بائیک رکتے ہی ایک لڑکا جو پیچھے بیٹھا تھا وہ بائیک سے فوراً ہی اتر گیا۔ اور بائیک چلانے والے لڑکے نے اترنے والے لڑکے کی طرف الوداعی انداز میں ہاتھ ہلایا اور دیکھتے ہی دیکھتے بائیک نظروں سے غائب ہوگئی۔

رابی دیکھ رہی تھی کہ اب اترنے والا لڑکا گارڈ سے بات کررہا تھا یوں جیسے اس کی گارڈ سے شناسائی ہو۔ گارڈ نے بھی ادب سے سلیوٹ والے انداز میں سلام کیا تھا۔

رابی نے پہلی مرتبہ اس لڑکے کو دیکھا تھا۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ یہ وہ ٹیوٹر ہے جو کائناز کو پڑھانے آتا ہے لیکن وہ اسے دیکھ کر اپنی جگہ دم بخود سی رہ گئی تھی۔ چھ فٹ کے قریب، قریب قد' صاف رنگت اور چلنے کا بڑا دلکش انداز اپنی دُھن میں مگن اپنے خیال میں گم وہ دیکھتے ہی دیکھتے اندر کی طرف غائب ہو چکا تھا مگر رابی ابھی تک اس کو تصور میں دیکھ رہی تھی۔ اس نے آج تک کسی نوجوان لڑکے کو اتنی توجہ اور دلچسپی سے نہیں دیکھا تھا۔ یا یوں کہنا چاہیے کہ ابھی تک یہ خیال ہی نہیں آیا تھا کہ کسی کو غور سے بھی دیکھنا چاہیے۔ ڈاکٹر مہر جان کی سختی، پابندیاں جو ہر وقت ذہن کو جکڑے رہتی تھیں۔ انہوں نے وہ مہلت ہی کب دی تھی کہ وہ کوئی حسین خواب سوچتی، کسی حسین تصور میں کھو کر اپنی تنہائی آباد کرتی۔

"یہ کون ہے......؟" البتہ اسے ایک تجسس لاحق ہوگیا۔ اس کا جی چاہا وہ جلدی سے نیچے جائے اور پتا کرے کہ یہ آنے والا لڑکا کون تھا۔ اس سے پیشتر کہ وہ قدم زینے کی طرف بڑھاتی، اسے فوراً خیال آیا کہ اس کا چہرہ اس قابل نہیں کہ وہ اچانک یا سوچ سمجھ کر کسی کے سامنے جا کھڑی ہو۔ اس خیال کے آتے ہی اس کے اٹھتے قدم رک گئے تھے۔ "یہ تو خیر کائناز ہی بتا سکتی ہے کہ یہ کون ہے لیکن کائناز نے آج تک اپنے کسی رشتے دار یا کزن کا کبھی ذکر نہیں کیا۔" وہ خواہ مخواہ الجھنے لگی۔

رابی کے اندر بے شمار سوال اٹھ رہے تھے۔ نہ جانے کیوں آنے والا اس کے دل پر ہلکی' ہلکی دستک دے رہا تھا یا شاید سہراب خان والے حادثے نے اس کو اتنا پیاسا کردیا تھا کہ وہ لاشعوری طور پر ادھر اُدھر پانی کی تلاش میں نظریں دوڑاتی رہتی تھی۔ جیسے کوئی صحرا کے سفر میں چھاگل گم کر بیٹھا ہو۔

"یہ کون ہے......؟" وہ ایک سوالیہ نشان کے شکنجے میں پھنسی اب نڈھال سے انداز میں بید کی کرسی پر گر سی گئی تھی...... ہاں سوچ کو ایک سمت ضرور مل گئی تھی ذہن اِدھر اُدھر دوڑنے کے بجائے ایک نقطے پر ٹھہر گیا تھا۔

"یہ کون ہے......؟"

☆☆☆

"بیٹا جلدی کرو، مجھے واپس بھی آنا ہے، بی بی جان کسی بھی وقت چھت پر چڑھ جاتی ہیں۔ کبھی سرونٹ کوارٹر کی طرف چلی جاتی ہیں۔ بہت پریشانی ہوجاتی ہے۔ پورے گھر میں ڈھونڈتی پھرتی ہوں۔" گل، روما کی ضروری چیزیں اکٹھی کرنے میں اس کی مدد کررہی تھی۔

"تو خالہ جانی آپ انہیں اسپتال میں ایڈمٹ کیوں نہیں کرا رہیں؟" روما نے زچ ہوکر کہا تھا۔

"تم اس معاملے میں مجھ سے کوئی بات مت کرو روما اور نہ ہی کوئی بحث...... میں سوچ رہی ہوں کہ مجھے کیا کرنا چاہیے۔" پھر اس کا سامان دیکھ کر بولی۔ "اُف اتنا سارا سامان؟ میرا مطلب ہے اتنے سارے کپڑے رکھنے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ برابر میں تو سمجھو گھر ہے، تمہیں جس چیز کی ضرورت ہو آکر لے جاؤ۔ میں تو تمہیں رابی کے ساتھ اس لیے رکھنا چاہتی ہوں کہ تاکہ تم دونوں بہنیں ایک چھت کے نیچے رہو...... اور دوسری بات یہ کہ بی بی جان وقت بے وقت شور کرنے لگتی ہیں۔ ان کی وجہ سے تمہاری پڑھائی کا ہرج نہ ہو...... امتحان سر پر کھڑے ہیں بیٹا...... وہ کائناز کہہ رہی تھی کہ اس کو کوئی ٹیوٹر پڑھانے آتا ہے۔"

"جی خالہ جانی...... وہ مجھے بھی کائناز نے ٹیوشن پڑھنے کے لیے کہا تھا مگر وہ اماں جان کا مسئلہ شروع ہوگیا تو پھر میں نے سوچا چھوڑو رہنے دوں۔" روما نے اٹکتے ہوئے کہا تھا۔

"نہیں بیٹا چھوڑو، رہنے دو اس طرح کی باتیں تمہارے ذہن میں نہیں آنی چاہیے۔ میں ہوں ناں تم اپنی ساری توجہ پڑھائی پر دو۔ ان دو ڈھائی مہینوں میں تمہارا بہت حرج ہوا ہے۔ تم اپنی یہ کمی دور کرنے کی کوشش کرو بیٹا...... یہی وقت ہے، اب پڑھ لیا تو سمجھو پڑھ لوگی ورنہ پھر بہت مشکل ہوجائے گی۔ مجھے دیکھو سب نے کتنا زور لگایا مگر میں بارہ سے آگے چل ہی نہیں سکی۔" گل جان اپنے خیال میں کھو کر بول رہی تھی۔ روما نے بیگ کی زپ بند کرتے ہوئے گل جان کی طرف دیکھا اور بے معنی سا مسکرائی۔

"خالہ جانی......! اماں جان نے اتنا سارا پڑھ کر کیا کرلیا۔ آپ بھی اگر بہت سا پڑھ لیتیں تو کیا ہوتا......؟" روما نے اب قدرے اداسی سے کہا تھا۔

"یہ بات نہیں ہے بیٹا اس لیے تھوڑی پڑھتے ہیں کہ ڈپٹی کمشنر لگ جائیں یا افسر لگ جائیں۔ پڑھائی لکھائی سے انسان کے ذہن پر بہت اچھا اثر پڑتا ہے۔ اس کو سوچنے، سمجھنے کا زیادہ شعور حاصل ہوتا ہے۔"

"زیادہ شعور سے کیا حاصل ہوتا ہے، یہی کہ آخر میں پاگل ہوجائیں۔" روما نے بیگ اٹھا کر اپنے کندھے پر لٹکایا۔ روما کی بات سن کر گل جان کے دل پر جیسے ایک قیامت سی بیت گئی تھی۔ اس نے جلدی سے اپنے تاثرات چھپاتے ہوئے زبردستی روما کی طرف مسکرا کر دیکھا اور بیگ لینے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔

"لاؤ یہ مجھے دے دو، میں نے کبھی تم سے بوجھ اٹھوایا ہے؟ بہت بھاری ہے۔"

WWW.PAKSOCIETY.COM

"رہنے دیں خالہ جانی میں اٹھالوں گی اور آپ کے مقابلے میں اب مجھ میں زیادہ طاقت ہے، میرا خیال ہے کہ سب کو اپنا، اپنا بوجھ خود ہی اٹھانا چاہیے۔"

چھوٹی سی روما نے بہت بڑی بات کہہ دی تھی۔ گل جان ہکا بکا سی ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگی تھی۔ اس سے پیشتر کہ وہ کچھ بولتی روما کمرے سے باہر چلی گئی تھی۔ کائناز کے پاس جانے کا سن کر اس کے چہرے پر گل جان کو وہ خوشی دکھائی نہیں دی تھی جس کی وہ امید کر رہی تھیں۔ شاید اس کی وجہ مہر جان تھیں، وہ کائناز سے محبت کرنا چاہتی تھی۔ اس کے ساتھ وقت گزارنا چاہتی تھی لیکن اپنی ماں کو کھو کر نہیں اپنی ماں کی رضا مندی اور خوشی کے ساتھ...... مہر جان کی حالت نے گویا روما سے اس کا الہڑ پن اور کم عمری کی بے ساختگی چھین لی تھی۔

☆☆☆

"سر میری دوست بس آنے ہی والی ہے، میں نے فون کر کے پتا کیا تھا۔ وہ بالکل تیار ہے اور ہاں آپ کو ایک بات بتا دوں، اب وہ ہمارے گھر ہی رہے گی۔ اس کی جو اماں جان ہیں ناں وہ بہت زیادہ بیمار ہو گئی ہیں۔"

کائناز بولے جا رہی تھی۔ برہان نوٹ بک اور قلم ہاتھ میں پکڑے اس کی طرف دیکھتا گیا۔ اس کے انداز میں بڑی بے بسی تھی...... اس پٹر پٹر زبان کو چلنے سے روکے تو کس طرح...... پھر گہری سانس لے کر وہ مسکرایا۔

"بڑی کمال کی دوست ہیں آپ کی۔ ماں بیمار ہیں اور وہ آپ کے پاس رکنے آ رہی ہیں۔ جب ماں بیمار ہوتی ہے تو اُن کی خدمت کرنی چاہیے، ہر وقت اُن کے پاس ہونا چاہیے۔" برہان کو کائناز کی باتوں کی سمجھ نہیں آئی تھی۔ اس لیے اس نے اپنا استادوں والا نصیحت کا پنڈورا بکس کھول دیا۔

"سر اصل میں آپ سمجھ نہیں سکتے کہ مسئلہ کیا ہے؟" کائناز سمجھاتے سمجھاتے خود الجھنے لگی۔

"آپ کی دوست جب آئیں گی تب آئیں گی آپ تو اپنا کام شروع کریں۔" برہان نے پھر ایک نظر اس پر دوڑائی...... اور چہرے پر سنجیدگی طاری کر کے اسے مخاطب کیا۔

"سر آپ اتنی زور سے نہ ڈانٹا کریں...... اب آپ اتنے بڑے بھی نہیں ہیں۔" کائناز، برہان کے ٹوکنے پر جیسے برا مان گئی۔ عیش آرام میں پلی ہوئی امیر زادی کی طرف برہان نے پھر بڑی بے بسی سے دیکھا۔ اسے سمجھ ہی نہیں آ رہی تھی کہ آخر وہ اس کی توجہ پڑھائی کی طرف کیسے مبذول کرائے...... کیسے فوکس کرے...... اتنی دیر سے وہ صرف اور صرف اپنی سہیلی کی باتیں کیے جا رہی تھی بلکہ اس کا انتظار بھی کر رہی تھی۔

"جو استاد ہوتا ہے ناں اس کی کوئی عمر نہیں ہوتی۔" برہان نے بڑا فلسفیانہ انداز اپنایا۔ کائناز نے حیران ہو کر برہان کی طرف دیکھا۔

"کیا مطلب سر استاد کی عمر نہیں ہوتی۔ عمر تو ایک دن کے بچے کی بھی ہوتی ہے بلکہ ایک گھنٹے کے بچے کی بھی ہوتی ہے۔"

"اور ایک سیکنڈ کے بچے کی بھی ہوتی ہے۔" برہان نے بے ساختگی سے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

"سیکنڈ کسی کی سیکنڈ کی بھی عمر ہوتی ہے کیا......؟" کائناز نے آنکھیں پھاڑ کر برہان کی طرف دیکھا۔

"جی سیکنڈوں سے ہی منٹ بنتے ہیں، منٹ سے گھنٹے...... گھنٹے سے دن اور دن سے ہفتے اور ہفتے سے مہینے۔" برہان ایک تواتر سے بولتا چلا گیا تو کائناز نے پین رکھ کر دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا۔

"او مائی گاڈ...... سر آپ ایسے لگتے تو نہیں تھے......"

"کیسا لگتا تھا؟" برہان نے پھر بڑی دلچسپی سے کائناز کی طرف دیکھا۔ جانے کیوں کائناز کی طرف

دیکھتے ہوئے اسے اس طرح کی جھجک نہیں تھی جو عموماً کسی جوان لڑکے کو جوان لڑکی کی طرف دیکھتے ہوئے لاشعوری طور پر محسوس ہوتی ہے۔ اسے تو کائناز سات آٹھ سال کی بچی سی محسوس ہوتی تھی۔ اپنی معصومیت اور بے ساختگی کی وجہ سے۔

"اچھا چلیں اب آپ اپنی پڑھائی شروع کریں۔ آپ مجھے آج کا اپنا لیکچر دکھائیے۔"

"سر وہ تو میں نے ٹھیک سے لکھا بھی نہیں...... وہ جو ہمارے کیمسٹری کے لیکچرار ہیں ناں اتنی اسپیڈ سے بولتے ہیں، اتنا تیز بولتے ہیں آپ سوچ بھی نہیں سکتے لیکن میں بھی سوچ رہی تھی کہ اب اُن کا لیکچر لکھنا نہیں چاہیے، ٹیپ ریکارڈر ساتھ لے کر جانا چاہیے یا موبائل اور ریکارڈ کر لینا چاہیے۔" کائناز نے پھر برجستہ انداز میں اپنے دل کی بات کہہ دی تھی۔

"محترمہ آپ اپنی لکھنے کی اسپیڈ بڑھائیے اور نت نئے طریقے سوچنے سے پرہیز کیجیے۔" برہان کی حالت عجیب سی ہو گئی۔ اسے یوں لگا کہ جیسے وہ چکر کھا کر بے ہوش ہو جائے گا۔

"سر میں آپ کو سچی، سچی بات بتاؤں؟" کائناز نے اپنی اس فطری بے ساختگی کے ساتھ برہان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"انسان کو سچ ہی بولنا چاہیے اور میں ہمیشہ آپ سے سچ کی امید رکھوں گا۔"

"ہمیشہ...... کیوں آپ ہمیشہ پڑھائیں گے مجھے؟"

"بس...... خدا نہ کرے......" برہان نے اس مرتبہ بڑی برجستگی کا مظاہرہ کیا تھا۔

کائناز ہونقوں کی طرح برہان کی طرف دیکھنے لگی۔

"اچھا اگر آپ نے آج کا لیکچر نہیں لکھا، کچھ پوائنٹس تو بنائے ہوں گے ناں، دیکھیے روز کا کام روز ہونا چاہیے۔ جو روز کالج میں پڑھیں گی وہ شام کو ریوائز ہوگا۔ اس کے بعد سوچا جائے گا کہ نیا کیا کرنا ہے۔"

"سر میں نے پوائنٹس تو نہیں بنائے۔ سوری...... اصل میں روما کالج نہیں گئی تھی۔ وہ ناں بہت تیز لکھتی ہے، اس کی اسپیڈ بہت اچھی ہے، روزانہ وہ لیکچر لکھتی ہے اور پھر میں بعد میں اس سے نوٹ کر لیتی ہوں۔" کائناز نے بالکل لگی لپٹی نہیں رکھی۔ صاف، صاف برہان کو بتا دیا۔

"شاباش بہت اچھی جا رہی ہیں آپ یعنی اپنی دوست پر تکیہ کیے بیٹھی ہوئی ہیں، اللہ ہی حافظ ہے آپ کا۔" اس لمحے کائناز کی نظر باہر کی طرف اٹھ گئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں بے پناہ خوشی کی کیفیت ظاہر ہوئی۔

برہان اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ کائناز کی طرف دیکھ کر اس کی نظروں کا تعاقب کیا تو اس کی نظر روما پر پڑی۔

"سر میری دوست آ گئی ہے، ایک منٹ میں اسے لے کر آتی ہوں۔ ہم دونوں آج سے اکٹھے پڑھا کریں گے۔" کائناز یہ کہہ کر اپنی جگہ سے اٹھی اور روما کو آوازیں دینا شروع کر دیں۔

"روما...... روما اِدھر آؤ، یہ بیگ وہیں رکھ دو، کوئی نہ کوئی اندر لے جائے گا بس تم اِدھر آ جاؤ۔ بس میں تمہارا ہی ویٹ کر رہی تھی۔ سر آ گئے ہیں، چلو پڑھنا شروع کر دو۔" برہان اپنی مسکراہٹ پر بہ مشکل قابو پا رہا تھا کیونکہ کائناز کا انداز ایسا تھا جیسے کھانے پر کسی کا انتظار ہو رہا ہو اور وہ آ جائے تو پھر فوراً ہی کھانا شروع ہو جائے۔ کائناز کی اس کھلی دعوت پر وہ چند لمحے کے لیے تو بوکھلا کر ہی رہ گئی کیونکہ وہ تو متضاد سوچوں میں گھری ہوئی کائناز کے گھر میں داخل ہوئی تھی۔ وہ تو تصور بھی نہیں کر سکتی تھی کہ اس وقت کائناز اپنے ٹیوٹر سے ڈرائنگ روم میں بیٹھی ہوئی پڑھ رہی ہوگی۔ اس کا خیال تھا کہ وہ اس کو کہیں سامنے ہی مل جائے گی اور مارے خوشی کے

WWW.PAKSOCIETY.COM

اس سے لپٹ جائے گی۔

”تم پڑھو کائناز، میں کل سے پڑھوں گی۔ ابھی میرا موڈ نہیں ہے۔“

”تمہارا موڈ ہو یا نہ ہو تمہیں میرے ساتھ تو بیٹھنا ہے، اچھا تم مت پڑھو مگر بیٹھو تو سہی......“

”نہیں، نہیں اس طرح بیٹھنا برا لگتا ہے۔“ روما نے مسلسل انکار کیا...... اور نظریں اٹھا کر ڈرائنگ روم کی طرف دیکھا۔ جہاں برہان بیٹھا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ ”یہ تو بہت چھوٹے سے سر ہیں، میں تو سمجھی تھی کہ......“

”تم کیا سمجھی تھیں؟“ کائناز نے روما کی بات کاٹ دی۔

روما کچھ بیان نہ کر سکی۔

”آؤ ناں......“

”نہیں، نہیں کائناز پلیز آج، مجھے فورس نہیں کرو، میں کل سے پڑھوں گی واقعی آج میرا بالکل موڈ نہیں ہے۔ کیوں نہیں ہے، وہ میں تمہیں بعد میں بتاؤں گی مگر میرا دل بالکل بھی نہیں چاہ رہا۔ پلیز کائناز آج تم پڑھ لو، ٹھیک ہے ناں؟“ کائناز نے اس کا منت سماجت کا انداز دیکھا تو جیسے پگھل گئی۔ روما اس کی منت کرے اور وہ نظر انداز کر دے، یہ تو ممکن ہی نہیں تھا۔

”اچھا ٹھیک ہے پھر تم جاؤ ریسٹ کرو یا رابی آپا کے پاس جا کر بیٹھ جاؤ، میں ایک گھنٹے تک تو پڑھتی ہوں ناں ایک گھنٹا تو لگے گا حالانکہ تمہارے آنے کے بعد سچی بات ہے میرا ابھی دل نہیں چاہ رہا کہ میں پڑھوں...... پر کیا کروں سر بیچارے اتنی دور سے پڑھانے کے لیے آئے ہیں پھر دادا جان سے شکایت ہوگی تو دادا ہرٹ ہوں گے۔ تمہیں پتا ہے ناں میں دادا جان کو ہرٹ نہیں کر سکتی۔“

”ہاں...... ہاں ٹھیک ہے تم پڑھو ناں میں تمہارے کمرے میں تمہارا انتظار کر رہی ہوں۔ تھوڑا ریسٹ بھی کروں گی۔ پتا نہیں کیوں تمہارے گھر میں مجھے آتے ہی نیند سی آنے لگی ہے، شاید بہت دنوں کے بعد کچھ سکون محسوس ہو رہا ہے۔“ روما نے بھی بڑی سچائی سے دلی جذبات بیان کر دیے تھے۔

”دیکھو اللہ تعالیٰ نے میری دعا قبول کر لی۔ میں تو ہر وقت دعا مانگتی تھی کہ اللہ تعالیٰ کوئی ایسا راستہ نکال دے کہ ہم دونوں زیادہ سے زیادہ وقت ساتھ رہا کریں بلکہ میں اتنا خوش ہوں اس وقت، اتنا خوش کہ بتا نہیں سکتی۔ ”اچھا تم ریسٹ کرو، میں ابھی آتی ہوں تمہارے پاس۔“ یہ کہہ کر کائناز دوبارہ ڈرائنگ روم کی طرف بڑھ گئی۔ جہاں برہان بڑی کوفت کے عالم میں اس کا انتظار کر رہا تھا۔

روما، کائناز کے کمرے کی طرف چلی گئی اور کائناز، برہان کے سامنے آ کر بیٹھ گئی۔

”آئی ایم سوری سر......! ایکچوئیلی اب روما بھی ہمارے گھر ہی رہا کرے گی اور میں اسے کہہ رہی تھی کہ وہ آ گئی ہے تو جلدی سے پڑھنا شروع کر دے مگر وہ شاید بہت تھکی ہوئی ہے۔ اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے ناں رات کو جاگتی رہی ہوگی، وہ کل سے پڑھ لے گی سر...... سر آپ دو کو پڑھائیں گے آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں ہے؟“ کائناز کو بولتے بولتے اچانک بڑے کام کی بات یاد آئی بلکہ کوئی انجانی سی فکر دامن گیر ہوئی۔

”آپ اپنی دس سہیلیوں کو یہاں لا کر بٹھا دیں، میں دس کی دس کو پڑھا سکتا ہوں، مجھے کوئی مسئلہ نہیں ہے، کوئی میٹر نہیں ہے آپ ریلیکس رہیں۔“

برہان نے جیسے تنگ آ کر کائناز کو جواب دیا تھا بلکہ ایک انداز میں اچھی خاصی جھاڑ پلا دی تھی۔ کائناز فوراً ہی دبک کر بیٹھ گئی تھی۔

☆☆☆

ستارہ نے وارث علی کے جانے کے بعد سے لے کر شام تک گھر کا کونا کونا، چپّا، چپّا دیکھ لیا تھا۔ ڈبل اسٹوری اس بڑے سے بنگلے میں کیا کچھ نہیں تھا۔ دنیا کی ہر نعمت ایسے، ایسے ڈیکوریشن پیسز جو اس نے مہنگے، مہنگے فیشن میگزین میں ہی دیکھے تھے۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ اس کا اپنا گھر ہے، اتنا پُرشکوہ، عالیشان، بنگلا اس کا تھا۔ ایک لمحے کے لیے باپ کا چہرہ نظروں کے سامنے گھوم گیا۔ دل کو کچھ ہونے لگا جیسے باپ کے لیے اندر سے نرم سے جذبات ابلنا شروع ہو گئے ہوں مگر فوراً ہی جابر علی کا خشک اور بے رحمی کا مظہر چہرہ نظروں کے سامنے گھومنے لگا۔ وارث علی جس کی مونچھیں تک خضاب آلود تھیں، وہ اپنے آپ سے جیسے الجھنے لگی۔ ایک طرف عالیشان بنگلا تھا، جس کی وہ اب باسی تھی اور دوسری طرف اس بنگلے کا مالک...... جو دنیا کی نظر میں اب اس کا شوہر تھا جس نے جابر علی کے گھر میں شب خون مارا تھا۔ موقع پرستی کا عظیم الشان مظاہرہ کیا تھا۔ جس نے شاید جابر علی کو دیکھتے ہی اندازہ کر لیا تھا کہ وہ اس کے گھر کا سب سے قیمتی سامان بہت آسانی سے حاصل کر سکتا ہے جو چور تو نہیں تھا البتہ لٹیرا تو تھا ہی اس نے اس لٹیرے کو ماں کی خاطر قبول کر لیا تھا لیکن ایسے ہی جیسے اپنے جسم کو زہر سے بچانے کے لیے اپنا کوئی عضو قربان کر دیتے ہیں، اس وقت اسے یوں لگا جیسے کال بیل بجی ہو، وہ بھاگتی ہوئی بالکونی پر یہ دیکھنے کے لیے آئی کہ وارث علی کے گھر میں اس وقت کون آ سکتا ہے کیونکہ وارث علی نے تو اس کو فون کر کے بتا دیا تھا کہ وہ رات دس بجے سے پہلے گھر نہیں آ سکے گا۔ یہی تجسس اسے بالکونی سے جھانکنے پر مجبور کر رہا تھا لیکن مین گیٹ پر نظر پڑتے ہی جیسے اسے چکر سے آنے لگے...... مین گیٹ پر تو اس کا اپنا باپ جابر علی کھڑا ہوا گارڈ سے باتیں کر رہا تھا...... ستارہ چند لمحے باپ کی طرف دیکھتی رہی، سینے میں درد کی ایک ایسی لہر اٹھی جس نے اسے سر سے پاؤں تک مفلوج سا کر دیا۔ اس کے اندر زبردست انکار کی ہوائیں چلنے لگیں۔

”نہیں، نہیں میں...... میں ابا جان سے نہیں ملوں گی۔ انہوں نے نہ بیوی کی سنی نہ میری...... جیسے اپنے گھر کا پرانا سامان بروکر کے حوالے کر دیتے ہیں اونے پونے اور اس کے بعد ایک گہرا سکون محسوس کرتے ہیں کہ گھر صاف ہو گیا۔“ باپ کے پاس سکون تھا تو اس کے پاس قیامت تک کی بے سکونی...... وہ بالکونی سے ہٹ کر واپس اپنے کمرے میں چلی آئی۔ اسے پتا تھا کہ ملازم آ کر اسے اس کے باپ کے آنے کی اطلاع دے گا اور وہی ہوا۔ چند لمحے بعد اس کے بیڈ روم کے دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔

”کون ہے......؟“ ستارہ نے انجان بن کر بڑے خشک لہجے میں پوچھا تھا۔

”بیگم صاحبہ...... انسپکٹر جابر علی آئے ہیں، کہہ رہے ہیں کہ وہ آپ کے والد صاحب ہیں۔“ ستارہ کے دل سے ایک ہوک سی اٹھی۔

”کمال ہو گیا تھا، بیگم صاحبہ کا باپ گھر آیا تھا اور بیگم صاحبہ کے نوکر یہ نہیں جانتے تھے کہ وہ بیگم صاحبہ کا باپ ہے، واہ سبحان اللہ۔“ زندگی ایک تماشا ہی بن کر رہ گئی ہے، ایک زہر خند اس کے ہونٹوں پر نمایاں ہوئی۔

”اچھا تم انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھاؤ اور چائے وغیرہ دو، تھوڑی دیر بعد میرے پاس آنا۔“ ستارہ نے چند لمحوں کے لیے کچھ سوچا پھر بولی۔ ملازم چلا گیا۔ ستارہ نے اِدھر اُدھر نظریں دوڑائیں، اسے قریب ہی ٹیلی فون ڈائریکٹری کے پاس رکھا پیڈ اور ساتھ ہی بال پوائنٹ نظر آ گیا۔ وہ قریب آئی۔ رف پیڈ کے سادے صفحے پر وہ...... کھڑے کھڑے کچھ لکھ رہی تھی۔ لکھتے ہوئے اس کے وجود پر جیسے لرزش طاری تھی۔ جانے کیوں دل بھر آ رہا تھا۔ وہ بھی اپنے باپ کی طرح خاصی سخت دل تھی پھر آج اس دل کو کیا ہو رہا تھا۔ اس نے بڑی عجلت کے انداز میں لکھنا شروع کیا وہ لکھ رہی تھی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

''محترم ابا جان......!

آخری بار آپ کو ابا جان کہہ رہی ہوں، اس لیے کہ آج کے بعد آپ کی اور میری کبھی بات نہیں ہوگی، نہ بات ہوگی نہ ملاقات، میں نے اپنی مظلوم ماں کی عزت کی خاطر آپ کا حکم مان لیا، آپ یہ سمجھ لیں اس گھر سے میری میت اٹھی تھی۔ آپ مجھے رو چکے...... مجھ پر مٹی ڈال کر فاتحہ پڑھ لی۔ قیامت تک کے لیے خدا حافظ......''

اتنا لکھ کر وہ گرنے کے انداز میں بیٹھ گئی۔ رف پیڈ اس کے ہاتھ میں تھا۔ اس نے چند لمحے سوچا اور وہ صفحہ جس میں باپ کے نام خط لکھا تھا۔ الگ کرلیا۔ چند لمحے اپنی لکھی ہوئی سطریں بار بار پڑھتی رہی پھر اس نے اس خط کو بند کیا اور انٹر کام کا بٹن پش کر کے ملازم کے آنے کا انتظار کرنے لگی۔

چند لمحے بعد ہی دروازے پر دستک ہوئی۔ ابھی تک اس گھر میں اس نے وارث علی کے پانچ ملازمین کو دیکھا تھا۔ جن میں سے ایک گارڈ اور مالی کے علاوہ تین گھر کے اندر کام کرتے ہوئے دکھائی دیتے تھے۔ ان ہی میں سے یہ لڑکا نعیم تھا، جو بہت کم عمر تھا اور ہر وقت صفائی ستھرائی اور جھاڑ پونچھ میں مصروف دکھائی دیتا تھا۔

''جی بیگم صاحبہ......'' نعیم کی آواز پس در سنائی دی۔

ستارہ اپنی جگہ سے اٹھی۔ دروازہ کھولا اور نعیم کی طرف دیکھنے سے گریز کرتے ہوئے صرف اتنا کہا۔

''یہ جو مہمان ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہیں......'' نعیم نے الجھی الجھی حیرت زدہ نظریں اس کے چہرے پر جمادیں۔

''بیگم صاحبہ وہ تو آپ کے والد صاحب ہیں ناں؟''

''ہاں، ہاں انہی کی بات کررہی ہوں، میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے، یہ ان کو دے دو، سن لیا ناں؟ اور اب میرے پاس کوئی نہ آئے، میں آرام کررہی ہوں۔'' خط نعیم کے ہاتھ میں تھما کر اس نے دروازہ بند کردیا تھا اور بستر میں بیٹھنے یا لیٹنے کے بجائے وہیں دروازے سے پشت ٹکا کر آنکھیں بند کرلی تھیں۔ کچھ نہ سہی رشتہ تو خون کا تھا۔ حقیقت تو ہوتی ہی بے رحم ہے اور یہ بھی ایک بے رحم حقیقت تھی کہ جابر علی اس کا باپ تھا۔ اس کے وجود کی گواہی...... اس کے وجود کا اعتبار...... معاشرے میں اس کی عزت کا باعث اس کی انا اور بھرم کو سہارا دیتی ہوئی خود سے اونچی دیوار، اس کا وقار اس کی آبرو...... اور دنیا کی نظر میں اس کی مضبوط شناخت...... آج اس نے اس سچائی کو ماننے سے انکار نہیں کیا تھا گویا اپنے وجود سے انکار کردیا تھا۔

☆☆☆

جابر علی، ستارہ کے ڈرائنگ روم میں دم بخود بیٹھا اس خط کی طرف دیکھ رہا تھا جو چند لمحے قبل وارث علی کے ملازم نے اس کے ہاتھ میں تھمایا تھا۔ اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔ وہ اولاد جس کی اونچی آواز کا وہ تصور بھی نہیں کرسکتا تھا۔ جس کی زبان سے نکلنے والا انکار اس کے لیے دنیا کی سب سے بڑی گالی تھی۔ آج اس اولاد نے کتنے حوصلے، کتنے اعتماد سے اور کتنے فیصلہ کن ہو کر اس سے علیحدگی کا اعلان کردیا تھا۔ ایک قیامت سی برپا ہوگئی تھی۔ اس کی پیشانی سے پسینہ پھوٹنے لگا، یوں جیسے چولھے پر رکھی ہانڈی پر ڈھکن بھاپ کے زور سے ہلنے لگتا ہے اور جو کچھ ہانڈی میں ہوتا ہے وہ ہانڈی سے باہر آنے لگتا ہے، بعض اوقات اتنا زیادہ چولھے پر گر جاتا ہے کہ آگ ہی بجھ جاتی ہے، وہ جیب سے رومال نکال کر پیشانی پر آیا ہوا پسینہ متواتر پونچھ رہا تھا۔

ستارہ نے وارث علی کے گھر میں اس کو اتنی اذیت اور احساسِ ذلت سے دوچار کیا تھا کہ جی چاہ رہا تھا کہ ہولسٹر

سے ریوالور نکال کر اپنی کنپٹی پر رکھے اور ٹریگر دبا دے۔ اس کمالِ ضبط کا ذائقہ اس نے زندگی میں پہلی بار چکھا تھا۔

☆☆☆

روما آنسو پیتے ہوئے رابی کو ڈاکٹر مہر جان کے بارے میں بتارہی تھی۔

''پتا ہے کیا...... اماں جانی بہت عجیب سی ہوگئی ہیں، اتنی سی بات بار بار دُہراتی رہتی ہیں، بار بار خالہ جانی سے پوچھتی ہیں، یہ لڑکی کون ہے۔'' روما کہہ رہی تھی اور رابی اس کی طرف ایک ٹک دیکھے جارہی تھی۔ بولتے بولتے روما کی آواز آنسوؤں میں ڈوب گئی تھی۔ رابی کا جی چاہا کہ ایک دم ہاتھ بڑھا کر روما کو اپنے گلے سے لگالے مگر نہ جانے کیوں اس نے اپنے آپ کو روک لیا...... شاید وہ دیکھنا چاہتی تھی کہ وہ دل کی سختی میں کہاں تک جاسکتی ہے، نرم دلی کے ساتھ زندگی نے اسے کیا دیا تھا۔ شاید اب وہ دل کو سخت کر کے زندگی کا نیا رخ دیکھنا چاہتی تھی۔ شعوری طور پر یا لاشعوری طور پر......

''اچھا اس طرح سے امی جان پوچھتی ہیں کہ یہ لڑکی کون ہے، حیرت ہے کہ اپنی اولاد کو بھول گئیں؟'' رابی نے بڑے عجیب اور قدرے تمسخرانہ انداز میں کہا تھا۔

''ہاں آپا...... آپ یقین کریں مجھے تو ساری رات نیند نہیں آئی۔ آپ خود سوچیں جب ماں اپنی اولاد کو نہ پہچان رہی ہو...... تو اولاد کیا کرے گی۔ ٹھیک ہے اماں جان بہت سخت تھیں، سختی کرتی تھیں، روک ٹوک کرتی تھیں لیکن بہرحال وہ ہماری ماں تو ہیں ناں۔''

''صرف تمہاری ماں......'' رابی نے تیزی سے روما کی بات کاٹ دی تھی۔

روما، رابی کی طرف یوں دیکھنے لگی جیسے رابی کی منت کررہی ہو کہ وہ اس طرح نہ سوچے۔

''چلو اچھا ہوا تم بھی یہاں آگئیں۔ دیکھتے ہیں بلکہ آزماتے ہیں کہ کائناز کے دادا جان ہمیں کتنے دن برداشت کرسکتے ہیں......''

''دادا جان تو بہت اچھے ہیں، آپا وہ سب سے بہت پیار کرتے ہیں۔''

''وہی تو میں کہہ رہی ہوں۔'' رابی نے پھر روما کی بات کاٹ کر کہا۔

''دیکھتے ہیں ناں وہ کتنے اچھے ہیں، تھوڑی دیر کے لیے تو سب اچھے بن جاتے ہیں، دو چار دن کے لیے اچھا بننا کوئی اتنا بڑا کام نہیں ہے۔'' رابی مزید گویا ہوئی۔

''آپا آپ کو غصہ تو آئے گا مگر سچی بات یہ ہے کہ آپ بہت شکی ہوگئی ہیں۔ ہر وقت ہر کسی پر شک کرتی ہیں۔''

''ہاں کیوں نہ کروں، میرے ہاتھ میں ہے کیا...... میرے پاس ہے کیا...... آگے پیچھے، دائیں بائیں، چاروں طرف سے خالی ہوں، اب تو کسی رشتے کا بوجھ ہی محسوس نہیں ہوتا۔ جتنی ہلکی پھلکی ہوگئی ہوں، اتنے ہی زیادہ زمین میں پاؤں گڑ گئے ہیں۔ سمجھ نہیں آتی کہ کدھر جاؤں۔''

اسی وقت کائناز ہاتھ میں کافی اور اسنیکس سے بھری ٹرے لیے اندر داخل ہوئی تھی۔

''تم یہاں بیٹھی ہوئی ہو۔'' وہ آتے ہی روما سے مخاطب ہوئی۔ ''میں تمہیں اِدھر اُدھر سب جگہ تلاش کرچکی۔ یہ لیجیے آپا آپ کے لیے کافی ہے اور یہ بڑے ہی مزے کے نگٹس وغیرہ لائی ہوں، دادا جان کہہ رہے تھے کہ آپ نے دوپہر کو صبح سے کھانا نہیں کھایا تھا۔ صرف تھوڑا سا کھایا تھا۔ رات کے کھانے میں کچھ وقت ہے، اس لیے میں آپ کے لیے یہ کافی اور اسنیکس لے آئی۔'' کائناز اپنے اسی بے ساختہ اور معصومانہ انداز میں رابی سے مخاطب تھی اس بات سے قطع نظر کہ اس کے آنے سے پہلے وہ دونوں بہنیں کیا باتیں کررہی تھیں اور کس قسم

WWW.PAKSOCIETY.COM

کے احساسات سے لڑ رہی تھیں۔

''تھینک یو!'' رابی نے ٹرے کائناز کے ہاتھ سے لے لی۔ ''تم کب تک میرا اتنا خیال رکھ سکتی ہو؟'' رابی کے منہ سے یونہی نکل گیا تھا۔ کائناز کھلکھلا کر ہنس دی۔

''آپا آپ فکر نہ کریں اگر میں قیامت تک زندہ رہی تو قیامت تک آپ کو کافی بنا کر پلاتی رہوں گی۔ کافی بنانے میں کوئی زیادہ محنت تو نہیں لگتی۔'' کائناز کے انداز میں اتنی بے ساختگی تھی کہ رابی کے منہ پر خود بخود مسکراہٹ در آئی۔

کائناز دونوں کے درمیان کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی اور اس کا ہاتھ تھام کر رابی سے مخاطب ہوئی۔

''آپا اب آپ روما کی طرف سے تو بالکل بھی فکر مند مت ہوئیے گا، یہ میرے ساتھ کالج جائے گی اور میرے ٹیوٹر سے ٹیوشن بھی لے گی۔''

رابی کی نظروں میں ایک دم اس آنے والے نوجوان کا چہرہ گھوم گیا جس کے لیے اس کے ذہن میں ابھی تک سوال ابھر رہے تھے کہ وہ آنے والا کون تھا۔ کائناز کی بات سن کر اس نے ایک گہری سانس کھینچی، گویا خود بخود سمجھ گئی تھی۔

''اچھا تو وہ تمہارے ٹیوٹر تھے......'' کائناز اور روما رابی کی طرف حیران ہو کر دیکھنے لگیں۔

''آپ نے انہیں دیکھا تھا؟'' کائناز فوراً بولی۔ ''روما بھی رابی کے چہرے کے تاثرات دیکھنے لگی۔

''ہاں، ہاں وہ میں بالکونی میں کھڑی ہوئی تھی تو میں نے دیکھا تھا، وہ کسی کے ساتھ بائیک پر آئے تھے۔ یقیناً تمہارے ٹیوٹر ہی تھے۔ میں تم سے پوچھنے ہی والی تھی کہ تمہارے گھر میں یہ کون گیسٹ آئے تھے۔'' رابی کی بات سن کر کائناز کھلکھلا کر ہنس دی۔

''آپا ہمارے گھر میں سالوں میں کہیں کوئی گیسٹ آتے ہیں، اس لیے کہ ہمارے تقریباً سارے رشتے دار uk میں ہوتے ہیں یا آئرلینڈ میں مگر وہ بھی اتنے قریبی نہیں ہیں اور دادا جان کے جتنے بھی بلڈ ریلیشنز ہیں ناں وہ سب دور ہیں۔ دادا جان تو پاکستان اکیلے آئے تھے بقول ان کے میں نے تو سب کا ہاتھ پکڑ، پکڑ کر کھینچا تھا کہ بری بات ہے دوسروں کے ملک میں نہیں رہتے چلو اپنے گھر چلتے ہیں، اپنے ملک میں چلتے ہیں مگر دادا جان کی کسی نے سنی ہی نہیں۔'' کائناز کے انداز میں اس کی فطری بے ساختگی بہت نمایاں تھی۔

روما کے ساتھ ساتھ رابی بھی لطف اندوز ہوئے بغیر نہیں رہ سکی۔

''وہ ہمارے ٹیوٹر ہیں برہان ویسے آپ مائنڈ نہ کریں تو آپ خود بھی ان سے پڑھ سکتی ہیں۔ آپ اپنی اسٹڈیز continue کریں، اب تو کوئی مسئلہ ہی نہیں۔''

''مسئلہ تو پہلے بھی نہیں تھا۔ ڈاکٹر صاحبہ نے پڑھنے سے تو منع نہیں کیا تھا۔'' رابی کے لہجے میں خود بخود ایک تلخی سی اتر آئی۔

''ڈاکٹر صاحبہ......!'' روما نے ایک گہری سانس لے کر رابی کی طرف دیکھا جیسے خود جتا رہی ہو مگر اس نے اپنے خیالات کو الفاظ دینے سے گریز کیا۔

''ہاں ناں آپا آپ بھی پڑھ سکتی ہیں، میرا مطلب یہ ہے کہ آپ کا جو لاس ہوا ہے آپ ٹیوشن لے کر وہ کمی دور کر سکتی ہیں۔''

''برہان......اوہ......'' رابی کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ ''اچھا تو تمہارے ٹیوٹر کا نام برہان ہے۔'' رابی

کی آنکھوں میں اس طرح کے تاثرات تھے جو کائناز اور روما کبھی نہیں جان سکتی تھیں، سمجھ سکتی تھیں۔

''اچھا ہے ناں رابی آپا، بڑا اچھا نام کیوٹ سا ننھا منا سا میرے نام کی طرح نہیں جو زمین سے لے کر آسمان تک پھیلا ہے کائناز......'' وہ پھر کھلکھلا کر ہنس دی۔ ایسے جیسے اسے تو ہنسنے کا کوئی بہانہ چاہیے تھا کہ روما اب دم دم اس کے ساتھ تھی۔

''ویسے میں اس شکل کے ساتھ تمہارے سر سے ٹیوشن نہیں لے سکتی۔ تمہارے سر ڈر کے مارے اس گھر سے ہی بھاگ جائیں گے۔'' رابی اس طرح سے خود پر ہنسی جیسے عموماً وہ لوگ خود پر ہنسنے کے عادی ہو جاتے ہیں، جنہیں دوسروں پر ہنسنے کا موقع نہیں ملتا۔ اس نے اپنے چہرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا۔

''ارے نہیں، نہیں آپ کیوں پریشان ہوتی ہیں۔'' کائناز جلدی سے بولی۔ ''دادا جان نے آپ سے کہا ہے ناں آپ کی پلاسٹک سرجری ہو جائے گی تو آپ پہلے سے زیادہ خوب صورت ہو جائیں گی جو آپ کو دیکھے گا تو دیکھتا ہی رہ جائے گا۔'' کائناز کے منہ سے بے ساختہ یہ الفاظ نکلے تھے۔

''ہاں آپا، کائناز بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے، دادا جان بہت سیریس ہیں، انہوں نے خالہ جانی سے کہہ دیا ہے کہ وہ آپ کو لے کر کسی سرجن سے ملوانے لے جائیں گے۔ ہاں مجھ سے بھی کہہ رہے تھے اس کام میں دیر نہیں لگاؤں گا۔ اس لیے کہ میں چاہتا ہوں کہ رابی جلد از جلد ہنستی مسکراتی نظر آئے۔ آپا آپ پہلے سے زیادہ خوب صورت ہو کر مغرور تو نہیں ہو جائیں گی۔'' کائناز جو کھلکھلا کر ہنسی تو رابی نے ایک گہری سانس لی اور کھوئی کھوئی نظروں سے کائناز کی مسکراتی ہوئی آنکھوں کی طرف دیکھا......اور بے معنی سے انداز میں گویا ہوئی۔

''میں نے تو سنا ہے کہ بہت زیادہ خوب صورت عورتیں بہت بدنصیب ہوتی ہیں۔''

PACC
PAKISTAN AMERICAN CULTURAL CENTER
ADMISSIONS OPEN
ONE YEAR DIPLOMA IN
• TEXTILE DESIGNING
• FASHION DESIGNING
• INTERIOR DESIGNING
PROFESSIONAL SHORT COURSES
• TEXTILE DESIGNING
• FASHION DESIGNING
• INTERIOR DESIGNING
• SKETCHING
• SELF-GROOMING
• BEAUTICIAN COURSE
• MUSIC • GUITAR • YOGA
For details contact:
11 - Fatima Jinnah Road, Karachi
Ph: 3521-5305, 3521-2918 Ext. 119
Email: culture@pacc.edu.pk,
Web: www.pacc.edu.pk

WWW.PAKSOCIETY.COM

"یہ کیا بات ہوئی؟" روما نے حیرت اور الجھن کے ساتھ رابی کی طرف دیکھا۔

"یہ بات بہت غور کرنے والی ہے روما کہ آخر بہت زیادہ حسین عورتیں اتنی بدنصیب کیوں ہوتی ہیں؟ شاید اس لیے کہ ان پر کوئی بھروسا نہیں کرتا، ہر کوئی اُن کی چاہ میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ جس کے ساتھ بھی یہ ہوتی ہیں، اس کو جکڑ کر رکھ دیتی ہیں۔ ایک خوف میں مبتلا کر دیتی ہیں۔ کوئی بھی اُن کو دل سے نہیں چاہتا کیونکہ سب اُن پر مرتے ہیں مگر دل سے کوئی نہیں مرتا...... ہر کوئی یہی سوچتا ہے کہ اس کے تو پتا نہیں کتنے چاہنے والے ہوں گے۔ چاہے اس بے چاری کو ایک بھی پیار کرنے والا نہ ملا ہو۔ ظاہری پیار ہو، دل میں خلوص نہ ہو تو کیا فائدہ......؟"

رابی ایک ہی سانس میں بولتی چلی گئی۔ وہ دونوں ہکا بکا اس کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

"آپا یہ آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں؟ بڑی عجیب باتیں کر رہی ہیں، آپا یہ باتیں آپ کو کس نے سکھائیں؟ آپ کو کس نے بتایا یہ سب کچھ؟" روما تو سہم کر رہ گئی تھی۔

"ہاں آپا، آپ زیادہ ٹینس نہ ہوں، سب خوب صورت عورتوں کے ساتھ ایسا نہیں ہوتا ہوگا۔ پتا نہیں آپ کو کس نے یہ سب کہہ دیا۔" کائناز بھی بولی تھی۔

"کون کہتا مجھ سے یہ سب کچھ...... ڈاکٹر صاحبہ کے کچھ اقوالِ زریں میری یادداشت میں محفوظ ہیں، ان میں سے ایک یہ بھی تھا جو میں نے تم کو سبق کی طرح سنا دیا۔ ڈاکٹر صاحبہ کہتی ہیں کہ خوب صورت عورتیں بہت بدنصیب ہوتی ہیں، بہت تنہا ہوتی ہیں۔"

"اماں جان نے یہ کہا تھا؟" روما کو یقین نہ آیا۔

"تم تو بس رہنے دو، تمہیں تو اب تک سوائے حیران ہونے کے اور کام نہیں آیا۔"

"آپا آپ جلدی سے کافی پینا شروع کر دیں ٹھنڈی ہو رہی ہے۔" کائناز نے جلدی سے کہا۔ اسے اندیشہ لاحق ہو رہا تھا کہ کہیں رابی، روما پر نہ چڑھ دوڑے، اس نے آگے بڑھ کر لپک کر کافی کا مگ اٹھایا اور زبردستی کے انداز میں رابی کے ہاتھوں میں تھما دیا۔

"لو بات کیا ہو رہی تھی کہاں سے کہاں چلی گئی تو پھر آپ سوچ لیں آپ بھی ہم دونوں کے ساتھ برہان سر سے پڑھیں گی۔"

"میں نے آج تک ٹیوشن نہیں لی، مجھے کبھی ضرورت ہی نہیں پڑی۔ مجھے تو یہ سمجھ نہیں آ رہی کہ تمہیں کیا ضرورت پیش آ گئی؟ تمہاری پروگریس تو ہمیشہ اے ون رہی ہے۔" رابی کو جیسے کچھ ہضم نہیں ہو رہا تھا۔

"آپا باقی تو سب ٹھیک ہے، اصل میں مجھے میتھ بہت تنگ کر رہا ہے، نہیں سمجھ آتا کہ مجھے اور یہ جو سر ہیں ناں وہ میتھ کے ایکسپرٹ ہیں جو مجھے کالج میں پڑھایا جا رہا تھا ناں وہ مجھے ذرا سا بھی سمجھ نہیں آتا تھا۔ سر سے میں نے دو تین دفعہ جب سے پڑھا ہے آپ یقین کریں مجھے سب کچھ سمجھ آ گیا ہے، میرا مطلب یہ ہے کہ پڑھانے کا انداز بالکل الگ ہوتا ہے، اس سے یہ پتا چلتا ہے کہ پڑھانا بھی ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔ چاہے آپ اسکالرشپ لے چکے ہوں چاہے آپ کتنے ہی علامہ ہوں، کسی کو کونس کرنا بہت بڑا آرٹ ہے۔ میں تو برہان سر سے بہت impressed ہوں، انہوں نے تو آدھے گھنٹے میں مجھے وہ سب کچھ سمجھا دیا جو ایک مہینے سے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ تبھی تو میں نے روما کو بھی کہا کہ تم بھی پڑھو۔ فزکس، کیمسٹری کا تو مجھے کوئی ایشو نہیں تھا سارا مسئلہ تو میتھ کا تھا۔ شکر ہے کہ وہ بھی solve ہو گیا ہے اب تو مجھے لگ رہا ہے کہ میں بھی الیکٹریکل انجینئر بن ہی جاؤں گی۔ تھینک گاڈ کہ مجھے اتنا اچھا ٹیوٹر مل گیا۔" کائناز بولے چلی جا رہی تھی۔ اس

WWW.PAKSOCIETY.COM

بات سے قطع نظر کہ وہ اپنے ٹیوٹر کی تعریفوں میں سر سے پاؤں تک ڈوبی ہوئی ہے اور رابی کے سامنے برہان جیسے مجسمہ بنا کھڑا ہوا تھا۔ اسے شاید اندازہ نہیں تھا کہ سات پردے میں رہنے کی وجہ سے اس کے خوابوں کا شہزادہ بھی اس کی تلاش میں اِدھر اُدھر بھٹک رہا تھا جو آج اتفاق سے اس کے سامنے آہی گیا تھا۔

☆☆☆

''میری سمجھ میں ایک بات نہیں آئی کہ شادی کیا چھپانے والی بات ہوتی ہے؟ صاف لگ رہا تھا کہ ستارہ سچ بول رہی تھی لیکن اس کی ماں چھپا رہی ہے۔'' شائستہ بیگم، فائزہ کے ساتھ لاؤنج میں بیٹھی جان بوجھ کر احمر کے سامنے شبینہ کی شادی کا موضوع چھیڑ رہی تھیں کیونکہ بہر حال وہ ماں تھیں، وہ اپنے بچوں کو بہت اچھی طرح جانتی اور سمجھتی تھیں۔ وہ دیکھتی تھیں کہ شبینہ کے ذکر پر احمر کے تاثرات ایک دم بدل جاتے ہیں، فائزہ اسے وہاں جانے کے لیے کہتی تو ایک منٹ میں تیار ہو کر سامنے آجاتا۔ وہ اتنی بے وقوف نہیں تھیں کہ ہوا میں اُڑتا ہوا تیر... پکڑ لیتیں اور اپنی طرف سے بات چیت شروع کر کے بیٹے کی نظروں میں خود کو گراتیں، شبینہ کے گھر سے واپس آتے، آتے اُن کے سر سے جیسے منوں بوجھ اتر گیا تھا اگرچہ صابرہ نے ستارہ کی بات کو ہوا میں اُڑانے کی کوشش کی تھی لیکن انہوں نے پکڑ لی تھی اور اس وقت وہ احمر کے سامنے اسی لیے بات کر رہی تھیں تا کہ وہ اگر کچھ سوچ بیٹھا ہے تو نئے سرے سے غور وخوض شروع کر دے کیونکہ احمر ان کا اکلوتا بیٹا تھا۔ جس کے لیے اب تک وہ بہت ساری لڑکیاں دیکھ چکی تھیں۔ حالانکہ ابھی اس کی شادی کا کوئی منصوبہ تھا نہ کوئی پروگرام لیکن بیٹے کی ماں تو شاید بیٹے کی پیدائش سے ہی بہو تلاش کرنی شروع کر دیتی ہے۔

ماں کی بات سن کر احمر اپنی جگہ جیسے دم بخود سا بیٹھا تھا بلکہ سناٹے میں رہ گیا تھا۔ اس نے بڑی بے اختیاری کی سی کیفیت میں فائزہ کی طرف دیکھا تھا۔ فائزہ اور اس کے درمیان آج تک کبھی کوئی ایسی بات نہیں ہوئی تھی۔ جس سے فائزہ کو یہ اندازہ ہوتا کہ اس کا بھائی کسی میں دلچسپی لیتا ہے۔

''امی ایسی بات نہیں ہے اگر شبینہ کی انگیجمنٹ ہو جاتی ناں تو وہ مجھے ضرور بتاتی۔ آپ یقین کریں مجھ سے کچھ نہیں چھپاتی یوں سمجھیں کہ میرے علاوہ اس کی کوئی اور دوست نہیں ہے۔ وہ اپنے دل کی ہر بات مجھ سے کرتی ہے۔'' فائزہ کی بات سن کر احمر کے دل کو تھوڑا سا سہارا ملا اور وہ اپنی گزشتہ کیفیت سے باہر آنے لگا۔

''تم کل کی بچی ہو...... تمہیں کیا پتا ہو سکتا ہے کہ اس کی ماں کسی خاص وجہ سے فی الحال یہ خبر چھپانا چاہتی ہو اب یہ تو ان ہی لوگوں کو پتا ہوگا کہ حقیقت کیا ہے لیکن میرا دل کہتا ہے ستارہ جھوٹ نہیں بول رہی تھی۔ ہوسکتا ہے کہ تمہیں آج کل میں شبینہ کی شادی کی اطلاع مل ہی جائے۔ اچھی بات ہے، اچھی لڑکی ہے۔'' شائستہ بیگم نے کن انکھیوں سے اپنے بیٹے کی طرف دیکھتے ہوئے بظاہر بڑے عام سے انداز میں بات کی لیکن فائزہ نے اپنی ماں کی بات ماننے سے سرے سے ہی انکار کر دیا تھا۔

''سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ممی...... شبینہ کا اگر رشتہ بھی آئے گا ناں تو مجھے ضرور بتائے گی وہ...... شادی تو بہت بڑی بات ہے۔''

''ٹھیک ہے میں تم سے بحث نہیں کروں گی لیکن یہ تو خوشی کی بات ہے ناں، آج کل کے زمانے میں اگر اچھا رشتہ مل جائے تو بیٹی کی شادی جلدی کر دینی چاہیے اس لیے کہ اچھے رشتے آنے کا بھی ایک وقت ہوتا ہے۔ دور دور تک لڑکیاں بیٹھی ہوئی ہیں، دیکھ کر بہت دکھ ہوتا ہے۔ میں تو خود طے کیے بیٹھی ہوں کہ اگر تمہارا کوئی اچھا سا پروپوزل آئے گا میں پڑھائی وڑھائی کے چکروں میں تمہاری شادی نہیں روکوں گی۔''

WWW.PAKSOCIETY.COM

''ممی...... ! کم آن، کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ؟ میں تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ آپ اس طرح سے سوچیں گی۔ مجھے نہیں پتا...... مجھے ایم بی بی ایس تو لازمی کرنا ہے۔'' دونوں ماں، بیٹی کی ایک بحث شروع ہوگئی، احمر چپ چاپ اپنی جگہ سے کھڑا ہوگیا۔ اسے اب ماں اور بہن کی درمیان ہونے والی تکرار اور بات چیت میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ تو بڑی مشکل سے خود کو سنبھال رہا تھا۔

''شبینہ کی شادی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا لیکن ممی تو کہہ رہی تھیں کہ اس کی بہن ستارہ نے بتایا ہے کہ اس کی شادی ہو رہی ہے۔''

''تم کہاں چل دیے احمر، اب کھانا لگنے ہی والا ہے، کھانا کھا کر اپنے کمرے میں چلے جانا......'' احمر بہ مشکل خود کو کمپوز کر پا رہا تھا۔ عجیب حالت تھی۔

''مجھے بھوک نہیں ہے ممی، میں نے چائے کے ساتھ کچھ اسنیکس وغیرہ لے لیے تھے اور آپ کو تو پتا ہی ہے کہ مجھے بھوک نہ لگے تو میرا خواہ مخواہ کھانا کھانے کو جی نہیں چاہتا۔'' احمر نے اب قدرے جھنجلا کر ماں کو جواب دیا تھا۔ اس وقت اسے مکمل تنہائی کی ضرورت شدت سے محسوس ہو رہی تھی۔ شائستہ بیگم نظریں اٹھا کر اس کی طرف دیکھ رہی تھیں جیسے وہ بھی کچھ محسوس کر رہی ہوں، وہ سوچ رہی تھیں کہ آخر کار ان کے اندیشے سچ نکل آئے۔ شبینہ کی شادی کے ذکر پر احمر کا موڈ ایک دم تبدیل ہوگیا تھا۔ وہ دل ہی دل میں اللہ کا شکر ادا کرنے لگیں کہ شکر ہے بات آگے نہیں بڑھی تھی۔ اُن کے اپنے سرکل میں ایک سے ایک لڑکی موجود تھی۔ انہوں نے تو سالوں پہلے ہی سوچ لیا تھا کہ احمر کا باپ بزنس مین ہے اور بڑے بزنس مین کو بہت زیادہ اثر رسوخ حاصل کرنے کے لیے کسی بڑے بیوروکریٹ کی بیٹی کو نظر میں رکھنا چاہیے اور انہوں نے تو ایک بہت با اثر بیوروکریٹ کی بیٹی کو نظر میں رکھا ہوا تھا۔ ابھی تک ذکر اس لیے نہیں کیا تھا کہ وہ انتظار کر رہی تھیں کہ احمر اپنے آخری سمسٹر سے فارغ ہو جائے۔ احمر ماں کی بات سنی ان سنی کر کے بڑی بیزاری کیفیت میں لاؤنج سے چلا گیا تھا۔ شائستہ بیگم ابھی تک اسی طرح سوچ رہی تھیں اور اسی طرف دیکھ رہی تھیں جہاں احمر گیا تھا۔

''ممی! آپ کیا سوچ رہی ہیں؟ کیا دیکھ رہی ہیں اُدھر؟'' فائزہ کی آواز نے شائستہ بیگم کو جیسے چونکا دیا۔ انہوں نے فوراً ہی خود کو سنبھال لیا اور مسکرائیں۔

''کچھ نہیں بیٹا ویسے ہی، چلو چل کر کھانا کھاتے ہیں، تمہارے پاپا تو آج بہت لیٹ آئیں گے۔'' وہ یہ کہہ کر اپنی جگہ سے اٹھ گئیں، فائزہ بھی اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔

اس کے چہرے پر سوچ کی لکیریں کھنچ گئی تھیں۔ وہ ماں کے پیچھے چلتے ہوئے سوچ رہی تھی۔ ''کہیں ممی ٹھیک تو نہیں کہہ رہیں لیکن شبینہ شادی کی بات مجھ سے کیوں چھپائے گی؟'' شائستہ بیگم کی باتوں نے اس کا سیدھا سادہ سا ذہن الجھا کر رکھ دیا تھا۔ وہ اپنی بہترین دوست پر شک کرنا نہیں چاہ رہی تھی لیکن ماں کی بات کو بھی نظر انداز نہیں کر پا رہی تھی۔

''کہیں اسی وجہ سے تو شبینہ چھٹیاں نہیں کر رہی؟'' وہ سوالیہ نشان کی طرح سوچتی ہوئی ماں کے پیچھے جا رہی تھی۔

☆☆☆

شبینہ اپنے کمرے میں...... وارڈ روب سے سارے کپڑے نکال کر بیڈ پر ڈھیر کر چکی تھی۔ وہ ستارہ کے کپڑے الگ کر رہی تھی تا کہ وارڈ روب میں جگہ بن جائے۔ صابرہ نے تو اسے کہہ دیا تھا کہ وہ ستارہ کے جو

اچھے کپڑے ہیں وہ استعمال کر لے، بس جو وہ پہننا نہیں چاہتی وہ ماسی کو دے دے۔ وہ ستارہ کے تمام کپڑے ایک طرف رکھ چکی تھی اور اپنے کپڑے بڑی ترتیب اور نہایت سلیقے سے وارڈ روب میں لگا رہی تھی۔

اسی وقت صابرہ کمرے میں چلی آئی۔ وہ بہت فکر مند اور پریشان دکھائی دے رہی تھی۔ شبینہ نے کپڑے ہینگر میں لگاتے ہوئے ماں کی طرف بڑی فکر مندی سے دیکھا تھا، ماں کا چہرہ ایک کھلی کتاب ہی کی طرح تو تھا اور صبح سے رات تک وہ انہی سے تو بات کرتی رہتی تھی۔

''کیا بات ہے امی...... آپ کچھ پریشان دکھائی دے رہی ہیں، خیریت تو ہے، اب کیا ہوگیا...... بھائی بھی چلے گئے ستارہ بھی چلی گئی۔ میرا خیال ہے اب تو سب مسئلے ختم ہو گئے ہیں۔'' بولتے بولتے شبینہ کا دل جیسے بھر آیا اور وہ مزید کچھ نہ بول سکی۔ چپ چاپ ہینگر کیے ہوئے کپڑے وارڈ روب میں لٹکانے لگی۔ جیسے خود کو سنبھالنے کے لیے مہلت لے رہی ہو۔ صابرہ کے دل سے ایک ہوک سی اٹھی۔

''ایسی بات نہیں ہے بیٹا...... مسئلے کہاں ختم ہوں گے، مسئلے تو زندگی کے ساتھ ہیں، زندگی ختم ہوگی تو مسئلے ختم ہوں گے۔'' یہ کہہ کر وہ بڑے تھکے تھکے نڈھال سے انداز میں بیڈ پر بیٹھ گئی۔

''ابا جان تو شاید سو رہے ہیں آج تو جلدی آ گئے تھے ناں امی؟'' ماں کی بات سن کر شبینہ کو عجیب سی تشویش نے آن گھیرا تھا۔

''سو نہیں رہے جاگ رہے ہیں اور شام سے بالکل چپ ہیں۔ میں نے ایک دو دفعہ بات کرنے کی کوشش کی تھی بولے۔ ''مجھے اکیلا چھوڑ دو'' میں تو ان سے یہ کہنا چاہتی ہوں کہ آخر وہ ہمیں ستارہ سے ملانے وہاں کب لے کر جائیں گے لیکن وہ تو کوئی بات نہیں کرنے دے رہے۔'' صابرہ فکر مندی سے کہہ رہی تھی۔

''ہو سکتا ہے امی، ابا جان کی طبیعت ٹھیک نہ ہو......''

''نہیں بیٹا...... اتنا پرانا ساتھ ہو گیا ہے، اب تو میں ان کے مزاج کے ہر موسم سے بہت اچھی طرح واقف ہوں اگر ان کی طبیعت خراب ہوتی تو وہ دس دفعہ اپنے کام بتا چکے ہوتے۔ چار مرتبہ تو چائے پی چکے ہوتے، آج تو انہوں نے کھانے کے بعد ایک پیالی چائے بھی نہیں مانگی۔ ایک گلاس پانی کے لیے بھی نہیں کہا۔ میں تو اتنی حیران ہوں کہ تمہیں بتا نہیں سکتی۔''

''ہاں یہ تو خیر میں نے بھی نوٹ کیا ہے، ابا جان کب سے گھر آئے ہوئے ہیں اور ان کی آواز تک سنائی نہیں دی۔''

''میں تو سوچ رہی تھی کہ گھر آئیں گے تو ستارہ سے ملنے کی بات کروں گی، ویسے کا پوچھوں گی مگر اب تو میری ہمت ہی نہیں پڑ رہی۔'' صابرہ پُر تفکر انداز میں کہہ رہی تھی۔

''چھوڑیں امی...... خود سے کوئی بات مت کیجیے گا۔ ہو سکتا ہے آفس میں کوئی مسئلہ ہوا ہو اور ابا جان پریشان ہوں۔''

''خیر خود سے تو میں کوئی بات شروع نہیں کروں گی مگر ان کی خاموشی سے میں بہت پریشان ہوں۔ زندگی گزر گئی ان کے ساتھ وہ تو کبھی بیمار ہوئے تب بھی اتنی دیر خاموش نہیں رہے۔'' صابرہ کے انداز میں تشویش بدستور تھی۔

☆☆☆

جابر علی اپنے بستر پر دراز زمان و مکان کی قیود سے آزاد کسی اور جہان میں پہنچا ہوا تھا۔ اس کی اپنی اولاد نے اپنے گھر میں باپ کی اتنی بے عزتی کی تھی، یہ بھی ہو سکتا ہے اس کے وہم و گمان میں نہ تھا آ بھی نہیں سکتا تھا۔ اس کے داماد کی نظر میں اس کی کیا عزت ہوگی؟ اس عزت کے لیے وہ حرام کمائی سے خود کو یوں بچاتا رہا جیسے

WWW.PAKSOCIETY.COM

آگ میں گھرا انسان اپنے کپڑے سمیٹ سمیٹ کر خود کو آگ سے بچانے کی کوشش کر رہا ہو۔

”اب کیا کرنا چاہیے؟“ یہ وہ سوال تھا جو اس کے دماغ میں کانٹے کی طرح گڑ گیا تھا۔ ”ایسی اولاد پر نفرین بھیجے اور بھول جائے...... مگر وارث علی کا ردِ عمل کیا ہوگا؟ وہ اس سرکش لڑکی کی دہلیز پر مرتے دم تک قدم نہیں رکھے...... مگر داماد کو کیا جواب دے؟“ اس نے زندگی میں پہلی بار منہ کی کھائی تھی۔ وہ بھی بیٹی سے...... ایک عورت ذات سے...... عورت...... جس کو اس نے کبھی قابلِ ذکر بھی نہ گردانا تھا۔ ایسی بیٹی تو اسے بہت بڑی ذلت سے دوچار کرسکتی تھی...... کیا وہ اسے چھوٹی ذلت سمجھ کر سہہ جائے؟ سوچتے سوچتے بالآخر اس نے خود کو شاباش دی...... گویا کہ اس نے درست فیصلہ کیا...... ایسی بیٹی کو زیادہ دن گھر میں بٹھانے سے تو بہتر یہی تھا کہ وہ اسے عزت سے رخصت کردے...... جو کسی بھی وقت عزت و ناموس کے لیے بہت بڑا خطرہ بن سکتی تھی۔ ”ایسی ہی سرکش اور جرأت مند لڑکیاں ہوتی ہیں جو گھروں سے بھاگ جاتی ہیں۔ تمہارا فیصلہ بالکل صحیح تھا جابر علی اور تم تو ہمیشہ صحیح فیصلے ہی کرتے ہو۔“ بالآخر اس نے خود کو شاباشی دے کر پُرسکون کر ہی لیا۔

☆☆☆

اصیل خان کے دل کی بے قراری حد سے بڑھی تو وہ پھر شاہ عالم کے گھر چلا آیا۔ مغرب کا سرمئی اجالا اب اندھیرے کی طرف گامزن تھا۔ شاہ صاحب گھر کے لان میں بیٹھے تسبیح پڑھ رہے تھے۔ اصیل خان ان کے قریب جا کر گھاس پر بیٹھ گیا۔

”ارے، وہاں کیوں بیٹھ گئے؟ اِدھر آ کر بیٹھو......“ شاہ عالم نے اس سنگی بینچ پر ہاتھ رکھ کر اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا جس پر وہ خود بیٹھے تھے۔

”میں ٹھیک ہوں شاہ صاحب......“ اصیل خان نے انکساری کا مظاہرہ کیا۔

”ارے بھئی تم بچیوں کے بابا ہو اور ہم بھی تمہیں نوکر نہیں سمجھتے...... مسجد میں ہمارے برابر کھڑے ہو کر نماز پڑھتے ہو تو گھر میں برابر میں کیوں نہیں بیٹھ سکتے؟“ اُن کے انداز میں اتنی شفقت اور حلاوت تھی کہ اصیل خان اپنی جگہ سے اٹھ کر اُن کے برابر میں جا کر بیٹھ گیا۔ انہوں نے بات ہی اتنی مدلل کی تھی۔

”کیسی طبیعت ہے اب ڈاکٹر صاحبہ کی؟“

”بس جی اب تو وہ آگے کی طرف دیکھنے کے بجائے پیچھے ہی دیکھتی رہتی ہیں، آج تو اپنی دوست ٹوٹو کو بہت یاد کر رہی ہیں۔“

”ٹوٹو......؟ بڑا عجیب سا نام ہے۔“ شاہ عالم نے چونک کر اصیل خان کی طرف دیکھا۔

”جی صاحب...... ڈاکٹر صاحبہ کی ہم جماعت تھیں...... ہمارے علاقے کے ڈی سی راؤ فرمان علی خان کی بیٹی...... بیس سال پہلے امریکا چلی گئی تھیں۔“

”اوہ...... تم تو ڈاکٹر صاحبہ کے شاید سب سے پرانے ملازم ہو...... اُن کے بارے میں سب کچھ ہی جانتے ہوں گے...... ایک بات پوچھوں......؟“ شاہ عالم بولتے بولتے جھجک کر رک گئے۔

”ایک نہیں...... دس پوچھیں شاہ صاحب......“ اصیل خان ایک خاص کیفیت میں گویا ہوا۔

”وہ ڈاکٹر صاحب کے شوہر...... میرا مطلب ہے رانی اور روما کے والد کو تو تم نے دیکھا ہوگا؟“

”والد......؟“ اصیل خان نے بری طرح گڑبڑا کر شاہ عالم کی طرف دیکھا۔

(جاری ہے)

بابو اور میں

صائمہ حیدر

میں نے اسے اوون میں بیک کیے گئے کوکیز اور کیک کو فریج میں رکھتے دیکھا تو سوچا کوئی خاص وجہ ہے ایسی تیاری عموماً اس کے کسی عزیز، رشتے دار کی آمد کا پتا دیتی تھی۔ ہاں اب مجھے یاد آیا دو دن بعد اس کا بھائی اپنی بیوہ بہن اور بھانجے کے لیے تحائف لے کر آنے والا تھا۔ تہوار چاہے جو بھی ہو عام طور پر ایسا ہی ہوتا ہے کہ اپنے پیاروں کو تحائف یا تہواری دی جاتی ہے جس سے اس تہوار کا مزہ بڑھ جاتا ہے۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

دانش تحائف دینے کے بعد ہمیشہ اپنی بیوہ بہن کو سمجھاتا تھا بلکہ یقین دلاتا تھا کہ اگرچہ اس کا سہاگ اُجڑ گیا ہے مگر جب تک اس کا یہ بھائی زندہ ہے اس کی کفالت کی ہر ممکن ذمے داری اسی کے کندھوں پر ہوگی، خدا ہر بہن کے بھائی کو سلامت رکھے بہنوں کو اپنے بھائیوں سے بڑی آس ہوا کرتی ہے، ننھے بابو نے میرے اس خیال کی تصدیق کردی تھی چاکلیٹ کھاتے ہوئے اس نے بتایا۔

''دادی پرسوں ماما آئیں گے ناں؟'' میں نے اپنے پوتے کو پیار سے گود میں اٹھالیا، اس کا جسم بہت نرم ونازک تھا اور اس کی آواز بہت سُریلی تھی جیسے کنول کی پتیوں کی نزاکت اور سفیدیٔ گلاب کی سرخی اور بلبل کی خوش الحانی اکٹھی کردی گئی ہو اگرچہ بابو میری لمبی ناک اور جھُرّی زدہ پڑائے ہونٹوں سے گھبرا کر مجھے اپنا منہ چومنے کی اجازت نہیں دیتا تھا تاہم میں نے زبردستی اس کے سرخ گالوں پر پیار کی مُہر ثبت کردی اور مسکراتے ہوئے کہا۔

''بابو تمہارے ماما تمہاری مما کے کیا ہیں؟''

''ماموں جی!'' اس نے کچھ تامّل کے بعد جواب دیا۔

اصل میں بابو کا اصلی نام میں نے ابراہیمؑ پیغمبر کے نام پر رکھا تھا مگر میں اور مناہل اسے پیار سے بابو ہی کہتے تھے۔

مناہل نے قرآن مجید پڑھتے پڑھتے قہقہہ لگایا اور ہاتھ سے توبہ توبہ کرکے پھر پڑھنے میں مشغول ہوگئی۔ میں اپنی بہو کے اس طرح کھُل کر ہنسنے پر دل ہی دل میں بہت خوش ہوئی۔ مناہل میرے جوان مرحوم بیٹے کی بیوہ تھی اور بعض اوقات معاشرہ اسے اچھے کپڑے پہننے اور خوشی کی بات میں حصہ لینے سے بھی روکتا تھا...... میں نے بار بار اسے اچھے اور رنگ دار کپڑے پہننے اور ہنسنے، کھیلنے کی تلقین کرتے ہوئے معاشرے کی پروا نہ کرنے کو کہا مگر اس نے از خود اپنے اوپر ہر خوشی کو حرام کرلیا تھا۔ اس نے اپنے تمام کپڑے اور زیورات ایک پرانی الماری میں مقفل کرکے چابی گویا سمندر میں پھینک دی تھی۔ قرآن شریف جُزدان میں لپیٹنے کے بعد اس نے اپنے لختِ جگر کو پیار سے بلاتے ہوئے کہا۔

''بابو تم فیری کے کیا لگتے ہو؟''

''بھائی!'' بابو نے جواب دیا۔

''اسی طرح تمہارے ماموں جی میرے بھائی ہیں۔''

وہ معصوم یہ بات سمجھ نہ سکا ایک ہی شخص کس طرح ایک ہی وقت میں کسی کا بھائی اور کسی کا ماموں ہوسکتا ہے وہ تو اب تک یہی سمجھتا آیا تھا کہ اس کے ماموں اس کی دادی کے بھی ماموں جی ہیں۔ بابو نے مخمصے میں پڑنے کی ضرورت محسوس نہیں کی اور اُچک کر ماں کی گود میں جا بیٹھا اور اپنی ماں سے قرآن کی آیات سننے کا اصرار کرنے لگا وہ قرآن شریف اس لیے سنتا تھا کہ وہ کہانیوں کا شوقین تھا مناہل اسے انبیاؑ کے قصے اور آیات کے تراجم آسان کرکے سنا دیتی اور وہ خوش ہوتا رہتا پھر لان میں درخت کے نیچے بیٹھ کر گھنٹوں ان کہانیوں پر غور کرتا۔

مجھے دوپہر میں اپنی بڑھتی ہوئی شوگر اور ہائی بلڈ پریشر کے سبب ڈاکٹر کی طرف جانا تھا۔ اپنے غم خوردہ وجود کو یکجا کرکے میں اپنے اندر اسپتال جانے کے لیے ہمت جُتا رہی تھی۔ جوانی کے عالم میں، میں دوسروں کے ساتھ بھی ضرورت پڑنے پر سارا سارا دن اسپتال میں رہ جاتی تھی مگر اب تو ڈاکٹر کے انتظار میں بیٹھے گئے مریضوں کی قطار میں دیر تک بیٹھنے سے میری گردن لگتا تھا اکڑ گئی ہے اور پیٹھ میں سلاخ سی گڑی محسوس ہوتی۔ بیٹے کی موت کے بعد امید، یاس میں تبدیل ہوکر میری کمر توڑ چکی تھی اب میں صرف بابو کے سہارے جیتی تھی ورنہ دراصل تو میں مر چکی تھی۔

رات کو میں تھکن کی وجہ سے بستر پر لیٹتے ہی اونگھنے لگی ذرا توقف کے بعد مناہل نے مجھے دودھ

پینے کے لیے آواز دی، میں اپنی بہو کی سعادت مندی پر دل میں بہت خوش ہوئی اور اسے سیکڑوں دعائیں دیتے ہوئے بولی۔

''مجھ بوڑھیا کی اتنی پروا نہ کیا کرو بیٹا۔'' مگر اس نے فقط مسکرا کر میری بات کا جواب دیا۔ بابو ابھی تک سویا نہیں تھا وہ اپنے کمرے سے نکل کر آیا اور چھلانگ لگا کر بستر پر چڑھ گیا۔

''دادی! آج آپ کہانی نہیں سنائیں گی کیا؟''

''نہیں بیٹا!'' میں نے کھڑکی کے شیشے سے باہر آسمان پر نکلے ہوئے تاروں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''میں بہت تھک گئی ہوں، کل دوپہر کو تمہاری دادی تمہیں اچھی، اچھی کہانیاں سنائیں گی۔''

''میں آپ کا بابو نہیں ہوں، دادی میں امی کا بابو ہوں۔'' اس نے ناراض ہوتے ہوئے جواب دیا۔ بابو بھی جانتا تھا کہ میں نے اس کی کبھی ایسی بات برداشت نہیں کی میں اس سے یہی سننے کی عادی تھی کہ ''بابو، دادی کا ہے مما کا نہیں ہے۔'' لیکن اس دن میں بہت تھک گئی تھی شاید میں اتنی نہ تھکتی اگر میرا نیا جوتا ایڑی نہ دباتا اور اس وجہ سے میرے پاؤں میں ٹیسیں نہ اٹھتیں۔ اس غیر معمولی درد کے باعث میں نے بابو کی یہ بات برداشت کی۔ میں کھڑکی سے آسمان پر ستارے دیکھنے لگی، آسمان کے جنوبی گوشے میں ایک ستارہ مشعل کی طرح روشن تھا غور سے دیکھنے پر وہ مدھم سا ہونے لگا اور میں اونگھتے اونگھتے سوگئی۔ صبح ہوتے ہی میرے دل میں خیال آیا کہ بابو سوچتا ہوگا کہ رات دادی نے میری بات کس طرح برداشت کی، میں اس خیال سے لرز گئی۔ بابو کے دل میں کہیں یہ خیال نہ ہو کہ دادی اب میری پروا نہیں کرتیں شاید یہی وجہ تھی کہ صبح کے وقت اس نے میری گود میں آنے سے انکار کردیا۔

''میں تو نہیں آؤں گا آپ کے پاس۔''

''کیوں بابو؟'' میں نے سوال کیا۔

''بابو دادی کا نہیں مما کا ہے۔'' میں نے اسے چاکلیٹ کے لالچ سے منالیا چند ہی لمحوں میں وہ پھر دادی کا بن گیا اور میری گود میں آگیا۔ بچے بھی کتنے بھولے اور معصوم ہوتے ہیں ہر طرح کی مکاری اور ریاکاری سے پاک...... میرا بابو بھی ایسا ہی تھا اور وہ اپنی ننھی ٹانگوں کے گرد میرے جسم سے لپٹا ہوا کمبل لپیٹنے لگا۔

مناہل اپنے کاموں میں مصروف تھی۔ اس نے فریج میں رکھے گئے کوکیز ایک مرتبہ پھر سے دیکھے اور اُن کے فریش ہونے کا یقین کرکے انہیں فریج میں رکھ دیا۔ اس نے اپنے بھائی کے لیے پائے کا سالن بھی بنا کر فریز کیا ہوا تھا کہ دیارِ غیر میں ایسی روایتی چیزیں کم ہی کھانے کو ملتی ہیں۔ میں بہن بھائی کے آپس میں پیار کے اس جذبے کو دیکھ کر دل ہی دل میں بہت خوش ہوئی اتنی خوش کہ میری آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔ میں نے دل میں کہا عورت کا دل ایک سمندر ہے۔ ماں، باپ، بھائی، بہن، خاوند، بچے...... سب سے وہ بہت پیار کرتی ہے اور ہر ایک کے لیے مکمل پیار کا گوشہ رکھتی ہے...... آدھا ادھورا نہیں اور اتنا کرنے پر بھی اس کا پیار ختم نہیں ہوتا۔ بابو نے اپنے دونوں ہاتھ میرے گالوں کی جھریوں پہ رکھے اور مناہل کی طرف سے چہرہ ہٹا کر اپنی طرف کرلیا۔

''دادی آپ کو اپنا وعدہ یاد ہے ناں؟''

''کس بات کا بیٹا؟'' میں ٹپٹائی۔

''آپ کو آج مجھے کہانی سنانی ہے۔'' اس نے رات کا وعدہ یاد دلایا۔

''ہاں بیٹا کیوں نہیں۔'' میں نے اس کے لٹکے ہوئے اداس چہرے کو چومتے ہوئے کہا۔ یہ سن کر وہ کچھ خوش اور مطمئن سا دکھائی دے رہا تھا، یہ تو بابو ہی جانتا ہوگا اس نے دوپہر آنے کا کتنا انتظار کیا ہوگا بابو کو اس بات کا علم تھا کہ دادی کے کہانی سنانے کا وقت وہی ہوتا ہے جب وہ کھانا کھا کر بستر پر لیٹتی ہیں جس پر وہ اپنی مما کی مدد کے بغیر نہیں چڑھ سکتا چنانچہ وقت سے

WWW.PAKSOCIETY.COM

آدھے گھنٹے پہلے ہی اس نے کھانا نکلوانے پر اصرار شروع کردیا۔ میں سمجھ رہی تھی میرے کھانے کے لیے نہیں بلکہ اپنی کہانی سننے کے چاؤ میں کہہ رہا ہے۔

میں نے معمول سے آدھے گھنٹے پہلے کھانا کھایا ابھی آخری نوالہ میں نے توڑا ہی تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔ آج ہماری پڑوسن اور میری سہیلی عذرا کے گھر میلاد کا اہتمام تھا اور وہ یاددہانی کروارہی تھی۔ میں نے اپنے کمرے کی طرف نظر دوڑائی تو دیکھا بابو... چارپائی کے چاروں طرف گھوم کر بستر... سیٹ کررہا تھا اور پائنتی میں پاؤں اڑا کر اوپر چڑھنے کی کوشش کررہا تھا اگرچہ اس کا مجھے اصرار سے جلدی کھانا کھلانا اور میرا بیڈ درست کرکے میری تواضع کرنا اپنی خود غرضی پر مبنی تھا تاہم میرے دماغ میں آیا کہ آخر یہ میرے یزدان کا بیٹا ہے اسے میری عمر بھی لگ جائے خدا اس کی عمر دراز کرے۔

جب میرے پوتے نے دیکھا کہ میں کہانی سنائے بغیر ہی کہیں جانے کے لیے تیار ہورہی ہوں تو اس کا چہرہ اس طرح مدھم پڑ کر بجھ گیا جس طرح گزشتہ شب آسمان کے ایک کونے میں مشعل کے مانند روشن ستارہ مسلسل دیکھتے رہنے کی وجہ سے ماند پڑ گیا تھا۔

''امی جی اتنی بھی کیا جلدی ہے کھانے کے بعد کم از کم کچھ دیر تو آرام کرلیں۔'' مناہل مجھے دیکھ کر بولی۔

''نہیں بیٹا!'' میں نے زیر لب کہا۔ ''میں بھول گئی تھی عذرا تو ناراض ہوجائے گی اس کی اور میری دوستی برسوں پرانی ہے...... مجھے ابھی جانا ہی ہوگا تم بابو کو سنبھالو میں جلدی آنے کی کوشش کروں گی۔'' یہ سن کر میرا بابو منہ بسورنے لگا اس کی آنکھیں نم ہوگئیں۔

''دادی میری کہانی...... میری کہانی......'' وہ مجھے دیکھ کر اپنی گیلی پلکیں جھپکا کر بولا۔ وہ بری طرح ٹھنک رہا تھا۔

''بابو میرے بچے......! میری جان بلکہ میری جان کی جان......'' میں نے اسے ٹالنا چاہا۔ ''تمہیں میں یہ تو بتانا ہی بھول گئی کہ دن کو کہانی سنانے سے مسافر راستہ بھول جاتے ہیں۔''

''راستہ بھول جاتے ہیں؟'' بابو نے سوچتے ہوئے کہا۔ ''دادی! آپ جھوٹ بولتی ہیں، میں آپ کا بابو نہیں ہوں میں مما کا ہوں۔'' اب جبکہ میں تھکی ہوئی بھی نہیں تھی اور نماز کی ادائیگی سے پہلے پندرہ منٹ آرام کے لیے نکال سکتی تھی بھلا یہ بات بابو کیسے برداشت کرلیتا اور میں اس کا یہ جملہ بار بار سن کر ٹوٹ سی جاتی تھی بس اس مرتبہ مجھ سے رہا نہیں گیا اور میں نے اپنے شانوں سے دوپٹا اتار کر بیڈ کے... سرہانے رکھا اور بابو کو لے کر اپنے بیڈ پر لیٹ گئی۔ لیٹتے ہوئے میں نے اس سے کہا۔

''اب کوئی مسافر راستہ کھو بیٹھے تو تم اس کے ذمے دار ہوگے۔'' پھر میں نے اسے سات شہزادوں اور سات شہزادیوں کی کہانی سنائی مزید دلکش انداز میں قصے ڈال کر اسے اور دلچسپ بنایا۔ ہمیشہ وہ ایسی ہی کہانی پسند کرتا تھا جس کے آخر میں شہزادے، شہزادی کی شادی ہوجائے مگر میں نے اس دن اپنے بابو کے چہرے پر خوشی کی علامت نہیں دیکھی بلکہ وہ افسردہ سا منہ بنائے لیٹا رہا۔ اس خیال سے کہ کہیں میلاد ختم نہ ہوجائے میں جلدی، جلدی گھر سے نکل گئی جب شام میں واپس لوٹی تو بابو کو خوشی سے دالان سے کمرے میں اور کمرے سے ٹی وی لاؤنج میں کودتے پھاندتے دیکھتی رہی وہ لکڑی کا ایک ڈنڈا لے کر اسے جہاز بنا کر اڑا رہا تھا اور کہہ رہا تھا......

''چلو میرے جہاز ماموں جی کے پاس، ماموں جی کے پاس......'' وہ اتنے سُریلے انداز میں گا رہا تھا کہ میں نے بے اختیار اس کی کتنی ہی بلائیں لے ڈالیں۔ جونہی میں نے لاؤنج میں قدم رکھا اس نے اپنا گانا ختم کردیا اور بولا۔

''دادی آج ماموں آئیں گے ناں؟'' اس کا اشتیاق دیکھنے والا تھا۔

''پھر کیا ہوگا؟'' میں نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

''ماموں جی کمپیوٹر اور گن لائیں گے اور بڑا scooby doo لائیں گے اس کے علاوہ بہت ساری چاکلیٹس کے ڈبے اور مزے مزے کے جوس بھی لائیں گے اور میرے لیے تو وہ ایسی سوئٹس لائیں گے جو آپ نے خواب میں بھی نہیں دیکھی ہوں گی۔'' میں اس کی باتیں سن کر حیران تھی اور سوچ رہی تھی کہ کس خوبی سے ''خواب میں نہ دیکھی ہوگی۔'' کے الفاظ سات شہزادوں اور شہزادیوں کے بیان سے اس نے یاد رکھے تھے۔

''جیتا رہے میرا لال......'' میں نے دعا دیتے ہوئے کہا۔ ''بہت ذہین لڑکا ہوگا اور ہمارا نام خوب روشن کرے گا۔''

شام ہوتے ہی بابو دروازے کے پاس بیٹھ گیا تھا تاکہ ماموں جی کی شکل دیکھتے ہی اندر کی طرف بھاگے اور اپنی مما کو ان کی آمد کی اطلاع دے کر خوش کرسکے۔ اب رات ہوچکی تھی۔ جوں جوں رات کا اندھیرا پھیل رہا تھا مناہل کی فکر میں اضافہ ہوتا جارہا تھا۔

''امی! دانش ابھی تک نہیں آیا اس نے آج ہی آنے کا کہا تھا۔''

''کسی کام کی وجہ سے ٹھہر گیا ہوگا ممکن ہے کوئی ضروری کام آپڑا ہو، آجائے گا تم فکر نہ کرو۔'' میں نے مناہل کا دھیان ہٹانے کے لیے مزید کہا۔ ''تم پریشان نہ ہو وہ خیر سے ہوگا۔'' میں نے زبردستی بابو کو دروازے کے پاس سے اٹھایا اس نے اپنی ماں سے بھی زیادہ متفکرانہ لہجے میں کہا۔

''دادی جی! ماموں کیوں نہیں آئے؟'' مناہل نے اسے گود میں اٹھا کر پیار کرتے ہوئے جواب دیا۔

''شاید صبح آجائیں تمہارے ماموں میرے بچے۔'' پھر اس نے اپنے نرم و نازک بازو اپنی ماں کے گلے میں ڈالتے ہوئے پوچھا۔

''میرے ماموں آپ کے کیا ہوتے ہیں؟''

بیوٹی ٹپس

☆ پانی میں آملے کا چورا ڈال کر ابال لیں۔ اس پانی سے بال دھوئیں تو بال خوب صورت اور چمکیلے ہوجائیں گے۔

☆ ایک پاؤ ناریل کے تیل میں ایک مٹھی مہندی کے پتے کڑکڑا کر اس تیل کو روزانہ خوب مل کر سر میں لگائیں اس سے بال بڑھتے ہیں اور ان کی رنگت بھی سیاہ ہوتی ہے۔

☆ ایک بالٹی گرم یا ٹھنڈے پانی میں ایک لیموں نچوڑ کر اس سے نہانے سے جلد نرم اور چمک دار ہوتی ہے۔

☆ دودھ میں لیموں کا رس ملا کر صبح شام چہرے پر ملنے ...... سے چہرہ شفاف و ملائم اور چمک دار ہوتا ہے۔

☆ چہرے کے داغ دھبوں، کیل مہاسوں، بلیک ہیڈز اور جھریوں کے لیے میتھی کے پتے لے کر ان کا پیسٹ بنالیں اور روزانہ رات کو سوتے وقت لگائیں صبح ہلکے گرم پانی سے دھولیں۔ چند دنوں میں فرق نظر آنے لگے گا۔

☆ بیسن کو دہی میں ملا کر چہرے پر لگانے سے رنگت نکھر جاتی ہے۔

☆ اورنج جوس لے کر انگلیوں کی پوروں کی مدد سے چہرے پر لگائیں اور دس منٹ بعد دھولیں۔ چہرے کی چمک میں اضافہ ہوجائے گا۔

☆ سبز پتی کے پتوں کو پانی میں ابال لیں۔ ٹھنڈا ہونے پر ایک لیموں نچوڑ لیں پھر بال دھونے کے بعد انہیں اس پانی سے نتھار لیں۔ بال گرنا بند ہوجائیں گے اور چمک دار بھی ہوجائیں گے۔

☆ تربوز کا پانی نکال کر پندرہ منٹ تک چہرے پر لگائیں اور پھر ٹھنڈے پانی سے دھولیں، قدرتی سرخی جھلکنے لگے گی۔

☆ ہفتے میں ایک بار انڈے کی سفیدی، ایک چمچ شہد اور چند قطرے گلاب کا عرق مکس کرکے (پھینٹ کر) لگانے سے چہرے کا رنگ صاف ہوجائے گا۔

(سعدیہ انوار، کراچی)

WWW.PAKSOCIETY.COM

”جو تم فیری کے ہو۔“

”بھائی؟“

”تم بتاؤ۔“ اب مناہل چڑ چڑا رہی تھی۔

”اور شبیر (بابو کا دوست) کے کیا ہوتے ہیں؟“

”کچھ بھی نہیں۔“

”بھائی بھی نہیں؟“

”نہیں۔“ اور پھر بابو یہ عجیب بات سوچتا ہوا سو گیا۔ مناہل کا بھائی رات گئے تک بھی نہیں آیا تھا، وہ موبائل پر بار بار فون ملا رہی تھی مگر شاید دوسری طرف موبائل آف جا رہا تھا۔ میں نے بہو کی پریشانی میں شریک ہوتے ہوئے کہا۔

”دانش کو اپنی بہن کا پیار سے بنایا ہوا کیک کھانے تو ضرور آنا چاہیے۔“ پھر میں اپنے کمرے میں جا کر بستر پر لیٹ کر کھڑکی سے آسمان پر پھیلے ستاروں کی طرف دیکھتے دیکھتے اونگھنے لگی۔

یکا یک مناہل کی آواز سے میری آنکھ کھل گئی۔

وہ دودھ کا گلاس لیے کھڑی تھی۔

”میں نے کئی بار کہا ہے تم میرے لیے اتنی تکلیف نہ کیا کرو۔“ دودھ پینے کے بعد فرطِ شفقت سے میرے آنسو نکل آئے حد سے زیادہ خوش ہو کر میں مناہل کو یہی دعا دے سکی تھی ناں کہ سدا سہاگن رہو کچھ ایسا ہی میں نے کہنا چاہا مگر یہ خیال آنے سے کہ اس کا سہاگ تو دو برس ہوئے لٹ گیا تھا میں نے کچھ نہ کہنے کی غرض سے اپنی رقت دباتے ہوئے کہا۔ ”بیٹی! تمہیں اس خدمت کا پھل ضرور ملے گا۔“

”دادی! ماموں ابھی تک کیوں نہیں آئے؟“ بابو دوسرے کمرے سے آنکھیں ملتا آ رہا تھا۔ مناہل نے میرے بستر پر ہی اسے لٹا دیا۔ اپنے بیٹے کو اپنے بھائی کے لیے اس قدر بے تاب دیکھ کر مناہل بھی کچھ بے تاب سی ہو گئی تھی۔ اس طرح جیسے ایک شمع سے دوسری شمع روشن ہو جاتی ہے کچھ دیر بعد وہ بابو کو لٹا کر تھپکنے لگی، مناہل کی آنکھوں میں بھی نیند آنے لگی یوں بھی جوانی میں نیند کا غلبہ ہوتا ہے اور پھر دن بھر کام کاج کر کے تھک جانے کی وجہ سے مناہل ایک دم گہری نیند سو جاتی تھی میری نیند تو عام بوڑھوں جیسی تھی کبھی ایک آدھ گھنٹے سو لیتی پھر دو گھنٹے جاگتی رہتی پھر کچھ دیر اونگھنے لگ جاتی اور باقی رات اختر شماری کرتے گزار دیتی...... میں نے مناہل کو سو جانے کے لیے کہا اور بابو کو اپنے پاس کر لیا۔

”بیٹا مناہل ساری لائٹیں نہ بند کرنا ویسے بھی چوکیدار چھٹی پر گیا ہوا ہے، شہر میں اغوا برائے تاوان اور چوری، ڈکیتی بہت بڑھ گئی ہے اور سب کو علم ہے یہاں فقط دو کمزور سی عورتیں رہتی ہیں۔“ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ شہر میں آج کل وارداتیں کچھ زیادہ ہی ہو رہی تھیں پچھلے دو دن میں ہمارے علاقے میں دو گھروں میں ڈکیتی پڑ چکی تھی اسی لیے آج کل میں رات ہوتے ہی اور بھی پریشان ہو جاتی تھی۔ میں نے بابو کو اپنے پاس لٹا لیا تھا میں نے دیکھا وہ جاگ رہا تھا اس کے کچھ دیر بعد میری آنکھ لگ گئی تھوڑی دیر بعد میری آنکھ کھلی تو میں نے گھر میں اندھیرا دیکھا گھبرا کر میں نے ہاتھ مارا تو دیکھا بابو بھی بستر پر نہیں ہے۔ میں نے اندھوں کی طرح در و دیوار سے ٹکراتے اور ٹھوکریں کھاتے ہوئے ہر طرف اسے دیکھا مناہل کو بھی جگا دیا، گھر کا کونا کونا چھانا، بابو کہیں نہیں ملا۔

”مناہل ہم لٹ گئے۔“ میں نے سر پیٹتے ہوئے کہا۔ مناہل ماں تھی اس کا کلیجا جس طرح شق ہوا یہ کوئی اسی سے پوچھے اپنا سہاگ لٹنے پر اس نے اتنے بال نہیں نوچے تھے جتنے اس وقت نوچے تھے اس کا دل بیٹھا جا رہا تھا اور وہ دیوانوں کی طرح چیخیں مار رہی تھی۔ پاس پڑوس کی عورتیں شور سن کر جمع ہو گئی تھیں اور بابو کی گمشدگی کی خبر سن کر رونے پیٹنے لگی تھیں۔ آج میں نے ایک مشکوک آدمی کو اپنے گھر کے اندر گھورتے بھی دیکھا تھا مگر پروا نہیں کی تھی آہ...... وہ وقت کہاں سے ہاتھ آئے۔ میں نے

ہمیشہ کی طرح دعائیں کیں کہ کسی وقت کا دیا لیا کام آ جائے، منتیں مانیں کہ میرا پوتا مل جائے، وہی گھر کا اجالا تھا اسی کے دم سے میں اور مناہل جیتے تھے اسی کی وجہ سے ہم اڑتے پھرتے تھے۔ وہی ہماری آنکھوں کی بینائی اور جسم کی توانائی تھا اس کے بغیر ہم کچھ نہیں تھے، میں نے گھوم کر دیکھا۔ مناہل بے ہوش ہو گئی تھی اس کے ہاتھ اندر کی طرف مڑ گئے تھے، نسیں کھنچی ہوئی اور آنکھیں پتھرائی ہوئی تھیں اور عورتیں اس کی ناک بند کر کے ایک چمچ سے اس کے دانت کھولنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

ایک لمحے کے لیے میں بابو کو بھی بھول گئی تھی۔ مجھے لگا میرے پیروں تلے کی زمین نکل گئی ہو ایک ساتھ گھر کے دو افراد دیکھتے دیکھتے ہاتھوں سے نکل جائیں تو دل کی کیفیت عجیب ہوتی ہے، میں لرزتے ہوئے اپنے خدا سے شکوہ کناں ہوئی۔ یہ دکھ دیکھنے سے پیشتر اس نے میری جان کیوں نہ لے لی آہ...... مگر جس کی موت آئی ہوتی ہے اس کے سوا کسی کا بال تک بیکا نہیں ہوتا...... قریب تھا کہ میں مناہل کی طرح گر پڑتی، اسے ہوش آیا تو مجھے کچھ سہارا ملا میں نے دل میں کہا میں ہی مناہل کو سہارا دے سکتی ہوں اور اگر خود اس طرح حوصلہ چھوڑ دوں تو مناہل کی طرح نہیں بچ سکتی' میں نے اپنے تمام حواس جمع کرتے ہوئے کہا۔

”مناہل بیٹی! دیکھو مجھے یوں برباد نہ کرو، حوصلہ کرو، بچے اغوا ہوتے ہیں مگر آخر مل بھی جاتے ہیں بابو بھی مل جائے گا۔“

ماں کے لیے یہ الفاظ بے معنی تھے مجھے بھی اپنے اس طرح صبر کرنے پر گمان ہوا گویا میں اس طرح چپ ہو گئی ہوں کہ مناہل کے مقابلے میں بابو سے بہت کم پیار ہے مگر نہیں، میں نے کہا مجھے ضرور کچھ حوصلہ رکھنا چاہیے، بوڑھی ہوں تو کیا ہوا اس وقت آدھی رات گزر چکی تھی۔ بہر حال محلے کے کچھ لڑکوں نے مل کر پولیس کو اطلاع کر دی تھی اب کچھ ہی دیر میں پولیس پوچھ تاچھ کرنے آنے والی تھی اب ہم سب ہاتھ ملتے ہوئے پولیس کا انتظار کر رہے تھے یا کرنے پر مجبور تھے۔ دفعتاً دروازہ کھلا اور ہم نے بابو کے ماموں کو اندر آتے دیکھا اس کی گود میں بابو تھا اس کے ہاتھ میں بڑا سا بیگ تھا اور ایک ہاتھ میں ٹارچ تھی۔ ہمیں یوں لگا جیسے تمام دنیا کی دولت مل گئی ہو مناہل نے بھائی کو نہ پانی پوچھا نہ اس کی خیریت۔ وہ اس کی گود سے بابو کو لے کر بے تحاشا چومنے لگی تمام اڑوس پڑوس کی عورتیں مجھ سے گلے مل کر مبارک باد دینے لگیں۔

”مجھے موسم کی خرابی کی وجہ سے اسلام آباد میں رہنا پڑا ورنہ میں پہنچ چکا ہوتا پھر موبائل سروس بھی معطل تھی اس وجہ سے اطلاع نہیں دے پایا۔ دیر سے روانہ ہونے پر رات کے اندھیرے میں، میں مین روڈ کی دوسری والی گلی میں مڑ رہا تھا میں اپنا راستہ تقریباً گم کر بیٹھا تھا کہ اچانک مجھے ایک طرف سے روشنی آتی دکھائی دی، میں اس کی طرف بڑھا اتنے برے حالات میں جبکہ شہر پر دہشت گردی کا راج ہے تاریکی میں بابو کو ٹارچ پکڑے ہوئے اور کانٹوں میں الجھا ہوا دیکھا تو میں شاکڈ رہ گیا، میں نے اس سے وہاں ہونے کا سبب پوچھا تو اس نے جواب دیا۔ ”دادی نے آج دوپہر کے وقت مجھے کہانی سنائی تھی اور کہا تھا کہ دن کے وقت کہانی سنانے سے مسافر راستہ بھول جاتے ہیں۔ آپ دیر تک نہیں آئے تو میں نے یہی سوچا کہ آپ راستہ بھول گئے ہوں گے اسی لیے میں گلی کے کونے پر ٹارچ لے کر کھڑا ہو گیا تھا کیونکہ دادی نے کہا تھا کہ اگر کوئی مسافر راستہ بھول گیا تو تم ذمے دار ہو گے۔“ میں حق دق اپنے اس معصوم پوتے کو دیکھتی کی دیکھتی رہ گئی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

ناولٹ

کہیں دیپ جلے کہیں دل

قیصرہ حیات

آخری حصہ

ریحانہ بیگم کی طبیعت کئی روز سے ٹھیک نہیں تھی۔ جب سے شمیلہ کا نکاح ہوا تھا اُن کے دل پر بھاری پتھر آن پڑا تھا۔ انہیں ہر وقت محسوس ہوتا تھا کہ شمیلہ نے اُن کی آپا کے ساتھ بڑی زیادتی کی تھی یہی کچھ سوچ کر وہ ہر وقت بیڈ پر لیٹی رہتیں کبھی انہیں بخار آنے لگتا تو کبھی شدید ٹھنڈ سے کانپنے لگتیں۔ سلمان نے ماں کو ڈاکٹروں کو بھی دکھایا مگر انہیں کچھ افاقہ نہیں ہو رہا تھا۔ اس روز ان پر غنودگی کی سی کیفیت طاری تھی۔ جب سلمان اُن کے

WWW.PAKSOCIETY.COM

پائنتی بیٹھا اُن کی ٹانگیں دبا رہا تھا۔

''بیٹا بس کرو اور مجھے کمبل اوڑھا دو، مجھے بہت ٹھنڈ لگ رہی ہے۔'' ریحانہ نے ٹانگیں کھینچ کر کانپتے ہوئے کہا تو سلمان نے جلدی سے انہیں کمبل اوڑھا دیا۔ اسی لمحے نفیسہ ٹرے میں سوپ کا باؤل رکھ کر لے آئی اور سلمان کی طرف معنی خیز انداز میں اشارہ کیا۔

''مما...... اٹھیں، سوپ پی لیں، نفیسہ آپ کے لیے اسپیشل سوپ بنا کر لائی ہے آپ کو بہت سردی لگ رہی ہے ناں۔'' سلمان نے محبت سے کہا۔

''نہیں بیٹا میرا کچھ کھانے پینے کو دل نہیں چاہ رہا۔'' ریحانہ نے بیزاری سے منہ بنا کر کہا۔

''پلیز ......مما...... تھوڑا سا پی لیں۔'' نفیسہ نے قدرے اصرار کرتے ہوئے کہا۔ ریحانہ بہ مشکل اٹھیں تو سلمان انہیں خود سوپ پلانے لگا۔ سوپ پلانے کے بعد سلمان نے اپنے کوٹ کی جیب سے ایک پیپر اور پین نکال کر ماں کی طرف بڑھایا۔

''مما پلیز اس پیپر پر سائن کر دیں، میں نے ہاؤس بلڈنگ سے لون اپلائی کیا ہے، یہ گھر آپ کے نام ہے اس لیے آپ کی پرمیشن ضروری ہے، بس آپ اس پر سائن کر دیں۔'' سلمان نے پین زبردستی انہیں تھماتے ہوئے کہا تو انہوں نے جلدی سے اس پر سائن کیے اور خود لیٹ گئیں۔ نفیسہ نے مسکرا کر سلمان کی طرف دیکھا اور دونوں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے کو مبارک باد دی۔ دونوں انہیں بیڈ پر لٹا کر کمرے سے نکل آئے۔... تھوڑی دیر بعد وہ سو گئیں۔ انہوں نے خواب میں خدیجہ آپا کو روتے ہوئے دیکھا اور پھر روتے ہوئے وہ ایک دم غصے سے ریحانہ کی طرف دیکھنے لگیں۔ ریحانہ اُن کی نظروں سے گھبرا کر آپا، آپا پکارنے لگیں اور شدید بے چینی سے ایک دم ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھیں اُن کا چہرہ پسینے سے تر ہو رہا تھا۔

''خدا خیر کرے...... آپا پہلے تو کبھی اس طرح میرے خواب میں نہیں آئیں۔'' ریحانہ نے گھبرا کر اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا اور پریشان ہو کر سائڈ ٹیبل سے اپنا موبائل اٹھا کر اس پر آپا کا نمبر ملانے لگیں۔

کافی زیادہ بیلز کے بعد خدیجہ بیگم نے ''ہیلو'' کہا اُن کی آواز میں نمی اور بے حد دکھ تھا۔

''آپا...... آپا آپ ٹھیک تو ہیں ناں؟'' ریحانہ نے گھبرا کر پوچھا۔

''کیا یہ پوچھنا چاہتی ہو کہ میں ابھی تک زندہ کیوں ہوں؟'' خدیجہ بیگم نے سسکی بھر کر جواب دیا۔

''اللہ خیر کرے...... آپا آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں؟'' ریحانہ نے پریشان ہو کر کہا۔

''کیسی خیر......؟ ریحانہ تم نے نہ جانے مجھ سے کن باتوں کا بدلہ لیا ہے، میں نے تو تمہارا کبھی برا نہیں چاہا تھا...... اور تم نے......!'' خدیجہ بیگم ہونٹ بھینچ کر سسکیاں بھرنے لگیں اور فون بند کر دیا۔ ریحانہ بیگم تو پہلے ہی مضطرب تھیں آپا کی باتوں نے تو بالکل ہی بے حال کر دیا یکا یک ایسا درد اٹھا کہ دل تھام کر رہ گئیں۔ دو گھنٹے اکیلے کمرے میں موت و زیست کی اذیت میں مبتلا رہ کر موت کو گلے لگا لیا اور اس بات سے بے خبر ہی رہیں کہ بیٹے نے مکان کے کاغذات پر سائن کروا کر ماں کا پتا پہلے ہی کاٹ دیا تھا۔

خدیجہ بیگم کو بہن کی اچانک موت کی خبر ملی تو وہ بھی دھاڑیں مار مار کر رونے لگیں۔ اسپتال سے سب لوگ وہاں پہنچے اور انتہائی سوگواری کے عالم میں ریحانہ بیگم کی تدفین کی گئی۔ ریحانہ بھانجی کی اس حالت سے بھی بے خبر رہیں، شمیلہ تو پہلے ہی میکے پر فاتحہ پڑھ آئی تھی۔ ماں کی موت کا افسوس تو بہت ہوا مگر جلد ہی گھر واپس آ گئی۔ حاتم تو پہلے ہی بہن کی وجہ سے پریشان تھا۔

☆☆☆

توقیر، رشنا کے بے حد اصرار پر پاکستان پہنچ چکا تھا اور اسی کی اطلاع دینے کے لیے رشنا نے ردا کو فون کیا جبھی ملازمہ سے ردا کے اسپتال میں ایڈمٹ ہونے کی خبر ملی۔ رشنا بہت دل گرفتہ ہوئی اور بھائی اور ماں کو لے کر اسپتال کے لیے روانہ ہوئی۔ وہاں ردا کے بھائیوں کو دیکھ کر توقیر ذرا ٹھٹک گیا تھا۔

''حاتم بھائی اب ردا کیسی ہے؟'' رشنا نے گھبرا کر پوچھا تو حاتم نے قدرے غصے سے اسے اور توقیر کو دیکھا۔

''اپنے اس بھائی سے پوچھو۔ جس کی وجہ سے ہماری بہن نے خودکشی کی ہے۔'' حاتم نے غصے سے جواب دیا۔

''خودکشی...... میری وجہ سے؟'' توقیر نے حیرت سے پوچھا۔

''ہاں...... تمہاری وجہ سے...... تم نے ہی اس کی زندگی میں زہر گھولا ہے، تم ہی اس کی خوشیوں کے قاتل ہو، اگر وہ مر گئی تو میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔'' حاتم نے ہائپر ہو کر اس کا گریبان جھنجوڑتے ہوئے کہا۔ عاصم اور نجمہ نے اسے چھڑایا۔

''ٹھیک ہے اگر آپ مجھے گنہگار سمجھتے ہیں تو میں ہر سزا بھگتنے کے لیے تیار ہوں۔'' توقیر بے بسی سے بولا۔

''اسے کیوں الزام دے رہے ہو...... ردا کو تم نے تھپڑ مارا...... اور تمہاری وجہ سے میری ردا نے خودکشی کی ہے۔'' خدیجہ بیگم نے آگے بڑھ کر غصے سے حاتم کو کہا تو سب چونک گئے۔ حاتم نے شرمندگی سے منہ پھیر لیا۔ تھوڑی دیر بعد ماں جی بھی فضیلت اور عبید کے ہمراہ اسپتال پہنچ گئیں۔ ماں جی، خدیجہ بیگم کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔ رشنا، نجمہ اور توقیر ایک جانب کھڑے دیکھ رہے تھے۔ حاتم اور عاصم کچھ فاصلے پر تھے۔ فضیلت، ماں جی اور عبید، خدیجہ بیگم کے پاس کھڑے انہیں تسلیاں دے رہے تھے۔

''بہن، حوصلہ کریں...... اللہ ماؤں کی دعائیں رد نہیں کرتا۔ ہم رو رو کر اور گڑگڑا کر اپنے رب سے اپنی معصوم بچی کو واپس لے کر رہیں گے۔ میرا دل کہتا ہے وہ ٹھیک ہو جائے گی۔'' ماں جی نے تسلی بھرے لہجے میں کہا۔

''کیا آپ سچ کہہ رہی ہیں، میری ردا ٹھیک ہو جائے گی؟'' خدیجہ بیگم نے پُرامید نظروں سے ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہمارا رب ہمیں مایوس نہیں کرے گا۔'' ماں جی نے انہیں تسلی دیتے ہوئے کہا۔ سب اپنی اپنی جگہ گڑگڑا کر خدا سے دعائیں کر رہے تھے۔

☆☆☆

محسن رضا کراچی جانے سے پہلے یمنیٰ سے ملنے اس کے گھر آیا۔ وہ ابھی بیڈ پر تھی مگر اس کی طبیعت پہلے سے کافی بہتر تھی۔ محسن بہت ہینڈسم لگ رہا تھا۔ وہ یمنیٰ کی طرف محبت بھری نگاہوں سے بغور دیکھتا رہا۔

''ایسے کیا دیکھ رہے ہیں؟'' یمنیٰ نے چونک کر پوچھا۔

''اپنی دعاؤں کا ثمر......'' وہ مسکرا کر بولا۔

''کیا مطلب......؟'' یمنیٰ نے حیرت سے پوچھا۔

''جس دن آپ نے میری جان بچائی تھی...... اور جس توجہ سے میرا ٹریٹمنٹ کرایا تھا تب سے آج تک میں اپنے آپ کو آپ کا مقروض سمجھتا رہا ہوں اور ہمیشہ خدا سے یہی دعا کرتا تھا کاش آپ مجھے ایک بار مل جائیں...... اور پھر......'' وہ کہہ کر رکا۔

''پھر کیا......؟'' یمنیٰ نے مسکرا کر حیرت سے پوچھا۔

''تو پھر...... میں آپ سے اپنے دل کی بات کہہ سکوں۔'' وہ آہستہ سے بولا۔

''کیا بات......؟'' یمنیٰ نے چونک کر پوچھا۔

''یہی کہ...... آپ ایک خوشبو کی طرح میرے اندر بسی ہیں...... ایک ایسی خوب صورت اور حسین یاد...... جس سے میں اپنی تنہائیوں میں سرگوشیاں کرتا تھا اور محبت کی باتیں کرتا تھا۔'' محسن رضا نے مسکرا کر کہا۔

''م...... محبت......'' یمنیٰ ایک دم بیڈ پر سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

''ہاں...... میں اسی دن سے آپ سے محبت کر رہا ہوں اور آپ یقین کریں گی کہ اپنے رب سے صرف آپ کو ہی اپنی دعاؤں میں مانگتا تھا، یمنیٰ رئیلی آئی لو یو۔ میں اللہ سے دعا کرتا تھا کہ وہ مجھے آپ سے ملا دے اور یہی میری سب سے بڑی آرزو تھی۔'' محسن رضا نے فرطِ جذبات سے لبریز آواز کے ساتھ کہا تو یمنیٰ حیرت سے آنکھیں پھیلا کر بے یقینی سے اس کی جانب دیکھنے لگی۔ خود اس نے تو محبت میں اتنا بڑا دھوکا کھایا، تضحیک اور ذلت اٹھائی تھی اس نے دل میں تہیہ کر لیا تھا کہ اب وہ زندگی بھر نہ تو کسی سے محبت کرے گی اور نہ ہی کسی کی محبت پر اعتبار...... اور اب محسن رضا اس کے سامنے بیٹھا اقرارِ محبت کر رہا تھا۔ اس کی آنکھوں اور باتوں سے خلوص جھلک رہا تھا۔ شدتِ جذبات سے اس کی آنکھیں نم

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہو رہی تھیں اور آواز میں ارتعاش پیدا ہو رہا تھا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی وہ اس کی باتوں پر یقین کر رہی تھی...... اسے حیرت ہو رہی تھی کہ محسن رضا کو اس کا سوکھا، سہما وجود کالی سیاہ رنگت کیوں نظر نہیں آ رہی تھی۔ اس کے دل میں وسوسے بھی ساتھ ساتھ سر اٹھا رہے تھے اور وہ حیرت سے گنگ اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"یمنیٰ ...... اگر آپ کہیں اور کمیٹڈ نہیں ہیں اور آپ کو میرے ساتھ پر کوئی اعتراض نہیں ہو تو میں آپ کے والد صاحب سے آپ کو مانگنا چاہتا ہوں۔" وہ بہت شستہ لہجے میں آہستہ آہستہ بول رہا تھا اور وہ بے یقینی سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"آپ......" وہ بہ مشکل بولی۔

"ہاں ...... کہیے...... آپ کیا کہنا چاہتی ہیں؟" محسن رضا نے پوچھا۔

"کیا آپ......؟" وہ کہتے ہوئے رکی۔ محسن رضا نے اس کی طرف دیکھا اور محبت سے اس کے کالے، ہڈیوں سے چٹختے ہاتھ کو اپنے سفید خوب صورت بھرے بھرے ہاتھوں میں لے کر محبت سے دبایا۔

"آپ مجھ پر مکمل اعتبار کر سکتی ہیں...... محسن رضا کی یہ زندگی اور سانسیں صرف اور صرف آپ کی امانت ہیں۔" محسن رضا نے محبت سے کہا تو یمنیٰ کی آنکھیں جھلملانے لگیں، اس نے ہونٹ بھینچتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

"میں...... میں محبت پر اعتبار نہیں کرتی......" یمنیٰ نے پُر درد لہجے میں کہا۔

"کیوں......؟ کسی نے آپ کے ساتھ کوئی بے وفائی کی ہے؟" محسن رضا نے اس کی جانب بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"صرف بے وفائی......؟ اس نے تو بہت بڑا دھوکا دیا...... میرے اعتبار کو میرے یقین کو کرچی کرچی کر دیا۔ اب میں کسی پر بھی اعتبار نہیں کر سکتی۔" اس نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھوں سے نکالتے ہوئے کہا۔

"کیا آپ دنیا کے سب انسانوں کو ایک ہی نظر سے دیکھتی ہیں؟ کیا سب انسان ناقابلِ اعتبار ہوتے ہیں...... کیا آپ کے فادر...... میں...... اور وہ شخص جس نے آپ کو دھوکا دیا سب ایک جیسے ہیں؟" محسن رضا نے کہا تو اس نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"یمنیٰ نہ تو سب انسان ایک جیسے ہوتے ہیں اور نہ ہی ان کی محبتیں...... اگر کسی نے آپ کو دھوکا دیا ہے تو دوسرا آپ کے اس ٹوٹے ہوئے اعتماد کو بحال کرنے ہی تو آیا ہے۔ میرا یقین کریں...... میں آپ سے کبھی یہ نہیں پوچھوں گا کہ وہ شخص کون تھا اور اس کے ٹرمز آپ کے ساتھ کیسے تھے...... آپ کو میں خدا کی ایک نعمت اور رحمت سمجھ کر آپ کی قدر کروں گا......" محسن رضا نے نہایت خلوصِ دل سے مسکراتے ہوئے اسے اپنی وفاؤں کا یقین دلایا۔

"کیا آپ...... مجھے......؟" یمنیٰ نے اپنا اندیشہ ظاہر کرنے کی کوشش کی۔

"یمنیٰ...... آپ تو بہت پُر اعتماد تھیں...... آپ میری خاطر اپنی جان پر بھی کھیلنے کو تیار ہو گئی تھیں...... اب ایسا کیا ہو گیا ہے کہ آپ بار بار بات کرتے ہوئے رک رہی ہیں۔ آپ کی زبان...... آپ کے لفظوں کا ساتھ کیوں نہیں دے رہی؟" محسن رضا نے چونک کر اس سے پوچھا۔

"میرا وجود...... میری رنگت...... کیا آپ کو اس میں......؟" یمنیٰ نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

"مجھے آپ سے پیار ہے...... آپ کے اندر کے اچھے انسان سے محبت ہے، آپ کی روح سے میرا ناتا ہے...... آپ کا وجود اور آپ کی رنگت یہ مجھے matter نہیں کرتی...... میں تو ساری دنیا میں صرف آپ کو تلاش کرتا رہا ہوں۔ آپ جیسا خوب صورت دل رکھنے والا انسان تو پوری دنیا میں ایک بھی نہیں۔" محسن رضا نے مسکرا کر کہا تو یمنیٰ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"کیا آپ کو مجھ پر...... اور میری باتوں پر یقین نہیں آ رہا؟" محسن رضا نے اس کی طرف بغور دیکھتے ہوئے پوچھا تو یمنیٰ خاموش ہو گئی۔ محسن کی باتوں میں اتنا دھیما پن، شائستگی اور محبت تھی کہ وہ خود بخود اس پر یقین کر رہی تھی۔ اس کی باتوں پر ایمان لا رہی تھی۔

"جانتی ہیں...... آپ کو اس شخص نے کیوں دھوکا

دیا...... اور خدا نے آپ کو اس کی محبت سے کیوں نہیں نوازا......؟" محسن رضا نے کہا تو یمنیٰ نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"میری دعاؤں کی وجہ سے...... جو شخص اپنے رب سے بے حد خلوص کے ساتھ صرف آپ کو مانگ رہا تھا تو پروردگار کیسے دوسرے شخص کو آپ جیسے انمول موتی سے نواز سکتا تھا...... جس کی قدر صرف میں جانتا ہوں، خدا آپ سے بہت محبت کرتا ہے اور آپ کو ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔ میں آپ کو اس حالت میں ملتا کہ آپ کسی اور کی ہو چکی ہوتیں تو جانتی ہیں میرے ساتھ کیا ہو جاتا......؟" وہ اس کی باتوں پر حیرت زدہ تھی۔

"میں خدانخواستہ اپنا ایمان ہی کھو دیتا...... میں پچھلے آٹھ سالوں سے آپ کو مسلسل خدا سے مانگ رہا ہوں۔ شاید ساری زندگی ہی آپ کو خدا سے مانگتا رہتا مگر شکر ہے اس نے مجھے آپ سے ملا دیا۔ اب میں آپ کو کھونا نہیں چاہتا...... آپ کو پانے کی امید پر ہی میں نے اپنی کوشش جاری رکھی اور آج جس مقام پر میں ہوں وہ بھی آپ کو پانے کی امید کی ایک کڑی ہے...... کیا آپ میری اس امید کا بھرم رکھ سکتی ہیں؟" محسن رضا نے اپنے دونوں ہاتھ اس کے سامنے پھیلاتے ہوئے کہا تو یمنیٰ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا جو بہت پُر شوق نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس نے کچھ سوچا اور مسکرا کر اپنا ہاتھ اس کے ہاتھوں پر رکھ دیا۔ محسن رضا ایک دم خوشی سے دیوانہ ہونے لگا تھا۔

"میرا انتظار کرنا یمنیٰ......" محسن رضا نے مسکرا کر دروازے کے قریب جا کر کہا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ یمنیٰ حیران ہو رہی تھی مگر انتہائی خوش بھی...... کوئی شخص اس سے اس قدر شدید محبت بھی کر سکتا ہے، اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔ وہ بھی اتنی پُر خلوص اور گہری محبت۔

☆☆☆

آزر اسے پاگلوں کی طرح تلاش کرتا پھر رہا تھا۔ اس کی ہر سانس، ہر سوچ میں سوتے، جاگتے، اٹھتے، بیٹھتے بس...... یمنیٰ سمائی تھی۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کی زندگی کا حاصل اور مقصد صرف یمنیٰ ہو...... یمنیٰ مل جائے گی تو وہ اس کے قدموں میں گر جائے گا اور تب تک سر نہیں اٹھائے گا جب تک وہ اسے معاف کر کے اس کی محبت کے نذرانے کو قبول نہیں کرے گی۔ یمنیٰ کے گھر جانے کی وہ ہمت نہیں کر پا رہا تھا۔ کئی دن اسی کشمکش میں گزر گئے اور ایک روز جب اس کی ذہنی خلش حد سے سوا ہو گئی تو اس کے قدم جمال صاحب کے گھر کی طرف اٹھ گئے۔ جہاں وہ یمنیٰ سے معافی مانگنے جانا چاہتا تھا۔

"مجھے معاف کر دو۔" وہ نہایت بے بسی کے عالم میں اس کے سامنے فرش پر گھٹنے ٹیکے بیٹھا تھا۔

"تمہیں جس کی معافی کی ضرورت تھی...... اس نے تمہیں معاف کر دیا ہے اب کیسی معافی چاہتے ہو؟" یمنیٰ نے اسے نفرت سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"اس گناہ کی معافی جسے بہت معمولی سمجھتا تھا...... میں نے تمہارا بہت دل دُکھایا...... تمہاری سچی محبت کا بہت مذاق اڑایا۔ تمہاری بہت تذلیل کی...... میں نے حمنہ کے ساتھ زیادتی کی، تمہارے اعتماد کا خون کیا مجھے معاف کر دو۔" آزر روتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"کیوں میرا ظرف اور صبر آزمانے بار بار آ جاتے ہو؟" یمنیٰ نے چیخ کر کہا۔

"اس لیے کہ کم ظرف اور بے صبروں کو اس وقت تک سکون نہیں ملتا جب تک ظرف والے انہیں معاف نہیں کر دیتے۔" وہ چہرے پر ڈھیروں شرمندگی لیے اس کے سامنے بیٹھا کہہ رہا تھا۔

"میرے سامنے مت آیا کرو...... میرا ماضی مجھے رُلانے لگتا ہے۔" وہ سسکی بھر کر بولی۔

"معافی کی کوئی صورت......؟" آزر نے ہاتھ جوڑ کر پوچھا۔

"کیسی معافی......؟" یمنیٰ نے چونک کر کہا۔

"ہم...... پھر...... سے ایک ہو جائیں......" وہ رک رک کر بولا۔

"امپاسبل...... میں نے تمہارا ہر گناہ...... ہر غلطی اور خطا اپنے اللہ کے لیے معاف کر دی۔ اب دوبارہ یہ الفاظ زبان پر مت لانا اور نہ ہی مجھ سے ملنے آنا، تمہارا میرا ہر تعلق بہت پہلے ختم ہو چکا ہے بہتر یہی ہے تم فوراً

WWW.PAKSOCIETY.COM

یہاں سے چلے جاؤ اور کبھی بھولے سے بھی اِدھر کا رخ نہیں کرنا۔'' یمنیٰ نے ٹھوس لہجے میں کہا اور ڈرائنگ روم سے اٹھ کر چلی گئی۔

آزر اسے جاتے دیکھتا رہا۔ یمنیٰ نے اسے کبھی نہ ملنے اور ہر تعلق ختم کرنے کا جو حکم دیا تھا اس نے اسے بہت زیادہ پریشان کر دیا تھا۔ وہ تو یہی سوچ کر آیا تھا کہ وہ یمنیٰ سے معافی مانگے گا اور دونوں پھر سے ایک ہو جائیں گے مگر اس نے آزر کو معاف تو کر دیا تھا مگر ہر تعلق توڑنے کا اعلان کر کے اسے زیادہ بے قرار کر دیا تھا۔ اب وہ کیا کرے...... کس کے پاس جائے...... کس سے کہے کہ وہ یمنیٰ کو سمجھائے، کس سے کہے کہ یمنیٰ صرف ایک موقع دے اس پر اعتبار کرے۔

☆☆☆

محسن رضا کراچی چلا گیا تھا اور یمنیٰ کو یوں محسوس ہو رہا تھا... جیسے اس کی کوئی قیمتی شے اس سے کہیں دور چلی گئی ہو...... اس کے اندر اداسی سی چھانے لگی...... وہ بار بار اپنا موبائل دیکھتی۔ بیڈ پر آنکھیں بند کر کے لیٹتی تو محسن رضا کی محبت بھری باتیں سرگوشیوں کی صورت میں اسے سنائی دینے لگتیں اور وہ خود بخود زیرِ لب مسکرانے لگتی۔ وہ پہروں بیٹھ کر سوچتی...... یہ کیسی محبت تھی جو وہ محسن رضا سے کرنے لگی تھی۔ کیا محبت یوں بھی ہوتی ہے جو لمحوں میں دل کی دنیا کو بدل کر رکھ دے۔ محسن رضا اچانک آیا اور اس کے دل کو فتح کر کے چلا گیا۔ وہ تو کبھی آزر سے بہت محبت کرتی تھی اس کے لیے اپنا سب کچھ قربان کرنے کو تیار تھی مگر آزر نے اس کی قدر نہ کی۔ کہتے ہیں عورت اپنی پہلی محبت کبھی نہیں بھولتی...... مگر ایسا کیا ہو گیا تھا کہ وہ آزر کو بھولنے لگی تھی۔ آزر اور اس کی محبت اس کے لیے بے معنی ہو کر رہ گئی۔ آزر نے رو رو کر گڑگڑا کر اسے اپنی محبت کا یقین دلانے کی کوشش کی تھی مگر اب اس نے آزر کی محبت پر اعتبار نہیں کیا تھا بلکہ اسے غصہ آنے لگا تھا جب آزر بار بار اپنی محبت کا اظہار کر رہا تھا۔ اسے خود پر بھی حیرت ہو رہی تھی کہ اس نے آزر کی محبت کو جھٹلا کر محسن رضا کی محبت کے لیے کیسے اپنے دل کو کھول دیا تھا شاید اس لیے کہ...... وہ آزر کے لیے بہت کچھ قربان کرنے کو تیار تھی مگر محسن رضا نے تو اس دعوئی پر عمل کر کے دکھایا تھا...... سچی محبت یہ تو نہیں ہوتی کہ صرف زبان سے اقرار کیا جائے بلکہ محبت کرنے والے کا عمل ہی اس کے اقرار کا اظہار بن جایا کرتا ہے۔ محبت ایک گورکھ دھندا ہے، نہ سمجھ آنے والا جگ سا پزل، نہ کھلنے والا ایک سنہری جال...... اور محبت کرنے والے اس سے بھی زیادہ عجیب...... جن کے دلوں کی کیفیت لمحوں میں بدلتی اور بگڑتی ہے۔

یمنیٰ، محسن رضا کی محبت سے مسرور ہو رہی تھی اور آزر اتنا ہی زیادہ مضطرب...... آزر اب اور زیادہ گڑگڑا گڑگڑا کر خدا سے یمنیٰ کو مانگ رہا تھا۔ اسے نہ جانے کیوں یہ یقین ہونے لگا تھا کہ خدا اسے مایوس نہیں کرے گا شاید وہ یمنیٰ کے دل میں اپنی محبت دوبارہ سے جگانے میں کامیاب ہو جائے...... وہ شاید جنونی ہو گیا تھا۔ اپنی اس کیفیت کو وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ یہ محبت نہیں تھی...... یہ کچھ اور ہی تھا...... شاید جنون...... دیوانگی یا پھر حاصل کرنے کی دُھن......!

محسن رضا کے جانے کے بعد یمنیٰ نے کچھ دن تو اس کے فون کا انتظار کیا پھر یہ انتظار نہایت بے چینی میں بدلنے لگا...... مہینہ بھر ہونے کو آ رہا تھا اس کا محسن رضا سے کوئی رابطہ نہیں ہوا تھا، وہ فون کرتی تو نمبر بند ملتا...... یمنیٰ کے پاس اور کوئی رابطے کا ذریعہ نہیں تھا۔ اس کا دل چاہتا کہ کبھی اسی اسپتال کے ایم ایس سے جا کر وہ محسن رضا کے بارے میں پوچھے مگر وہ کچھ سوچ کر رہ جاتی۔ اس کے دل میں وسوسے سر اٹھانے لگے کہ۔ ''شاید محسن رضا نے اس احسان کا بدلہ اتارا ہو جو میں نے اس کی جان بچا کر کیا تھا...... وہ کہاں مجھ جیسی بدصورت لڑکی کو چاہ سکتا ہے......'' یمنیٰ کی سوچیں کبھی منفی اور کبھی بے حد مایوسانہ انداز اختیار کر لیتیں۔

شومئی قسمت کہ محسن رضا کراچی آتے ہی شدید بخار میں مبتلا ہو گیا...... اس کا چھوٹا بھائی مشہور سرجن بن چکا تھا۔ محسن رضا کے جب ٹیسٹ ہوئے تو حقیقت کھلی کہ گردے کے آپریشن کی وجہ سے اس کے اندر انفیکشن ہو گیا اس نے پراپر آرام نہیں کیا تھا۔ اس کے بہن بھائی سخت تشویش میں مبتلا تھے کہ بھائی جان کو کیا ہو گیا تھا جو ایک گردہ remove کروانا پڑا اور جب محسن رضا نے بتایا تو وہ شدید حیرت میں مبتلا ہو گئے۔

''بھائی جان وہ...... وہ یمنیٰ آپی؟'' سب حیرانی سے بولے۔

''ہاں، وہی اچانک مجھے لاہور میں ملی جب اسے کڈنی کی شدید ضرورت تھی اور اسے میں نے اپنا کڈنی دے دیا۔ تم لوگ بتاؤ کیا میں ایسا نہ کرتا...... تم آج جو بھی ہو وہ اسی کی وجہ سے ہو...... اگر وہ اپنی جان پر کھیل کر مجھے نہ بچاتی اور میں آج زندہ نہ ہوتا تو تم لوگ کہاں ہوتے...... سوچو ذرا......'' محسن رضا نے تاسف بھرے لہجے میں کہا تو سب خاموش ہو گئے۔

''تم لوگ بتاؤ، میں نے ٹھیک کیا یا غلط......؟'' محسن نے قدرے توقف کے بعد پوچھا۔

''شاید آپ کو ایسا ہی کرنا چاہیے تھا......'' اس کے بھائی نے کہا۔

''شاید نہیں یقیناً......'' محسن نے ٹھوس لہجے میں جواب دیا۔

سرجن احسن اپنی ٹیم کے ساتھ پوری کوشش کر رہا تھا کہ کسی طرح وہ ایک بار پھر صحت مند ہو جائے۔ اس کے مسلسل چیک اپ اور ٹیسٹ وغیرہ چل رہے تھے۔ ایک طرف محسن کے بہن بھائی گڑگڑا کر خدا سے اس کی زندگی مانگ رہے تھے اور دوسری جانب آزر رو رو کر خدا سے یمنیٰ کو مانگ رہا تھا اور یمنیٰ...... وہ اپنے رب سے صرف اس کی رضا مانگ رہی تھی کیونکہ اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس کے لیے کیا بہتر تھا۔

وہ تینوں مثلث کے تینوں کونوں پر کھڑے خدا سے کچھ نہ کچھ طلب کر رہے تھے۔ اب کس کو کیا ملنا تھا یہ خدا کا فیصلہ تھا اور یہ فیصلہ کس کے حق میں ہوگا...... اس کی کسی کو خبر نہیں تھی۔

☆☆☆

شام ہو رہی تھی جب زرینہ، ردا کے کمرے میں گئی اور تمام بکھری چیزوں کو ٹھیک کر کے رکھنے لگی۔ بیڈ شیٹ ٹھیک کرتے ہوئے تکیے کے نیچے سے اسے تین لفافے

ملے۔ اس نے انہیں چونک کر الٹ پلٹ کر کے دیکھا۔ ایک پر حاتم بھائی اور عاصم بھائی کے نام دوسرے پر توقیر کے نام...... اور تیسرے پر روحیل کے نام... لکھا تھا۔

وہ لفافے پکڑے کمرے سے باہر نکل آئی۔ ڈرائیور لاؤنج میں داخل ہو رہا تھا۔

''میں اسپتال جا رہا ہوں، کچھ بھجوانا تو نہیں......؟'' ڈرائیور نے پوچھا۔

''تھوڑا کھانا پیک کر دیا ہے وہ لے جاؤ اور یہ ردا بی بی کے کمرے سے تین لفافے ملے ہیں یہ لے جا کر بیگم صاحبہ کو دے دینا۔ ہو سکتا ہے کہ کچھ ضروری باتیں ان میں لکھی ہوں۔'' اس نے ڈرائیور کو ٹفن لا کر دیا اور ساتھ ہی وہ لفافے پکڑائے۔ ڈرائیور وہ لے کر چلا گیا۔ زرینہ ڈرائیور کے جانے کے بعد مغرب کی نماز پڑھنے کھڑی ہو گئی۔ نماز تمام کر کے ابھی وہ دعا مانگ رہی تھی کہ شمیلہ کمرے سے نکلی اور زرینہ کے پاس جا کر کھڑی ہو گئی۔ زرینہ زور زور کر بہ آوازِ بلند خدا سے دعا کر رہی تھی۔

''یا اللہ! ہماری ردا بی بی کو بچا لے اور ان پر رحم فرما...... میری جان لے لے...... مگر ردا بی بی کی جان بخش دے۔'' زرینہ کو گڑگڑاتے سن کر شمیلہ کو ایک دم غصہ آ گیا۔

''وہ مر تو نہیں رہی جو تم یوں رو رو کر نحوست پھیلا رہی ہو۔'' شمیلہ نے غصے سے کہا۔

''اللہ نہ کرے...... آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں۔'' زرینہ نے دعا ختم کر کے گھبرا کر کہا۔

''کیوں......؟ اگر وہ مر گئی تو کون سی قیامت آ جائے گی۔'' شمیلہ چمک کر بولی۔

''قیامت ہی آ جائے گی اس گھر پر...... اور......'' اس نے آہ بھر کر کہا۔

''ہونہہ...... کسی کو کچھ فرق نہیں پڑے گا۔ ویسے بھی زندہ رہ کر اس نے بڑے کارنامے کیے ہیں جو سب اسے یاد کریں گے۔ ایسی ذلت کی زندگی سے تو موت ہی اچھی ہے اس کے لیے۔'' شمیلہ نے نخوت سے منہ بنا کر کہا۔

''کچھ خدا کا خوف کریں بی بی...... اور اس کی لاٹھی سے ڈریں جب وہ برسنے پر آتی ہے تو کسی ظالم کو نہیں بخشتی......'' زرینہ نے غصے اور دکھ سے ایک دم بے قابو ہو

WWW.PAKSOCIETY.COM

کر کہا۔

”کیا...... بکواس کررہی ہو...... کیا تم مجھے ظالم کہہ رہی ہو...... ابھی تو خالہ جان اور ردا اپنے آپ کو بچائیں جن پر قہر ٹوٹ رہا ہے۔“ شمیلہ نے نہایت نفرت سے کہا تو زرینہ آنکھوں میں آنسو بھر کر رہ گئی۔

خدیجہ بیگم آئی سی یو کے باہر بینچ پر بیٹھی سورۂ یٰسین پڑھ رہی تھیں...... ماں جی کے ہاتھ میں تسبیح تھی حاتم اور عاصم ایک دوسرے کے پاس کھڑے باتیں کررہے تھے جبکہ نجمہ اور توقیر بھی ایک کونے میں کھڑے تھے۔ جبھی روحیل تیز تیز قدموں سے اندر داخل ہوا تو سب ایک دم اسے دیکھ کر چونکے۔ اسے عبید ماموں بہ مشکل منا کر لائے تھے۔

”تم ...... یہاں کیا لینے آئے ہو......؟ ظالم نیچ انسان...... میری بہن کی زندگی تم نے برباد کر کے رکھ دی۔“ حاتم نے آگے بڑھ کر غصے سے روحیل کو جھنجوڑتے ہوئے کہا۔

”جسٹ شٹ اپ...... میں تم لوگوں کے منہ نہیں لگنا چاہتا۔“ روحیل نے بھی شدید غصے سے حاتم کو دھکا دیتے ہوئے کہا۔ عبید ماموں نے آگے بڑھ کر دونوں کو چھڑاتے ہوئے سمجھایا۔

”یہ تم لوگ کیا کررہے ہو...... کم از کم وقت کی نزاکت کو تو دیکھو...... دنیا کو تماشا مت دکھاؤ۔“ عبید نے اردگرد گزرتے لوگوں پر نظر دوڑاتے ہوئے آہستہ سے کہا۔

”دنیا کو تماشا تو اس نے دِکھایا ہے...... اپنی بیوی کو سرِعام رسوا کر کے...... ردا نے اس کی وجہ سے ہی خودکشی کی کوشش کی۔“ حاتم نے روحیل کی طرف دیکھ کر غصے سے چلاتے اور بے قابو ہوتے ہوئے کہا۔

”خودکشی تو اس نے اپنے کرتوتوں اور عیبوں پر پردہ ڈالنے کے لیے کی ہے۔“ روحیل بھی غصے سے مشتعل ہو کر بولا۔

”خدا کے لیے چپ ہو جاؤ۔“ عبید نے نرمی سے دونوں کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

”میں کوئی بے غیرت انسان نہیں...... جو ان کی گھٹیا باتیں سن کر چپ رہوں۔“ روحیل نے غصے سے بھڑکتے ہوئے کہا۔

”it's enough...... زیادہ fuss کرنے کی ضرورت نہیں...... بہتر یہی ہے کہ آپ یہاں سے چلے جائیں۔“ عاصم نے آگے بڑھ کر غصے سے روحیل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”میں خود بھی یہاں نہیں آنا چاہتا تھا۔“ روحیل سر جھٹک کر بولا۔

خدیجہ بیگم، ماں جی، توقیر، رشنا اور فضیلت سب پریشان ہو کر اُن کی طرف دیکھ رہے تھے۔

”ہاں، میں روحیل کو یہاں لایا ہوں۔“ عبید نے کہا۔

”تو پھر آپ ہی انہیں یہاں سے جانے کے لیے کہہ دیں۔“ عاصم نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

”بیٹا! ردا اس کی بیوی ہے اور......“ عبید نے نرمی سے سمجھانا چاہا۔

”ردا کو ایسے بے غیرت شوہر کی کوئی ضرورت نہیں جس نے اس کی زندگی کو جہنم بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔“ حاتم نے غصے سے عبید کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

”بے غیرت تو تم لوگ ہو جو اس لَو لیٹر اور ردا کے اقرار کے باوجود بھی اسے بے گناہ کہہ رہے ہو جبکہ سارے زمانے کو ردا کے مشکوک کردار کا پتا چل چکا ہے۔“ روحیل کسی طور خاموش نہیں ہو رہا تھا۔

”بکواس بند کرو، ورنہ میں تمہیں ابھی یہیں زمین میں گاڑ دوں گا۔“ حاتم نے غصے سے دھاڑتے ہوئے کہا تو توقیر پریشان ہو کر انہیں دیکھنے لگا۔ وہ کچھ تذبذب کے عالم میں آگے بڑھا اور خدیجہ بیگم کے ہاتھ سے سورۂ یٰسین لے کر کہنے لگا۔

”مجھے اس کلام پاک کی قسم...... ردا بالکل بے قصور ہے...... وہ خط میں نے ہی ردا کو لکھا تھا...... مگر اس نے کبھی مجھ سے ”اقرارِ محبت“ نہیں کیا۔ اس نے مجھے صاف انکار کردیا کہ اس کا دل میری محبت کو نہیں مانتا تو میں اس کے راستے سے ہٹ گیا...... ردا بالکل بے گناہ...... معصوم اور پاک ہے، مجھے سمجھ میں نہیں آرہا کہ آپ نے میرے خط پر تو اعتبار کرلیا مگر اپنی بیوی کی محبت پر نہیں جو صرف آپ سے محبت کرتی ہے۔“ توقیر نے روحیل کی طرف دیکھا۔

”بکواس بند کرو...... گھٹیا انسان...... تم سب کو میرے خلاف کرنے کے لیے پھر چال چل رہے ہو، اصل مجرم تو تم خود ہو۔ تم نے ہی ہماری زندگی میں آگ لگانے کی کوشش کی، آج میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔“ یہ کہہ کر روحیل نے توقیر کی گردن کے گرد اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں رکھ کر گلا دبانے کی کوشش کی تو سب لوگ گھبرا کر شور مچانے لگے۔ ماں جی کو غصہ آگیا اور انہوں نے آگے بڑھ کر روحیل کے گال پر زوردار تھپڑ لگایا۔ روحیل توقیر کو چھوڑ کر ماں جی کو ہکا بکا دیکھنے لگا۔

”ماں جی...... آپ نے مجھے مارا......“ روحیل اپنے گال پر ہاتھ رکھتے ہوئے حیرت سے کہہ رہا تھا۔

”ردا کے اصل مجرم اور گنہگار تو تم خود ہو، اپنا عیب چھپانے کے لیے تم نے اس معصوم اور پاکباز لڑکی پر تہمت لگائی تاکہ تمہارا عیب چھپا رہے۔“ ماں جی نے غصے سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”ماں...... جی آپ یہ...... یہ کیا کہہ رہی ہیں؟“ روحیل نے بری طرح بوکھلا کر ماں سے کہا۔

”اگر میں آج بھی سچ نہیں بولوں گی تو قیامت کے روز میرا خدا مجھے معاف نہیں کرے گا اور نہ ہی میری ردا......“ ماں جی نے خفگی سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ سب لوگ حیرت سے اُن کی طرف دیکھنے لگے۔ گھبراہٹ سے روحیل کے چہرے پر پسینے کے قطرے نمودار ہونے لگے۔ ماں جی نے سب کے سامنے روحیل کی میڈیکل رپورٹس والا واقعہ بتایا کہ اسے چھپانے کے لیے وہ ردا پر زیادتیاں کرتا رہا۔

”تم نے ردا کو رسوا کرنا چاہا اور آج توقیر کو بھیج کر خدا نے میری ردا کو بے گناہ ثابت کردیا اور تمہیں گناہگار...... خدا تمہیں کبھی معاف نہیں کرے گا۔“ خدیجہ بیگم نے پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے کہا۔

حاتم غصے سے اس کی طرف بڑھا اور اس کا گریبان پکڑ کر اسے جھنجوڑنے لگا۔

”بے غیرت...... خبیث...... انسان ...... تم فہام بھائی کے ہاتھوں مرنے سے بچ گئے مگر میں تمہیں اب زندہ نہیں چھوڑوں گا۔“ اسی لمحے ڈرائیور شوکت نفن اور زرینہ کے دیے گئے خطوط پکڑے وہاں پہنچا اور سیدھا خدیجہ بیگم کے قریب آگیا۔

”بی بی یہ کھانا لیں اور یہ لفافے ردا بی بی کے کمرے سے ملے ہیں۔“ حاتم نے بھی سنا اور روحیل کو چھوڑ کر وہ لفافے دیکھنے لگا۔ سب کے نام کے الگ، الگ لفافے تھے، وہ حیران تھا اس نے ماں سے لے کر اپنے نام کا لفافہ سب سے پہلے کھولا...... لکھا تھا۔

”حاتم بھائی اور عاصم بھائی! جب آپ کو یہ خط ملے گا تب میں آپ سے بہت دور جا چکی ہوں گی۔ حاتم بھائی آپ نے مجھے اپنی ہی نظروں میں اتنا گرا دیا ہے کہ ذلت کا یہ بوجھ میری برداشت سے باہر ہے، مجھے اپنی زندگی حقیر اور بے مایہ لگ رہی ہے اور ذلت کا یہ بوجھ بہت زیادہ بھاری...... اس لیے میں نے اپنی زندگی کی بساط پلٹنے کا فیصلہ کرلیا ہے...... میں بے گناہ ہوں، اس بات کا پتا آپ کو بہت جلد چل جائے گا...... میں نے آپ لوگوں سے بہت محبت کی ہے مگر شاید آپ لوگ مجھ سے ویسی محبت نہیں کر پائے جیسی فہام بھائی کرتے تھے، وہ میری ہر خطا معاف کردیتے تھے اور آپ میرے ناکردہ گناہ اور مجھے گنہگار ثابت کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ اب مجھے آپ سے کوئی معافی نہیں چاہیے لیکن آپ لوگوں نے جو کچھ میرے ساتھ کیا، میں وہ سب معاف کرتی ہوں۔

فقط ردا۔“

حاتم پڑھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا اور وہی خط عاصم کو پکڑا دیا۔ وہ بھی پڑھنے لگا اور باقی کے دو لفافے روحیل اور توقیر کو پکڑا دیے۔

”روحیل!

”زندگی کا سفر ہم نے جس قدر محبت، خوشی اور خوش امیدی سے شروع کیا تھا وہ یوں نفرت اور مایوسی پر ختم ہوگا اس کا نہ تو یقین تھا اور نہ ہی امید...... خدا گواہ ہے میری زندگی میں آنے والے پہلے مرد آپ ہیں، جس سے میں نے شدید اور سچی محبت کی مگر دنیا سے رخصت ہوتے ہوئے میرے دل میں آپ کے لیے صرف نفرت ہی نفرت ہے۔“ اور بھی بہت کچھ لکھا تھا مگر اس سے پڑھا نہ گیا۔

روحیل وہ خط پڑھ کر دیوار پر مکے مارتے ہوئے شدید پچھتاوے کا شکار ہونے لگا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

"ہاں، میں ہی تمہارا گنہگار ہوں...... مجرم ہوں...... میں نے یہ اپنے ہاتھوں سے کیا کردیا......"

روحیل اپنے ہاتھ مل رہا تھا۔ اس کا خط زمین پر گرا تو عبید نے بڑھا اور آہ بھر کر ماں جی کو پکڑا دیا، وہ بھی پڑھ کر رونے لگیں۔ کچھ فاصلے پر توقیر کھڑا اپنا خط پڑھ رہا تھا۔

"توقیر

روحیل نے آپ کے خط کو ایشو بنا کر مجھ پر جھوٹا الزام لگانے کی کوشش کی مگر اس کی حقیقت کو میں جانتی ہوں۔ اس لیے آپ کو کسی بھی بات کے لیے قصوروار نہیں ٹھہراتی۔ آج دنیا سے رخصت ہوتے وقت ایک بات کا بہت پچھتاوا ہو رہا ہے کہ کاش...... میں اپنے دل کا انکار سنے بغیر آپ کی محبت پر آنکھیں بند کر کے اعتبار کرلیتی تو آج یہ دن نہ دیکھنا پڑتا مگر روحیل کے ہاتھوں ذلت اور پھر ذلت کی موت ہی میرے مقدر میں لکھی تھی۔ میں اس سے کیسے بچ سکتی تھی مگر آج...... اس لمحے میرا دل کہتا ہے کہ اگر آپ یہاں ہوتے تو مجھے ضرور بچا لیتے آپ کی محبت مجھے کبھی مرنے نہ دیتی...... لیکن آپ نے میری محبت کی وجہ سے شادی نہ کر کے بہت بڑی قربانی دی، آپ نے سچی محبت کا ثبوت دیا، میں آپ کی مجرم ہوں، ہو سکے تو مجھے معاف کردیں اور میرے لیے مغفرت کی دعا ضرور کریں، کہتے ہیں کہ خدا سچی محبت کرنے والوں کی دعائیں رد نہیں کرتا۔ ممکن ہے آپ کی دعائیں میرے لیے آسانیاں پیدا کرسکیں۔

بدنصیب ردا"

توقیر سسکیاں بھرنے لگا۔ رشنا نے خط اس کے ہاتھ سے لے کر جلدی سے پڑھا، وہ بھی سسکنے لگی۔

اندر ردا کی حالت بہت خراب ہو رہی تھی۔ ڈاکٹرز کو بلایا گیا۔ خدیجہ بیگم بھی تیزی سے اُن کی جانب لپکیں۔

"ڈاکٹر میری بیٹی......؟" خدیجہ بیگم نے سسکتے ہوئے پوچھا۔

"آپ دعا کریں، اُن کی حالت ٹھیک نہیں ہے۔" ایک ڈاکٹر نے ان کی بات کاٹ کر کہا اور جلدی سے اندر چلا گیا۔

عاصم نے بھی خط پڑھ لیا تھا اس نے روتے ہوئے حاتم کی طرف دیکھا۔

"کاش ہمیں ایک موقع مل جائے اور ہم ردا سے تمام زیادتیوں کی معافی مانگ لیں۔" عاصم نے افسوس بھرے لہجے میں کہا۔

"ہاں...... میں ہی شاید اس کا گنہگار ہوں۔" حاتم بھی کفِ افسوس مل رہا تھا۔ ردا کے خطوں نے سب کے دلوں میں انقلابی جذبات پیدا کردیے تھے۔ ان کے دل نرم ہوگئے تھے مگر کب، جب ردا موت و زیست کے درمیان تھی۔

"ماں جی...... دعا کریں ردا ٹھیک ہوجائے پھر آپ جو کہیں گی میں وہی کروں گا۔ میں خود اس کے آگے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگ لوں گا۔" روحیل سسک رہا تھا تو دوسری طرف توقیر نوحہ کناں تھا۔

"ردا میں تم سے اقرارِ محبت سننے کے لیے کتنا بے تاب تھا اور تم نے اس وقت اقرار کیا جب میں تمہارے لیے کچھ نہیں کرسکتا۔ خدا کے لیے تم ایک بار زندگی کی طرف لوٹ آؤ، میں دنیا بھر کی خوشیاں تمہارے قدموں میں ڈھیر کردوں گا۔"

ردا کے منہ پر آکسیجن ماسک لگا ہوا تھا وہ انتہائی بے قراری سے اپنے ہاتھ پاؤں بیڈ پر مار رہی تھی۔ نرس نے اسے جلدی سے انجکشن لگانے کی کوشش کی مگر اس نے انتہائی مضطرب ہو کر منہ سے ماسک اتار پھینکا اور زور سے چیخی۔

"مم...... مم...... مما۔" اس نے زور سے ہچکی بھری اور کھینچ کر سانس لی پھر ایک دم خاموش ہوگئی۔

☆☆☆

آزر کی دلی کیفیات بدل کر رہ گئی تھیں۔ وہ خدا کے حضور سجدہ ریز رہتا، آدھی آدھی رات کو اٹھ کر آسمان کے نیچے اس رب العزت سے فریاد کرتا کہ کسی طرح یمنی کا دل اس کی جانب پھیر دے۔ وہ اپنے دل کی تمام تر گہرائیوں اور پُرخلوص محبت کی شدت کے ساتھ اپنے سابقہ گناہوں کی معافی مانگتا اور نہ جانے کون، کون سے واسطے دے کر آنسو بہا کر سسکیاں بھرتے ہوئے ہاتھ جوڑ کر التجا کرتے ہوئے پروردگار سے توبہ طلب کرتا رہتا اور

دعائیں مانگتا رہتا۔

"صرف ایک بار اے اللہ جو بہت طاقت والا ہے، یمنی کے دل میں میرے لیے ویسی محبت پیدا کردے جو کسی سچے عاشق کے لیے ہوتی ہے۔ میں نے پہلے اس کی محبت کی قدر نہیں کی تھی مگر اب میں اس کی بہت قدر کروں گا۔ اس کی محبت کو اپنے لیے قیمتی اثاثہ سمجھ کر دل سے لگا کر حفاظت کروں گا۔ بس ایک بار...... صرف ایک بار......"

☆☆☆

محسن رضا ساری رات بہت مضطرب رہا تھا۔ وہ اسپتال سے گھر شفٹ ہوچکا تھا گو کہ اس کے بخار کی شدت میں کچھ کمی آگئی تھی مگر اس کا انفیکشن ابھی پوری طرح ٹھیک نہیں ہوا تھا اور اس انفیکشن سے اس کا دوسرا گردہ بہت بری طرح متاثر ہو رہا تھا۔ ڈاکٹروں نے اسے کوئی امید افزا رپورٹ نہیں دی تھی۔ اس کی چھٹی بھی ختم ہو رہی تھی اور وہ اس حالت میں جاب پر بھی واپس نہیں جاسکتا تھا۔ اس کے بہن بھائی اس کی وجہ سے بہت زیادہ پریشان تھے۔ ڈاکٹرز بھی اس کی صحت کے بارے میں حتمی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتے تھے۔ وہ کتنے خواب آنکھوں میں سجا کر کراچی آیا تھا۔ وہ کتنا زیادہ خوش تھا کہ اس کا خدا اس پر کتنا مہربان ہو رہا ہے کہ اس کی برسوں کی دعا بھی پوری کردی اور اب اس کی وہ شدید خواہش بھی پوری ہونے جارہی تھی مگر انسان کو کیا معلوم کہ اس کے ساتھ کیا ہونے والا ہے اور آنے والے لمحے اس کے لیے خوشیوں کا پیغام لے کر آتے ہیں یا دکھوں کا...... اس کی خوشیاں کیسے لمحوں میں افسردگی میں بدل گئی تھیں۔ وہ اپنے کمرے میں بیڈ پر نیم دراز نم آنکھوں کے ساتھ چھت کی جانب دیکھ کر دل ہی دل میں سوچ رہا تھا۔

"نہ جانے میری قسمت میں ادھوری خوشیاں ہی کیوں لکھی گئی ہیں۔ ساری زندگی اتنی طویل جدوجہد کے بعد اگر ایک خوشی ملنے لگی تھی...... تو وہ بھی اس انجانی بیماری کی نذر ہونے جارہی ہے...... نہ جانے یمنی میرے بارے میں کیا سوچ رہی ہوگی...... میں اپنی رپورٹس لے جا کر اسے دکھاؤں گا تاکہ اسے یقین آجائے...... مجھے کوئی حق نہیں کہ اپنی خواہشات پوری کرنے کے لیے کسی

ماہنامہ جاسوسی ڈائجسٹ
سردیوں کی طویل راتیں
الوداعیہ دسمبر کی یادگاریں
اولین صفحات ● اس پہیلی کی داستان جسے صرف باتوں سے تسخیر و مسمار کیا جاسکتا ہے... **ایچ اقبال** کے انداز نگارش کا شاہکار نامہ
گرداب ● واقعات کے نئے گرداب میں گرفتار کرداروں کا آغاز وانجام **اسما قادری** کا سلسلہ
جواری ● **احمد اقبال** کے شہربار قلم سے ایک جواری کے کھیل کے نت نئے انداز
مغرب کے نرالے انداز ● مغرب کی تہذیب اور ماحول کی عکاس جرم اور محبت کی ناقابل فراموش کہانیاں
آپ کے تبصرے... مشورے... محبتیں... شکایتیں... اور نئی نئی دلچسپ باتیں... کتھائیں
سرورق کی کہانیاں
پہلی کہانی ● رنگ و نور کے اجالوں سے اندھیروں میں بھٹک جانے والوں کی دلچسپ کتھا...
دوسری کہانی ● پولیس اور جرائم پیشہ افراد کے گرد گھومتی ایک تیز رفتار پرتجسس کہانی...

WWW.PAKSOCIETY.COM

معصوم انسان کی زندگی برباد کردوں اور وہ بھی یمنیٰ جیسی عظیم انسان جس کے میری زندگی پر کتنے احسانات ہیں...... وہ ٹھیک ہوگئی ہے اور اسے کوئی بھی صحت مند انسان مل جائے گا...... مجھ جیسے بیمار شخص کا ساتھ اسے کیا خوشی دے گا۔" اس نے دل گرفتگی سے سوچا اور ایک ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا۔

☆☆☆

یمنیٰ کو نیند نہیں آرہی تھی۔ وہ بیڈ پر لیٹی تھی اور اس کے ہاتھ میں موبائل تھا۔ وہ بار بار محسن کا نمبر ملا رہی تھی مگر اس کا موبائل آف مل رہا تھا۔ وہ بہت اپ سیٹ ہونے لگی تھی اور جھنجلا کر اس نے موبائل بیڈ پر پھینکا اس کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوگئے۔

"اگر وہ میرے نصیب میں نہیں تھا تو پھر وہ کیوں آیا......؟ مجھے پھر سے اذیت میں ڈالنے...... کتنی کوشش سے میں آزر کی محبت کو اپنے دل سے مٹانے کی سعی کررہی تھی اور وہ نہ جانے کہاں سے آگیا اور پھر سے میرے دل میں محبت کی دم توڑتی شمع کو جلانے کی کوشش کی۔ اس نے اگر چلے ہی جانا تھا تو پھر میرے ساتھ کیوں یہ مذاق کیا......" یمنیٰ نے سسکتے ہوئے سوچا۔

"نہیں، اس نے مذاق نہیں کیا...... اس کی آنکھوں میں خلوص تھا اور باتوں میں سچائی کی جھلک تھی۔ میرا دل کہتا ہے اس نے مجھ سے جھوٹ نہیں بولا تو...... پھر وہ کیوں ایسے کررہا ہے اگر کوئی پرابلم ہے تو مجھے بتا کیوں نہیں دیتا۔" اس نے جھنجلا کر سوچا۔

"کہیں...... آزر......؟" ایک دم آزر اس کے ذہن میں نمودار ہوا تو وہ چونک کر اٹھ بیٹھی۔ "وہ بھی تو کیسے گڑگڑا کر مجھ سے محبت کی بھیک مانگ رہا تھا۔ مجھے دوبارہ اپنے اوپر اعتبار کرنے کو کہہ رہا تھا۔ محبت کے دعوے کررہا تھا۔ اللہ کے واسطے دے رہا تھا۔ کہیں وہ تو ہمارے راستے میں حائل نہیں ہورہا۔ میں بھی تو خدا سے دعا مانگتی تھی کہ مجھے اس شخص کا ساتھ نصیب ہو جو مجھ سے سچی اور شدید محبت کرے...... اور اب آزر میرے لیے بہت زیادہ مضطرب رہنے لگا ہے اسی طرح جیسے کبھی میں اس کے لیے بے قرار اور بے چین ہوا کرتی تھی۔ آزر عظیم...... اور محسن رضا......!" اس نے ہونٹ سکوڑے اور پریشان ہوکر سوچنے لگی۔ اسی مضطرب حالت میں اس کی آنکھ لگ گئی اور وہ گہری نیند سوگئی۔ اس نے خواب میں دیکھا کہ اس کے ہاتھوں میں پھولوں کا ایک خوب صورت گلدستہ ہے اور اس کے سامنے محسن اور آزر کھڑے ہیں اور وہ کبھی آزر کی طرف بغور دیکھتی ہے تو کبھی محسن کی طرف...... اسے کچھ سمجھ نہیں آرہا۔

"میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں۔" آزر نے کہہ کر اپنے دونوں ہاتھ گلدستے کی جانب بڑھائے۔

"اور میں تو تمہیں پانے کے لیے دعائیں کرتا رہا ہوں۔" محسن رضا نے بھی گلدستے کی جانب ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا تو یمنیٰ حیرت سے دونوں کی طرف دیکھنے لگتی ہے اسے کچھ سمجھ میں نہیں آرہا ہوتا کہ وہ کیا کرے۔

"یمنیٰ تم بھی تو مجھ سے بہت محبت کرتی تھیں...... اور اب بھی کرتی ہو میں جانتا ہوں تمہارے دل میں صرف میں ہوں۔" یکا یک آزر بولا۔

"یمنیٰ تم نے میرے لیے اپنی جان کی بھی پروا نہ کی...... اور کسی کے لیے جان قربان کرنا کوئی معمولی بات تو نہیں ہوتی۔ تم نے مجھ پر احسان کیا...... گو کہ میں نے بھی تمہارے اس احسان کا بدلہ چکا دیا ہے...... اب میں اور آزر تمہارے سامنے کھڑے ہیں، اپنی اپنی محبت کا کشکول تھامے۔ تمہیں صرف انتخاب کرنا ہے کہ تم کس کو زیادہ چاہتی ہو...... یا پھر کون تم سے زیادہ محبت کرتا ہے؟" محسن نے محبت بھرے لہجے میں استفہامیہ انداز میں اس سے سوال کرتے ہوئے کہا۔

"نہیں م...... میں...... میں کچھ نہیں جانتی......" وہ ایک دم ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ اس کا سارا جسم پسینے میں شرابور تھا۔

"یہ...... یہ کیسا خواب تھا......؟" وہ اپنے چہرے پر ہاتھ پھیر کر سوچنے لگی۔

"مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آرہا...... اس خواب کا کیا مطلب ہے اور میرے ساتھ کیا ہونے والا ہے؟" اس نے جھنجلاتے ہوئے خود کلامی کی۔

☆☆☆

"آئی ایم سوری...... ہم...... ردا بی بی کو نہیں بچا سکے۔" ڈاکٹر کے جملے تھے کہ گرز جو حاتم کے اوپر پڑے تھے۔ یہی کیفیت روحیل اور توقیر کی بھی تھی۔ ردا ایک مرتبہ ہوش میں آکر پھر کومے میں چلی گئی تھی اور اس دفعہ وہ مسلسل چار دن بے ہوش رہی جبھی ریحانہ بیگم کا صدمہ بھی اس خاندان کو سہنا پڑا تھا۔ ردا کی جانب سے بے فکری نہیں ہوئی تھی۔ ریحانہ بیگم کے قل کے بعد شمیلہ واپس گھر آچکی تھی۔ آج سب اسپتال میں پھر جمع تھے۔ جبھی ردا کی حالت بگڑنے لگی بس اس نے ہوش میں آکر فہام بھائی اور مما کے الفاظ ادا کیے اور ہمیشہ، ہمیشہ کے لیے اُن کی زندگیوں سے نکل گئی۔ خدیجہ بیگم ہذیانی انداز میں چیخ رہی تھیں۔ ماں جی پر الگ غم کا پہاڑ ٹوٹا تھا۔ روحیل، حاتم اور توقیر جو چار دن سے ردا کے خطوط پڑھ پڑھ کر پچھتاوؤں کی آگ میں جل رہے تھے آج اس سے معافی مانگنے جمع ہوئے تھے جب ڈاکٹروں نے بتایا تھا کہ اسے ہوش آیا ہے مگر یہاں آکر تو کوئی اور ہی قیامت ان کی منتظر تھی۔

ردا نہایت خاموشی سے دنیا چھوڑ کر جا چکی تھی۔ تینوں گھروں میں یکساں سوگ کی کیفیت تھی البتہ شمیلہ کی آنکھ سے ایک آنسو بھی نہیں گرا تھا۔ وہ فہام کی موت کا ذمے دار ردا کو قرار دیتی تھی اور اب اس کے دل کو سکون مل گیا تھا۔

☆☆☆

ماں جی، ردا کی رسم قل میں گئی تھیں۔ وہاں پر ہر کوئی ردا کی تعریف کررہا تھا۔ روحیل اس کے جنازے میں شرکت کے بعد گھر سے باہر نہیں نکلا تھا ہر وقت اپنے کمرے میں بیٹھا آنسو بہاتا رہتا۔ اس کے ضمیر کی خلش اسے کسی پل چین نہیں لینے دے رہی تھی۔

ماں جی، خدیجہ بیگم کے پاس بیٹھ کر روحیل کی طرف سے معافی مانگ رہی تھیں۔ شمیلہ پاس ہی بیٹھی تھی۔ اس کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات تھے۔

"مجھے آپ سے کبھی شکوہ نہیں رہا۔ آپ نے میری ردا کو ماں کا ہی پیار دیا۔ گلہ تو صرف روحیل سے ہے۔" خدیجہ بیگم نے روتے ہوئے کہا۔

"جانتی ہوں وہ معافی کے قابل نہیں...... پھر بھی اس کی طرف سے معافی مانگتی ہوں۔" ماں جی نے آہ بھر کر التجائیہ انداز میں کہا۔

"انسان دوسروں پر زیادتیاں کرتے ہوئے بھول جاتا ہے کہ وہ بھی خدا کا بنایا ہوا انسان ہے اور کسی بھی وقت خدا کی پکڑ میں آسکتا ہے۔ سب نے میری ردا کے ساتھ بہت زیادتیاں کیں۔" خدیجہ بیگم بری طرح رو رہی تھیں۔ "خدا ہی ان لوگوں کو پوچھے جنہوں نے میری معصوم بیٹی کو ناحق اذیتیں دیں۔" خدیجہ بیگم نے آہ بھر کر شمیلہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"خالہ جان...... آپ بار بار میری طرف دیکھ کر کیوں بات کررہی ہیں۔ اس کی موت کی ذمے دار میں نہیں وہ خود ہے، اس نے خودکشی کرکے حرام موت کو خود گلے لگایا ہے اور وہ اتنی نیک پاک بھی نہیں تھی جو آپ اس کی شان میں قصیدے پڑھ رہی ہیں۔" شمیلہ نے خدیجہ بیگم کی طرف دیکھ کر انتہائی بدتمیزی سے کہا۔

"تم کس لہجے میں اپنی ساس سے بات کررہی ہو۔ میری ردا نے یوں...... کبھی اونچی آواز میں مجھ سے بات نہیں کی تھی۔" ماں جی نے قدرے خفگی سے اسے ڈانٹتے ہوئے کہا تو تمام عورتیں چہ مگوئیاں کرنے لگیں۔

"ردا آپ کے ساتھ اچھی تھی، اس لیے کہ آپ اس کے ساتھ اچھی تھیں اور......" شمیلہ نے خفگی سے خدیجہ بیگم کی طرف دیکھتے ہوئے جملہ ادھورا چھوڑا۔

"تمہارے کہنے کا مطلب ہے خدیجہ بہن تمہارے ساتھ اچھی نہیں، یہ کیسے ہوسکتا ہے جس عورت نے اپنی بچی کی اتنی اچھی تربیت کی ہے وہ بہو کے ساتھ کیسے اچھی نہیں ہوسکتی۔ بیٹا بدگمانیاں اور نفرتیں رشتوں کو کمزور بنا دیتی ہیں اور زندگی میں رشتے بہت انمول ہوتے ہیں، ان کی قدر کرنی چاہیے۔ تم نے بھی ابھی اپنی ماں کو کھویا ہے، ردا تو چلی گئی ہے اب تم خدیجہ بہن کی عزت اور قدر کرو۔" ماں جی نے شمیلہ کو سمجھایا۔

"کیا آپ نے یہ سب باتیں اپنے بیٹے کو نہیں سکھائی تھیں؟" شمیلہ نے طنزیہ کہا۔

"سکھائی تھیں...... لیکن ہر......" ماں جی نے افسردگی

WWW.PAKSOCIETY.COM

سے ایک آہ بھری۔

ریحانہ بیگم کے چالیسویں کے بعد سلمان نے گھر بڑی اچھی قیمت پر بیچا تھا۔ نفیسہ پیکنگ کرنے میں مصروف تھی۔ دونوں کے ویزے بھی آگئے تھے اور وہ جلد از جلد شمیلہ کو بتائے بغیر ملک سے باہر جا رہے تھے۔ شمیلہ، ردا کی ڈیتھ کی وجہ سے گھر سے باہر نکل نہیں پا رہی تھی۔ دونوں نے اس موقع کو غنیمت جانا اور جلد سے جلد مکان بیچنے کا بندوبست کیا۔

☆☆☆

''کب تک یونہی اس کے غم میں گُھلتے رہیں گے؟'' ردا کی موت کو کتنے دن گزر گئے مگر حاتم نارمل نہ ہوسکا اور شمیلہ مزید چڑچڑی ہوگئی تھی۔

''کیا مطلب کب تک......؟ میں ہی تو اس کا قاتل ہوں۔'' حاتم نے کہا اور ایک دم پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

''اس نے خودکشی کی ہے، حرام موت مری ہے، دنیا میں بھی ذلیل اور آخرت میں بھی رسوا۔ خدا بھی اسے نہیں بخشے گا اس میں آپ کا کیا قصور......؟'' شمیلہ طنزیہ انداز میں بولی تو حاتم کو غصہ آگیا۔

''خبردار جو تم نے کوئی بکواس کی......'' حاتم نے اسے غصے سے تھپڑ لگاتے ہوئے کہا اور ایک دم ہائپر ہوکر چلانے لگا۔

''اسے خودکشی پر کس نے مجبور کیا...... میں نے...... اور تم جان بوجھ کر مجھے ریسٹورنٹ لے کر گئی تھیں کیونکہ تم سب کچھ جانتی تھیں اور تم نے ہی مجھے اس کے خلاف اُکسایا۔ اصل مجرم تو تم ہو...... تم ہی ردا سے حسد کرتی تھیں۔ فہام بھائی کی زندگی میں بھی اُن کے کان بھرتی رہتی تھیں، نہ جانے کون سے بدلے اس سے لینا چاہتی تھیں۔ میں ہی بے وقوف نکلا جو تمہاری باتوں میں آگیا۔ تم بہت ظالم ہو۔'' حاتم نے اپنے سر کو دونوں ہاتھوں سے تھام کر سسکتے ہوئے کہا۔

''مجھ پر کوئی بھی الزام لگانے کی ضرورت نہیں...... ردا پر ہاتھ تم نے اٹھایا تھا، میں نے کب تمہیں ایسا کرنے کو کہا تھا؟'' شمیلہ نے بھی غصے سے چلاتے ہوئے کہا۔

''اسی بات کا تو دکھ رہے گا ساری عمر...... نہ میں اس پر ہاتھ اٹھاتا اور نہ وہ خودکشی کرتی۔ یہ سب کچھ نہ ہوتا اگر تم مجھے ریسٹورنٹ نہ لے کر جاتیں...... اس کی اصل قاتل تم ہی ہو...... دفع ہو جاؤ...... یہاں سے اور دوبارہ اس کمرے میں نہ آنا۔'' حاتم نے اسے کمرے سے دھکا دیتے ہوئے کہا۔

''ک...... ک...... کیا تم مجھے یہاں سے نکال رہے ہو؟'' شمیلہ نے حیرت سے چلاتے ہوئے کہا۔

''ہاں، تمہیں دیکھتا ہوں تو میرے اندر آگ سی لگ جاتی ہے، تم ہی فساد کی جڑ ہو...... تم نے ہی ہمارا گھر برباد کیا ہے۔'' حاتم غصے سے چلّایا۔

''شٹ اپ...... تمہارا تو دماغ خراب ہوگیا ہے...... تم پاگل ہوگئے ہو۔'' شمیلہ نے نفرت سے سر جھٹکا۔

''ہاں، ہاں پاگل ہوگیا ہوں اور پاگل ہوکر تم جیسی عورت کی حقیقت سے آشنا ہوا ہوں۔ تم انتہائی گھٹیا اور حاسد عورت ہو۔ تم ہی ردا کی دشمن تھیں۔ اب میں تمہیں اس گھر میں ایک منٹ برداشت نہیں کروں گا۔'' حاتم نے غصے سے کہا۔

''گھر...... یہ گھر میرا ہے...... میں اس کی مالکن ہوں۔'' وہ طنزیہ ہنسی۔ ''تم نے مجھے یہ گھر حق مہر میں لکھ کر دیا ہے۔ تم کون ہوتے ہو مجھے اس گھر سے نکالنے والے؟''

''میں وہ ہوں، جس کی وجہ سے تم اس گھر میں ہو، چلو آج میں تمہاری وہ حیثیت بھی ختم کرتا ہوں......'' حاتم غصے سے بولتا ہوا اس کا بازو پکڑ کر کھینچتے ہوئے باہر لے گیا۔ وہ مسلسل چلّا رہی تھی، وہ اسے گھسیٹتا ہوا گیٹ کے قریب لے گیا اور قدرے بلند آواز میں بولا۔

''میں تمہیں طلاق دیتا ہوں...... میں تمہیں طلاق دیتا ہوں۔ میں تمہیں طلاق دیتا ہوں۔ اب دوبارہ اس گھر میں قدم نہ رکھنا۔'' حاتم نے اسے طلاق دے کر باہر کی طرف دھکیلتے ہوئے کہا۔

''ط...... طلا...... طلاق......'' شمیلہ بے یقینی سے بڑبڑاتے ہوئے بولی اور پھٹی پھٹی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی۔

''ہاں...... دفع ہو جاؤ یہاں سے...... تم جیسی گھٹیا عورت اس گھر کے قابل کبھی نہ تھی...'' حاتم گیٹ بند

کرتے ہوئے بولا۔

''میں تمہیں دیکھ لوں گی۔ ایک، ایک کو کورٹ میں گھسیٹوں گی۔'' شمیلہ غصے سے چلّاتے ہوئے بولی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ اس کے ساتھ اچانک کیا ہوگیا تھا۔ وہ تو ہمیشہ دوسروں کے جذبات کے ساتھ کھیل کر انہیں مات دینے کی عادی تھی اور آج اسے مات ہوئی تھی۔ وہ اپنے اندر نفرت اور انتقام کے جذبات لیے، آنسو پونچھتی ہوئی سڑک پر چلنے لگی۔ رات گہری ہو رہی تھی۔ اس کے پاس کوئی چیز نہیں تھی۔ گلے میں چھوٹا سا اسٹول جھول رہا تھا۔ چلتے ہوئے وہ ایک ویران سڑک پر آگئی۔ اِکّا دُکّا گاڑیاں گزر رہی تھیں۔

حاتم نے شمیلہ کو جتنی جلدی فیصلہ کر کے زندگی میں شامل کیا تھا اس سے جلدی کر کے اسے اپنی زندگی سے نکال پھینکا تھا...... رات کو بیٹا، بہو میں کیا ہوا خدیجہ بیگم اس سے بے خبر اپنے کمرے میں خواب آور گولیوں کے زیرِ اثر سو رہی تھیں۔ اگلی صبح اِن کے گھر میں کیا قیامت آنے والی تھی وہ اس سے انجان تھیں۔

☆☆☆

''آزر آج کل بہت زیادہ اپ سیٹ ہے...... یوں لگتا ہے جیسے وہ اپنے senses میں نہیں۔'' کومل نے جواد کو بتایا جو کومل کے آفس میں اس کے سامنے بیٹھا تھا۔

''کیوں......؟'' جواد نے حیرت سے پوچھا۔

''شاید...... یمنیٰ کی وجہ سے۔'' کومل نے ہونٹ سکوڑتے ہوئے جواب دیا۔

''کیوں......؟ کیا اس نے تمہیں کچھ بتایا ہے؟'' جواد نے پوچھا۔

''نہیں...... مجھے نانا ابا نے بتایا ہے کہ وہ اپنی کسی دوست کی وجہ سے بہت پریشان ہے اور میرا خیال ہے وہ دوست یمنیٰ ہی ہوسکتی ہے۔ کسی اور سے اتنی گہری دوستی بھی نہیں۔'' کومل نے جواب دیا۔

''آئی سی...... اور اب وہ کہاں ہے؟'' جواد نے پوچھا۔

''انیکسی میں ہی ہوگا۔ سارا وقت وہیں بند رہتا ہے، آفس بھی بہت کم آتا ہے۔'' کومل نے بتایا۔

''چلو اٹھو چلتے ہیں۔'' جواد ایک دم کچھ سوچتے ہوئے بولا۔

''کہاں......؟'' کومل نے حیرت سے پوچھا۔

''آزر کے پاس...... اور اسے لے کر پھر یمنیٰ کے پاس۔'' جواد نے قطعیت سے کہا تو کومل حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگی اور خاموشی سے اٹھ کر اس کے ساتھ چل پڑی۔

دونوں آزر کے پاس انیکسی میں پہنچے تو وہ گہری نیند سو رہا تھا۔ سوتے میں بھی اس کے چہرے پر انتہائی پریشانی اور اداسی تھی۔ داڑھی کافی بڑھی ہوئی تھی اور آنکھیں بہت زیادہ سوجی ہوئی تھیں انہوں نے اسے جگایا تو وہ دونوں کو دیکھ کر چونکا۔

''یار...... یہ تم نے اپنی کیا حالت بنا رکھی ہے؟ تم ٹھیک تو ہو ناں......؟'' جواد نے پریشانی سے پوچھا۔ کومل بھی حیرانی سے اسے دیکھتی رہ گئی۔

''ٹھیک ہی تو نہیں ہوں۔'' آزر نے آہ بھر کر جواب دیا۔

''کیوں، کیا ہوا...... چلو ہم تمہیں اسپتال لے چلتے ہیں۔'' آزر نے کہا۔

''نہیں، مجھے اسپتال نہیں جانا بلکہ......'' وہ کہتے کہتے رکا۔

''تو پھر کہاں جانا ہے......؟'' جواد نے پوچھا۔

''یمنیٰ کے پاس......'' اس نے رک رک کر کہا تو کومل نے حیرت سے جواد کی طرف دیکھا۔

''یار...... میں بہت زیادہ اذیت میں ہوں۔ بہت زیادہ مضطرب...... پلیز تم میری ہیلپ کرو...... میں بہت بے بس ہوگیا ہوں۔'' آزر نے سسکتے ہوئے کہا تو دونوں پریشان ہوگئے۔

''کیسی ہیلپ......؟'' جواد نے حیرت سے پوچھا۔

''کسی طرح یمنیٰ کو یقین دلا دو کہ میں اس سے بہت محبت کرتا ہوں، وہ میری محبت پر یقین نہیں کر رہی...... اور وہ کیوں کرے...... میں نے اسے بہت دھوکے دیے...... میں بہت برا ہوں...... بہت برا......'' وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ جواد پریشان ہو کر کومل کی طرف دیکھنے لگا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

"چلو...... ہمارے ساتھ۔" جواد ایک دم اٹھتے ہوئے بولا۔

"ک...... کہاں......؟" آزر بہ مشکل بولا۔

"یمنیٰ کے پاس......" جواد نے جواب دیا۔

"کیا......؟" آزر نے چونک کر پوچھا۔

"ہاں...... اب اس کے پاس جا کر ہی سب باتیں ہوں گی۔" جواد نے کہا تو آزر جلدی سے اٹھ...کھڑا ہوا۔

"آزر پلیز...... اپنے آپ کو سنبھالو...... شیو کرو...... اور شاور لے کر فریش ہو جاؤ۔ تمہاری یہ حالت دیکھ کر یمنیٰ کو ویسے ہی غصہ آجائے گا۔" جواد نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"نہیں...... میری یہ حالت دیکھ کر اسے یقین آجائے گا کہ میں کتنا مضطرب ہوں...... اور ویسے بھی فریش ہونے کے لیے اندر سے فریش ہونا ضروری ہوتا ہے۔ اس وقت میرے دل کی جو کیفیت ہے تم کبھی نہیں سمجھ پاؤ گے۔" آزر نے بے چارگی سے کہا۔

"کیا تم یمنیٰ سے اتنی محبت کرتے ہو؟" جواد نے مسکرا کر پوچھا۔

"کرتا نہیں تھا...... مگر اب کرنے لگا ہوں۔" اب کے وہ بھی ہلکے سے مسکرایا۔ کومل حیرت سے دونوں کی باتیں سنتی رہی، کچھ دیر بعد وہ تینوں یمنیٰ کی طرف جا رہے تھے۔

☆☆☆

محسن رضا اپنے کمرے میں نہیں تھا۔ اس کی بھابی اس کے لیے ناشتا لے کر کمرے میں آئی تو وہ وہاں موجود نہیں تھا اس نے گھبرا کر اسپتال میں اپنے شوہر کو اطلاع کی۔ وہ بھاگم بھاگ گھر آیا۔ سب پریشان ہو گئے، وہ کہاں جا سکتا ہے۔ اس کے کمرے کی تلاشی لی گئی تو سائڈ ٹیبل کی دراز سے ایک کاغذ نکلا جس پر لکھا تھا۔

"میں شام تک واپس آجاؤں گا...... پریشان مت ہونا۔" وہ تحریر پڑھ کر پریشان ہو گیا۔

"بھائی جان کو اس حالت میں کہیں نہیں جانا چاہیے تھا۔ خدا معلوم وہ کہاں گئے ہیں۔" اس کے بھائی نے افسردگی سے کہا اور کمرے سے باہر چلا گیا۔

☆☆☆

یمنیٰ ملازم سے مہمانوں کی اطلاع پانے پر ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی تو ان تینوں کو دیکھ کر حیران رہ گئی۔

"آپ...... سب لوگ......؟" یمنیٰ نے حیرت سے کہا اور ایک ٹک آزر کی طرف دیکھ کر منہ پھیر لیا۔

"یمنیٰ...... ہم تمہاری خیریت پوچھنے آئے ہیں۔" جواد نے مسکرا کر کہا۔

"تھینک یو......" وہ کہہ کر خاموش ہو گئی...... تھوڑی دیر بعد ملازمہ چائے کی ٹرالی لے کر اندر آ گئی...... اور سب کو چائے پیش کی گئی۔ چائے پیتے ہوئے جواد، کومل کی طرف معنی خیز انداز میں دیکھنے لگا...... آزر کے سامنے چائے کا کپ یونہی پڑا تھا۔

"یمنیٰ، آزر بہت زیادہ ڈسٹرب ہے...... پلیز تم دونوں کے درمیان جو بھی clashes ہیں، وہ ختم کرو...... اور آزر کو معاف کر دو۔" کومل نے موقع دیکھ کر بات چھیڑی۔

"میں سارے اختلافات بھلا کر اسے معاف کر چکی ہوں......" یمنیٰ نے اطمینان سے جواب دیا۔

"ہاں...... لیکن وہ چاہتا ہے کہ تم دونوں ایک دوسرے سے پہلے کی طرح محبت...... میرا مطلب......" کومل نے پھر کہا۔

"محبت......؟ مت نام لو...... محبت کا...... اس شخص کو کیا معلوم کہ محبت کیا ہوتی ہے...... اس کے لیے تو محبت بس ایک...... ہوس تھی جو اس نے پوری کی...... اب اور کیا چاہتا ہے...... کیا ابھی کوئی ہوس باقی رہ گئی ہے؟" یمنیٰ ایک دم غصے سے ہائپر ہو گئی۔

"یمنیٰ...... پلیز کول ڈاؤن...... اتنی ہائپر مت ہو۔" کومل نے اس کا ہاتھ پکڑ کر ریلیکس کرنا چاہا تو یمنیٰ بری طرح سسکنے لگی۔

"اس نے محبت کے نام پر میرے ساتھ جو کچھ کیا ہے...... میں اسے کبھی معاف نہیں کر سکوں گی۔" یمنیٰ نے روتے ہوئے کہا۔

"پلیز یمنیٰ...... اپنے آپ کو سنبھالو......" کومل نے اسے اپنے ساتھ لگا کر کہا تو یمنیٰ نے اپنے آپ کو سنبھالا...... آزر اٹھ کر اس کے قریب آ گیا۔

"میں تمہارا مجرم ہوں...... جو چاہے سزا دے دو...... مگر مجھے ایک بار صرف...... ایک بار...... ایک موقع اور دو...... مجھے اپنے دل میں ویسی ہی جگہ دے دو...... جو تمہارے دل میں کبھی میرے لیے ہوا کرتی تھی...... مجھے تمہاری محبت چاہیے......" آزر نے بے قرار ہو کر اس کے قدموں میں کارپٹ پر بیٹھتے ہوئے انتہائی بے بسی سے کہا تو جواد اور کومل کو بھی اس پر ترس آنے لگا۔

"خدا کے لیے بس کرو...... مجھے تم پر یقین نہیں رہا...... کیا شیشہ دراڑ آنے کے بعد پہلے کی طرح جُڑ سکتا ہے؟ میرے دل کے شیشے میں بھی دراڑ آ چکی ہے۔" یمنیٰ نے قطعیت سے کہا۔

"یمنیٰ...... دل اور شیشے میں بہت فرق ہوتا ہے...... دل جتنی بار ٹوٹ کر جُڑتا ہے...... اتنا ہی زیادہ مضبوط ہوتا ہے...... اور ویسے بھی شیشے میں دل جیسی گہرائی کہاں؟ ہم انسان ہیں...... گناہوں اور خطاؤں کے پتلے...... لمحوں میں ٹوٹتے، بکھرتے ہیں اور پھر اپنے آپ کو جوڑنے کی کوشش کرتے ہیں، کبھی کبھی جنہیں دل سے نکالنے کی کوشش کرتے ہیں ہزار کوشش کے باوجود وہ دل میں ہی پائے جاتے ہیں۔ نہ کسی کو دل سے نکالنا آسان ہے اور نہ ہی ذہن سے...... محبت کبھی ختم نہیں ہوتی...... آج بھی آزر تمہارے دل میں موجود ہے...... تمہاری لاکھ نفرت کے باوجود تمہاری آنکھیں اور دل اس کے منتظر رہتے ہوں گے۔ پلیز...... اسے ایک موقع اور دے دو۔" جواد نے آزر کی پُرزور حمایت کی تو آزر کو امید ہونے لگی کہ شاید یمنیٰ اسے معاف کر دے۔ یمنیٰ کچھ دیر خاموش بیٹھی رہی پھر اچانک ڈرائنگ روم کا دروازہ کھلا اور محسن رضا اندر داخل ہوا تو یمنیٰ ایک دم حیرت سے چلّاتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"محسن، آپ...... آپ کہاں چلے گئے تھے؟" یمنیٰ نے اس کے قریب آ کر قدرے بے صبری سے پوچھا تو سب اُن کی جانب دیکھنے لگے۔ محسن کا جسم بری طرح کانپ رہا تھا اور وہ اب بھی بخار کی کیفیت میں تھا۔

آزر وہیں بیٹھا حیرت سے اسے دیکھتا رہ گیا۔ کومل اور جواد بھی حیران ہو رہے تھے۔

"یمنیٰ...... میں...... میں آپ سے یہ کہنے آیا ہوں کہ میں آپ کے قابل نہیں رہا...... میں اپنا وعدہ پورا نہیں کر سکتا۔" محسن نے اپنے آنسو روکتے ہوئے کہا۔

"کیوں......؟" یمنیٰ کے منہ سے اچانک نکلا۔

"بس آپ یہ سمجھیں میرے پاس وقت بہت کم ہے۔ ایسے میں، میں آپ کو اندھیرے میں نہیں رکھ سکتا۔ آپ کسی صحت مند انسان کے ساتھ اپنی زندگی کا سفر شروع کر سکتی ہیں۔ میرا اور آپ کا ساتھ یہیں تک کا تھا۔" محسن نے اس سے بیماری کی تفصیل شیئر نہیں کی۔

"کیا مطلب...۔ آپ کی صحت تو ٹھیک ہے ناں......؟ مجھے کڈنی ڈونیٹ کرنے کے بعد کیا...... کوئی complications ہو گئیں؟" یمنیٰ نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں...... مجھے شدید انفیکشن ہو گیا تھا اور اب دوسرا گردہ effect ہو رہا ہے۔" اس نے ہچکچاتے ہوئے بتایا۔ "مجھے نہیں معلوم کہ میری زندگی کتنی ہے اور میرے ساتھ کیا ہونا ہے...... مگر میں سب کچھ جانتے بوجھتے بھی آپ کی زندگی برباد کیوں کروں...نہیں...... یمنیٰ نہیں۔" محسن نے سنجیدگی سے کہا۔

"آپ نے جو فیصلہ کرنا تھا...... وہ کر لیا...... اب آپ کو میرا فیصلہ سننا ہو گا۔ محسن...... یہی وہ شخص ہے جس نے مجھے محبت کے نام پر دھوکا دیا اور میری تذلیل کی......" یمنیٰ نے آزر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے محسن سے کہا۔

"آج یہ مجھ سے وہی محبت مانگنے آیا ہے جو اس نے کھو دی ہے...... اور اِدھر آپ مجھ میں محبت کا خوب صورت احساس جگا کر پھر سے اسے ماند کرنے آئے ہیں...... اب آپ بتائیں میں کیا کروں......؟ کس کے حق میں فیصلہ دوں...... آزر کو منتخب کروں...... یا آپ کو؟" یمنیٰ نے محسن سے پوچھا تو وہ نظریں جھکا کر خاموش رہا پھر وہ آزر سے مخاطب ہوئی۔

"آزر...... یہ وہ شخص ہے جن کی میں نے کبھی جان بچائی تھی اور اب انہوں نے میری جان بچائی ہے...... یعنی اپنا کڈنی مجھے ڈونیٹ کر کے...... اور اب انہیں جو بیماری لگی ہے وہ بھی میری وجہ سے...... تمہی بتاؤ...... میں

WWW.PAKSOCIETY.COM

تمہارا انتخاب کروں یا اِن کا......؟'' یمنیٰ نے آزر کی طرف بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''م...... میرا...... کیونکہ میں تم سے...... اس شخص کے آنے سے پہلے سے محبت کرتا تھا اور میرا اضطراب ان کی بیماری سے کہیں بڑھ کر ہے۔ یمنیٰ میں تمہیں بہت چاہتا ہوں...... پلیز مجھے مت جھٹلاؤ۔'' آزر نے بے بسی سے کہا۔

''ہاں...... آپ کو انہی کا انتخاب کرنا چاہیے، یہ آپ کو مجھ سے زیادہ چاہتے ہیں۔ ان کے اندر کا اضطراب میں اچھی طرح دیکھ سکتا ہوں۔ یہ مجھے آپ سے کہیں زیادہ خوش رکھیں گے۔ مجھے صرف آپ...... اور آپ کی خوشیاں عزیز ہیں۔ آپ خوش رہیں...... تو میرے لیے یہی سب سے بڑی خوشی کی بات ہوگی۔'' محسن رضا نے اتنا کہا اور اٹھ کر وہاں سے جانے لگا۔

''میرا فیصلہ سنے بغیر آپ کیسے جاسکتے ہیں؟'' یمنیٰ نے آگے بڑھ کر اس کا راستہ روکا...... ''اگر آپ کو میری ذات اور اس سے وابستہ خوشیاں عزیز ہیں تو پھر آپ کو میری یہ خواہش بھی عزیز ہونی چاہیے...... اور میری خواہش آپ...... ہیں...... میں آپ کے علاوہ کسی اور سے شادی نہیں کروں گی۔'' یمنیٰ نے محسن رضا کی طرف بغور دیکھتے ہوئے کہا تو سب حیرت میں رہ گئے۔

''یہ...... یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ میرے ساتھ کیا پرابلم ہے؟'' محسن نے اسے پھر سمجھانا چاہا۔

''کیا آپ نے اپنا کڈنی مجھے ڈونیٹ کرتے ہوئے سوچا تھا کہ آپ اپنی آدھی زندگی ختم کرنے جارہے ہیں؟'' یمنیٰ نے پوچھا۔

''میری تو ساری زندگی ہی آپ کی امانت تھی۔ میں کیسے یہ سوچتا بھلا......؟'' محسن نے آہ بھر کر کہا۔

''اور اب میں آپ کی پوری زندگی مانگ رہی ہوں...... جو آپ کے پاس میری امانت ہے۔'' یمنیٰ نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

''آپ جذباتی ہورہی ہیں...... پلیز ایک لمحے کو سوچیں کہ مجھ جیسے بیمار شخص کے ساتھ......'' محسن نے کچھ کہنا چاہا۔

''آپ بیمار میری وجہ سے ہوئے ہیں۔'' یمنیٰ نے بات کاٹتے ہوئے کہا۔

''تو کیا اب میں آپ سے اس کا تاوان لوں وہ بھی آپ کی زندگی کو اذیت میں ڈال کر...... نہیں کبھی نہیں...... مجھے اپنی نظروں میں مت گرائیں۔'' محسن نے قدرے تلخی سے کہا۔

''مجھے صرف آپ کی محبت چاہیے۔'' یمنیٰ نے قطعیت سے کہا۔

''وہ تو میں پہلے ہی آپ کے نام کرچکا ہوں۔'' محسن نے برجستہ کہا اور وہاں سے جانے لگا۔

''محسن اگر آپ یونہی چلے گئے تو پھر میری موت پر ضرور آیئے گا۔'' اب یمنیٰ نے اسے دھمکی دیتے ہوئے کہا۔

''اللہ نہ کرے ایسا کچھ ہو...... ایک خوب صورت، صحت مند اور شدید محبت کرنے والا شخص آپ کا منتظر ہے...... آپ ایک بار پھر اس پر اعتبار کیجیے...... مجھے امید ہے اب یہ آپ کو دھوکا نہیں دے گا۔'' محسن رضا نے آزر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''کاش...... یہ بھی کبھی آپ کی طرح مجھے صرف ایک بار کہتا کہ محسن کا ساتھ نہ چھوڑنا...... یہ شخص تم سے بچی محبت کرتا ہے...... مگر اس نے تو اپنی ہی خواہش کے لیے تڑپنا شروع کردیا...... کیا یہ اس کی خود غرضی نہیں...... محسن...... کیا محبت میں خود غرضی ہوتی ہے......؟ کیا محبت کسی ہوس کا نام ہے...... یہ مجھ سے شادی کر کے صرف اپنا اضطراب دور کرنا چاہتا ہے، اپنے لیے دلی سکون پانا چاہتا ہے نا کہ مجھے...... یا میری محبت کو۔ اس کے لیے تو صرف اس کی اپنی ذات اور اس کے تقاضے اہم ہیں...... میں کہاں ہوں اسے تو یہ خبر بھی نہیں...... نہیں محسن...... میں یہ نہیں کرسکتی۔ میں اس شخص پر اعتبار نہیں کرسکتی...... میں اسے معاف تو کرسکتی ہوں...... مگر اپنی محبت اس کے نام نہیں کرسکتی...... میری محبت اور چاہت آپ ہیں، لوگ کہتے ہیں عورت اپنی پہلی محبت نہیں بھولتی...... صرف تب تک۔ جب تک اسے یقین ہوتا ہے کہ وہ محبت صرف اس کے لیے تھی اور محبت کرنے والا اس کے ساتھ کتنا مخلص تھا جہاں اسے یقین ہونے لگتا ہے کہ وہ محبت محض اِک ڈھونگ، اِک دھوکا تھی تو اس کا اعتبار اس محبت سے اٹھنے لگتا ہے۔ میں مانتی ہوں مجھے آزر سے کبھی محبت تھی...... مگر اب نہیں...... اب میری محبت صرف اور صرف آپ ہیں۔'' یمنیٰ نے جذباتی لہجے میں نہایت صاف دل سے کہا۔

''آپ کو اندازہ ہے کہ آپ کتنی بڑی غلطی کرنے جارہی ہیں؟ زندگی جذباتی فیصلوں سے خوشگوار نہیں گزرتی یمنیٰ!'' محسن نے کہا۔

''یہ جذباتی فیصلہ نہیں...... ممکن ہے اس میں میرے رب کی رضا بھی شامل ہو۔'' یمنیٰ نے ٹھوس لہجے میں کہا اور کومل کی طرف دیکھنے لگی۔

''کومل آئی ایم سوری...... میں تم لوگوں کی بات نہیں مان سکتی۔''

''ہمیں تمہارا فیصلہ منظور ہے، ہم تو صرف تمہیں کنونس کرنے آئے تھے تم پر زبردستی کرنے نہیں...... تم نے اپنے بارے میں جو بھی فیصلہ کیا ٹھیک ہی کیا ہوگا...... خدا تمہیں ہمیشہ خوش رکھے......'' کومل نے محبت سے اسے اپنے ساتھ لگاتے ہوئے کہا اور پھر جواد کو چلنے کا اشارہ کیا۔ جواد نے آزر کی طرف دیکھا جو پھٹی پھٹی نگاہوں سے یمنیٰ اور محسن کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''چلو آزر......'' جواد نے اس کا ہاتھ پکڑ کر باہر لے جاتے ہوئے کہا۔ وہ خاموشی سے ان کے ساتھ باہر چلا گیا۔

یمنیٰ نے مسکرا کر محسن کی طرف دیکھا تو اس کے چہرے پر بھی زخمی مسکراہٹ پھیلنے لگی۔

''میں شام کو واپس جارہا ہوں......'' محسن نے آہستہ آواز میں کہا۔

''میں نہیں...... ہم۔ میں بھی آپ کے ساتھ جاؤں گی۔'' یمنیٰ نے مسکرا کر کہا۔

''م...... مگر......؟'' محسن کو کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ یمنیٰ اس کا ہاتھ پکڑ کر لاؤنج میں لے آئی اور اسے وہاں بٹھا کر جمال صاحب کو بلانے چلی گئی۔ ایمن لاؤنج میں داخل ہوئیں تو محسن رضا کو وہاں بیٹھے دیکھ کر چونک گئیں۔

''بیٹا...... تم کب آئے؟'' ایمن نے حیرت سے پوچھا۔

''ابھی بس تھوڑی دیر پہلے......'' محسن نے جواب دیا۔

''مگر تم کہاں غائب ہوگئے تھے...... ہم تو تمہارا انتظار کرتے رہے۔'' ایمن نے مسکرا کر کہا...... اس سے قبل کہ وہ کچھ کہتا...... یمنیٰ، جمال صاحب کا ہاتھ پکڑے وہاں آگئی۔

''السلام علیکم......'' جمال احمد نے محبت سے مصافحہ کرتے ہوئے اسے اپنے ساتھ لگایا۔

''وہ...... میں......'' محسن کچھ بتانے لگا۔

''کچھ کہنے کی ضرورت نہیں...... مجھے یمنیٰ نے سب کچھ بتادیا ہے...... میں ابھی اپنے آفس فون کرتا ہوں اور تھوڑی دیر میں مولوی صاحب آکر تم دونوں کا نکاح پڑھوادیں گے پھر تم جہاں چاہو...... جاسکتے ہو۔'' جمال احمد نے کہا تو ایمن پھٹی پھٹی نگاہوں سے ان کی

سسپنس، سرگزشت، پاکیزہ، جاسوسی
سول ایجنٹ برائے یو۔ اے۔ ای
WELCOME BOOK SHOP
ویلکم بک شاپ
پی او بکس: 27869 کرامہ، دبئی
فون: 04-3961016 فیکس: 04-3961015
موبائل: 050-6245817 ای میل: welbooks@emirates.net.ae

معیاری کتابوں کا اعلیٰ مرکز
WELCOME BOOK PORT
ویلکم بک پورٹ
ریٹیل، ہول سیل، ڈسٹری بیوٹر، پبلشر، ایکسپورٹر
مین اردو بازار، کراچی
فون: 32633151, 32639581 (92-21) فیکس: 32638086 (92-21)
ای میل: welbooks@hotmail.com
ویب سائٹ: www.welbooks.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

طرف دیکھنے لگیں۔

"کس...... کس کا نکاح...... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟" ایمن نے حیرت سے پوچھا۔

"جس بات میں یمنیٰ خوش ہوگی میں وہی کروں گا...... اور یہی یمنیٰ کی خواہش ہے۔" انہوں نے مسکرا کر کہا۔

"لیکن...... آپ ایسا نہیں کر سکتے...... لوگ کیا کہیں گے؟" ایمن نے گھبرا کر کہا۔

"خدا کے لیے ایمن لوگوں کی فکر چھوڑ دو...... جو وہ کہیں گے میں دیکھ لوں گا۔"

"اور...... اماں جان......؟" ایمن نے پھر کہا۔

"ان کو بھی فون کر دیتا ہوں، وہ بھی آجائیں گی۔ بیٹا تم اتنی دیر ریسٹ کرو...... تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں۔" جمال صاحب نے محسن سے کہا۔

"کیوں...... طبیعت کو کیا ہوا؟" ایمن نے حیرت سے پوچھا۔

"کچھ نہیں...... اتنا لمبا سفر طے کر کے آیا ہے۔ میرا مطلب ہے کراچی سے آیا ہے تو ریسٹ تو کرنا ہی چاہیے ناں...... ایمن...... تم گیسٹ روم کھلوا دو......" جمال صاحب نے بیوی سے کہا تو وہ وہاں سے چلی گئیں۔

"دیکھو بیٹا...... میں نے یمنیٰ کے فیصلے کو قبول کیا ہے گو کہ کوئی باپ بھی اس بے یقینی کی صورت میں ایسا فیصلہ قبول نہیں کرتا مگر یمنیٰ کی صرف ایک بات نے مجھے قائل کر دیا ہے۔" انہوں نے کہا۔

"ڈیڈی...... مجھ مرتی ہوئی لاش کو جب اس خدا نے پھر سے زندہ کر دیا ہے تو کیا وہ محسن کو زندگی نہیں دے سکتا...... بات زندگی کی نہیں، بات اس کی نظرِ کرم کی ہے...... اور مجھے اس کی ذات پر پورا ایمان بھی ہے اور یقین بھی۔" جمال صاحب نے مسکرا کر بیٹی کی طرف دیکھا تو وہ بھی مسکرا دی۔

"اور میں بھی اس خدا پر یقین رکھتے ہوئے اپنا سب سے قیمتی اثاثہ تمہیں سونپ رہا ہوں۔ زندگی کی آخری سانسوں تک اسے بہت خوش رکھنا......" جمال صاحب نے دلگیر لہجے میں کہا۔

"آپ مجھ پر کتنا بڑا احسان کر رہے ہیں...... آپ سوچ بھی نہیں سکتے میں جو بالکل ناامید ہو کر یہاں آیا تھا اس خدا نے میرا دامن پھر امید اور خوشیوں سے بھر دیا ہے۔ یقین مانیے مجھے تو اب اپنے اوپر ذرا سا بھی اعتبار نہیں رہا۔ صرف اور صرف اس کی ہستی پر یقین اور ایمان پختہ ہو گیا ہے۔ وہ جب انسان کو نوازنے پر آتا ہے تو کوئی اسے نہیں روک سکتا۔ میں یہاں بے یقینی کی کیفیت کے ساتھ آیا تھا مگر اب پختہ ایمان اور کامل یقین کے ساتھ جا رہا ہوں۔" محسن نے فرطِ جذبات سے لبریز نم آنکھوں کے ساتھ کہا تو جمال احمد نے اسے اپنے گلے لگا کر اس کی ہمت بندھانے کی کوشش کی۔

شام سے پہلے اماں جی اور مولوی صاحب بھی چند گواہوں کے ہمراہ پہنچ گئے اور چھوٹی سی تقریب میں دونوں کا نکاح ہو گیا۔ ایمن نے جلدی سے بوتیک فون کر کے یمنیٰ کے لیے خوب صورت برائیڈل ڈریس منگوا لیا تھا۔ یمنیٰ اور محسن بہت زیادہ خوش تھے۔ دونوں تمام خوف اور بیماریوں کو بھول چکے تھے جبکہ محسن کے گھر والے بہت زیادہ پریشان ہو رہے تھے۔ وہ انہیں لاہور جانے کا بتائے بغیر گھر سے نکلا تھا اور وہ یہی سمجھ رہے تھے کہ جلد ہی آجائے گا مگر جب رات اس کے بھائی کو کال موصول ہوئی جس میں کسی نے یہ پیغام دیا تھا۔ "محسن صاحب کل صبح کراچی پہنچیں گے۔"

"مگر...... آپ کون؟" اس کے بھائی نے پوچھنا چاہا تھا لیکن کال ڈراپ ہو چکی تھی اور محسن کا اپنا فون بھی آف تھا۔

"خدا خیر کرے...... کہیں بھائی جان کی طبیعت نہ خراب ہو گئی ہو...... اور انہیں اس میں رکنا پڑ گیا ہو......" اس کی بھابی نے فکرمندی سے کہا۔

"لیکن جو بھی ہے...... بھائی جان کو مجھے تو انفارم کرنا چاہیے تھا۔ کیا کروں، کچھ سمجھ میں نہیں آرہا......" سرجن احسن انتہائی فکرمندی سے بولا۔

"آپ فکر نہیں کریں...... بس دعا کریں...... اللہ انہیں اپنے حفظ و امان میں رکھے۔" محسن کی بھابی نے اپنے شوہر کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

☆☆☆

جمال صاحب نے بہت اصرار کر کے محسن کو جانے سے روکا تھا انہوں نے اس کے لیے ایک فائیو اسٹار ہوٹل میں روم بک کرایا تھا اور اس روم کو جمال صاحب کی خصوصی ہدایت پر بہت خوب صورت انداز میں ڈیکوریٹ کیا گیا تھا۔ ہر طرف خوب صورت پھولوں کے بوکے...... اور لائٹنگ کی گئی تھی۔ نکاح کے بعد ایمن اور جمال صاحب خود انہیں ہوٹل ڈراپ کرنے آئے تھے...... محسن نے بلیک پینٹ کوٹ پہن رکھا تھا اور وجیہہ لگ رہا تھا جبکہ یمنیٰ خوب صورت ڈریس اور میک اپ میں بھی وہ چھب نہیں دکھا رہی تھی جو عام طور پر دلہنوں کی ہوتی ہے۔ وہ جس طرف سے گزرتے تو لوگ حیران ہو کر مڑ مڑ کر اس کپل کو دیکھتے اور سرگوشیاں ابھرتی رہیں۔

''اتنے خوب صورت لڑکے کو کیا ضرورت تھی اتنی بدصورت کالی لڑکی سے شادی کرنے کی...... لگتا ہے اس کی آنکھوں پر لڑکی نے کوئی پٹی باندھ رکھی ہے۔''

''محبت میں کہاں دکھائی دیتا ہے کہ کون کتنا خوب صورت ہے یا بدصورت...... آپ کتنی خوب صورت ہیں کوئی میرے دل سے پوچھے۔'' محسن نے سرگوشی کی تو یمنیٰ مسکرانے لگی اور اس کی آنکھوں میں خوشیوں کے دیپ جگمگانے لگے۔

☆☆☆

آزر کا اضطراب اسے مزید پاگل بنا رہا تھا۔ کومل اور جواد اسے سارے راستے گاڑی میں سمجھاتے رہے اور وہ خاموشی سے سنتا رہا اُن کی کسی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ پہلے یمنیٰ کو پانے کا اضطراب تھا اور اب اس کے ہاتھوں ذلت اٹھانے کا...... اسے محسن رضا سے نفرت محسوس ہونے لگی تھی۔ محسن اگر درمیان میں نہ ہوتا تو یمنیٰ ضرور اس کی طرف دوبارہ محبت کا ہاتھ بڑھاتی۔ اس بیمار، نیم مُردہ شخص کے لیے یمنیٰ نے اسے ٹھکرا دیا تھا۔ اس کے اندر مسلسل اِک لاوا پک رہا تھا۔ جواد نے اسے انیکسی ڈراپ کر دیا تھا وہاں داخل ہوتے ہی اس کا آتش فشاں پھٹنے لگا اور لاوا ابل ابل کر باہر آنے لگا...... اس نے چیزیں اٹھا اٹھا کر پھینکنا شروع کر دیں۔ کرسٹل

پیاری عذرا رسول کے نام

جب میں پہلی بار آپ سے ملی
کچھ لوگ جہاں میں ایسے ہیں
ایک بار جو ہم سے مل جائیں
دل اُن کی مالا جپتا ہے
اور آنکھیں رستہ تکتی ہیں
ہر لمحہ دل یہ کہتا ہے
اِک بار ملو
اِک بار سہی
اِک بار ہمیں اور آن ملو

کاوش: ناہید عزمی

کی ٹیبل...... ٹرالی، برتن، کھڑکیوں کے شیشے...... ہر شے اس نے توڑ کر چکنا چور کر دی...... گیٹ پر کھڑا چوکیدار بھاگتا ہوا انیکسی کی طرف آیا اور آزر کو اس قدر دیوانگی کی حالت میں دیکھ کر... پریشان ہو گیا۔ آزر کا چہرہ اور آنکھیں انتہائی سرخ ہو رہی تھیں۔ اس نے آزر کو روکنے کی کوشش کی مگر وہ مزید بے قابو ہونے لگا۔ یکا یک آزر کو کیا سوجھی کہ چوکیدار کی گن لے کر اپنے سینے پر رکھ لی چوکیدار نے روکنا چاہا مگر آزر سے گن چل گئی تھی۔ چوکیدار... بدحواس ہو کر وہاں سے بھاگا اور جلدی سے رانا صاحب کو فون کیا...... انہوں نے فوراً ایمبولینس بلوائی اور آزر کو اسپتال پہنچایا گیا، کومل اور جواد کو بھی جیسے ہی انہوں نے انفارم کیا وہ بھی حواس باختہ اسپتال پہنچے۔ آزر کا بہت زیادہ خون بہہ چکا تھا اور اس کی حالت کافی سیریس تھی۔ ڈاکٹروں نے اپنی پوری کوشش کی مگر وہ اسے نہ بچا سکے لیکن مرنے سے پہلے اس نے ایک وصیت کر دی تھی کہ اس کے دونوں گردے یمنیٰ اور محسن کو دے دیے جائیں۔ کومل اور جواد نے یمنیٰ سے کونٹیکٹ کرنے کی کوشش کی مگر اس کا فون آف تھا۔ کومل نے جمال صاحب کو فون کیا اور یمنیٰ سے ملنے کی خواہش ظاہر کی تو انہوں نے اس ہوٹل کا بتا دیا جہاں وہ ٹھہرے ہوئے تھے۔ جواد جلدی سے ہوٹل پہنچا تو یمنیٰ اسے دیکھ کر حیران رہ گئی...... اور جو کچھ اس

WWW.PAKSOCIETY.COM

نے کہا وہ سن کر مزید ششدر رہ گئی وہ عجیب گومگو کے عالم میں تھی کہ آزر نے اپنے دونوں گردے ان دونوں کو عطیہ کردیے تھے۔

''پلیز یہ وقت سوچنے کا نہیں...... ممکن ہے تم دونوں میں سے کسی سے میچ کر جائیں۔ جلدی چلو......'' جواد نے انہیں اپنے ساتھ چلنے کو کہا تو دونوں اس کے ساتھ چل پڑے۔

آزر کی لاش دیکھ کر یمنیٰ کو وہ لمحے وہ پل یاد آگئے جو آزر کی سنگت میں گزارے تھے۔ اس کے گالوں پر آنسو رواں تھے جبھی اِک نرس نے اس کا نام جان کر اسے ایک طے کیا ہوا پرچہ لاکر دیا جس میں لکھا تھا۔

''یمنیٰ میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں...... مگر شاید تمہیں کبھی ڈیزرو نہیں کرتا تھا...... اس لیے تمہیں نہیں پاسکا...... کاش......'' تحریر خاصی شکستہ تھی۔ یمنیٰ پڑھ کر رونے لگی۔

ڈاکٹروں نے دونوں کا چیک اپ کیا...... یمنیٰ کا اپنا کڈنی ٹھیک کام کررہا تھا البتہ محسن کا ایک کڈنی انفیکشن کی وجہ سے کافی damage ہوچکا تھا۔

یمنیٰ کے اصرار پر آزر کا کڈنی محسن کو لگایا جارہا تھا کہ وہ بہت اچھا میچ کرگیا تھا اور اس پروسس کے لیے کافی روز درکار تھے۔ محسن نے کراچی فون کر کے اپنے بھائی کو تمام صورتِ حال سے آگاہ کیا تو وہ فوراً لاہور پہنچ گیا اسے یہ سب کچھ سن کر یقین نہیں آرہا تھا کہ یہ سب کیسے آناً فاناً ہوگیا تھا مگر شاید اسے ہی تقدیر کہتے ہیں۔

محسن کا علاج شروع ہوچکا تھا اور یمنیٰ پوری تندہی سے اس کی خدمت اور دلجوئی میں مصروف تھی۔ جمال صاحب نے محسن کے علاج میں کسی قسم کی کسر نہ اٹھا رکھی تھی۔ اسے وی آئی پی ٹریٹمنٹ دیا جارہا تھا۔ محسن جو اپنی زندگی سے بالکل مایوس ہوچکا تھا قدرت کیسے اسے لمحہ بہ لمحہ امید دلا کر زندگی کی طرف لارہی تھی اور وہ یمنیٰ کا پہلے سے بھی زیادہ مشکور اور احسان مند ہورہا تھا کہ اس کی وجہ سے آزر کا کڈنی اسے مل رہا تھا اور اس کی حد درجے محبت اور کیئر اسے زندگی کے نئے مفہوم سے آشنا کررہی تھی۔

☆☆☆

''بیگم صاحبہ...... وہ......وہ جلدی اٹھیں......'' زرینہ نے گھبرا کر کہا۔

''کیوں...... کیا ہوا...... اتنی گھبرائی ہوئی کیوں ہو؟'' خدیجہ بیگم نے پریشان ہوکر پوچھا۔

''وہ......وہ رات کو حاتم بھائی نے شمیلہ بھابی کو طلاق دے کر گھر سے باہر نکال دیا ہے۔'' زرینہ نے پریشان ہوکر بتایا۔

''کک...... کیا کہہ رہی ہو...... تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے؟'' انہوں نے گھبرا کر پوچھا۔

''مجھے خود حاتم بھائی نے ابھی ابھی بتایا ہے اور وہ بہت پریشان تھے۔ گھر سے باہر چلے گئے ہیں، رات کو دونوں میں کوئی جھگڑا ہوا ہے۔'' اس نے پریشان ہوکر بتایا۔

''اتنا کچھ ہوگیا اور مجھے پتا ہی نہیں چلا...... یاخدایا...... یہ سب کیا ہورہا ہے۔ میرا موبائل دو...... میں سلمان سے بات کرتی ہوں...... نہ جانے شمیلہ اس وقت کس حال میں ہوگی۔'' خدیجہ نے پریشانی سے کہا اور سلمان کا نمبر ملایا مگر اس کا موبائل آف تھا۔ شمیلہ کا نمبر بھی نہیں مل رہا تھا۔ حاتم کا بھی فون آف جارہا تھا۔ خدیجہ نے عاصم کو فون کیا اور اسے فوری گھر پہنچنے کو کہا۔ وہ حد درجہ پریشان تھیں۔

تھوڑی دیر بعد عاصم گھبرایا ہوا گھر میں داخل ہوا تو ماں نے اسے ساری بات سنائی وہ بھی بری طرح گھبرا گیا۔

''اتنا سب کچھ ہوگیا...... اور ہمیں پتا ہی نہیں چلا...... حاتم بھائی کو نہ جانے کیا ہوگیا ہے...... پہلے روا...... اور اب شمیلہ بھابی......'' وہ خفگی سے بولا۔

''بیٹا...... تم ابھی سلمان کی طرف جاؤ اور حالات معلوم کرو...... شاید وہ لوگ غصے میں میرا فون نہیں اٹھارہے...... میرا دل بہت گھبرا رہا ہے۔'' خدیجہ نے فکرمندی سے کہا۔

''اوکے...... مما...... میں ابھی جاتا ہوں۔'' عاصم اٹھ کر جانے لگا تو اس کا موبائل بجا...... اس نے انسپکٹر حیدر علی کا نام پڑھ کر جلدی سے یس کا بٹن پریس کیا۔

''عاصم میں فہام کا دوست انسپکٹر حیدر علی بات کررہا ہوں۔'' حیدر علی نے قدرے افسردہ لہجے میں کہا۔

''جی...... جی...... حیدر بھائی...... فرمائیں......؟'' عاصم نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''یار...... بہت بری خبر ہے۔ رات ایک گینگ ریپ ہوا ہے اور خبر فوری میڈیا پر چل گئی۔ میں خود جب انویسٹی گیشن کے لیے وہاں پہنچا تو victim مسز فہام نکلیں۔'' حیدر علی نے رک رک کر بتایا تو عاصم کے منہ سے چیخ بلند ہوئی۔

''کک...... کک...... کیا شمیلہ بھابی...... اوہ نو......'' وہ بے یقینی سے بولا۔

''ہاں...... آئی ایم سوری...... میں حاتم کو فون کررہا تھا مگر اس کا فون آف جارہا تھا۔ پلیز تم ابھی اسپتال مت آنا اور نہ ہی حاتم کو بھیجنا۔ بھابی کی ذہنی حالت ٹھیک نہیں...... میڈیا کے لوگ وہاں اکھٹے ہیں اور یہ جاننے کے لیے curious ہورہے ہیں کہ خاتون کا تعلق کس فیملی سے ہے۔ میں نے کچھ disclose نہیں کیا ورنہ میڈیا کے لوگ آپ تک بھی پہنچ سکتے تھے۔'' حیدر نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''پلیز...... حیدر بھائی، اس خبر کی تفصیلات چینلز اور نیوز پیپرز تک جانے سے روکیں۔'' عاصم نے التجائیہ انداز میں کہا۔

''دیکھو خبر تو دونوں جگہ آچکی ہے مگر نام اور دیگر تفصیلات سے وہ لوگ ابھی آگاہ نہیں۔ میں کوشش کرتا ہوں کہ معاملہ زیادہ نہ پھیلے۔'' حیدر علی نے یقین دلاتے ہوئے کہا۔

''تھینک یو...... ویری مچ......'' عاصم نے دلدوز لہجے میں کہا اور موبائل آف کردیا۔

''کیا ہوا...... بیٹا...... تم شمیلہ کی کیا بات کررہے تھے؟'' خدیجہ بیگم نے گھبرا کر پوچھا۔

''کچھ نہیں۔'' عاصم نے نظریں چراتے ہوئے کہا اور وہاں سے باہر چلا گیا۔ وہ پریشان ہوکر اسے دیکھنے لگیں۔

عاصم، حاتم کو ہر متوقع جگہ تلاش کرتا رہا مگر وہ کہیں نہیں مل رہا تھا۔ خدیجہ اپنی جگہ پریشان کبھی کسی کو فون کرتیں تو کبھی کسی کو...... مگر شمیلہ کے بارے میں انہیں کوئی خبر نہیں مل رہی تھی...... خدیجہ بیگم کا بی پی ہائی ہونے لگا تو وہ دوپہر کو میڈیسنز لے کر لیٹ گئیں۔ حاتم شام کو تھکا ہارا گھر میں داخل ہوا تو عاصم جو انتہائی غصے کے عالم میں لاؤنج میں ہی بیٹھا تھا وہ حاتم کو دیکھ کر ایک دم برسنے لگا۔

''حاتم بھائی...... آپ صبح سے کہاں غائب تھے...... جانتے ہیں یہاں کیا قیامت گزر گئی۔'' عاصم نے نہایت درشتگی سے کہا۔

''اب کون سی قیامت آنی باقی ہے، روا بار بار تو نہیں مرسکتی۔'' حاتم نے آہ بھر کر جواب دیا۔

''میں شمیلہ بھابی کی بات کررہا ہوں۔'' عاصم نے خفگی سے کہا۔ اسی لمحے خدیجہ بیگم اپنے کمرے سے باہر آنے لگیں مگر پھر وہیں رک کر دونوں کی باتیں سننے لگیں۔

''مت نام لو...... اس گھٹیا عورت کا......'' حاتم نے غصے سے جواب دیا۔

''خدا کے لیے اب تو جذباتی ہونا چھوڑ دیں۔ پہلے روا آپ کے جذبات کی نذر ہوگئی اور اب شمیلہ بھابی......'' عاصم کہتے ہوئے رکا تو خدیجہ بیگم چونک گئیں۔

''میں اسے طلاق دے چکا ہوں اور میرا اب اس سے کوئی تعلق نہیں۔ اسی نے ہمارے گھر، ہمارے سکون کو آگ لگائی ہے۔'' حاتم نے غصے سے کہا۔

''اور اب ان کی اپنی زندگی میں آگ لگ چکی ہے، ان کا گینگ ریپ ہوا ہے۔ حیدر بھائی نے بتایا ہے مجھے شاید تب جب آپ نے انہیں گھر سے نکالا تھا۔'' عاصم نے نظریں نیچی کرتے ہوئے بتایا۔

''واٹ......!'' عاصم کی بات پر وہ حیرت سے چلایا تھا۔ خدیجہ بیگم بھی ایک دم گھبرا کر لاؤنج میں چلی آئیں۔

''عاصم...... یہ...... یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ کیا یہ سچ ہے؟'' انہوں نے روہانسی ہوکر پوچھا۔

''ہاں...... مما...... حیدر بھائی نے یہی بتایا ہے وہ خود اسپتال گئے تھے۔ شہر میں اس بات کا بہت چرچا ہورہا ہے۔ انہوں نے اس خبر کے بارے میں تفصیلات روک رکھی ہیں۔ اسی لیے زیادہ لوگوں کو معلوم نہیں ہوسکا کہ شمیلہ بھابی کون ہیں؟'' عاصم نے افسردگی سے کہا۔

''اوہ...... نو...... یہ تو بہت برا ہوا۔'' حاتم نے

WWW.PAKSOCIETY.COM

شرمندگی سے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا۔

"حاتم ...... تمہیں اس جوان جہان کو رات کے اندھیرے میں گھر سے نکالتے ہوئے ذرا سا بھی خدا کا خوف نہ آیا۔ نہ جانے تمہاری تربیت میں کس بات کی کمی رہ گئی تھی جو تم بار بار ایسی شرمناک غلطیاں کر رہے ہو۔" خدیجہ بیگم گلوگیر آواز میں بولیں تو حاتم شرمندہ ہو کر اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

"بیٹا...... پتا کرو، شمیلہ کہاں ہے...... مجھے اس کے پاس لے چلو۔ نہ جانے اس وقت اس کی کیا حالت ہوگی؟" وہ شدید دل گرفتہ ہوئیں۔

"جی، چلیں۔" عاصم نے کہا اور وہ اس کے ہمراہ اسپتال چلی گئیں۔

شمیلہ جنرل وارڈ کے ایک بیڈ پر بڑی سی چادر لپیٹے سہمی ہوئی بیٹھی تھی۔ اس نے چادر سے اپنا چہرہ ڈھانپ رکھا تھا اور صرف ایک آنکھ دکھائی دے رہی تھی۔ خدیجہ بیگم اور عاصم وہاں داخل ہوئے تو شمیلہ عاصم کو دیکھ کر ڈر گئی اور کھسکتی ہوئی بیڈ کے دوسرے کونے پر ہوگئی۔ خدیجہ بیگم کی آنکھیں نم ہونے لگیں۔

"شمیلہ ...... بھابی......" عاصم نے اس کے قریب آکر نرمی سے کہا۔ خدیجہ بیگم بھی اس کے ساتھ آگے بڑھیں۔

"پیچھے ہٹو...... دور ہو جاؤ...... میرے قریب مت آؤ...... جاؤ یہاں سے۔" اس نے گھبرا کر کہا۔

"مت آنا میرے نزدیک...... مجھے ہاتھ مت لگانا...... دیکھو میرے جسم پر گندگی لگی ہوئی ہے۔ میرے چہرے پر کالک ملی ہوئی ہے، یہ دیکھو...... یہ دیکھو......" شمیلہ نے چادر اپنے چہرے سے ہٹا کر پاگلوں کی طرح اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا تو خدیجہ بیگم کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے...... قریب بیٹھ کر محبت سے اس کے چہرے پر ہاتھ پھیرنے لگیں۔

"شمیلہ بیٹے...... ہمت کرو، ہم تمہیں لینے آئے ہیں، گھر چلو...... سب ٹھیک ہو جائے گا۔" خدیجہ بیگم نے اسے اپنے ساتھ لگا کر روتے ہوئے کہا۔

"م...... م...... مجھے کہیں نہیں جانا...... میرا کوئی گھر نہیں...... سب کچھ ختم ہوگیا۔" شمیلہ نے انہیں پیچھے ہٹاتے ہوئے کہا اور ایک دم دھاڑیں مار مار کر رونے لگی۔ ایک لیڈی ڈاکٹر کمرے میں داخل ہوئی اور پہلے شمیلہ پھر ان دونوں کی طرف دیکھ کر بولی۔

"ابھی یہ مینٹلی طور پر بہت زیادہ ڈسٹربڈ ہیں، جب نارمل ہوں گی پھر بات کریں ابھی انہیں یہیں رہنے دیں اور پلیز آپ لوگ چلے جائیں۔"

"او کے ڈاکٹر صاحبہ......" عاصم نے کہا اور ماں کے ہمراہ باہر نکل آیا۔

خدیجہ بیگم ملول دل لیے گھر میں داخل ہوئی تھیں وہ حد درجہ صدمے کی سی کیفیت میں تھیں۔ بہن اور بیٹی کو کھو کر اب بھانجی اور پھر بہو کی یہ حالت...... وہ سنبھل نہیں پا رہی تھیں۔

"سچ ہے دنیا مکافاتِ عمل ہے، انسان بھول جاتا ہے کہ اس نے اپنے ہر عمل کا حساب اسی دنیا میں دے کر جانا ہے۔ شاید میری ہی تربیت میں کمی رہ گئی ہوگی یا اللہ تعالیٰ نے مجھے آزمانے کے لیے زندہ رکھا ہے مگر میں نے تو باوجود شمیلہ کی گستاخیوں کے کبھی اس کا برا نہیں چاہا تھا۔" خدیجہ بیگم نے آہ بھر کر کہا۔

"بیگم صاحبہ یہی تو اللہ کے بندوں کی نشانیاں ہوتی ہیں، وہ سب کچھ اپنی جان پر ہی سہہ جاتے ہیں مگر اُف تک نہیں کرتے۔ جیسے ہماری روابی بی۔" زرینہ ان کے پاس بیٹھی دلجوئی کر رہی تھی۔ جبھی عاصم بوجھل قدموں سے لاؤنج میں داخل ہوا اور گرنے کے سے انداز میں ماں کے قریب صوفے پر آکر بیٹھ گیا۔

"مما...... سلمان بھائی اور نفیسہ بھابی سعودی عرب جا چکے ہیں، مجھے ان کے ایک دوست نے بتایا ہے۔" عاصم نے افسردگی سے بتایا۔

"اوہ...... تو شمیلہ اسپتال سے ڈسچارج ہو کر کہاں جائے گی حاتم کے یہاں ہوتے ہوئے اسے یہاں لانا تو ناممکن ہے۔" وہ سوچ میں پڑ گئیں۔

"بیٹا تم اس کے لیے کسی فلیٹ کا بندوبست کر دو۔ میں اس کے پاس چلی جایا کروں گی۔" خدیجہ نے کچھ سوچ کر کہا تو زرینہ نے چونک کر انہیں دیکھا۔

"ٹھیک ہے میں کچھ کرتا ہوں۔" عاصم کہہ کر وہاں سے چلا گیا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

☆☆☆

"فہام بھائی...... آپ کہاں چلے گئے...... ہم سب ٹوٹ گئے ہیں، بکھر گئے ہیں، برباد ہوگئے ہیں اور سب کی بربادیوں کا ذمے دار میں ہوں۔ ہاں صرف میں...... آپ کی سویٹ ڈول کو میں نے اپنے ہاتھ سے تھپڑ لگایا...... اور وہ مرگئی۔" حاتم اپنے کمرے میں بیٹھا بھائی کی تصویر سے باتیں کررہا تھا۔

"بھائی آپ کی شمیلہ کی زندگی کو بھی میں نے ہی اندھیروں سے بھر دیا...... میں سب کا مجرم ہوں، گنہگار ہوں...... مجھ سے کوئی کام بھی ٹھیک نہ ہوسکا۔" یہ کہہ کر وہ رونے لگا جبھی کمرے کے دروازے پر کھڑی خدیجہ بیگم بڑھ کراس کے پاس آگئیں۔

"تم اتنے سنگدل اور کٹھور تو نہیں تھے بیٹا...... مگر تمہارے غصے اور جذباتی پن نے آج تمہیں اس مقام پر لا کھڑا کیا کہ تمہارے پاس اب سوائے پچھتاوؤں کے کچھ نہیں رہا۔" خدیجہ بیگم نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"مما...... مجھے معاف کردیں، خدا کے لیے مما پلیز......" حاتم نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا پھر اُن کے قدموں میں گر گیا اسی لمحے عاصم بھی کمرے میں داخل ہوا اور حاتم کو یوں روتے دیکھ کر قریب آیا اور وہ بھی ماں کے قدموں میں بیٹھ گیا۔ خدیجہ بیگم صوفے پر بیٹھی تھیں اُن کے قدموں میں ایک طرف حاتم اور دوسری جانب عاصم بیٹھا اور دونوں رنج و غم کی تصویر بنے ہوئے تھے۔

"مما...... ہم دونوں ردا کے گنہگار ہیں...... اور آپ کے مجرم...... آپ ہمیں جو بھی سزا دیں گی وہ قبول ہے۔" عاصم نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"کیوں ماں کو کٹہرے میں کھڑا کررہے ہو، جانتے بھی ہو کہ ماں کے دل میں اپنی ساری اولاد کے لیے محبت اور درد ایک سا ہوتا ہے اور میں تمہیں کیا معاف کروں گی۔ میری ردا تو خود تمہیں معاف کرگئی ہے۔" خدیجہ بیگم نے دونوں کے سروں پر ہاتھ رکھ کر آہ بھر کر کہا اور دونوں کے گرد اپنے بازو پھیلا کر انہیں اپنے حصار میں لے لیا۔ تینوں پھوٹ پھوٹ کررونے لگے۔ کوئی نہیں جان سکا کہ ان کے گھر کی تباہی کا اصل ذمے دار کون تھا۔

☆☆☆

توقیر واپس آسٹریلیا جارہا تھا...... مگر جانے سے پہلے وہ ردا کی قبر پر گیا، سر پر رومال باندھے وہ اس کی قبر کے سرہانے بیٹھا فاتحہ پڑھتے ہوئے رورہا تھا۔ اس نے قبر پر سرخ گلاب کی پتیوں کو اتنا زیادہ پھیلا دیا تھا کہ کوئی جگہ بھی خالی نہیں بچی تھی اور اس پر درمیان میں اس نے کئی دیے جلا کر رکھے تھے جو وہ اپنے ساتھ لے کر آیا تھا۔ توقیر رورہا تھا۔

"ردا...... تم نے دنیا سے جانے میں اتنی جلدی کی...... کاش ایک بار مجھے تو پکارا ہوتا...... میرے دل میں تمہارے لیے کتنی محبت تھی...... مجھے ایک موقع دیتیں تو میں تمہیں بتاتا...... تم نے یہ کیا کردیا......" وہ آنسو بھری آنکھوں سے قبر پر جلتے دیوں کو دیکھے گیا اس کی لو میں اسے ردا کا چہرہ دکھائی دیا۔ اس نے حیرت سے دیکھا۔ ردا کی شبیہہ ان کی لو میں مسکراتی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔

"توقیر میں دنیا کے لیے مرچکی ہوں مگر تمہارے لیے کبھی نہیں مروں گی۔" وہ ردا کے تصور میں ڈوب گیا۔

"تمہارے دل میں محبت کا جو دیپ روشن ہے میں ہمیشہ اس میں زندہ ہوں گی...... دیکھو اس دیپ کو کبھی بجھنے نہ دینا۔" ردا نے مسکرا کر کہا۔ ایک دم ہوا چلنے لگی اور دیے بجھنے لگے اسے لگا ردا کی شبیہہ غائب ہوگئی ہو۔ وہ گھبرا گیا اور جلدی سے دیے دوبارہ روشن کیے لو میں ردا پھر دکھائی دینے لگی۔

"تم مجھ سے بہت محبت کرتے ہو ناں؟"

"ہاں، ہاں بہت زیادہ......" توقیر نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے جواب دیا۔ وہ اس سے باتیں کررہا تھا جیسے ردا مجسم اس کے سامنے ہو۔

"میں بھی توقیر......" ردا نے مسکرا کر کہا۔ اس کے اقرار پر توقیر کے چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ پھیلنے لگی۔ ہوا پھر تیز چلنے لگی اور دیے بجھنے لگے۔ دیے کے ساتھ اس کا دل بھی بجھ رہا تھا مگر اس نے دل کا دیا بجھنے نہ دیا کہ ابھی ابھی تو اس کی ردا نے یقین دلایا تھا کہ وہ اس سے بہت محبت کرتی ہے۔ جبھی قبروں پر پانی ڈالنے والا اور ان

کی صفائی کرنے والا ایک آدمی اس کے پاس آیا کہ شاید اسے پانی یا کسی چیز کی ضرورت ہو...... توقیر اس کی طرف دیکھ کر بولا۔

"دیکھو تم اس قبر کا بہت خاص دھیان رکھنا اور تم ان دیوں کو کبھی نہ بجھنے دینا۔ ہر روز انہیں جلانا۔" توقیر نے اسے کچھ پیسے دینے چاہے مگر اس نے ہاتھ نہیں بڑھایا۔

"جناب...... جو دلوں میں زندہ ہوتے ہیں، انہیں دیوں کی کیا ضرورت ہوتی ہے اور محبت تو ویسے بھی کسی کو مرنے نہیں دیتی۔ میں ویسے ہی اس قبر کا دھیان کرلوں گا آپ پیسے نہ بھی دیں تو۔" آدمی نے کہا۔

"دیکھو وہ مجھے ان دیوں کی روشنی میں دکھائی دے رہی ہے۔ دیکھو...... دیکھو...... اس کی روشنی میں۔" توقیر نے ایک دیا اسے دکھاتے ہوئے کہا۔

"جناب وہ صرف آپ کو دکھائی دے رہی ہیں، مجھے نہیں کیونکہ آپ اُن سے محبت کرتے ہیں اور محبت کرنے والوں کو تو ذرّے ذرّے میں وہی دکھائی دیتا ہے، جس سے وہ محبت کرتا ہے۔ صاب آپ فکر نہیں کریں، میں آپ کی محبت کے یہ دیے ہر روز جلایا کروں گا۔" اس نے مسکرا کر کہا تو توقیر نے نم آنکھوں سے مسکرا کر اسے دیکھا اور پھر دیوں کی طرف دیکھنے لگا اسے ہر طرف ردا مسکراتی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔ وہ قدرے مطمئن ہو کر وہاں سے اٹھ گیا تھا۔

☆☆☆

روحیل اپنے کمرے میں بند ہر وقت روتا، تڑپتا رہتا، اس کے اندر پچھتاوے کا ایسا الاؤ روشن ہوگیا تھا جو اسے کسی پل چین نہیں لینے دیتا تھا۔ نہ اسے جاب کا کوئی ہوش تھا اور نہ اپنی ذات کا...... ماں جی کے سمجھانے کا بھی اس پر کوئی اثر نہیں تھا۔ چند روز بعد اسے جاب سے بھی terminate کردیا گیا تھا مگر نوکری ختم ہونے کا بھی اسے کوئی دکھ نہیں تھا جتنا دکھ ردا کے ساتھ کیے گئے ناروا سلوک کا تھا۔ کبھی کبھی انسان کے اعمال ایسے بچھو بن جاتے ہیں جو ہر وقت اندر ہی اندر اسے ڈنک مارتے ہیں...... اور اسے کوئی راہِ فرار نظر نہیں آتی۔ روحیل کے اندر بھی ہر وقت بچھو اسے ڈنک مارتے رہتے تھے۔ اس روز وہ تنگ آکر صبح سویرے اٹھتے ہی گھر سے باہر نکل گیا۔ اس کا حلیہ پاگلوں والا ہورہا تھا۔ پہلی نظر میں وہ بھکاری دکھائی دیتا تھا۔ وہ گھر سے بے خیالی میں نکلا اور سارا دن اِدھر اُدھر بھٹکنے کے بعد نادانستہ اس کے قدم قبرستان کی طرف اٹھ گئے۔ وہ ردا کی قبر پر پہنچا تو وہاں پھولوں کے گرد بجھے ہوئے دیے رکھے تھے وہ ردا کی قبر کے ساتھ لپٹ گیا اور دونوں بازو پھیلا کر دہاڑیں مار مار کر رونے لگا۔

"ردا اٹھو، خدا کے لیے ایک بار اس قبر سے باہر نکلو...... اور مجھے معاف کردو۔ میں تمہارا مجرم ہوں، گنہگار ہوں، قاتل ہوں، جو چاہے مجھے سزا دے دو مگر مجھے اس اذیت سے نجات دلا دو، میں نے تمہارے ساتھ بہت برا کیا...... بہت برا...... اب مجھ سے اپنے گناہوں کا بوجھ نہیں اٹھایا جاتا۔ تم ناحق، خاموشی سے اتنا کچھ برداشت کر کے چلی گئیں...... تم بہت اعلیٰ ظرف انسان تھیں...... بہت نیک اور پاکباز...... اور میں گنہگار، خطاکار اور... بدکردار۔" وہ زور زور سے رو رہا تھا۔ اس کے انتہائی زور سے رونے کی آواز سن کر وہی شخص بھاگتا ہوا آیا اور حیرت سے اسے دیکھنے لگا۔

"ک...... کون ہو تم...... اور یہاں بیٹھ کر کیوں رو رہے ہو؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"میں اس کا قاتل ہوں...... کیا تمہیں میرے چہرے پر لگا خون دکھائی نہیں دے رہا......؟" روحیل اپنے چہرے پر ناخن مارتے ہوئے بولا تو اس کے بڑھے ہوئے ناخنوں سے اس کے چہرے پر خراشیں نمودار ہونے لگیں اور ان سے خون رِسنے لگ۔ وہ دیوانوں کی طرح اپنے چہرے کو زخمی کررہا تھا۔

وہ شخص حیران پریشان کھڑا اسے دیکھے جارہا تھا۔ روحیل کے اندر کی تڑپ اور جلن کا کوئی اندازہ نہیں کرسکتا تھا۔

سچ ہے انسان...... دوسروں پر ظلم کرتے ہوئے بھول جاتا ہے کہ وہ بھی اس جیسا انسان ہے اور اس کی حقیقت اس پر تب کھلتی ہے جب وہ اپنے رب کی پکڑ میں آتا ہے۔ روحیل کو سوائے پچھتاوؤں کے کچھ حاصل نہیں ہوا تھا۔ ساری زندگی اس نے اپنی لگائی ہوئی آگ

WWW.PAKSOCIETY.COM

میں خود ہی جلنا تھا۔

☆☆☆

شمیلہ کو اسپتال سے ڈسچارج کرکے اس کی خواہش کے مطابق دارالامان ..... بھیج دیا گیا تھا۔ اپنے کسی بھی رشتے دار سے ملنے کو اس نے پہلے ہی منع کر دیا تھا۔ وہ دارالامان کے کمرے میں ہر وقت محصور رہتی یا پھر خاموشی سے لان کے کسی کونے میں چھپ کر بیٹھ جاتی۔ وہ جہاں بھی چند عورتوں کو بیٹھے دیکھتی وہاں سے غائب ہو جاتی۔ اسے یوں لگتا جیسے ہر دیکھنے والی نظر اس پر طنز کر رہی ہو، اس پر لعن طعن اور ملامت کر رہی ہو، وہ صبح سے لان کے ایک کونے میں درختوں کے پیچھے چھپ کر بیٹھی تھی اور اسی حالت میں اسے دوپہر ہو گئی تھی۔ اسے وقت گزرنے کا ذرا سا بھی احساس نہیں ہوا تھا۔ اس نے روا کے ساتھ جو جو زیادتیاں کی تھیں وہ ایک، ایک لمحہ احساسِ جرم کی صورت میں اس کے اندر نشتر چبھو رہا تھا۔

''یا اللہ......! تو نے میری قسمت میں اتنی ذلت اور رسوائی کیوں لکھی کہ میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہی......'' یکا یک وہ سسکنے لگی۔

''تو نے بھی تو روا کو ذلیل کرنا چاہا تھا...... اپنے اندر کے حسد اور نفرت کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کے لیے تو نے اس معصوم اور بے گناہ پر الزامات لگائے...... بہتان باندھے...... جو گڑھے تو نے اس کے لیے کھودنے چاہے اب تو خود اس میں گر گئی۔ اسے بے گھر کرنا چاہا تھا...... خود ہی بے گھر ہو کر دارالامان پہنچ گئی۔ تو نے ہی یہ فساد پھیلایا...... اب کیوں رو رہی ہے؟'' اس کے ضمیر نے اسے سرزنش کی۔

''میں بھول گئی تھی کہ عزت اور ذلت کا اصل مالک تو اوپر بیٹھا ہے جب اس کی لاٹھی برسنے پر آتی ہے تو کسی ظالم کو نہیں چھوڑتی۔'' وہ سسکیاں بھرنے لگی۔ اسے زرینہ کے کہے ہوئے الفاظ یاد آنے لگے۔

''ڈریں خدا کی لاٹھی سے...... آپ جس خدا کو بھلا بیٹھی ہیں، وہ آپ پر قہر بھی توڑ سکتا ہے۔'' وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

''اس کا قہر مجھ پر ٹوٹ پڑا ہے، وہ مجھ سے ناراض ہو گیا ہے، مجھے اتنی عزت دے کر اب ایسی ذلت دی کہ میں کہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہی۔ اپنی ذات سے محبت اور گھمنڈ مجھے لے ڈوبا...... کاش میں انسان بن کر سوچتی......'' شمیلہ نے روتے ہوئے سوچا اور اس کے سامنے وہ منظر گھوم گیا جب کچن میں روا نے اس کے پاؤں کو ہاتھ لگا کر گڑگڑا کر معافی مانگی تھی اور وہ اسے دھتکار کر باہر نکل گئی تھی۔ وہ سسکیاں بھرنے لگی۔

ایک ملازمہ اسے بلانے آئی اور بتایا کہ اس کا دیور اسے ملنے آیا ہے۔

''انہیں کہہ دو، میں مر چکی ہوں اور دوبارہ یہاں کوئی نہ آئے۔'' شمیلہ نے غصے سے چلاتے ہوئے کہا۔ وہ جلدی سے وہاں سے چلی گئی، کہیں شمیلہ جنونی کیفیت میں اس پر حملہ ہی نہ کر دے۔ عاصم نے گھر آ کر ماں کو بتایا کہ شمیلہ نے ملنے سے ہی انکار کر دیا ہے تو وہ شدید پریشان ہو گئیں۔

''بیٹا تم نے اسے سمجھایا نہیں......؟'' خدیجہ بیگم نے پوچھا۔

''مما بتا تو رہا ہوں کہ انہوں نے مجھ سے ملاقات ہی نہیں کی...... اور ویسے بھی وہ یہاں آ کر کس کس کا سامنا کریں گی۔ ایسی عورتیں جیتے جی مر جاتی ہیں۔ دارالامان میں وہ اپنے جیسی متاثرہ عورتوں کے ساتھ رہیں گی تو شاید ان کا دل لگ جائے۔'' عاصم نے پُر تاسف لہجے میں کہا۔

''انسان کی قسمت میں کیا لکھا ہوتا ہے...... کسے خبر ہوتی ہے، ریحانہ کی اتنی لاڈلی بیٹی...... میرے فہام کی محبت، جسے میں اتنے ارمانوں سے اس گھر میں بیاہ کر لائی...... اب دارالامان میں پڑی رہے گی۔'' خدیجہ بیگم نے غم سے سینے پر ہاتھ مار کر کہا۔

''لیکن میں نے دارالامان کی انتظامیہ سے کہا ہے کہ ان کا خاص خیال رکھیں، اس کے لیے میں انہیں منتھلی پے بھی کیا کروں گا۔'' عاصم نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

''آج مجھے تم میں فہام دکھائی دے رہا ہے۔ وہ بھی ایسے ہی فیصلے کر کے مجھے بعد میں بتایا کرتا تھا۔'' خدیجہ بیگم نے اس کی طرف بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

''شاید...... جب انسان پر ذمے داریاں پڑتی ہیں تو وہ خود بخود ایسے فیصلے کرنے لگتا ہے۔ فہام بھائی نے بھی تو ہماری ساری ذمے داریوں کا بوجھ خود ہی اٹھایا ہوا تھا۔'' عاصم نے آہ بھر کر کہا۔

''ہم بچھڑنے والوں کے غم میں ساری زندگی آنسو بہاتے رہتے ہیں مگر وہ کہیں نہ کہیں ہمارے ساتھ ہی موجود ہوتے ہیں۔ آج مجھے تم عاصم نہیں فہام لگ رہے ہو۔ لگتا ہے میرا فہام زندہ ہو گیا ہے۔'' خدیجہ بیگم نے اس کی پیشانی چومتے ہوئے اسے گلے سے لگایا۔ عاصم نے نم آنکھوں سے ماں کو دیکھا اور ان کی گود میں سر رکھ لیا۔ ان کے آنسو اس کے بالوں پر گرتے رہے۔

☆☆☆

محسن رضا مکمل طور پر صحت یاب ہو گیا تھا اور اسے اسپتال سے ڈسچارج کر دیا گیا تھا۔ اسپتال میں قیام کے دوران یمنیٰ نے جس طرح اس کی خدمت کی تھی وہ اس کا پہلے سے بھی زیادہ مدّاح اور قدر دان ہو گیا تھا حالانکہ وہ خود بھی ابھی کمزور رہی تھی۔ وہ اپنی قسمت پر رشک کرتا کہ خدا نے یمنیٰ کی صورت میں اسے خوب صورت اور انمول تحفے سے نوازا تھا۔ محسن جب صحت یاب ہو کر آیا تو ایمن کے بے حد اصرار اور ضد پر فائیو اسٹار ہوٹل میں اس کی شادی کے اعزاز میں تقریب منعقد کی گئی کیونکہ وہ لوگوں کو یمنیٰ کی اچانک شادی کے بارے میں بتا بتا کر تھک چکی تھیں۔ جمال صاحب بھی اس بات کو مان گئے اور شہر کے تمام ممتاز اور معزز خاندانوں کو دعوت پر مدعو کیا گیا۔ محسن کے گھر والے بھی کراچی سے خصوصی طور پر اس دعوت میں شرکت کے لیے آئے...... یمنیٰ شہر کے مہنگے ترین بیوٹی پارلر سے تیار ہونے کے باوجود بھی بہت عام اور معمولی لگ رہی تھی اور اس کی سیاہ رنگت قدرے سانولی لگ رہی تھی اور اس نے برائیڈل ڈریس بھی انتہائی نارمل پہنا تھا۔ فل سلیوز سادی سی شرٹ اور ہلکے کام کے لہنگے کے ساتھ بڑے سے دوپٹے سے سر اور بازوؤں اچھی طرح ڈھانپا تھا۔ وہ محسن رضا کے ساتھ اسٹیج پر بیٹھی تھی ایمن نے اسے پہلی نظر دیکھا تو ان کا دل ہی بیٹھ گیا۔ محسن انتہائی خوب صورت اور وجیہہ لگ رہا تھا اور وہ انتہائی عام سی۔ ہر کوئی یمنیٰ کی قسمت پر رشک کر رہا تھا۔

تقریب میں موجود لوگ اس کے خوب صورت نصیب پر رشک کر رہے تھے۔

''جب خدا اپنے لوگوں پر مہربان ہوتا ہے تو ان کے نصیب خود بخود چمکنے لگتے ہیں۔''

''ہاں، یمنیٰ اتنے خوب صورت انسان کو بالکل ڈیزرو نہیں کرتی......''

''نہ جانے اس خوب صورت شخص کو اتنی معمولی سی لڑکی میں کیا نظر آیا...... اپنی زندگی ہی سیاہ کر ڈالی۔''

''شاید جمال صاحب کی دولت نے اس کی آنکھیں چُندھیا دیں۔'' ہر طرف یہی سرگوشیاں تھیں مگر محسن رضا لوگوں کی باتوں سے بے نیاز مسکرا مسکرا کر یمنیٰ کی طرف انتہائی محبت بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا اور یمنیٰ اس کی نظروں سے جھینپ رہی تھی۔ لوگ جس انداز میں محسن کی تعریفیں کر رہے تھے ایمن کا دل خوشی سے باغ، باغ ہو رہا تھا۔ وہ جو یمنیٰ کے مستقبل کے بارے میں ہر وقت فکر مند رہتی تھیں اُن کے سارے اندیشے اور خوف ختم ہو گئے تھے۔ ان کی ساری فیملی جمع تھی اور سب انہیں مبارک باد دے رہے تھے۔

تقریب بہت خوب صورت انداز میں رات گئے تک جاری رہی تھی۔ سب بہت خوش تھے۔ یمنیٰ اور محسن کے لیے جمال احمد نے ایک خوب صورت گھر خریدا تھا اور دونوں کو اس ویل فرنشڈ گھر میں ڈراپ کیا گیا۔ یمنیٰ کے لیے بھی یہ ایک سرپرائز تھا۔ دونوں حیرت سے پورے گھر کو دیکھ رہے تھے۔ وہ جب اپنے بیڈ روم میں پہنچے تو اُن کی آنکھیں حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ کمرے کو انتہائی خوب صورت انداز میں ڈیکوریٹ کیا گیا تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ کسی فلمی ماحول میں ہوں یا فینٹسی میں۔

''سب کچھ کتنا غیر یقینی لگ رہا ہے، ڈر لگتا ہے، کہیں اچانک سب کچھ ختم نہ ہو جائے۔'' محسن رضا نے یمنیٰ کا ہاتھ پکڑتے ہوئے قدرے خوف زدہ لہجے میں کہا۔

''ہاں...... اگر میرا خدا پر ایمان پختہ نہ ہوتا تو میں بھی اسے غیر یقینی سمجھتی مگر اب میرا اس پر پختہ ایمان اور یقینِ کامل ہے کہ مجھے دنیا کی ہر شے اس عظیم ہستی کی رضا کے سامنے بے معنی لگتی ہے۔ دنیا میں انسان کو سب کچھ

WWW.PAKSOCIETY.COM

اس کے کرم سے ملتا ہے۔'' یمنیٰ نے فرطِ جذبات سے لبریز ہوکر نم آنکھوں سے کہا۔

''آپ کو اتنے پختہ ایمان کی دولت کہاں سے ملی؟'' محسن نے اس کی باتیں سن کر حیرت سے پوچھا۔

''گناہ اور ظلم کی انتہا دیکھ کر......'' یمنیٰ نے آہ بھر کر کہا تو اس کی آنکھوں کے سامنے آزر اور حمنہ گھوم گئے۔ وہ ایک دم خاموش ہوگئی۔

''آپ کو پاکر ایمان تو میرا بھی بہت پختہ ہوا ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ کسی اور بات پر بھی یقین آگیا ہے۔'' محسن نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

''کیا......؟'' یمنیٰ نے چونک کر پوچھا۔

''کل بتاؤں گا......'' محسن نے کہا تو یمنیٰ نے حیرت سے اسے دیکھا۔

☆☆☆

اگلے روز محسن، یمنیٰ کے ساتھ قبرستان گیا اور آزر کی قبر پر پھول چڑھائے اور اس کی قبر پر رکھے دیوں کو جلانے لگا۔ یمنیٰ چونک کر اسے دیکھتی رہی۔ اس نے آزر کو کبھی اس قابل نہیں سمجھا تھا کہ اس کی قبر پر جاتی اور یوں پھول چڑھاتی۔ گو کہ اس نے اسے معاف کردیا تھا مگر اس کے دل میں آزر کے لیے ویسی محبت اب باقی نہیں تھی۔

''یمنیٰ...... آج میں تمہارے سامنے زندہ ہوں...... اور تمہارا شریکِ سفر ہوں تو اس شخص کی وجہ سے...... اس کا معاملہ تمہارے ساتھ جو کچھ بھی تھا...... میں اس بحث میں نہیں پڑتا لیکن اب یہ یقین ہونے لگا ہے کہ انسان کا نیک نیتی سے کیا گیا ایک عمل جو وہ دوسرے انسان کی زندگی بچانے کے لیے کرتا ہے، کبھی کبھی اس کی ساری زندگی پر حاوی ہوجاتا ہے...... جو لوگ اپنے اعمال سے دوسروں کی زندگیوں کو روشن کرنے کی کوشش کرتے ہیں دنیا سے جانے کے بعد بھی اُن کے نام کے دیپ جلتے رہتے ہیں۔'' محسن نے کئی دیے جلاتے ہوئے کہا تو یمنیٰ کی آنکھیں چمکنے لگیں۔

''صاحب...... ٹھیک کہا ہے...... یہ انسان کے اعمال ہی ہوتے ہیں جن سے دنیا میں کہیں دیپ جلتے ہیں اور کہیں دل......'' پاس کھڑے اسی آدمی نے آزر کی قبر کے پاس ہی بنی ردا کی قبر کی طرف دیکھتے ہوئے افسردگی سے کہا۔

''کیا مطلب......؟'' محسن نے چونک کر پوچھا۔

''اس قبر کی طرف دیکھو...... اس کے اپنوں نے اس پر اتنا ظلم کیا کہ اس نے خود موت کو گلے لگا لیا...... اور اب اس کے گنہگار آکر اس کی قبر پر بین کرتے ہیں، معافیاں مانگتے ہیں اور دھاڑیں مار مار کر روتے ہیں مگر انہیں کسی طرح قرار نہیں ملتا...... اُن کے دل ایسی آگ میں جلتے رہتے ہیں جو کسی طرح کم نہیں ہوتی۔'' اس نے آہ بھر کر ردا کی قبر کی طرف دیکھ کر نہایت افسردگی سے کہا۔

''ہاں...... کوئی ظلم سہہ کر انسانیت کی معراج حاصل کرتا ہے اور کوئی گنہگار ہونے کے بعد سچے دل سے توبہ کرنے کے بعد...... انسان کا معاملہ بھی عجیب ہے کبھی سب کچھ ہار کر بھی جیت جاتا ہے اور کبھی سب کچھ جیت کر بھی ہار جاتا ہے۔'' یمنیٰ نے ایک ٹھنڈی سانس بھر کر آزر اور ردا کی قبروں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور کچھ جلتے دیے اٹھا کر ردا کی قبر پر رکھنے لگی اور تمام بجھے ہوئے دیوں کو جلانے لگی۔

''بی بی...... یہی وہ سچی محبت ہے جو ربِّ پاک لوگوں کے دلوں میں اپنے ایمان والے بندوں کے لیے ڈالتا ہے۔ وہ سچ فرماتا ہے۔ ''انسان خسارے میں ہے، مگر وہ لوگ نہیں جو ایمان لاتے ہیں اور نیک عمل کرتے ہیں...... ایمان اور نیک عمل جب یکجا ہوتے ہیں تو دنیا میں ایسے لوگوں کے لیے ہی دیپ جلتے ہیں...... اور جو ایسے لوگوں کی ناقدری کرتے ہیں ان کے دل ہمیشہ جلتے رہتے ہیں۔'' اس آدمی نے بڑی گہری بات کی تھی۔

محسن رضا اور یمنیٰ نے بیک وقت اس کی طرف دیکھا اور پھولوں کی پتیوں اور جلتے دیوں سے دونوں کی قبروں کو آراستہ کرکے فاتحہ خوانی کے لیے ہاتھ بلند کیے۔

ان کے چہروں پر گہرا اطمینان اور سکون تھا۔ ہر طرف خوشگوار ہوا کے جھونکے چلنے لگے جیسے ان کے عمل کو سراہ رہے ہوں۔

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

دھند میں لپٹی شام

غزالہ عزیز

دبیز دھند کی آغوش میں ڈوبتی ہوئی شام
ویران سڑکیں، پیلے پتے دور کہیں اداس درخت
نمی آمیز سرد ہوا، پُرنم آنکھیں لب خاموش
خالی ہاتھ، ٹوٹتی امیدیں
بکھرتے سپنے، ڈگمگاتے رستے
دھند کی یادیں!
اور یہ دسمبر کی پہلی شام
آپ کے نام......!

WWW.PAKSOCIETY.COM

"اتنی خوب صورت شاعری، اتنے نازک اور دل آویز احساس کو شاعری میں جانے کس شاعر نے ڈھالا ہوگا!"

نمرہ کی عادت تھی مائرہ کے موبائل پر آنے والے دوستوں کے میسجز پڑھنے کی...... تاکہ اپنے موبائل میں فارورڈ کر کے اپنی فرینڈز کو بھیج سکے۔ حالانکہ وہ تین سال اس سے چھوٹی تھی مگر مائرہ نے بڑی بہنوں والا کوئی رعب نہیں رکھا تھا۔ یہ میسج کسی اجنبی نمبر سے تھا۔ پچھلے کئی دنوں سے مائرہ کے سیل فون پر اسی نمبر سے بڑی خوب صورت شاعری پر مبنی میسجز آرہے تھے اور اس نے اچھا شعری ذوق رکھنے کے باعث انہیں ڈیلیٹ نہیں کیا تھا...... اچھی شاعری، اچھی خوشبو، اچھی کتاب...... اور پھر بارش کے ساتھ سردیوں کی چھوٹی چھوٹی سنسان دوپہریں اس کی کمزوری تھیں حالانکہ بھی جانتے ہیں کہ ایسے نمبرز سے میسجز وغیرہ موبائل کمپنیوں کی مہربانی ہوتی ہے مگر نمرہ کو شوق تھا۔ وہ ان میسجز کو پڑھ کر پر سے گھونسلا بنانے چلی تھی۔ اسے عادت تھی تجسس میں پڑنے کی۔

"کوئی جاننے والا بھی تو ہوسکتا ہے، میرا مطلب ہے......"

"پلیز نمرہ! یہ ٹین ایجر کی طرح بی ہیو کرنا چھوڑ دو۔ اب تم میریڈ ہو ایک بیٹے کی ماں بھی ہو۔ اس طرح کے میسجز تو ہر کسی کے نمبر پر آتے رہتے ہیں۔ موبائل کمپنیوں کے بڑے ہتھکنڈے ہیں لوگوں کی جیبوں سے پیسے نکلوانے کے۔"

اس سے پہلے کہ نمرہ مزید ہوا میں تیر چلاتی۔ مائرہ نے ٹوک دیا ساتھ ہی سویرا کے اسکول یونیفارم کو تہ کر کے الماری میں رکھا تھا۔ سرما کی چھٹیاں جو پڑ چکی تھیں۔ وہ خود بھی مونٹیسوری ڈائریکٹریس کی حیثیت سے جاب کرتی تھی تو اس کی بھی چھٹیاں تھیں۔

"میں تو خیر یونہی مذاق کر رہی تھی مائرہ مگر زندگی مذاق نہیں ہے، نہ ہی ایک جگہ رکنے کا نام ہے کیونکہ رکے ہوئے پانی میں بھی کائی لگنی شروع ہوجاتی ہے۔ تم اپنی زندگی کے ساتھ ایسا مت کرو اور ابھی تو سویرا بہت چھوٹی ہے کسی کے ساتھ بھی ایڈجسٹ کرلے گی۔" نمرہ نے ایک بار پھر اسے قائل کرنے کی کوشش کی۔ وہ جب سے آئی تھی امی اسی کوشش میں لگی تھی کہ مائرہ کسی طرح مان جائے۔ امی نے اسے خاص طور پر ان چھٹیوں میں ایبٹ آباد آنے کو کہا تھا حالانکہ وہ جانتی تھی کہ مائرہ کی نہ کو ہاں میں بدلنا آسان نہیں تھا جس طرح ارسل نے اسے اور اس کی ذات کے بھرم کو توڑا تھا وہ اپنے شکستہ وجود کو بڑی مشکل سے سہارا دے کر کھڑا کر سکی تھی۔ اگر سویرا نہ ہوتی تو وہ کب کی بکھر چکی ہوتی مگر نمرہ پتھر پر قطرہ، قطرہ پانی گرانے کی سعی کر رہی تھی۔

"امی تمہارے لیے بہت پریشان ہیں مائرہ۔"

"تو انہیں سمجھاؤ نمرہ...... میرے لیے ایک تلخ تجربہ ہی کافی ہے اور میں اکیلی نہیں ہوں، امی اور سویرا ہیں ناں میرے پاس۔" مائرہ نے زچ ہو کر کہا۔

"اور جب میں نہیں رہوں گی تو تم کیا کرو گی؟" انیسہ بیگم جانے کب عصر کی نماز سے فارغ ہو کر کمرے کی دہلیز پر آکر کھڑی ہوئی تھیں۔ جہاں نمرہ اور مائرہ بیڈ پر بیٹھی باتیں کر رہی تھیں دونوں نے بے ساختہ مڑ کر ان کی جانب دیکھا۔

"خدا نہ کرے امی...... اللہ آپ کا سایہ ہم پر ہمیشہ سلامت رکھے۔" مائرہ نے بے اختیار ہو کر کہا۔

"مگر یہ دنیا بہت ظالم ہے میری بچی۔ اگر سویرا کی جگہ بیٹا ہوتا تمہارے پاس تو شاید میں بھی اتنی شدت سے تمہارے اکیلے پن کے بارے میں سوچ، سوچ کر پریشان نہ ہوتی۔ مرد شوہر کے روپ میں ساتھ ہو یا بیٹے، باپ اور بھائی کی شکل میں ہمیشہ عورت کے لیے مضبوط سائبان کی طرح ہوتا ہے۔" وہ آکر بیڈ پر بیٹھ گئیں۔

"امی ٹھیک کہہ رہی ہیں مائرہ ایک بار ٹھنڈے

دل و دماغ سے سوچو تو اس بارے میں...... سویرا کے بارے میں صرف اپنی بچی کی خاطر۔" نمرہ نے امی کی تائید کی تھی اور اس بحث سے بچنے کے لیے مائرہ بیڈ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ یہ موضوع اس کے لیے ہمیشہ سے تکلیف دہ رہا تھا۔

"امی...... میری نماز کا وقت تنگ ہو رہا ہے، میں ابھی ادا کر کے آتی ہوں۔" مائرہ ایک معقول جواز کے ساتھ وہاں سے چلی گئی اور نمرہ ماں کی طرف بے چارگی سے دیکھنے لگی۔

"دیکھا تم نے اس لڑکی کو ہمیشہ کی طرح بات کو خوب صورتی سے ٹال کر راہ فرار اختیار کر جاتی ہے لیکن آخر کب تک، مجھے تو اس کی اور سویرا کی فکر میں قبر میں بھی سکون نہیں ملے گا۔" انہوں نے روہانسے لہجے میں کہا۔

"پلیز امی...... ایسی باتیں تو نہ کریں آپ کا وجود ہمارے لیے کتنی بڑی نعمت ہے۔ ابا کے بعد جس حوصلے سے آپ نے زندگی گزاری ہے، مائرہ بھی شاید یہی کوشش کر رہی ہے۔" نمرہ بے اختیار ہو کر لاڈ سے اُن کے وجود سے لپٹ گئی۔

"مگر مائرہ اور میری بات الگ ہے۔ وہ کیوں نہیں سمجھتی کہ یہ معاشرہ بیوہ عورت اور طلاق یافتہ عورت کو الگ، الگ نظروں سے دیکھتا ہے۔ بیوہ عورت کو تو معاشرے کا رحم، ہمدردی اور ترس مل جاتا ہے مگر طلاق یافتہ کو لوگ الزام دیتی مشکوک نگاہوں سے دیکھتے ہیں...... اور پھر میرے پاس تم دونوں کے ساتھ حسام بھی تھا۔ میرے بچے جوان تھے جب تمہارے ابو کا ساتھ چھوٹا تھا۔ مائرہ کے سامنے لمبی زندگی پڑی ہے۔ کل کو بچی جوان بھی ہوگی وہ اتنی بڑی ذمے داری تنہا کیسے نبھا سکے گی۔" امی کے لہجے میں تفکرات اور اندیشے بول رہے تھے۔

"امی...... آپ فکر کیوں کرتی ہیں مائرہ بہت بہادر اور مضبوط ہے۔ اس کی زندگی میں اتنے بڑے حادثے نے اسے کمزور نہیں ہونے دیا آگے بھی وہ حالات کو سنبھال لے گی۔" نمرہ کے پاس مائرہ کے انکار کے بعد ماں کو حوصلہ دینے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

"تم لوگ میری پریشانی کو نہیں سمجھو گی۔ کاش کوئی اس لڑکی کو مجبور کر سکے اسے سمجھا سکے کہ زندگی کسی ایک حادثے سے ختم نہیں ہوجاتی۔" وہ بیڈ سے اٹھ کھڑی ہوئیں اور نمرہ سوچ رہی تھی کہ جانے سے پہلے وہ بہن کو سمجھانے کی ایک کوشش اور کرے گی۔ ابھی موسم سرما کی کچھ چھٹیاں باقی تھیں۔ وہ سرما کی چھٹیوں میں کراچی یعنی اپنی سسرال سے میکے ایبٹ آباد اسی کی خاطر آئی تھی۔

یہاں موسم سرما اپنے عروج پر تھا اور ماحول کی طرح نمرہ کے دل پر بھی افسردگی اور تاسف کی دھند چھانے لگی تھی۔ وہ یہاں بہن کو سمجھانے آئی تھی اور ابھی تک ناکام رہی تھی اور ماں کی مایوسی میں اضافے کے ساتھ ان کے ماتھے پر تفکرات کی لکیروں میں بھی اضافہ ہونے لگا تھا۔

اسے ایک دم ہی مائرہ پر غصہ آیا تھا۔ اپنی ضد کی وجہ سے اس نے امی کے ساتھ ساتھ حسام بھائی اور خود اسے بھی پریشان کر رکھا تھا۔

حسام جاب کے سلسلے میں آج سے سات سال پہلے اپنے والد احسان احمد کے انتقال کے بعد یو کے اپنے ایک دوست کے توسط سے گیا تھا جہاں حسام دوست کے ساتھ ماموں کا اسٹور سنبھالتا تھا۔ انہیں ایک محنتی وایماندار لڑکے کی ضرورت تھی بعد میں حسام کی محنت ولگن اور اعلیٰ کردار کو دیکھتے ہوئے انہوں نے اپنی بڑی بیٹی سے شادی کر کے حسام کو اپنا داماد بنا لیا تھا۔ اُن کی دو ہی بیٹیاں تھیں، بیٹا کوئی نہیں تھا۔

حسام کو سارہ پسند آئی تھی اور اس کی پسند پر انیسہ بیگم کے ساتھ ساتھ دونوں بہنوں کو بھی کوئی اعتراض نہیں تھا۔ وہ ماں کو بھی وہیں بلانا چاہتا تھا جو اب بیٹیوں کے فرض سے سبکدوش ہو چکی تھیں۔ پہلے وہ وطن کی محبت میں منع کرتی رہیں لیکن اب مائرہ کی

WWW.PAKSOCIETY.COM

اچانک طلاق کے بعد اس کی ذمّے داری اور نواسی ان کے پاؤں کی زنجیر بنی تھی۔ شوہر کی اچانک موت کے بعد انہوں نے بڑے حوصلے سے زندگی گزاری تھی مگر وقت کے ساتھ ساتھ انسان کا حوصلہ بھی کم ہو جاتا ہے۔ بیٹی کے ساتھ یہ سانحہ ہونے کے بعد وہ بے حد کمزور پڑ گئی تھیں۔ اس لیے بیٹے کو سمجھا دیا تھا کہ وہ مائرہ اور اس کی بیٹی کو تنہا نہیں چھوڑ سکتیں۔ قریبی رشتے داروں کے رحم و کرم پر چھوڑ کر سات سمندر پار جانے کا حوصلہ نہ تھا ان میں۔ ہاں اگر مائرہ مان جاتی تو شاید وہ حسام کی بات مان لیتیں۔

☆☆☆

رات کو کھانے کی میز پر وہ نمرہ کے ناراض پھولے ہوئے منہ اور انیسہ بیگم کی معنی خیز خاموشی پر چور بنی اپنی نگاہیں چراتے ہوئے جلدی جلدی کھانے سے فارغ ہو کر جلد ہی بستر میں دبک گئی تھی تاکہ نمرہ کو مزید موقع نہ مل سکے۔

حالانکہ موسم سرما کو انجوائے کرنے کے لیے وہ دسمبر کی طویل سرد راتوں میں مارکیٹ میں آنے والے نئے بہترین ناولز پڑھا کرتی تھی۔ اس کے باوجود کہ اس کی جاب کی روٹین بھی ٹف تھی۔

وہ ایبٹ آباد کے بہترین تعلیمی ادارے کے مونٹیسوری سیکشن کی ہیڈ انچارج تھی۔ باپ کی موت کے وقت وہ ماسٹرز کر رہی تھی بعد میں اس نے مونٹیسوری ڈپلوما کیا یوں مشکل حالات میں اس کی تعلیم کام آ رہی تھی۔ چھ سالہ سویرا بھی اس کے ساتھ ہی اسکول جاتی تھی۔

نمرہ کے روم میں آتے ہی وہ کمبل کو سر تک تان کر سوتی بن گئی۔ جانتی تھی کہ بہن اس بحث کو ادھورا نہیں چھوڑے گی، نہ ہی وہ ماں کی طرح آسانی سے ہار ماننے والی تھی اور مائرہ اسی بحث سے بچنا چاہتی تھی۔

اسے سوتا دیکھ کر نمرہ اپنا ارادہ بدل کر کمرے سے باہر چلی گئی۔ آج اس نے مائرہ سے ناراضی ظاہر کرنے کے لیے امی کے ساتھ سونے کا فیصلہ کیا تھا اور مائرہ نے کمبل کے نیچے سکون کی سانس لی تھی۔

☆☆☆

مائرہ کی بات اپنے ماموں زاد مامن سے بچپن سے ہی طے تھی۔ جو آرمی میں کمیشنڈ آفیسر تھا جبکہ نمرہ کی منگنی خالہ زاد آذر سے ہو چکی تھی۔ آذر کی فیملی یعنی انیسہ بیگم کی بڑی بہن شائستہ بیگم کراچی میں رہائش پزیر تھیں۔ یہ رشتے باپ کی زندگی میں طے پا گئے تھے حسام چونکہ بہنوں سے چھوٹا تھا تو اس کے رشتے کے بارے میں کچھ نہیں سوچا تھا۔ شومئی قسمت باپ کی وفات کے بعد اسے یو کے بسلسلۂ تلاشِ معاش جانا پڑا پھر وہیں کا ہو رہا مگر گھر والوں کی خبر گیری سے ہرگز غافل نہیں رہا، وہ جلد وہاں سیٹل ہو گیا تھا اور اس نے اچھی خاصی معقول رقم پاکستان بھیجنی شروع کر دی تھی۔ سال بھر بعد ہی اس نے مائرہ کو جاب چھوڑنے کے لیے کہا تھا لیکن مائرہ نے شادی ہونے تک جاب جاری رکھنے کا فیصلہ کیا۔

تب ملکی حالات کی بگڑتی صورتِ حال کے پیشِ نظر ملک کے شمالی علاقہ جات میں ملک دشمن عناصر کی بڑھتی سرگرمیوں کی روک تھام اور سدِ باب کے لیے وہاں آپریشن کا فیصلہ کیا گیا تھا اور مامن کو اپنے یونٹ کے ساتھ وہاں تعیناتی دی گئی تھی۔ جہاں اس خبر نے سب کو پریشان کر دیا تھا وہیں مائرہ اور مامن کی ہونے والی شادی بھی ملتوی ہو گئی حالانکہ ایک فوجی کی زندگی میں اس طرح کے مواقع آتے رہتے ہیں اور پھر کون سا محبِ وطن سپاہی ایسا ہوگا جسے وقت پڑنے پر وطنِ عزیز کی حفاظت کے لیے لڑنے کا موقع ملے اور وہ پیچھے ہٹ جائے۔

مامن نے گھر والوں کے ساتھ ساتھ مائرہ کو بھی تسلی و حوصلہ دیا تھا کہ وہ اپنے وطن کو ملک دشمن عناصر کی خونریزی سے پاک کرنے جا رہا ہے تو وہ اس کا ساتھ دیں۔ چاہے اب اس مقدس مقصد میں وہ شہید

ہو یا پھر غازی بن کر لوٹے۔ دونوں صورتوں میں اس کے لیے اعزاز کی بات تھی۔ اس روز وہ خاص طور پر مائرہ سے ملنے آیا تھا۔

انیسہ بیگم سودا سلف لانے کے لیے قریبی بازار تک گئی تھیں۔ نمرہ نے ہی اسے مامن کی آمد کا آ کر بتایا تھا۔ وہ اسکول سے آ کر کچھ دیر آرام کرنے کی غرض سے لیٹی تھی۔ اس کی اطلاع پر فوراً اٹھ گئی تھی۔ نمرہ، مائرہ کو بتا کر چائے بنانے چلی گئی تھی۔ اس نے جان بوجھ کر دونوں کو سکون سے بات چیت کرنے کا موقع فراہم کیا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ فریش ہو کر سٹنگ روم میں مامن کے سامنے موجود تھی۔ بیلے کی کلیوں جیسی چاندنی رنگت میں اداسی گھلی ہوئی تھی۔ سب کی طرح اس کا دل بھی انجانے خدشوں میں گھرا ہوا تھا۔ مامن سامنے صوفے پر بیٹھا چند لمحوں تک اس کے دلکش مگر پُر حزن چہرے کو تکتے رہنے کے بعد گویا ہوا تو لہجے میں شکایت تھی۔

”میں تو تمہیں بہت بہادر اور محبِ وطن سمجھتا تھا۔ میں تو سمجھتا تھا کہ سب سے پہلے تم ہی میرا ساتھ دو گی۔ مجھے تم سے یہ امید ہرگز نہیں تھی۔“ مائرہ نے چونک کر سامنے بیٹھے مامن کی طرف دیکھا۔ سرخ و سفید رنگت، فوجی کٹ ہیئر اسٹائل میں وہ ہمیشہ کی طرح اچھا لگ رہا تھا۔ اسے فوجی ہمیشہ سے پسند تھے۔ اپنی بہادری اور وطن سے محبت کرنے والی پاک فوج کے لیے وہ بڑی عقیدت رکھتی تھی۔

”تو تمہیں میری حب الوطنی پر شک کیوں ہو رہا ہے۔ میں نے کب کچھ کہا ہے، میں تو بس......“ افسردگی کے باعث باقی کے جملے حلق میں پھنس گئے تھے۔ یہ سچ تھا کہ وہ حالات کی وجہ سے خوف زدہ تھی۔

”میں تو بس کیا مائرہ......؟ تم جانتی ہو تمہیں ٹینشن ہو تو میں بھی پُر سکون نہیں رہتا۔“ مامن نے آگے بڑھ کر بے چارگی سے کہا تھا اور مامن کے اس اعتراف میں چھپی اس کے لیے بے حد محبت کے احساس نے وقتی طور پر مائرہ کی افسردگی کو زائل کر دیا تھا۔ اس کا اتنا کیئرنگ انداز اور محبت دیکھ کر وہ ہمیشہ کی طرح دل میں خود پر ناز کرنے لگی تھی کہ اسے زندگی میں سچے اور کھرے لوگوں کی محبت ملی ہے اور یہ باعثِ خوش نصیبی تھا جس میں مامن کی محبت بھی شامل تھی۔ جس سے اس کا روح اور دل کا رشتہ پہلے سے بندھا تھا اور اب ایک مقدس رشتہ بننے جا رہا تھا۔

”میں تو بس حالات کی وجہ سے ٹینس ہو رہی تھی۔“

”ان ہی حالات کو تو ٹھیک کرنے جا رہا ہوں۔ میرا یقین کرو مجھے اپنے رب پر پورا بھروسا ہے، وہ ہمیں اس بار بھی کامیابی سے ہمکنار کرے گا۔“ مامن نے بے ساختہ پُر یقین لہجے میں کہا۔

”مجھے یقین ہے مامن...... اپنی پاک فوج پر جو ملک کے چپے چپے کی سلامتی کے لیے جان جوکھوں میں ڈالتے ہیں۔“ مامن اس کی بات پر بے ساختہ ریلیکس ہو کر مسکرانے لگا۔

”تم مجھ سے ناراض تو نہیں ہو ناں؟“ مامن سوالیہ نگاہوں سے خود سے اور اپنے وطن سے محبت کرنے والی اس دلکش لڑکی کی طرف دیکھنے لگا۔ اس بار اس کا انداز محض شرارتی تھا مائرہ کو تنگ کرنے کے لیے۔

”میں تم سے کبھی ناراض نہیں ہو سکتی مامن۔۔۔ مجھے تو فخر ہے تم پر کہ تمہیں اپنے وطن کے لیے کچھ کرنے کا موقع مل رہا ہے اور تم قوم کی عزت و سلامتی کی حفاظت کرنے والے ایک بہادر سپاہی ہو۔“

”تھینکس مائرہ، تم نے میری ساری ٹینشن دور کر دی۔ میرے لیے دعا کرنا کہ میں اور میرے ساتھی اپنے اس عظیم مقصد میں کامیاب ہوں۔“

”انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا اور آپ فتح یاب ہو کر پھولوں کے ہار پہن کر لوٹیں گے اور ہم اسی دن مائرہ کو آپ کے ساتھ رخصت کر دیں گے۔“ نمرہ نے چائے اور لوازمات کی ٹرالی دھکیلتے ہوئے سٹنگ روم

WWW.PAKSOCIETY.COM

میں آتے ہوئے مسکرا کر شرارتی لہجے میں کہا تو ماسن بے اختیار مسکراتے ہوئے مائرہ کی طرف دیکھنے لگا اور وہ جھینپ کر سر جھکا گئی۔

''اور اگر پھپو نے مائرہ سے پہلے تمہیں کراچی رخصت کر دیا تو؟'' ماسن کی جوابی شرارتی کارروائی سمجھ کر نمرہ مصنوعی خفگی سے گھورنے لگی اور مائرہ موقع مناسب دیکھ کر چائے سرو کرنے لگی۔

''ماسن بھائی، میں آپ اور مائرہ کی شادی سے پہلے کہیں نہیں جانے والی۔ مائرہ تم ماسن بھائی کی اچھی طرح خاطر تواضع کرو میں ذرا کچن سمیٹ کر آتی ہوں۔'' نمرہ وہاں سے چلی گئی تو دونوں نے اس روز واقعی بہت ساری باتیں کیں مگر اسے کیا معلوم تھا کہ ماسن سے یہ اس کی آخری ملاقات ثابت ہوگی۔

☆☆☆

نمرہ کی دوست کے توسط سے ارسل زمان کا پروپوزل مائرہ کے لیے آیا تھا۔ نمرہ کی دوست نے غیر ضروری سمجھتے ہوئے مائرہ کی ماسن سے ختم ہو جانے والی نسبت کا ذکر نہیں کیا تھا۔ ویسے بھی باقاعدہ منگنی تو ہوئی نہیں تھی بس بچپن سے بڑوں کے درمیان بات تھی۔ نمرہ اور انیسہ بیگم کو بھی یہی مناسب لگا تھا اس لیے انہوں نے بھی ارسل کے گھر والوں سے اس بات کا ذکر نہیں کیا اور اب حسام بھائی کے ساتھ ساتھ امی بھی اس پر دباؤ ڈال رہی تھیں کہ وہ ارسل کے پروپوزل کے لیے حامی بھر لے۔ ارسل ایک پڑھی لکھی ویل آف فیملی سے تعلق رکھتا تھا۔ خود اس کی جاب بھی بہت اچھی تھی مگر مائرہ کسی طور رضامند نہیں تھی۔

دوسری جانب نمرہ کی تعلیم مکمل ہونے پر شائستہ بیگم بھی نمرہ اور آزر کی شادی کی تاریخ مانگ رہی تھیں لیکن انیسہ بیگم مائرہ سے پہلے اس کی شادی نہیں کرنا چاہتی تھیں۔ اس لیے بڑی بہن سے چند ماہ کی مہلت مانگی تھی۔

مائرہ کو ارسل کے پروپوزل کے لیے فوری تیار کرنا بہت مشکل تھا۔ وہ ماسن کو نہیں بھول سکتی تھی اور ماسن سے اس کی شادی اب ممکن نہیں رہی تھی۔ تب امی نے جذباتی حربہ استعمال کرتے ہوئے صاف لفظوں میں کہہ دیا تھا کہ اگر مائرہ شادی کے لیے نہیں مانی تو وہ نمرہ کو بھی ساری زندگی بٹھائے رکھیں گی۔ مائرہ جانتی تھی کہ نمرہ اور آزر کی منگنی بھی بچپن سے طے تھی اور دونوں ایک دوسرے سے بہت محبت کرتے تھے۔ کئی دن کے تذبذب کے بعد اسے نمرہ کی خاطر اس پروپوزل پر ہاں کہنا پڑا لیکن ساتھ ہی اس نے یہ شرط بھی رکھ دی تھی کہ ارسل زمان اور اس کے گھر والوں سے اس کی ماسن سے طے ہونے والی شادی کی بات کو چھپایا نہ جائے بعد میں وہ کوئی الزام اپنے سر لینا نہیں چاہتی تھی مگر نمرہ نے ماں کو سختی سے منع کر دیا کہ خواہ مخواہ اتنا اچھا رشتہ معمولی سی بات پر ہاتھ سے نہ نکل جائے لہٰذا ارسل اور اس کے گھر والوں سے اس بات کو پوشیدہ رکھا جائے انہیں کہاں سے پتا چلنا تھا اور انیسہ بیگم نے اس کی بات سے اتفاق کرتے ہوئے یہی کیا مگر مائرہ اس سچائی سے لاعلم تھی۔

جلد ہی مائرہ شادی ہو کر ارسل زمان کے سنگ سدھار گئی۔ حسام نے تاکید کی تھی کہ شادی کے انتظامات میں کسی قسم کی کوئی کمی نہ چھوڑی جائے۔ شادی سے دو دن پہلے وہ خود بھی پاکستان آ گیا تھا مائرہ کو رخصت کرنے کے لیے ذمے دار بھائی کا فرض نبھانے تاکہ مائرہ کو اس اہم موقع پر باپ کی کمی محسوس نہ ہو۔

مائرہ جیسی لڑکی کو پا کر کوئی بھی مرد خود کو خوش نصیب گردان سکتا تھا۔ وہ صورت و سیرت دونوں میں کمال تھی اور اس کا اعتراف ارسل شادی کے بعد وقتاً فوقتاً کرتا رہتا۔ وجاہت و تمکنت میں تو وہ خود بھی کم نہ تھا۔ ارسل زمان کی شخصیت بہت ہی مسحور کن اور چھا جانے والی تھی۔ شادی کے وقت وہ یہی سوچ رہی تھی کہ دوسروں کی خاطر جڑنے والا یہ رشتہ وہ پوری ایمان داری اور خوشی سے نبھا پائے گی

یا نہیں؟ ماسن کو بھول کر ارسل زمان کو اپنی زندگی اور دل میں سب سے اونچا مقام دینا مشکل لگ رہا تھا لیکن وہ ارسل کی بھرپور پزیرائی سے آسان ہو گیا تھا اور اس نے بھی فیصلہ کر لیا تھا کہ اس رشتے کو پوری دیانت داری سے نبھائے گی۔ ماسن اور اپنے ماضی سے جڑی ہر بات، ہر یاد کو بھلا کر۔

''میں نے اپنی زندگی کے تمام فیصلوں کا اختیار امی کو دے دیا تھا اور امی کا یہ فیصلہ میرے لیے بہت اہمیت کا حامل ہے کیونکہ ماں باپ اپنے بچوں کے لیے سب سے بہتر فیصلہ کر سکتے ہیں اور آپ کو میں نے اپنے تصور سے بڑھ کر پایا ہے۔'' ارسل کے اس سوال پر کہ اس نے ارسل کو کیسا پایا مائرہ نے کہا۔ مائرہ نے بھی بڑے سبھاؤ سے ارسل کی ذات کو سراہا تھا۔ اب شادی کے پہلے دن ہی وہ ارسل کی ظاہری پرکشش شخصیت کی تعریفیں کرنے نہیں بیٹھ سکتی تھی کیونکہ اس کے نزدیک ظاہری خوب صورتی سے زیادہ باطنی خوب صورتی معنی رکھتی تھی مگر ارسل زمان کو اس مبہم سے جواب سے تسلی نہیں ہوئی تھی۔

''میں شادی کے فیصلے کی نہیں اپنے بارے میں تمہاری رائے پوچھ رہا ہوں، میں کیسا لگا تمہیں؟'' ارسل نے اسے آزمائش میں ڈال دیا تھا' وہ سیاہ لمبی پلکوں کی جھالر اٹھا کر ارسل کی طرف ستائشی نگاہوں سے دیکھنے لگی۔

''مجھے لگتا ہے کہ آپ بہت لونگ اینڈ کیئرنگ ہسبینڈ ثابت ہوں گے۔ ہینڈسم تو آپ ہیں۔'' اور ارسل اس کی باقاعدہ تعریف پر بے اختیار مسکرانے لگا۔ اسے مائرہ کی ذہانت نے بھی امپریس کیا تھا۔ خوب صورتی، ذہانت کے ساتھ ہو تو زیادہ امپریسیو ہوتی ہے اور اس کی زندگی کا وہ پہلا دن آغاز سے اختتام تک خوشگوار گزرا تھا اور پھر وہ ہنی مون کے لیے شمالی علاقہ جات چلے گئے تھے۔

وہ ایک سلجھی ہوئی سمجھدار لڑکی سے اب ایک ذمے دار بہو اور اچھی بیوی ثابت ہو رہی تھی۔ ارسل بھی ظاہری شخصیت سے ہٹ کر ایک لونگ اور کیئرنگ انسان تھا۔ سوائے ایک خامی کے کہ وہ مائرہ کے معاملے میں حد سے زیادہ پوزیسیو تھا۔ وہ مائرہ کو ہر لحاظ سے اپنے مزاج اور رنگ میں رنگنے کا خواہش مند تھا کہ وہ صرف اس کی اور اپنی ذات سے منسلک رشتوں کی پروا کرے۔ باقی سب لوگ اور رشتے اس کے لیے ثانوی حیثیت اختیار کر جائیں اور مائرہ نے اتنی ساری اچھی باتوں کے سامنے اس کی اس ایک خامی سے کسی حد تک کمپرومائز کر لیا تھا کہ وہ کوئی شکایت کا موقع نہیں دینا چاہتی تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ جس رشتے کو اس نے دوسروں کی خوشی کی خاطر قبول کیا تھا اسے نبھانے میں ناکام ہو مگر ہونی کو کون ٹال سکا ہے۔ مائرہ کی ساری کوششیں بیکار گئیں۔

قصہ کچھ یوں تھا کہ شادی کے آٹھ ماہ بعد جب وہ پریگنینسی پیریڈ سے گزر رہی تھی اور نمرہ کی شادی سر پر کھڑی تھی۔ ارسل نے بڑی مشکل سے اسے شادی میں جانے کی اجازت دی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ شادی کے ہنگاموں میں مائرہ اپنی طرف سے بے احتیاطی کر سکتی تھی۔

ارسل کو آنے والے بچے کی مائرہ کی خوشی سے زیادہ فکر تھی حالانکہ اس کی سگی بہن کی شادی تھی۔ تب انیسہ بیگم نے فون پر پورا یقین دلایا تھا کہ وہ ہتھیلی کے چھالے کی طرح مائرہ کا خیال رکھیں گی اور نمرہ نے ارسل کی اس کے لیے اتنی محبت اور کیئر پر رشک کا اظہار کیا تھا۔

''ریئلی مائرہ، یو آر ویری لکی۔ ارسل بھائی تم سے بہت محبت کرتے ہیں۔'' اور وہ نمرہ کو کیا بتاتی کہ ارسل کی یہی باتیں اسے کبھی کبھی انجانے خوف میں مبتلا کر کے کسی حد تک پریشان کر دیتی تھیں۔

☆☆☆

بیٹی کی پیدائش کے بعد تو وہ پہلے سے زیادہ

WWW.PAKSOCIETY.COM

مصروف ہوگئی تھی۔ ارسل بھی بیٹی سے بے پناہ محبت کرتا تھا۔ وہ جس چیز پر ہاتھ رکھ دے لے کر دیتا تھا مگر ایک عجیب و غریب واقعے نے مائرہ کو خوف زدہ کردیا تھا۔ جب سویرا محض دو سال کی تھی اور وہ لوگ شاپنگ کرنے آئے تھے۔ جب ایک شاپ پر ارسل کو سویرا کے لیے بہت خوب صورت بے بی پنک فرل والی فراک پسند آئی تھی سویرا نے بھی اسی پر ہاتھ رکھا تھا مگر اُن سے پہلے کوئی دوسرا کپل اس فراک کو پسند کرچکا تھا اور سیلز مین سے نکلوانے کو کہہ رہا تھا۔ ارسل اس بات سے بے خبر تھا مگر جب ان میاں بیوی کو پتا چلا تو انہوں نے فراک ارسل کی چوائس دیکھ کر چھوڑنے کا فیصلہ کیا کہ وہ خرید لے وہ کوئی اور دیکھ لیں گے۔ شاپ میں اسی ڈیزائن کی دوسرے کلرز میں فراک موجود تھیں لیکن ارسل نے صاف انکار کردیا۔ مائرہ نے کچھ بولنا چاہا کہ وہ لوگ نہیں لے رہے ہم لے لیتے ہیں۔

''اس میں حرج ہی کیا ہے ارسل آپ کو اتنی پسند آئی تھی وہ فراک پھر کیوں انکار کردیا آپ نے؟'' اور ارسل کے جواب نے مائرہ کو دم بخود کردیا۔

''تم نہیں جانتیں مائرہ میں کسی دوسرے کی چھوڑی ہوئی چیز کبھی اپنی بیٹی کے لیے نہیں رکھ سکتا تھا۔ مال میں اس سے زیادہ خوب صورت ورائٹی موجود ہے چلو کسی اور شاپ پر چلتے ہیں۔'' ارسل تو اپنی بات مکمل کرکے شاپ سے باہر نکل گیا تھا مگر مائرہ کو ارسل کے جواب نے بے حد پریشان کردیا وہ کہیں اور پہنچ گئی تھی۔

گھر آکر وہ یہ سوچنے پر مجبور ہوگئی تھی کہ کیا ارسل اس کی اور مامن کی شادی طے ہونے والی بات کو جانتا ہے اگر ہاں تو پھر اس نے یہ جاننے کے باوجود اس رشتے کے لیے حامی کیسے بھرلی؟ کہیں نمرہ نے اس سے جھوٹ تو نہیں بولا۔ کیا اسے ارسل سے یہ بات پوچھنی چاہیے؟ وہ رات بھر ان ہی گنجلک سوچوں اور سوالوں کی بھول بُھلیوں میں الجھتی رہی لیکن اس نے نہایت سمجھداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے ارسل سے پوچھنے کے بجائے فون کرکے پہلے نمرہ سے پوچھ لیا اور نمرہ نے اقرار کرلیا تھا کہ ارسل اور اس کے گھر والوں سے مامن والی بات کو چھپایا گیا تھا کیونکہ وہ اتنے اچھے رشتے کو ہاتھ سے کھونے کے حق میں نہیں تھے۔ تب مائرہ زندگی میں پہلی بار نمرہ سے واقعی ناراض ہوگئی تھی۔ نمرہ اور انیسہ بیگم نے جس بات کو معمولی سمجھا تھا وہ ارسل پر آشکار ہونے کے بعد گمبھیر بھی ہوسکتی تھی۔

جیسے جیسے مائرہ پر ارسل کے مزاج و فطرت کی خوبیاں اور خامیاں عیاں ہورہی تھیں۔ انہوں نے مائرہ کے دل و دماغ کو خدشات کی اَن دیکھی سولی پر لٹکا دیا تھا۔ اگر یہ بات کبھی کھل گئی تو ارسل کا ردِّعمل کیا ہوگا؟ مائرہ کا دل ہمہ وقت خدشوں سے بھر کر خوف زدہ رہنے لگا جبکہ دوسری جانب نمرہ اور انیسہ بیگم کو بھی اتنی بڑی بھول سرزد ہونے پر پریشانی و پشیمانی لاحق تھی مگر ہونی کو کون ٹال سکا ہے۔ نمرہ سے فون پر ہونے والی بات کو آفس سے واپس آتے پر اس نے جانے کب سن لیا تھا اور بعد میں مائرہ سے تصدیق بھی کی تھی اور مائرہ نے مجرم نہ ہوتے ہوئے بھی مجرم کی طرح اس بات کی سچائی سے انکار نہیں کیا تھا۔

اس وقت تو ارسل نے کچھ نہیں کہا تھا اور مائرہ کی طرف سے کروٹ لے کر لیٹ گیا تھا لیکن وہ رات بھر خوف و خدشات کی سولی پر لٹکی رہی نیند آنکھوں سے اُڑ چکی تھی۔

صبح ارسل نے اپنا فیصلہ سنا دیا تھا۔ بالکل فلمی اور ڈرامائی سچویشن ہوئی تھی اس کے ساتھ۔ یہ جان کر کہ مائرہ کی شادی اس سے پہلے ماموں زاد سے طے تھی بلکہ سالوں بات رہی تھی اور مائرہ یقیناً اس سے شادی سے پہلے مامن سے جذباتی لگاؤ بھی رکھتی ہوگی اسی خیال کے تحت ارسل نے اسے آزاد کرنے

کا فیصلہ کرلیا تھا جو ڈائیورس کی صورت میں نمرہ اور انیسہ بیگم کے ساتھ ساتھ حسام کو بھی عمر بھر کی ندامت و پشیمانی میں مبتلا کرگیا۔ جب ارسل نے اس سے طلاق کی بات کی تو اس نے اپنا گھر بچانے کے لیے اس سے التجا نہیں کی، گڑگڑائی بھی نہیں، وہ جان گئی تھی کہ اب ارسل اسے خوشی سے اپنے ساتھ نہیں رکھے گا اور مجبوری کا سودا چاہے کتنا بھی مہنگا کیوں نہ ہو کسی ایک فریق کو بے مول کردیتا ہے اور وہ بے مول ہونا نہیں چاہتی تھی البتہ ارسل سے ایک سوال ضرور کرنا چاہتی تھی۔ ارسل نے اس سے کوئی سوال جواب نہیں کیا تھا۔ بس اپنا فیصلہ سنایا تھا۔

''اس ساری سچویشن میں میرا قصور کہاں نکلتا ہے ارسل؟ میں تو لاعلم تھی مجھے تو یہی اطمینان تھا کہ نمرہ اور امی نے آپ کے گھر والوں کو بتا دیا ہوگا۔'' اس نے شکایت نہیں کی تھی صرف سوال کیا تھا اور جواب میں ارسل نے جو کہا تھا مائرہ کے پاس مزید کہنے کو کچھ نہیں تھا۔

''مجھے اس سے کوئی غرض نہیں کہ اس میں تمہارا کوئی قصور ہے یا نہیں میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ جو چیز میری نظروں سے اتر جائے اپنا مقام کھودے میں اسے کبھی اپنے پاس نہیں رکھتا۔'' ارسل کے جواب نے اس کی حیثیت کا تعین کردیا تھا۔ اس کے نزدیک ایک جیتے جاگتے انسانی وجود اور چیز میں کوئی فرق نہیں تھا اور مائرہ محبت اور گھر کی خاطر اس سے زیادہ تذلیل برداشت نہیں کرسکتی تھی۔ اس نے ارسل کے فیصلے کو خاموشی سے تسلیم کرلیا کیونکہ اب اسے اس رشتے کے ختم ہونے کا کوئی افسوس نہیں تھا۔

جھوٹ اور فریب کی بنیاد پر کیے گئے فیصلے ہوں یا بنائے گئے رشتے، دونوں کھوکھلے ثابت ہوتے ہیں اور ان کا یہی انجام ہوتا ہے لیکن خسارہ بے قصور ہوکر بھی مائرہ کے حصے میں آیا تھا البتہ ماں اور بہن اس سے بہت شرمندہ تھیں مگر شاید یہی اس کی قسمت میں لکھا تھا پھر کسی دوسرے کو قصوروار ٹھہرانے سے کیا حاصل تھا۔

وہ سویرا کے ساتھ ہمیشہ کے لیے میکے واپس آگئی... ارسل نے ڈائیورس پیپرز بھیجے تھے مگر سویرا کو اس سے نہیں چھینا تھا اور وہ ارسل کی شکر گزار تھی کہ اس نے اس کی ممتا کو ٹھیس نہیں پہنچائی۔

قصور تو ارسل کا بھی نہیں تھا وہ اپنی فطرت سے مجبور تھا۔ برتی ہوئی چیزیں ہوں یا انسان دوسرے معنوں میں اسے سیکنڈ ہینڈ چیزیں اور رشتے منظور نہ تھے۔ ارسل سے پہلے مائرہ کا نام مامن سے جُڑا رہا اور مائرہ اس سے محبت بھی کرتی ہوگی بس اسی چبھن نے ارسل کو اتنا بڑا اقدام اٹھانے پر مجبور کردیا۔

پتا نہیں وہ اپنے فیصلے پر کبھی پچھتایا بھی ہوگا یا نہیں۔ مائرہ نے مڑ کر نہیں دیکھا۔ سویرا کے ساتھ نے اسے کمزور کرنے کے بجائے مضبوط کردیا تھا اور اب تو اتنے سال گزر چکے تھے۔ وہ زندگی میں سویرا کا ہاتھ تھام کر آگے بڑھ چکی تھی۔

☆☆☆

وہ ماضی پرست نہیں تھی مگر ماضی ہمیشہ تلخ یادوں سے بھرا نہیں ہوتا۔ سکھ دکھ سے عبارت ہوتا ہے۔ اس لیے شاید ہر انسان کو دلکش لگتا ہے مگر کبھی کبھی...... اس لیے انسان نہ چاہ کر بھی ناسٹلجیا کا شکار ہونے لگتا ہے مگر آج ماضی کو یاد کرتے کرتے پوری رات بیت گئی تھی حالانکہ اب وہ نہ ارسل کو یاد رکھنا چاہتی تھی اور نہ مامن کو۔

دسمبر کی طویل یخ بستہ رات نے اپنا سفر اس کے ساتھ طے کیا تھا۔ فجر کی اذانیں ہورہی تھیں اس کے برابر میں سویرا بے خبر سورہی تھی۔ اس کے معصوم چہرے پر نور پھیلا ہوا تھا۔ مائرہ نے جھک کر سویرا کی روشن پیشانی چوم لی پھر گرم بستر سے نکل کر وضو کرنے چل دی۔

فجر کی نماز سے فارغ ہوتے ہی رات بھر کے رتجگے کی تھکن نے نڈھال کردیا تھا۔ چائے کی شدید طلب اسے کچن میں گھسیٹ لائی تھی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

وہ اپنے لیے ایک کپ چائے بنا کر لان میں چلی آئی۔ جہاں چاروں طرف دھند پھیلی ہوئی تھی۔ یہ موسم اسے ہمیشہ سے پسند تھا۔ دسمبر کی سردیاں، دھند میں لپٹی صبحیں، شامیں، بارش اور گرما گرم کافی، پت جھڑ کا موسم اور چُرمراتے زرد پتوں کا موسم جو شاید اس کی زندگی میں ٹھہر گیا تھا۔ بہت سی دوسری باتوں کی طرح وہ کافی پینا بھی ترک کر چکی تھی۔ چائے کا مگ ختم ہونے تک وہ وہیں برآمدے کے شیڈ کے نیچے چیئر پر بیٹھی لان میں پھیلی دھند پر نگاہیں جمائے..... رہی پھر اٹھ کر اندر چلی آئی۔ سویرا سو رہی تھی اس نے بیڈ کارنر پر رکھے موبائل کو اٹھا کر چیک کیا تھا۔ اسی Unknown نمبر سے سوری کا میسج موجود تھا۔ جس میں کچھ دنوں سے چھوٹی چھوٹی بامعنی خوب صورت شاعری کے میسجز آرہے تھے۔ اب اسی نمبر سے اسکرین پر سوری لکھا دیکھ کر وہ چونکی تھی۔

''آخر کون تھا وہ؟ کیا یہ نمبر واقعی کسی انجان بندے کا تھا یا پھر کوئی جانے بوجھے انجان بن کر بس بالآخر خود کو عیاں کرنا چاہتا تھا۔'' ایک ساتھ کئی سوال مائرہ کے دماغ میں گونجنے لگے رات بھر کے رتجگے کی تھکن چائے پینے کے باوجود جسم و جاں پر چھانے لگی تو وہ کچھ دیر کے لیے بیڈ پر لیٹ گئی۔ جانے کب اس کی آنکھ لگ گئی۔

نمرہ ناشتے کے لیے اسے جگانے آئی تھی۔ اب بھلا وہ کب جانتی تھی کہ مائرہ رات بھر کے رتجگے کے بعد سوئی ہے۔ نمرہ اسے فریش ہونے کا کہہ کر جا چکی تھی۔

''ماموں اور ان کی فیملی پنڈی سے واپس یہاں شفٹ ہوگئے ہیں۔'' ناشتے کی ٹیبل پر نمرہ کی عام سی بات نے مائرہ کے ساتھ ساتھ انیسہ بیگم کو بھی چونکا دیا مگر وہ انجان بننے کی عمدہ ایکٹنگ کرتے ہوئے ناشتے میں مگن رہی۔ سویرا اور اشعر (نمرہ کا بیٹا) باہر لان میں کھیل رہے تھے۔ انیسہ بیگم سوالیہ انداز میں نمرہ کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

''تمہیں کیسے پتا چلا اس بارے میں؟''

''ممانی نے خالہ کو فون پر بتایا تھا رات کو خالہ کا فون آیا تھا وہ مجھے بلا رہی ہیں۔'' نمرہ نے انیسہ بیگم کے سوال کا جواب دیتے ہوئے اصل بات بتائی۔

''تو تم چلی جاؤ گی؟'' انہوں نے فکرمندی سے پوچھا اور نمرہ نگاہیں چرانے لگی۔ انہوں نے اسے مائرہ کو سمجھانے کے لیے بلایا تھا اور پورا ہفتہ گزرنے کے باوجود معاملہ وہیں اٹکا ہوا تھا۔ مائرہ دوسری شادی کے لیے کسی صورت تیار نہ تھی اور اب تو نمرہ کی چھٹیاں بھی ختم ہونے والی تھیں۔

''جانا تو پڑے گا امی! خالہ بتا رہی تھیں کہ مامن بھائی......'' نمرہ کی بات مکمل بھی نہیں ہوئی تھی کہ مائرہ اٹھ کر چلی گئی۔ انیسہ بیگم نے گھور کے نمرہ کی طرف دیکھا تھا۔

''کیا ضرورت تھی تمہیں مائرہ کے سامنے مامن کا ذکر کرنے کی۔ وہ لوگ واپس آئے ہیں تو ہمیں کیا لینا دینا ہے ان سے۔ میں تو سگے بھائی کو یاد بھی کرنا نہیں چاہتی۔ جس نے سالوں پہلے قطع تعلق کرلیا تھا۔'' نمرہ افسردگی سے ماں کو دیکھنے لگی۔ ان کی ناراضی بجا تھی۔

صرف الزام پر ماموں ممانی نے قطع تعلق کرلیا کہ مامن کو شادی سے انکار کے لیے انہی لوگوں نے اکسایا تھا اور انہوں نے مامن کی معذوری کی وجہ سے برسوں پہلے طے کیے رشتے کو ختم کردیا حالانکہ انیسہ بیگم نے بھائی اور بھاوج کو کتنا سمجھایا تھا یقین دلانے کی کوشش کی تھی کہ انہوں نے ایسا کچھ نہیں کیا۔ مامن کا یہ اپنا فیصلہ تھا کیونکہ وہ اپنے بیٹے کے اٹھائے گئے اقدام سے ہی بے خبر تھے۔ بدگمانیوں نے رشتوں ہی میں نہیں دلوں میں بھی رنجشیں ڈال دی تھیں۔ پچھلے چھ سات سالوں سے ان کا آپس میں کوئی رابطہ نہیں تھا۔ مائرہ کی شادی کے ساتھ ہی وہ لوگ ایبٹ آباد سے پنڈی شفٹ ہوگئے تھے۔

''امی...... مامن بھائی نے اب تک شادی نہیں کی۔'' وہ رک کر ایک لمحے کے لیے نمرہ کی طرف دیکھنے لگیں پھر بے رخی سے بولیں تو نمرہ کو اُن کی سوچ پر افسوس ہوا یا پھر سب مائیں اولاد کی محبت میں ایسا ہی سوچتی ہیں۔

''اسے لڑکی دیتا کون جو وہ شادی کرتا۔'' انیسہ بیگم کی برجستہ بات پر نمرہ اٹھ کر خاموشی سے پیکنگ کرنے چلی گئی۔

☆☆☆

مائرہ کی زندگی میں دو مرد آئے تھے اور دونوں نے اسے رُد اور مایوس کیا تھا ایک مامن جس سے اس کا روح اور دل کا تعلق جُڑا تھا دوسرا ارسل زمان جس سے اس نے محبت کا رشتہ بنایا تھا لیکن وہ محبت سے مجبور نہیں ہوا فطرت کے ہاتھوں محبت کو چھوڑنے پر مجبور ہوگیا اور مامن اس نے بھی تو مائرہ کو بنا کسی قصور کے چھوڑ دیا تھا۔ وہ اس سے شادی کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اس لیے اس کے کہنے پر ماموں، ممانی نے ان کا رشتہ ختم کردیا تھا۔

''مگر کیوں؟'' اس کیوں کا جواب وہ پچھلے سات سالوں سے ڈھونڈتی آئی تھی مگر ناکام رہی تھی اور آج سات سالوں کا انتظار اور تجسس ختم ہوا تھا۔ اس کیوں کا جواب اسے کچھ دیر پہلے یوکے سے آئی حسام کی کال نے دیا تھا ورنہ وہ پچھلے سات سالوں کی طرح آج بھی اس غلط فہمی بلکہ بدگمانی کا شکار رہتی کہ مامن نے خود اسے رد کردیا تھا۔ اپنی محبت کو اپنانے سے انکار کردیا تھا پھر وہ لوگ چپ چاپ پنڈی شفٹ ہوگئے تھے۔ حسام نے فون پر مائرہ سے معافی مانگی تھی۔ اس لیے نہیں کہ ارسل کے گھر والوں کو مامن اور اس کی شادی طے ہونے کے بارے میں سچائی چھپانے میں وہ شامل رہا تھا بلکہ اس لیے کہ دہشت گردوں کی سرکوبی کے لیے کیے گئے پاک فوج کے کامیاب آپریشن میں مامن شہید نہیں بلکہ غازی

مہنگا شور

مشرقی اور مغربی موسیقی میں فرق ہے کہ مغربی موسیقی سننے کے لیے ریاض چاہیے ہوتا ہے۔ ہم نے ایک گلوکارہ سے کہا۔ ''آپ ریاض کے بغیر بڑی گلوکارہ نہیں بن سکتیں۔'' انہوں نے فوراً ریاض علی خان سے شادی کرلی۔ اب وہ روز بروز اتنی بڑی ہو رہی ہیں کہ ... ہر دوسرے دن ان کے ہمسائے اور کپڑے تنگ ہونے لگتے ہیں۔ ریاض کے بارے میں ستار نواز روی شنکر کہتے ہیں۔ ''ایک دن ریاض نہ کرو تو آپ محسوس کرو گے، دو دن ریاض نہ کرو گے تو نقاد محسوس کریں گے، تین دن ریاض نہ کرو گے تو سننے والے محسوس کریں گے۔'' ویسے میوزک بڑے کمال کی چیز ہے۔ اگر یہ نہ ہوتا تو ہمارے جدید و شدید گلوکار مائیک پکڑ کر جو کچھ کرتے ہیں، انہیں اس پر پاگل خانے کی ہوا کھانا پڑتی۔ لوگ ان کے گانے پسند بھی کرتے ہیں۔ ظاہر ہے بندہ اچھے گانے سُن سُن کر کبھی اکتا بھی جاتا ہے۔ یہ نوجوان گروپ کی صورت میں مل کر اس لیے گاتے ہیں تاکہ پتا نہ چل سکے کہ سب سے بے سُرا کون ہے۔ یہ بھاگتے ہوئے گاتے ہیں، واقعی ایسا گانا سنانے والے کو بھاگنا ہی چاہیے۔ اسکاٹ لینڈ کی طرح اگر یہاں شور مچانا بھی قابلِ دست و زبان درازی پولیس ہوتا تو یہ گلوکار ساری عمر جیل میں گزارتے۔ ایسا ہی گانا سننے کے بعد ڈاکٹر سموئیل جانسن نے کہا تھا۔ ''دنیا میں جتنے شور ہیں، ان سب سے مہنگا شور میوزک کہلاتا ہے۔''

اقتباس: از مزاحیات
تحریر: ڈاکٹر یونس بٹ
پسند: ماہ نور قیصر، راول پنڈی

WWW.PAKSOCIETY.COM

بن کر لوٹا تھا لیکن ادھورے وجود کے ساتھ۔

دہشت گردوں کی بچھائی ہوئی بارودی سرنگ پھٹنے سے مامن کے دونوں پاؤں شدید زخمی ہوئے تھے۔ ڈاکٹرز نے اس کی زندگی بچانے کے لیے ٹخنوں سے کچھ اوپر اس کی دونوں ٹانگوں کو کاٹ دیا تھا۔ وہ جنگی مجاہد تھا مگر اب سروس میں رہنے کا کوئی جواز نہیں تھا مگر ایک غازی مجاہد کی پوری شان وشوکت اور اعزاز کے ساتھ وہ آرمی سروسز سے رخصت ہوا تھا۔ ستارۂ جرأت وشجاعت سے اسے نوازا گیا تھا۔ یہ بہت بڑا اعزاز تھا مامن کے لیے۔

اس کے لیے مائرہ کی محبت پانا بھی کسی اعزاز سے کم نہیں ہوتا... اگر قسمت اس کے ساتھ اتنا بڑا سنگین مذاق نہ کرتی۔ وہ جانتا تھا کہ مائرہ اسے اس ادھورے وجود کے ساتھ بھی پوری محبت اور مان کے ساتھ قبول کرلے گی مگر قسمت نے اس کے لیے کیا رکھا تھا یا پھر اپنوں نے...... اس نے مائرہ اور اس کی محبت دونوں کو قبول کرنے سے انکار کردیا مگر حسام کے کہنے پر۔ حسام نے اس پر دباؤ ڈالا تھا فون کرکے وہ مائرہ سے اپنے رشتے کو ختم کرکے مائرہ کو محبت کی اس زنجیر سے آزاد کردے۔

حسام نے اسے مجبور کیا کہ وہ مائرہ کی زندگی اپنے ساتھ جوڑ کر برباد نہ کرے کیونکہ یہ محبت بعد میں ہمدردی اور پھر پچھتاوے میں بدل گئی تو اُن دونوں کے حق میں برا ہوگا اور مامن کو بات سمجھ آگئی تھی۔ اس نے حسام کو درمیان سے نکال کر سارا الزام اپنے سر لے کر حسام کو کسی قسم کی ندامت یا احساسِ جرم سے بری کردیا اور پھر مامن کے انکار کو ہاں میں کوئی نہیں بدل سکا۔

نمرہ اور انیسہ بیگم نے مائرہ کی محبت میں اس فیصلے کو بہتر سمجھتے ہوئے خاموش رہنا مناسب سمجھا۔ وہ حسام کے اقدام سے بے خبر تھیں۔ انہیں لگا کہ جو ہوا وہ مائرہ کے حق میں بہتر ہوا۔ وہ کیوں مکمل انسان ہوتے ہوئے بھی ادھوری زندگی جیے۔ انہوں نے تو مائرہ کی مرضی جانے بغیر ہی ارسل کا پرپوزل قبول کرلیا تھا۔ مائرہ کو صرف حامی بھرنے کے لیے کنونس کیا گیا تھا۔

مائرہ ہر بات سے بے خبر اپنے محاذ پر مضبوطی سے کھڑی تھی لیکن مامن کے اٹل فیصلے نے اسے بھی کمزور بنادیا۔ اتنا کمزور کہ ارسل کے حق میں کیے جانے والے انیسہ بیگم اور حسام کے فیصلے کے آگے وہ کوئی زیادہ مزاحمت نہ کرسکی۔ کس کی خاطر کرتی؟ ساتھ دینے والا تو بیچ راستے میں چھوڑ گیا تھا۔

ارسل کے ساتھ شادی جیسے مقدس رشتے کو اس نے پوری ایمانداری سے نبھایا۔ سمجھوتے کے ساتھ نہیں، محبت کے ساتھ مگر یہاں بھی اسے ناکردہ جرم کی سزا بھگتنی پڑی اور اس نے سیکھا کہ زندگی کو ہم اپنے اصولوں کے مطابق گزارنا چاہتے ہیں لیکن زندگی ہمیں اپنے اٹل فیصلوں کے ساتھ گزارتی ہے۔

☆☆☆

حسام تو فون پر اس سے معافی مانگ چکا تھا اور وہ ہر فیصلے کو اپنی قسمت کا لکھا سمجھ کر قبول کرتے ہوئے ماں، بہن کے ساتھ بھائی کو بھی معاف کرچکی تھی پھر یہ کون تھا جو بار بار سوری کے میسج بھیج رہا تھا۔

''کیا وہ ارسل ہے جسے اتنے عرصے بعد پچھتاوے نے ستایا ہے؟'' وہ موبائل تھامے یہی گتھی سلجھانے میں مصروف تھی۔ اسی لیے وہ آج کل سویرا کی ایکٹی ویٹیز سے بھی بے خبر رہنے لگی تھی کہ وہ شام کو روز ساتھ والی روزی آنٹی کے ساتھ کالونی کے پارک باقاعدگی سے جانے لگی تھی بلکہ واپسی پر چاکلیٹس بھی ساتھ لاتی تھی اور وہ یہی سمجھتی کہ چاکلیٹس اسے روزی آنٹی دیتی ہوں گی مگر سویرا تو روز ایک انجان شخص سے پارک میں ملنے لگی تھی۔ مائرہ بے خبر تھی اور آج تو ہوگئی تھی۔ وہ پارک میں ملتے، ملتے اس شخص کے گھر تک پہنچ گئی تھی۔ اسے اپنی بے خبری اور سویرا کی کم عقلی پر جی بھر کر غصہ آیا تھا۔ مائرہ کے ساتھ ساتھ ماں اور

بہن بھی بہت پریشان تھیں۔ روزی آنٹی سے دریافت کیا تو وہ اس شخص کے اَتے پتے سے انجان تھیں۔ مائرہ کو ان کی غیر ذمے دارانہ حرکت پر بہت غصہ آیا تھا۔ اس نے انہی کے بھروسے پر سویرا کو پارک جانے کی اجازت دی تھی کیونکہ آج کل اسکول کی چھٹیاں تھیں اور سویرا، نمرہ کے بیٹے کے ساتھ کھیلنے کے باوجود بور ہونے لگی تھی۔

وہ سٹنگ روم میں بے چینی سے ٹہل رہی تھی جب باہر کوئی گاڑی آکر رکی اور چند لمحوں بعد سویرا بڑے سے شاپنگ بیگ کے ساتھ گھر میں داخل ہوئی مگر سویرا کے خیال سے وہ دروازے تک جاکر نہیں دیکھ سکی کہ اسے کون چھوڑ کر گیا ہے۔

نمرہ اور انیسہ بیگم نے ہی اس سے کہا تھا کہ وہ سویرا کو ڈانٹنے کے بجائے پیار سے سمجھائے تاکہ وہ آئندہ ایسی حرکت نہ کرے۔ دونوں ان ماں بیٹی کو چھوڑ کر وہاں سے چلی گئی تھیں۔

''بیٹا ماما نے آپ کو کسی بھی انجان بندے سے بات کرنے سے بھی منع کیا تھا پھر آپ نے ایسا کیوں کیا؟'' مائرہ نے اس سے نرمی سے استفسار کیا۔

''مگر ماما...... وہ تو میرے فرینڈ بن گئے ہیں۔ مجھ سے بہت پیار کرتے ہیں۔ اگر پاپا ہوتے تو وہ بھی مجھ سے ایسے ہی پیار کرتے کیونکہ ماریہ کے پاپا بھی تو اس کے لیے بہت سے ٹوائز اور چاکلیٹس لاتے ہیں۔ میرے فرینڈ انکل کی طرح۔'' اور مائرہ سویرا کے معصومیت بھرے انداز پہ گنگ رہ گئی تھی۔ کیا سویرا کے دل میں بھی اس کی زندگی کی طرح باپ کی محبت وشفقت اور دوستی کی جگہ خالی تھی جسے مائرہ کوشش کرکے بھی پُر نہیں کرپائی تھی۔

''کون ہوسکتا ہے وہ شخص...... کیا ارسل؟ کیا اتنے سالوں بعد اسے بیٹی کی محبت اور یاد نے ستایا ہے؟'' مائرہ ایک بار پھر ارسل کے بارے میں سوچنے لگی۔ ''تو کیا ارسل مجھ سے اتنے سالوں بعد سویرا کو چھین لینا چاہتا ہے؟'' اس نے دل میں سوچتے ہوئے خوف سے جھرجھری لی۔

''نہیں...... میں ارسل کو ایسا کبھی کرنے نہیں دوں گی۔ سویرا ہی تو میرے جینے کا سہارا ہے۔'' اور اس نے سویرا کے دوست سے ملنے کا فیصلہ کرلیا۔ اس سے پہلے کہ وہ شخص اس کے معصوم ذہن کو منتشر کرنے کی کوشش کرتا وہ خود اس سے مل کر اس کا مقصد جاننا چاہتی تھی۔

''ٹھیک ہے بیٹا آپ کل جب اپنے فرینڈ سے ملنے جاؤ تو ان گفٹس کے لیے انہیں تھینکس ضرور کہنا۔''

''رئیلی ماما...... آپ مجھ سے ناراض تو نہیں ہوں گی؟ اگر میں اپنے فرینڈ سے فرینڈشپ رکھوں گی؟'' سویرا نے بے ساختہ غیر یقینی سے پوچھا تو وہ مسکرادی۔

''بالکل نہیں مگر آپ کو بھی مجھ سے پرامس کرنا ہوگا کہ آج کے بعد آپ مجھے بتائے بغیر کسی کے ساتھ کہیں بھی نہیں جاؤ گی۔''

''پرامس ماما اینڈ سوری۔'' سویرا نے فوراً شرمندہ لہجے میں کہا تو مائرہ نے اسے اپنے ساتھ لپٹا لیا بعد میں اس نے گھر والوں سے اپنی پریشانی شیئر کی تو وہ بھی فکرمند ہوگئے تھے۔ اب اتنے عرصے بعد ارسل کو سویرا کی یاد کیسے آگئی اس نے تو اسے ہمیشہ کے لیے مائرہ کو سونپ دیا تھا...... اس مسئلے کو ارسل سے مل کر ہی حل کیا جاسکتا تھا کہ وہ کیا چاہتا ہے۔

☆☆☆

شام کو سویرا، روزی آنٹی کے ساتھ پارک چلی گئی تو مائرہ نے کچھ دیر بعد ہی پارک کا رخ کیا۔ کالونی کے پارک میں کالونی کی کافی خواتین شام کی واک کے لیے آتی تھیں۔ روزی آنٹی تو کسی خاتون کے ساتھ بینچ پر بیٹھی باتوں میں مگن تھیں اور مائرہ

WWW.PAKSOCIETY.COM

سوچنے لگی کہ سویرا کہاں ہوگی۔ وہ پارک کے اس حصے میں چلی آئی جہاں کچھ بچے فٹ بال کھیل رہے تھے۔ کچھ فاصلے پر وہیل چیئر پر کوئی شخص بیٹھا سامنے کھڑی سویرا کو موبائل پر شاید کوئی پکچرز دکھا رہا تھا۔ وہ جو یہ سوچ کر آئی تھی کہ ارسل اگر سویرا کو حاصل کرنے لیے چُھپ چُھپ کر اس سے ملنے لگا ہے تو وہ اس سے بات کرے گی، اسے سمجھائے گی کہ اس سے اس کی زندگی کا واحد سہارا مت چھینے مگر یہاں تو ماجرا ہی کچھ اور تھا۔ اس شخص کی مائرہ کی طرف پشت تھی۔ وہ چلتی ہوئی اس کی بیک پر کھڑی ہوگئی۔ تب ہی سویرا کی نظر ماں پر پڑی اور وہ دوڑ کر اس کے پاس آ گئی۔

''ماما...... اچھا ہوا آپ بھی آ گئیں، آج میں آپ کو اپنے نئے فرینڈ سے ملواؤں گی۔''

وہیل چیئر پر بیٹھے شخص نے چونک کر پلٹ کر دیکھا اور مائرہ پتھر کی ہوگئی۔ وہ ساکت گم صم کھڑی مامن کو دیکھ رہی تھی۔

☆☆☆

انیسہ بیگم کو نمرہ کی بات پر شاید یقین نہیں آتا اگر حسام سے فون کر کے وہ تصدیق نہ کر لیتیں۔ مامن بے قصور تھا۔ اب وہ پچھتا رہی تھیں۔ ساری سچائی ان کے سامنے آ گئی تھی۔ اپنے بھائی، بھاوج سے اتنے سالوں سے دوری اختیار کرنے کی کسک اب انہیں بے چین کر رہی تھی۔

''امی، کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ مائرہ کی شادی مامن بھائی سے ہوجائے شاید مائرہ مان جائے دوسری شادی کے لیے؟'' نمرہ نے ڈرتے ڈرتے ماں کی طرف دیکھا پر وہ خفگی سے اٹھ کھڑی ہوئیں، وہ دونوں لان میں بیٹھی چائے پی رہی تھیں۔

''تم ہوش میں ہو تو نمرہ.....؟ مائرہ اور سویرا کو ایک مضبوط سہارے کی ضرورت ہے اور وہ معذوری اور ادھورے پن کے ساتھ ان دونوں کو کیا سہارا دے سکے گا۔''

''مگر اس بات کی کیا گارنٹی ہے کہ ایک مکمل اور صحت مند شخص ارسل کی طرح میرا ہاتھ تھام کر محض اس لیے چھوڑ دے گا کہ شادی سے پہلے میرا نام کسی دوسرے مرد کے نام سے جڑ رہا تھا۔'' مائرہ جانے کب مین گیٹ سے انٹر ہوئی تھی۔ وہ دونوں چونک اٹھیں۔

''میں ماں ہوں مائرہ، تمہارے بھلے کے لیے ہی سوچوں گی۔ مامن سے مجھے بھی ہمدردی ہے، وہ میرا سگا بھتیجا ہے...... لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ میں تمہاری زندگی کے ساتھ ساتھ سویرا کے مستقبل کو بھی داؤ پر لگا دوں۔'' وہ واقعی ممتا کے ہاتھوں مجبور تھیں مگر مائرہ اب کوئی نیا تجربہ کرنے کے لیے تیار نہیں تھی۔ اس لیے دوٹوک لہجے میں اس نے اپنا فیصلہ سنا دیا۔

''امی مجھے کسی کے سہارے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہاں مگر میں مامن کا ساتھ دینا چاہتی ہوں کیونکہ زندگی کی خوشیوں اور محبتوں پر اس کا بھی حق ہے۔ میرے نزدیک اس کی معذوری کوئی اہمیت نہیں رکھتی بلکہ مجھے تو اس پر فخر ہے کہ اس نے اپنے جسم کا قیمتی حصہ وطنِ عزیز کی سلامتی و حفاظت کی خاطر گنوا کر ہم سب کا سر فخر سے بلند کر دیا ہے۔ اگر آپ چاہتی ہیں کہ میں اور سویرا تنہا نہ رہیں تو مامن کو اس کی خوشیاں لوٹا دیں۔'' مائرہ اپنا فیصلہ سنا کر جا چکی تھی۔ نمرہ خوش تھی وہ مائرہ کے فیصلے سے مطمئن تھی کیونکہ اس میں مائرہ کی خوشی شامل تھی جو شاید اپنی مامتا سے مجبور بیٹی کی محبت میں انیسہ بیگم کو نظر نہیں آ رہی تھی۔

☆☆☆

وہ اپنا فیصلہ سنا کر آ گئی تھی۔ کمرے میں آ کر وہ مامن کی کچھ دیر پہلے کی کہی باتوں کو سوچنے لگی۔ مامن نے اسے اپنے سامنے دیکھ کر صرف معذرت کی تھی۔ وہ سچائی بتا کر حسام کا بھرم توڑنا نہیں چاہتا تھا۔ اسے خبر نہیں تھی کہ مائرہ ساری سچائی پہلے سے جان چکی ہے اور مامن کی اس اعلیٰ ظرفی نے مائرہ کے دل میں

اس کی قدر و منزلت اور بڑھا دی تھی۔

''میں بہت شرمندہ ہوں مائرہ ہر اس بات کے لیے جس نے تمہیں دکھ اور اذیت میں مبتلا کیا۔ یقین مانو میں تمہارا ساتھ کبھی نہیں چھوڑتا مگر کیا کرتا...... تقدیر نے ہی میرا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ تم سے محبت کرنے، تمہیں چھوڑنے کا تصور بھی سوہانِ روح تھا میرے لیے مگر میں اپنی محبت کی خاطر خود غرضی نہیں دکھا سکتا تھا۔ اپنے ادھورے پن کے ساتھ تمہیں کسی آزمائش میں مبتلا کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اسی لیے سوچا تھا کہ کبھی تم سے مل نہیں سکوں گا تو کم از کم فون پر ہی سہی...... تم سے معافی مانگ لوں۔'' اور وہ عقیدت سے مامن کی طرف دیکھنے لگی۔ کتنی بدگمان ہو چکی تھی وہ مامن اور اس کی محبت کی طرف سے۔ شاید اس لیے کہ وہ سچائی سے بے خبر تھی اور حالات بھی کچھ ایسے ہی ہو گئے تھے اور اب اسے سمجھ آ رہا تھا کہ وہ تمام میسجز جو پچھلے دنوں اسے کسی unknown نمبر سے مل رہے تھے وہ مامن کر رہا تھا۔

''تو تم صرف سوری کے میسجز کر رہے تھے۔ مجھ سے بات کر لیتے تو شاید میں اتنی بدگمانی میں مبتلا رہ کر خود کو اذیت میں نہ رکھتی مگر ہماری قسمت میں ہی لکھا تھا تو کوئی کچھ بھی کر لیتا ہمیں الگ ہی ہونا تھا اور حسام بھائی کی سچائی میں جان چکی ہوں۔'' مائرہ کے لہجے میں افسردگی تھی مامن چند لمحے کچھ بول نہیں سکا۔

''مجھے بہت افسوس ہے تمہارے جیسی لڑکی کو اپنی زندگی سے نکال کر ارسل زمان نے اپنا نقصان کیا۔ خسارہ تو اس کے حصے میں آیا ہوگا اور رہی بات مجھ سے میسجز کی تو میں تو یہی سمجھ رہا تھا کہ تم مجھے پہچان لوگی۔ آخر شاعری میں ہم دونوں کا taste ایک ہی رہا ہے۔ کہنے کو فوجی بندہ ہوں مگر نرم جذبات اور لطیف احساسات خوب سمجھ میں آتے ہیں۔'' اپنی آخری بات پر مامن مسکرایا تو وہ بھی مسکرانے لگی۔

''اچھا وہ دھند میں لپٹی سرد شام والی شاعری کے میسجز تم بھیج رہے تھے اور نمرہ نے کہا تھا کہ اتنی خوب صورت شاعری کے میسجز بھیجنے والا شخص خود بھی بہت حساس ہوگا۔'' مائرہ نے مسکراتے ہوئے کہا... اور مامن جھینپ کر کھسیانے لگا اور تب وہیں کھڑے کھڑے مائرہ نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر اسے انیسہ بیگم کی بات ماننی پڑی تو وہ کسی اور کا سہارا لینے کے بجائے خود مامن کا سہارا بنے گی حالانکہ وہ جانتی تھی کہ مامن کو کسی کے سہارے کی ضرورت نہیں۔

☆☆☆

''امی مائرہ نے ٹھیک فیصلہ کیا ہے۔ آپ کیوں اسے کسی اور سے شادی کے نام پر ایک بار پھر سے آزمائش کی سولی پر لٹکتے دیکھنا چاہتی ہیں۔ کیا گارنٹی ہے کہ کوئی دوسرا شخص کسی بھی طرح ارسل بھائی اور مامن کے حوالے سے مائرہ کی وفاداری اور محبت پر شک نہیں کرے گا؟ ہمیں مائرہ کی خوشی میں خوش ہو کر اس کا ساتھ دینا چاہیے۔ وہ اپنے پیروں پر کھڑی ہے۔ اسے کسی کے سہارے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہاں مگر محبت اور محبت کرنے والے ایک ساتھی کی ازحد ضرورت ہے اور یہ کمی مامن بھائی سے بڑھ کر کوئی نہیں پوری کر سکتا۔'' نمرہ نے ماں کو مائرہ کی خوشی کے لیے قائل کر لیا تھا جو شاید مائرہ خود نہیں کر سکی تھی۔

''شاید تم ٹھیک کہتی ہو ہم حالات سے لڑ سکتے ہیں مگر اپنی قسمت سے نہیں۔ اگر مامن اور مائرہ کا ساتھ ازل سے لکھا ہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ میں بھی اپنی ذمے داری اور فرض کی ادائیگی کے بعد حسام کے پاس جا کر اس کی خوشیوں میں شریک ہونا چاہتی ہوں۔ آخر اس کا بھی تو حق ہے اپنی ماں پر۔'' نمرہ بے اختیار ماں سے لپٹ گئی۔ وہ دونوں مائرہ اور سویرا کی آنے والی زندگی کے لیے دعا کرتے ہوئے ایک ساتھ اندر کی جانب بڑھ گئیں۔ مائرہ کو خوش خبری بھی تو سنانی تھی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

شامِ شہرِ یاراں

عنیزہ سیّد

قسط 9

*

زندگی اور محبت کے رنگ کبھی کوئی گن نہیں سکا ہے... خیر و شر، نیکی او ربدی... زندگی کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں مگر ایمان کی طاقت... ہر برائی پر حاوی ہوجاتی ہے اور اسی طاقت کی بدولت صحرا بھی ستاروں کا آنگن بن جاتا ہے۔

ہماری مایہ ناز مصنفہ عنیزہ سیّد نے اس ناول میں صحرا کی ریت میں کس طرح پھول اگائے ہیں یہ آپ کو ناول پڑھ کر ہی پتا چلے گا۔

رنگ و خوشبو کے حُسن و خوبی کے
تم سے تھے جتنے استعارے تھے

WWW.PAKSOCIETY.COM

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

محمود درانی اور مہرین کی تیسری اولاد حمزہ، مہرین کی زچگی میں پیچیدگی کے باعث نانی کے پاس ان کے آبائی گھر سیالکوٹ میں پروان چڑھتا ہے۔ جہاں نگین اس کے ماموں کی بیٹی سے اس کی خوب گاڑھی چھنتی ہے۔ بڑے ہونے پر حمزہ کے والدین اسے واپس لانا چاہتے ہیں مگر وہ راضی نہیں ہوتا۔ علینہ کے والدین، نادیہ اور سعید کیانی نے کورٹ میرج کی تھی مگر شادی کے تین سال بعد سعید کیانی بیوی کو داغِ مفارقت دے گئے۔ علینہ، فہد کو ٹی وی شو میں ایک شیف کے طور پر دیکھ کر حیران رہ جاتی ہے فہد جس کے ساتھ اس نے اپنا بچپن گزارا تھا۔ آکسفورڈ کا پروردہ سردار مہرزاد خان اپنے باپ کے سیاسی قتل کے بعد حادثاتی طور پر سیاست میں شامل ہوا تھا اور زرنگار کے حسن و ذہانت کا شکار ہو چلا تھا...... بینش دو بھائیوں کی اکلوتی بہن، اپنی ضد اور صرف بھائیوں کے تعاون سے نیشنل کالج آف آرٹس میں تعلیم حاصل کر رہی تھی جہاں اس کا سینئر ساتھی دانیال اس سے ہر ممکن تعاون کرتا تھا۔ ایک پاکستانی مسلمان مرد اور بدھ مذہب کی پیروکار چینی عورت کی بیٹی زوئی حسین چین سے آ کر پاکستان میں فارمیسی کی تعلیم حاصل کرتی ہے یہ سب اس نے دادی کی محبت میں کیا تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ اس کا دل پاکستان کی سرزمین اور یہاں کے لوگوں سے شدید محبت کرنے لگا تو اس نے ریسرچ ڈیپارٹمنٹ جوائن کر لیا تاکہ اپنے قیام کو بڑھا سکے۔ حمزہ جو اب اعلیٰ تعلیم یافتہ ہے ایک سیمینار کے سلسلے میں ایبٹ آباد جاتا ہے اور وہاں بی اماں کی سہیلی رابعہ کلثوم کو ڈھونڈنے کی کوشش کرتا ہے جو بچپن میں باقاعدگی سے سیالکوٹ آتی تھیں اور حمزہ بھی بی اماں کے ساتھ ایبٹ آباد آیا کرتا تھا مگر 2005ء کے زلزلے کے بعد وہاں سب کچھ بدلا ہوا تھا۔ حمزہ اپنی کزن اور بچپن کی دوست نگین سے بی اماں کی سہیلی اور پوتی (میرال) کے متعلق اپنی تشویش بتاتا ہے کہ رابعہ کلثوم کی وفات اور زلزلے کے بعد پوتی نہ جانے کہاں چلی گئی۔ رابعہ کلثوم بوا جی کے نام سے آرٹ اینڈ کرافٹ سینٹر چلاتی تھیں۔ امراؤ بیگم جو اپنی والدہ زبیدہ خانم کا کوٹھا آباد کیے ہوئے تھیں کی آمدنی کا ذریعہ زرنگار (میرال) بن جاتی ہے مگر صرف سردار مہرزاد خان نے اس کی کئی راتوں کے حقوق بھاری معاوضے کے عوض اپنے نام کر لیے تھے۔ دانیال آرٹ کا عشق رکھنے کے ساتھ فلائنگ میں بھی مہارت حاصل کرنا چاہتا ہے اور ایک دن طیارے کے دھوئیں سے نقش و نگار بنانے کی کوشش میں حادثے کا شکار ہو کر اسپتال میں پٹیوں میں جکڑا (عافیہ) ماں کی ممتا کا شدید امتحان بن جاتا ہے۔ بیٹے کی زندگی کی دعائیں مانگتے مانگتے عافیہ اللہ تعالیٰ کے مقربان خاص بندوں میں سے ایک کی درگاہ میں جا پہنچتی ہیں۔ زوئی حسین کے ویزے کی مدت ختم ہونے سے دو روز قبل وہ اپنے ایک ساتھی نادر سے نکاح کر لیتی ہے تاکہ پاکستان میں رہنے کا جواز پا سکے۔ 2005ء کے زلزلے میں زوئی حسین نے بھی متاثرین کی مدد کی تھی جو اسے خاصی مہنگی پڑی اور اب نادر بدگمانی کی آخری سیڑھی پر تھا۔ دانیال، بینش کو اپنے گھر لے جاتا ہے بینش اخبار میں چھپنے والی زرنگار کی تصویر دکھاتی ہے تو عافیہ اسے دیکھ کر حیران رہ جاتی ہیں کیونکہ وہ رابعہ کلثوم کی پوتی میرال کی تصویر تھی۔ زوئی پاکستان آتی ہے لیکن نادر اسے ائرپورٹ لینے نہیں آتا۔ وہ فون کرتی ہے تو اس سے رابطہ نہیں ہو پاتا۔ وہ اپنی پرانی پڑوسن اور سہیلی مریم کے پاس جانے کا فیصلہ کرتی ہے۔ فہد کو اپنے ایک نیوز ریڈر دوست کے ذریعے سے میرال کی گمشدگی کی خبر ملتی ہے۔ پوری الیکشن کمپین کے دوران پیشل رینکس، مہرزاد کی شخصیت کے کچھ ایسے پہلوؤں سے آشنا ہوئی جو اب تک سب سے مخفی تھے۔ مہرزاد کے الیکشن میں جیتنے کے بعد زرنگار اسے بتاتی ہے کہ وہ میرال صلاح الدین ہے۔ بینش سوچتی ہے کتنی خوش قسمت ہے وہ لڑکی جس کے لیے دانیال کی ممی اتنی پریشان ہو رہی تھیں۔ زوئی حسین، نادر سے ملنے کے لیے اس کی کمپنی جاتی ہے لیکن وہ وہاں بھی کئی دنوں سے نہیں آ رہا تھا سو وہ اس کے گھر جانے کا فیصلہ کرتی ہے۔ فہد، ڈاکٹر نادیہ سے، اسپتال میں ملتا ہے تو وہ اسے اپنے گھر لے جاتی ہیں، نگین اپنی ساس کے ساتھ لڑکی دیکھنے جاتی ہے تو اسے بینش بہت پسند آتی ہے، نگین اس کے پاس میرال صلاح الدین کا ایک ہینڈ آؤٹ دیکھ کر حیران رہ جاتی ہے وہ اس سے ساری معلومات لے کر آ کر حمزہ کو بتاتی ہے۔ زرنگار مہرزاد کو اپنے ماضی کے بارے میں بتاتی ہے، زوئی، نادر کے گھر جاتی ہے تو نادر کی ماں کہتی ہیں کہ اسے بتا کر آنا چاہیے تھا۔ نادر حمزہ سے ملتا ہے اور اسے کہتا ہے کہ اگر زوئی قصوروار ہوئی تو وہ خود اسے لے کر آئے گا۔ حمزہ کہتا ہے کہ اسے اب تک نہیں کہ جائے گا۔ عافیہ، دانیال سے کہتی ہیں کہ جو طریقہ اس نے میرال کو ڈھونڈنے کا نکالا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔

اب آگے پڑھیے

"دروازے کے کُنڈے میں پکا تالا ڈال کر دونوں پتا نہیں کدھر غائب ہو گئے، اب تو شاید مہینے سے بھی اوپر ہو گیا ہے غائب ہوئے۔" تالاب کے پانی میں ڈوبے کپڑے نکال کر سلور کی پرات میں ایک کپڑا رکھ کر دیسی صابن اس پر رگڑتے ہوئے حمیدہ نے صفیہ کو مخاطب کیا جو تالاب کے دوسرے کنارے پر کھڑی صابن لگے کپڑے پانی میں ڈبو کر اُن کا صابن چھڑانے میں مشغول تھی۔

"کاکا اشفاق بتا رہا تھا شہباز صاحب دفتر سے بھی بغیر چھٹی لیے غائب ہوا ہے، دفتر والے دو دفعہ آ چکے ہیں یہاں اس کی خیر خبر لینے۔" صفیہ نے اپنی معلومات کی تھیلی ہاتھ میں پکڑے کپڑے کے ساتھ جھٹکی۔

"بات کوئی گڑبڑ والی ہی ہے۔" حمیدہ نے کہا اور پھر دائیں بائیں دیکھنے کے بعد سرگوشی کے سے انداز میں بولی۔ "جس دن وہ دونوں غائب ہوئے ہیں اس سے ایک دن پہلے شام کو میں گئی تھی بہن صدیقہ سے دانے لینے، بھائی شہباز صحن میں چارپائی ڈالے پڑا تھا، چہرہ تریلیوں (پسینے) سے تر تھا، رنگ پھیکا چٹا لٹھے جیسا...... ہائے میرا کلیجا تو دھک سے رہ گیا، میں نے بہن صدیقہ سے پوچھا بھائی شہباز کو کیا ہوا، بولی کچھ نہیں پیٹ خراب ہے، مروڑ پڑتا ہے، دست لگے ہیں۔ میں نے کہا تئے چاولوں کی پیچ (مائع) اتار کر پلا، رات تک ٹھیک ہو جائیں گے لیکن اس نے میری بات مجھے لگتا ہے دھیان سے کوئی نہیں سنی۔ گھڑی گھڑی دروازے کی طرف دیکھتی تھی جیسے کسی کا انتظار کر رہی ہو، فٹافٹ مجھے دانے ناپ کر دیے، ایک کے بجائے دو بالٹیاں ناپ دیں، میں نے کہا۔ ہا ہائے میں نے تو ایک ہی بالٹی لینی ہے تو بولی چل کوئی بات نہیں لے جا، چل اٹھا فٹافٹ، مجھے شک پڑتا ہے اس کا من تھا میں فٹافٹ چلی جاؤں وہاں سے، پتا نہیں کس بات کی گھبراہٹ تھی اسے، میں نے نہیں پوچھا بس دانوں کی بوری اٹھائی اور چلی آئی۔"

"بات جو بھی ہے ناں بڑی گوڑھی (پیچیدہ) ہے۔" صفیہ نے بھی سرگوشی کے انداز میں کہا۔ "کاکا اشفاق بتا رہا تھا چوہدری اللہ وسائے نے تو بندے کوٹھے (چھت) پر چڑھا کر اندر اتارے ہیں کہ دیکھ کر آؤ کہیں دونوں کا کوئی اندر ہی تو ساہ (گلا) گھونٹ کر یا کاٹ کر تو نہیں پھینک گیا اور ہم اِدھر باہر ہی ڈھونڈتے رہیں۔"

"شاباش ہے چوہدری اللہ وسائے کی عقل پر۔" حمیدہ نے ماتھے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ "جو کوئی مار کر پھینک گیا ہوتا تو مہینے بعد اُن کے گھر کے باہر کھڑا ہونا مشکل ہو جاتا تھا، شیدائی (پاگل) ہی ہے اللہ وسایا تو۔"

"دفتر میں جو عملہ ہے ناں وہ کہتا تھا لاہور سے کوئی بڑے افسر آئے تھے تفتیش (تفتیش) کرنے۔" کپڑوں کی پوٹلی اٹھائے تالاب پر انہیں دھونے کی خاطر آئی صدیقہ بھی اس گفتگو میں شامل ہوتے ہوئے بولی۔ "لوگ کہتے ہیں بھائی شہباز نے ضرور کوئی لمبا ہاتھ مارا تھا۔ دفتر کے پیسے اِدھر سے اُدھر کر دیے ہوں گے اسی لیے تو افسر آئے تھے پوچھ پڑتال کرنے۔"

"ہائے...... ہائے بیچارے شہباز نے لمبا ہاتھ مارا ہوتا تو کوئی چار دن تو ان کے دن بدلے نظر آتے، وہ...... بیچاری گر ماں والی تو مونگ کی دال ابالتی اور ساگ تڑکتی ہی وقت پاس کر رہی تھی۔" حمیدہ نے کہا۔

"بڑے کنجوس تھے بھائی شہباز، بینک میں منیجر لگے تھے پر پھر بھی پیسہ خرچ کرنے کا نام نہیں لیتے تھے، نہ کوئی اولاد نہ کوئی آگا پیچھا بندہ پوچھے تم کس کے لیے جوڑ رہے ہو بھئی پیسہ۔" صدیقہ نے سر جھٹکا۔

"ساری باتیں چھوڑو، سوچنے کی بات ہے گئے کدھر دونوں؟" صفیہ پھر سے سوچ میں پڑی۔ "گھر کا سارا سامان اپنی اپنی جگہ امن امان سے پڑا ہے پھر یہ دونوں کدھر گئے؟"

"شام پڑ رہی ہے صفیہ بی بی، شہباز صاحب کا سیاپا چھوڑ کر کپڑے مل لے جلدی جلدی، وہ تو دونوں کہیں سیر سپاٹے کر رہے ہوں، ہمارے سارے کام پیچھے پڑ جانے ہیں وچار (سوچ) کر کر کے۔" حمیدہ کو کاموں کی یاد آ گئی

WWW.PAKSOCIETY.COM

اور تینوں شہباز صاحب کا تذکرہ چھوڑ کر تیزی سے ہاتھ چلانے لگیں۔

☆☆☆

''مجھے تو لڑکی کے گھر والے خصوصاً اس کی ماں خاصی رف سی لگ رہی تھی، ماں کا اثر لازمی بیٹی کے مزاج پر بھی ہوتا ہے۔'' نگین کی ساس ڈائننگ ٹیبل پر ناشتا کرنے کے لیے بیٹھے اپنے میاں اور بیٹے کے ساتھ بینش کے گھر والوں کے بارے میں خیالات کا اظہار کر رہی تھیں۔

نگین نے ہاف فرائی انڈے کی پلیٹ اپنے سسر کے سامنے رکھتے ہوئے کن انکھیوں سے اپنے دیور کی طرف دیکھا جو سنجیدہ چہرہ لیے سنجیدگی اور انہماک کے ساتھ ناشتا کرنے میں مشغول تھا۔ اسے چائے کا کپ پکڑاتے ہوئے نگین کی نظریں اس سے چار ہوئیں، اس کی نظروں میں اپنے دیور کے لیے صاف پیغام لکھا تھا۔

''یوں ہی مین میخ نکلتی رہی تو ہو چکا تمہارا رشتہ، لڑکی اچھی ہے اسٹینڈ لے لو۔''

''امی پورے شہر میں ہماری فیملی جیسا civilized اور refined گھرانا ملنا تو ناممکن سی بات ہے درحقیقت۔'' شجاع (دیور) نے چائے کا کپ میز پر رکھتے ہوئے سنجیدہ سا وار کیا۔

''تم سمجھ رہے ہو کہ میں غلط کہہ رہی ہوں۔'' ساس چمک کر بولیں۔ ''پوچھو اس سے۔'' انہوں نے نگین کی طرف اشارہ کیا۔ ''جتنا ٹائم ہم بیٹھے رہے، بھائی میں چلتی زردوزی کی دکانوں، حریسوں، سری پائیوں، نہاریوں اور بیٹوں کے دن دگنی رات چوگنی ترقی کرتے کاروبار کے علاوہ کوئی دوسری بات کی انہوں نے؟''

''بیگم صاحبہ، اندرونِ شہر میں رہنے والی ایک سیدھی سادی تقریباً ناخواندہ خاتون سے اگر آپ یہ توقع کر رہی تھیں کہ وہ آپ سے آغا حشر کے ڈراموں، شیکسپئر کے ناولوں، چغتائی کی مصوری اور علامہ اقبال کی شاعری پر سیر حاصل بحث کرے گی تو میں معذرت کے ساتھ کہتا ہوں کہ آپ اس سے بہت بڑی توقع لگا بیٹھی تھیں۔'' نگین کے سسر نے متانت سے کہا۔

''آپ لوگوں کا دل تو یہ چاہتا ہے کہ جہاں بھی لڑکی دیکھنے جاؤں فوراً ہاں کر دوں۔'' ساس اپنے میاں کا تبصرہ سن کر مزید بھڑکیں...... ''وہ لوگ جن کے گھر کے دروازے پر گاڑی تک نہیں جا سکتی، وہ لڑکی جس کی ماں کو بات کرنے کی تمیز نہیں اور خود لڑکی دو لفظ فائن آرٹس کے پڑھ کر خود کو کوئی توپ نما چیز سمجھنے لگی۔ سیدھے منہ بات کرنا جیسے محال تھا، وہاں بیٹا بیاہ دوں۔ جس گھر کے بیٹے سارا دن کپڑے کی دکان پر بیٹھے کپڑے کے تھان کھول، کھول کر گاہکوں کے آگے بچھاتے رہتے ہیں۔'' وہ بالکل ہی ہتھے سے اکھڑنے لگیں۔

''بس تو پھر طے ہے آپ اب مزید کسی کے گھر جائیں گی نہ کوئی لڑکی دیکھیں گی۔'' شجاع فیصلہ کن انداز میں بولا۔ ''جو اور جیسے لوگ وہ ہیں یہ تفصیل تو آپ کو ان کے گھر جانے سے پہلے بھی معلوم تھی۔ گاڑی دروازے تک نہیں جاتی، کپڑے کا کاروبار ہو نہہ......'' اس نے سر جھٹکا۔ ''یہ ایک ایسا ایشو ہے جس پر کوئی فیصلہ نہ کرنے کا فیصلہ تو آپ پہلے سے کر چکی ہوتی ہیں۔ بے چاری بھابی کو بھی خوامخواہ ساتھ خوار کرتی ہیں، میں کتنے دن سے اسی فیملی کی خامیاں سن رہا ہوں گھر میں، جب اُن میں کوئی خوبی ہے ہی نہیں تو بات ختم کریں بس، یہ کیا روز نئے سرے سے اُن کے بخیے اُدھیڑنے شروع ہو جاتے ہیں ہم لوگ۔'' وہ غصے کی حالت میں تیزی سے اٹھا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

''اس کو کیا ہوا، یہ کیوں ہتھے سے اکھڑ گیا؟'' ساس نے حیرت سے سسر کی طرف دیکھا۔

''جو تماشا یہاں ہر چوتھے دن شروع ہو جاتا ہے اسے دیکھ سن کر یہ ہی کرے گا اور کیا کرے گا۔'' سسر قدرے ناراضی سے بولے۔ ''اس کی شادی کی عمر ہے، اس کے دوست یار سب بیاہے جا رہے ہیں اور یہاں جو بھی رشتہ دیکھا جاتا ہے مسئلہ کشمیر بن جاتا ہے، میں نہ مانوں کی صاف تفسیر، اسے غصہ تو آئے گا ہی۔''

''میں سب جانتی ہوں یہ آگ لگانے والی ماچس کن ہاتھوں نے پکڑ رکھی ہے۔'' ساس نے دانت پیستے ہوئے نگین کی طرف دیکھا۔ ''تو پھر مت دیکھیے کسی کا آگا پیچھا، رہن سہن، ڈال دیجیے رشتہ کپڑے کے کاروبار والوں کے ہاں، لڑکا ساری عمر حریسوں، نہاریوں کے مسالوں میں بسی دلہن برداشت کرتا رہے گا، میں بتا رہی ہوں۔''

''میں نے آج تک گھر کے کسی معاملے کا فیصلہ کیا ہے جو یہ کروں گا، آپ جانیں آپ کے بیٹے جانیں۔'' سسر صاحب تازہ اخبار پکڑے اس میں منہمک ہو کر ایک دم اَنٹنگ ہو گئے، نگین نے میز پر رکھے برتن سمیٹ کر کچن میں پناہ لینے میں عافیت سمجھی۔ اس کی ساس کی بڑبڑاہٹ لاؤنج سے کچن میں کتنی دیر تک سنائی دیتی رہی تھی۔

''اب رشتہ چاہے طے ہو نہ ہو، اس لڑکی نے حمزہ کا ایک مسئلہ تو حل کیا۔'' کچن میں کام کرتے ہوئے وہ سوچ رہی تھی۔ ''پتا نہیں مسئلہ حل ہوا یا اور بڑھ گیا'' پھر اسے خیال آیا۔ ''میرال صلاح الدین کا جہاں سے تعلق آج ہے، وہ تعلق حمزہ کے لیے بہت سی مصیبتیں کھڑی کرنے والا ہے میں جانتی ہوں۔ پھپھو تو یہ جان کر ہی کہ حمزہ کن سرگرمیوں میں الجھا ہوا ہے اس کی جان کو آجائیں گی، مہنگی پڑے گی حمزہ کو ماضی سے، روایات سے اور شاید میرال سے بھی محبت۔'' اس نے سوچا اسی دم کچن سلیب پر دھرا اس کا موبائل فون بجنے لگا۔ یہ بینش کی کال تھی۔

''بے چاری لڑکی......'' فون اٹھاتے ہوئے وہ سوچ رہی تھی۔ ''اسے پتا چلے کہ صبح سے کیسے بخیے ادھیڑے جا رہے ہیں اس کے خاندان کے اس گھر میں تو کبھی کال نہ کرے......'' اس نے فون آن کر کے کان سے لگایا۔

''ہیلو بینش کیسی ہو تم؟'' اس نے دوستانہ انداز میں کہا۔

''میں اچھی ہوں آپ بتائیں۔''

''میں......'' وہ ہولے سے ہنسی۔ ''میں تو بہت ہی اچھی ہوں۔''

''مجھے آپ سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔'' وہ سنجیدہ تھی اسی لیے اس کو نگین کی بات پر ہنسی نہیں آئی۔

''ہاں کہو۔''

''اس روز جو ہینڈ آؤٹس آپ نے مجھ سے لیے تھے پلیز انہیں کسی کو آگے مت دیجیے گا۔''

''کیوں......وہ کیوں بھئی؟'' نگین چونکی۔

''وہ اس لیے کہ اب ہم یہ کمپین ہینڈ آؤٹس کے ذریعے نہیں چلا رہے۔''

''وہ کیوں......اور اگر اس طرح نہیں چلا رہے تو پھر کس طرح چلاؤ گے؟''

''کوئی نہ کوئی وجہ تو ضرور ہوگی جو سچی بات ہے کہ اس وقت مجھے معلوم نہیں۔'' بینش نے کہا۔ ''اور اب کس طرح چلائیں گے وہ بھی مجھے معلوم نہیں، مجھے تو بس منع کر دیا گیا ہے کہ ہینڈ آؤٹس کسی کو نہ دوں۔''

''اچھا۔'' نگین نے سوچتے ہوئے کہا۔ ''ویسے منع کس نے کیا ہے؟'' پھر اسے خیال آیا۔

''میں نے اس لڑکے کا ذکر کیا تھا ناں۔ جس کی مدر کسی حوالے سے میرال صلاح الدین کو جانتی ہیں، اسی لڑکے نے منع کیا۔''

''اچھا کیا تم مجھے اس لڑکے یا اس کی مدر کا کانٹیکٹ نمبر دے سکتی ہو؟'' نگین نے کہا۔

''وہ۔'' بینش ٹھٹک گئی۔ ''لیکن آپ کیوں مانگ رہی ہیں؟''

''وہ......'' نگین کو فوری طور پر کوئی وجہ سمجھ نہیں آئی۔ ''ہاں۔'' پھر اس نے کچھ سوچ کر کہا۔ ''ایسا ہے کہ تم سے اس مظلوم لڑکی کا احوال سن کر میں بہت اپ سیٹ ہوئی، میرا دل چاہتا ہے کہ اس کی تلاش میں، میں بھی اپنا کوئی حصہ ڈالوں۔'' گو اسے اپنا یہ بہانہ بھونڈا سا لگ رہا تھا مگر اس کے سوا اور کچھ سوجھا ہی نہیں تھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

"دراصل میں خود نہیں جانتی کہ ابھی وہ لوگ کیا کرنے والے ہیں اور کسی کا بھی کانٹیکٹ نمبر کسی دوسرے کو اس کی اجازت کے بغیر کیسے دیا جاسکتا ہے۔" بینش نے کہا۔

"ہاں بھئی یہ بھی ہے۔" نگین نے اس کی بات کی تائید کی اور دل ہی دل میں اس کی سمجھداری کو سراہا بھی۔

"ٹھیک ہے پھر جو بھی آگے پروگریس ہو، مجھے ضرور بتانا..... اس نے کہا۔

"ہاں جی ضرور بتاؤں گی۔" اب بینش کو نگین کا اس معاملے میں اتنی زیادہ دلچسپی لینا کھٹکنے لگا تھا۔

☆☆☆

"تم تو اتنے مصروف آدمی ہو تم کیسے آگئے یہاں.....؟" علینہ کو فہد کی اچانک ایبٹ آباد آمد پر جتنی خوشی ہو رہی تھی وہ اسے بیان نہیں کر پا رہی تھی۔

"کیوں، مصروف لوگ کہیں آتے جاتے نہیں ہیں کیا.....؟" وہ بے نیازی سے بولا اور پھر نادیہ سے مخاطب ہوا۔

"علینہ..... صرف ہائٹ میں بڑی ہوئی ہے، حرکتیں اب بھی ویسی ہی لگتی ہیں جیسی اس وقت تھیں جب یہ گریڈ ٹو یا تھری میں پڑھا کرتی تھی۔"

"یہ ہی تو.....!" ڈاکٹر نادیہ کے دل کے اندیشے مزید بڑھنے لگے۔ "میرا دل چاہتا ہے کہ کسی طرح علینہ کی پوری شخصیت کو جادو کی چھڑی سے بدل ڈالوں۔" وہ سوچ رہی تھیں۔

"تم پہلے بھی مجھ سے جیلس ہوتے تھے اور اب بھی مجھ سے جیلس ہو رہے ہو۔" ان کی توقع کے برعکس علینہ نے مکمل اعتماد کے ساتھ فہد کو جواب دیا۔ "پہلے البتہ مجھے پتا نہیں چلتا تھا اب سمجھ آرہا ہے کہ یہ صرف جیلسی ہے۔"

"اوہ.....!" فہد نے منہ بنا کر کہا۔ "تو تمہیں سمجھ آگیا، میں سمجھا میرا راز، ابھی تک راز ہی ہے۔"

"دیکھا تم خود ابھی تک خود کو سورما ہی سمجھتے ہو، لاکھ تم سیلیبریٹی بن چکے ہو لیکن یہ مت بھولو کہ باقی دنیا بھی پل بڑھ کر بڑی ہو چکی ہے۔"

"واہ بھئی ویٹس گریٹ....." فہد نے متاثر ہوتے ہوئے کہا۔ "اب تو علینہ مجھے سرپرائز دینے لگی ہے آنٹی۔" وہ مصنوعی حیرت سے نادیہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"میں تم سے کہہ رہی ہوں فہد..... تم یہیں ٹھہرو ہمارے پاس، کہاں ہوٹلز میں خوار ہوتے رہو گے۔" نادیہ نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے ایک بار پھر اصرار کیا۔

"دراصل آنٹی میں ایک سیریس کام کے سلسلے میں یہاں آیا ہوں، مجھے یہاں سے آگے بالاکوٹ بھی جانا ہے اور شاید ایک سے زیادہ بار جانا پڑے۔ آنے جانے کی دیر سویر میں، میں آپ پر بوجھ نہیں ڈالنا چاہتا ویسے بھی۔" وہ شرارت سے اُن کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "مجھے تو اب بھی آپ سے ڈر لگ رہا ہے، مجھے یقین نہیں آرہا آپ وہی ڈاکٹر آنٹی ہیں جن سے ہم بچپن میں اتنا ڈرا... کرتے تھے..... کیوں علینہ یاد ہے نا؟" اس نے علینہ کو مخاطب کیا۔

"بس ابھی ان کا خوشگوار موڈ خراب ہونا ہے۔" اس نے سوچا۔ علینہ نے لرز کر نادیہ کی طرف دیکھا۔

"تم فکر نہیں کرو، تمہارے ساتھ میرا موڈ بالکل نہیں بدلے گا کیونکہ تمہیں دیکھ کر مجھے بہت سے پرانے لمحے یاد آگئے اور میں سوچ رہی ہوں کہ جب انسان عمر میں آگے بڑھتا ہے تو اکثر پرانے لمحے خوشگوار محسوس ہونے لگتے ہیں۔" نادیہ نے مسکرا کر کہا۔ اُن کی بات سن کر فہد اور علینہ نے بیک وقت ایک دوسرے کی طرف دیکھا پھر علینہ کی نظر فہد کے دائیں ہاتھ کے کھڑے انگوٹھے پر پڑی جس سے وہ "دیکھ لو کتنا فرق آگیا۔" کا اشارہ دے رہا تھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

"ویسے تمہیں بالاکوٹ کیوں جانا ہے؟" نادیہ نے پوچھا۔ "کیا وہاں پہاڑوں پر کوئی کوکنگ شوشوٹ کرو گے؟"

"ارے واہ...... یہ خیال آپ کو کیسے آیا؟" وہ خوش دلی سے مسکرایا۔

"ایسے کہ ایک روز میں ٹی وی پر دیکھ رہی تھی کوئی مشہور شیف تھا جو بتا رہا تھا کہ وہ چاروں صوبوں میں گھوم کر اہم مقامات کے آؤٹ اسکرٹس میں جا کر لوکل کھانے بناتا ہے۔"

"ہاہا......" فہد نے بے اختیار قہقہہ لگایا۔ "یہ تو بہت اچھا آئیڈیا دیا آپ نے ...... میں بھی اپنی ٹیم کو یہاں بلا لیتا ہوں۔" پھر وہ سنجیدہ ہو گیا۔ "آنٹی میں بالاکوٹ جا کر میرال اور رابعہ آنٹی کے بارے میں معلوم کرنا چاہتا ہوں۔"

اس کی بات سن کر علینہ کے دل نے ایک دھڑکن مس کر دی۔

"میرال اور آنٹی رابعہ......" نادیہ نے صوفے کی پشت چھوڑ کر سیدھے ہوتے ہوئے کہا۔ "لیکن وہ اب تمہیں وہاں کیسے ملیں گی؟"

"میں نے سنا تھا کہ وہ لوگ یہاں سے شفٹ کر گئے تھے۔" فہد نے کہا۔

"ہاں لیکن آنٹی رابعہ کا تو انتقال ہو چکا زلزلے میں۔" نادیہ نے کہا۔ "اور میرال......" انہوں نے فہد کی طرف دیکھا۔ "زلزلے کے بعد قائم ہونے والے امدادی کیمپوں میں سے غائب ہو گئی تھی اچانک......"

علینہ نے چونک کر اپنی ماں کی طرف دیکھا، اتنے برسوں میں وہ پہلی بار اس موضوع پر بولی تھیں۔

"آپ کو کیسے معلوم ہے آنٹی کہ وہ غائب ہو گئی؟" فہد نے پوچھا۔

"یہاں سے بہت سے ڈاکٹرز وہاں گئے تھے جن دنوں زلزلہ آیا، مجھے ہر طرح کی رپورٹس ملتی رہتی تھیں۔"

"توبہ...... یہ کتنی گہری ہیں مجال ہے جو گھر میں کبھی تذکرہ کیا ہو......" علینہ نے نادیہ کی بات سن کر دل میں سوچا۔

"آنٹی میں سیریسلی میرال کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں کہ وہ کہاں چلی گئی۔" فہد نے کہا۔ "ہم لوگوں کی فیملیز جس طرح آپس میں ایک گھر کے افراد کی طرح جڑی ہوئی تھیں کیا اس تعلق کی بنا پر ہمارا فرض نہیں بنتا کہ اس کا پتا لگائیں۔"

"تمہیں اتنے سالوں کے بعد یہ خیال کیسے آیا؟" نادیہ نے تیکھے لہجے میں کہا۔

"کیونکہ مجھے اس صورتِ حال کا پتا ہی ابھی چلا ہے، وہ بھی اتفاق سے۔" فہد نے کہا۔ "اور جو خوفناک حقائق میرے سامنے آئے ہیں اُن کو سننے کے بعد میں چین سے بیٹھا رہ نہیں سکا فوراً اِدھر بھاگے چلے آنے کو دل چاہنے لگا۔"

"لیکن یہاں جو لوگ اس وقت موجود تھے اور آنٹی رابعہ کو جانتے تھے ان پر تو کوئی اثر نہیں ہوا، میں نے ایک دو بار تشویش کا اظہار کیا تو بھی کسی نے نوٹس نہیں لیا بلکہ دو تین لوگوں نے تو یہ خبر بھی اڑا دی تھی کہ وہ خود اپنی مرضی سے وہاں سے چلی گئی تھی۔ ایک صاحب نے مجھے یہ بھی بتایا کہ وہ کسی غیر ملکی امدادی ٹیم کے ساتھ چلی گئی تھی۔"

"نہیں آنٹی، یہ سب افواہیں اور من گھڑت باتیں ہیں۔" فہد نے سر ہلایا۔ "جبکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس اور بھیانک ہے۔"

"کیا تم نے کوئی سوشل ویلفیئر تنظیم جوائن کر لی ہے جو میرال کے ریسکیو کے لیے اِدھر آ گئے ہو؟" علینہ کو معلوم تھا اس کا لہجہ تلخ ہو رہا تھا لیکن اس نے پھر بھی بلند آواز میں پوچھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

"نہیں علینہ، میں نے ایسی کوئی تنظیم جوائن نہیں کی۔" اس کے برعکس فہد نرمی سے بولا اور پھر اس نے نادیہ کی طرف دیکھا۔

"پتا نہیں آنٹی کیا بات ہے کہ میں میرال کے متعلق یہ خوفناک بات سن کر نہ چین سے سو سکا نہ آرام سے دن گزار سکا، ایک عجیب سی بے چینی میرے دل و دماغ میں گھر کر گئی اور مجھے لگا مجھے فوراً اس کو ڈھونڈنے کی کوشش کرنی چاہیے۔"

"جیسے اب تو وہ تمہیں مل ہی جائے گی اتنے عرصے کے بعد۔" علینہ کا لہجہ مزید تلخ ہوا اتنا تلخ کہ نادیہ کو بھی اس کی بات کا نوٹس لے کر اس کی طرف دیکھنا پڑا۔

"تمہاری یہ عادت کب جائے گی کہ تم کسی کے جذبات کو سمجھے بغیر فضول بات کر دیتی ہو۔" نادیہ نے علینہ کو ڈانٹا...... "تمہیں معاملے کی intensity کا احساس نہیں ہو رہا یا تم سمجھتی ہو کہ ہر کوئی تمہاری طرح بے حس ہے جو ایسی بات کو بھی ایک کان سے سن کر دوسرے سے اڑا دے۔" انہیں علینہ کے لہجے کی تلخی بری طرح کھلی تھی۔

"اٹس او کے آنٹی۔" فہد نے انہیں ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔" ایک لحاظ سے علینہ ٹھیک ہی کہہ رہی ہے، یہ تو یہ غیر منطقی سی بات، مجھے علم ہے کہ وہ بالاکوٹ نہ مظفر آباد کہیں نہیں ہے اور پھر میں اکیلا اتنے بڑے ملک میں اس کا سراغ کیسے لگا سکتا ہوں جبکہ اسے غائب ہوئے اتنا عرصہ گزر گیا اور میں اب جان رہا ہوں۔"

"تمہاری تلاش کا کیا نتیجہ نکلتا ہے کیا نہیں یہ تو بعد میں پتا چلے گا لیکن کسی کو تمہاری سوچ کا مذاق اڑانے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔" نادیہ نے ایک مرتبہ پھر علینہ کو گھورتے ہوئے کہا۔

فہد، ماں بیٹی کے درمیان ہونے والی اس تلخی پر پریشان ہونے لگا۔

"تم بیٹھو...... میں کھانا لگواتی ہوں۔" پھر نادیہ نے اٹھتے ہوئے کہا۔ فہد نے سر ہلاتے ہوئے انہیں دیکھا اور ان کے جانے کے بعد علینہ کی طرف دیکھا جس کا موڈ خراب ہو رہا تھا۔

"ایک بات پوچھوں علینہ......؟" اس نے کہا۔

علینہ نے سوالیہ نظروں سے اس کی جانب دیکھا۔

"میرال کے ذکر پر تمہارا موڈ کیوں خراب ہو جاتا ہے، میں نے پہلے بھی محسوس کیا ہے جب کبھی فون پر اس کا تذکرہ ہوا تمہیں اچھا نہیں لگا۔"

"غلط فہمی ہے تمہاری۔" علینہ نے سر جھٹکا۔ "میں کسی ایسے کے لیے اپنا موڈ کیوں خراب کروں گی جو ہے ہی نہیں، جس کا کچھ اتا پتا ہی نہیں۔" اس نے شانے اچکائے۔

"ویسے ایک اور لڑکا بھی اسے تلاش کرتے اِدھر آیا تھا۔" اس نے فہد کی طرف دیکھا۔ "اور اس سے میں نے کہا تھا کہ اگر کبھی میرال کے بارے میں پتا چلے تو مجھے ضرور بتانا لیکن اس کی طرف سے کوئی خبر نہ آنے کا مطلب ہے وہ اسے بھی نہیں ملی۔"

"اسے نہیں ملی تو ضروری تو نہیں کہ مجھے بھی نہیں ملے گی؟" فہد نے کہا اور اٹھ کر کمرے میں موجود واحد کھڑکی کے قریب آ گیا، کھڑکی پر پردے برابر تھے اور وہ مضبوطی سے بند تھی۔ فہد نے پردے کی ڈوری کھینچ کر اسے ایک طرف ہٹایا، بند کھڑکی سے باہر نومبر میں ایبٹ آباد کا موسم تھا، باہر یقیناً بہت ٹھنڈ تھی جبکہ کمرے کا ماحول پرانی طرز کے بنے آتشدان میں جلتے جدید گیس ہیٹر کی وجہ سے گرم تھا۔ اس نے دلچسپی سے بلند پہاڑوں میں بنے گھروں میں جلتے برقی قمقموں کو دیکھا جو اپنی اونچائی اور نظر سے فاصلے کے سبب آسمان پر ٹنگے ستاروں سے مشابہ تھے۔ ان روشنیوں کو دیکھتے ہوئے یادوں کی گلی میں اتر گیا۔

"میں نے تمہیں مضمون لکھ کر دیا، تم میرے لیے آسمان سے ستارے تو خیر کیا توڑ کر لاؤ گے، جاؤ ان پہاڑوں پر بنے کسی گھر سے ایک بلب ہی اتار لاؤ......" اسے برسوں پہلے میرال کی کہی بات یاد آ گئی۔

"یہ مضمون اس نے خود نہیں لکھا فہد بیٹا۔" میرال کی دادی نے کہا تھا۔ "ہمارا ایک مہمان آیا تھا بڑی دور سے، اس سے لکھوایا ہے۔ لہٰذا تم اس کا احسان ہرگز نہ ماننا۔"

"تم کتنی mean ہو میرال، مہمانوں کی مہمانداری کرنے کے بجائے ان سے اپنے کام کراتی ہو۔" اس نے میرال کو چڑایا تھا اور وہ واقعی چڑ بھی گئی تھی۔

"میں نے سوچا شاید تم مجھ سے ملنے اتنی دور آئے ہو۔" پیچھے سے آتی علینہ کی آواز پر اس نے مڑ کر دیکھا۔

"اوہ...... تو یہ وجہ تھی موڈ خراب ہونے کی۔" اس نے سوچا۔

"مگر نہیں۔" وہ افسردگی سے بولی۔ "سلیبرٹیز کسی ایسے کام کے لیے ہی ایسی جگہوں تک آتے ہیں جن میں ان کی تشہیر کا موقع مل سکے۔"

"یار تم اچھی بھلی ٹھیک ہو گئی تھیں پھر سے اتنی نیگیٹو کیوں ہونے لگیں۔" وہ اس کے سامنے آ کر بیٹھ گیا۔ "دیکھو تم اور میں بہت اچھے دوست ہیں، ہماری اکثر فون پر بات ہو جاتی ہے، ہم اسکائپ پر ایک دوسرے کو دیکھ بھی لیتے ہیں، فاصلے ہمارے لیے معنی نہیں رکھتے کیونکہ ان سب سہولتوں کی وجہ سے فاصلے سمٹ چکے ہیں لیکن وہ جو نہ جانے کہاں اور کس حال میں ہے اس کا پتا لگانا میں سمجھتا ہوں صرف میری نہیں تمہاری بھی ذمے داری ہے۔"

"ایک بے مقصد تلاش کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا، صرف وقت ہی ضائع ہوتا ہے اور کچھ نہیں۔" وہ سر جھٹکتے ہوئے بولی۔ فہد گہری سانس لے کر خاموش ہو گیا۔

☆☆☆

انہوں نے اسکرین پر روشن صفحے کو اسکرول کرتے ہوئے نیچے دیکھا۔ ان گنت تبصرے ان کی نظروں کے سامنے تھے۔ دنیا کے مختلف کونوں سے، مختلف زبانوں میں لوگوں نے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہوا تھا۔

"لڑکیاں صرف تیسری دنیا کے ایک غیر ترقی یافتہ ملک ہی میں غائب نہیں کی جاتیں، دنیائے اول کے ترقی یافتہ اور مہذب ترین ممالک میں ایسے واقعات کا تناسب کہیں اونچا ہے۔" انہوں نے ایک تبصرہ پڑھا۔

"تیسری دنیا کا ایک غیر ترقی یافتہ ملک۔" انہوں نے زیرِ لب یہ الفاظ دُہرائے۔ "اتنے برسوں بعد ہم اپنے ملک کا یہ امیج دنیا بھر کے لوگوں کے سامنے بنا پائے ہیں۔"

"ایک ایسا ملک جہاں استعمال کے لیے بجلی کم ہے، کھانے کو اناج کم ہے، پہننے کو کپڑا نہیں مل رہا، مذہبی جنون کے نام پر بھائی، بھائی کا گلا کاٹ رہا ہے، جہاں زراعت اور صنعت کا پہیہ جامد کھڑا ہے، جہاں انسان کو اپنی روزمرہ زندگی گزارنے کے لیے سخت جدوجہد کا سامنا ہے، وہاں ایک لڑکی کا غائب ہو جانا کیا اتنی قابلِ غور بات ہے کہ کوئی لمحہ بھر کو رک کر اس پر غور ہی کر لے۔" ایک اور کمنٹ کو پڑھ کر ان کا سر مزید جھک گیا۔

"ہمارے ہاں ڈرگز کی اور انسانوں کی ٹریفکنگ معمولی بات ہے، ہمارا بڑا مسئلہ دہشت گردی ہے جو آئے روز ہمارے پیاروں کی اجتماعی جانیں لے رہی ہے، دنیا والو ہمارا یہ مسئلہ حل کرا دو۔" کسی نے لکھا تھا۔

"تم لوگوں کا یہ صفحہ ایک ایسا ہائیڈ پارک بن گیا ہے جہاں لوگ اپنے، اپنے ڈپریشنز، ٹینشنز، طنز اور مذاق کی ٹوکریاں جھاڑ رہے ہیں، اصل مسئلے کی طرف تو بہت کم لوگ توجہ دے رہے ہیں۔" انہوں نے اس شام دانیال سے کہا۔

"ہر اہم مسئلے کو پہلے پہل یہی ٹریٹمنٹ ملتا ہے پھر آہستہ آہستہ وہ عوام کی آواز بنتا جاتا ہے، ہمیں صبر اور تحمل سے

WWW.PAKSOCIETY.COM

کام لینا ہوگا۔'' دانیال نے انہیں تسلی دی۔

''ایک بچی کی عزت اور آبرو لوگوں کے ہاتھوں تماشا بن رہی ہے اور تم کہتے ہو صبر کروں، کیسے صبر کروں میں؟'' انہوں نے روہانسی ہوتے ہوئے کہا۔

''ممی یہ مسئلہ پرانا ہے، اس کی خبر اب ہمیں لگی ہے، اب تک نہ جانے وہ کن اور کیسے حالات سے گزر چکی ہوگی۔'' دانیال نے تحمل سے کہا۔ ''ہمیں تو یہ دیکھنا ہے کہ ہم کیسے اس کو ریسکیو کر سکتے ہیں، یہاں جو لوگ اقتدار اور اختیار کے مالک ہیں وہی تو اس مافیا کے لیڈر ہیں وہ ہی تو اس کو پروٹیکشن دے رہے ہیں، وہ شخص سردار مہرزاد جس کے حوالے سے یہ خبر نکلی وہ صرف ایک سیاستداں سے اسمبلی کا ممبر بن چکا ہے اور نہ صرف ممبر بن چکا ہے بلکہ اسی ہفتے میں وہ وزارت کا حلف لے کر کابینہ کا ممبر بھی بننے جارہا ہے اور اس کا پورٹ فولیو آپ جانتی ہیں کیا ہوگا......؟'' اس نے عافیہ کی طرف دیکھا۔ ''اطلاعات ونشریات۔'' اس نے الفاظ کو چبا چبا کر ادا کیا۔ ''گویا انفارمیشن اور کمیونیکشن کے تمام ذرائع پر اس کا قبضہ ہوگا، ہم کتنی اور کہاں تک آواز اٹھائیں گے۔''

''میں نے مسز اظہر کے ذریعے چیف منسٹر صاحب تک رسائی حاصل کرنے کی درخواست دی ہے، تمہارے ڈیڈی نے زیدی صاحب سے بھی بات کی ہے چیف منسٹر کی وائف ان دنوں شکاگو میں ہے شاہ وہاں اس سے ملاقات کرنے کی کوشش کر رہی ہے، عاصم اپنے حلقے میں سرگرم ہے، کچھ نہ کچھ تو نتیجہ نکلے گا ان سب کوششوں کا۔'' عافیہ نے اپنی ڈھارس دوبارہ سے باندھتے ہوئے کہا۔

''ہاں کوشش تو ترک نہیں کرنی، وہ تو ہر حال میں جاری رہے گی۔'' دانیال نے سر ہلایا۔ ''میں تو راستے کی رکاوٹوں کا ذکر کر رہا تھا صرف......''

''راستے کی رکاوٹوں، صبر اور تحمل، برداشت اور انتظار کی کیفیت، امید اور آس کے سمندروں میں ڈولتے رہنے کی کیفیت سے ہم سے زیادہ کون واقف ہوگا بیٹا......'' عافیہ نے دانیال کے جیتے جاگتے، صحت مند، لمبے اونچے وجود کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ''ایمان اور امید کی اس آزمائش میں بھی انشاء اللہ ہم سرخرو ہوں گے، صوفی صاحب اللہ کے نیک بندے تھے، اللہ کے نیک بندے یونہی تو کوئی بات منہ سے نہیں نکال دیتے۔''

''بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ۔'' دانیال مسکرایا۔ ''سو امید اور ایمان کا دامن تھامے رہیے، اللہ تعالیٰ راستے خود بنائے گا۔''

''انشاء اللہ......'' عافیہ نے بے اختیار کہا اور انہیں اپنے دل میں سکون اترتا محسوس ہونے لگا۔

☆☆☆

چوہدری رزاق کب سے امراؤ بیگم کے پاس بیٹھا اس کے کانوں میں سرگوشیاں کر رہا تھا۔ اس کی بات سنتے ہوئے امراؤ بیگم کے چہرے کے زاویے بن اور بگڑ رہے تھے۔ تاؤ شریف نے ہارمونیم کو اپنے اندر سمیٹے مخملی غلاف کو اتارتے اور پھر نرم کپڑے سے اسے صاف کرتے ہوئے کن انکھیوں سے کئی بار ان دونوں کو دیکھا تھا۔ یقیناً کوئی بہت اہم مسئلہ درپیش تھا۔ چوہدری رزاق نے بہت دن پیچھے ادھر چکر لگایا تھا ورنہ وہ ملتان والی بختو چوہدری کے ڈیرے پر پڑا رہتا تھا۔

''بڈھا ہو رہا ہے اب تو میری طرح۔'' تاؤ شریف نے ہاتھ میں پکڑا چھوٹا پیچ کس دانتوں میں دباتے ہوئے سوچا۔ ''چند سال پہلے پورے جوبن پر تھا، اس کے لائے شکاروں کی دھوم ہوا کرتی تھی، امراؤ بیگم اور بختو کے ڈیروں کی رونقیں اس کی لائی لڑکیوں کے دم سے آباد تھیں۔'' اس نے آنکھ اٹھا کر چوہدری رزاق کی طرف دیکھا۔

''لیکن وہ کہتے ہیں ناں کہ ہاتھی مرا بھی سوا لاکھ کا ہوتا ہے۔ چوہدری رزاق بڈھا ہو گیا مگر نظر چیتے کی سی رکھتا

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہے، اب نہ جانے کون سی سُنانی سنانے آیا ہے امراؤ بیگم کو اللہ خیر ہی کرے، یوں جب بھی آتا ہے خیر کی خبر کم ہی لاتا ہے، مانو اس کے منہ سے الفاظ نہیں نحوست کی چھچھوندریں نکلتی ہیں جو اگلے کو نہ اُگلتے بنتی ہیں نہ نگلتے بنتی ہیں۔'' اس نے ایک دفعہ پھر چوہدری رزاق کی طرف دیکھا جو اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑے ہوتے بلند آواز میں گلا کھنکھار رہا تھا۔

''لو پھر بی بی جان۔'' وسیع ہال کمرے میں چوہدری رزّاق کی آواز گونجی۔ ''میں نے تمہیں اطلاع دے دی، آگے تفتیش کرنا اور معاملے کو بگڑنے سے پہلے سنبھال لینا تمہاری عقل کا کام ہے۔'' اس نے گلے میں بندھا اُونی مفلر کھول کر دوبارہ اس کی گرہ باندھتے ہوئے کہا اور کمر کے پیچھے ہاتھ باندھ کر سیانوں کی طرح کھڑا ہو گیا۔

''ارے تو جاتے کدھر کو ہو اب؟'' امراؤ بیگم کے چہرے پر ہلکی سی تشویش کے آثار تھے۔

''چلتا ہوں اب...... واپس ملتان پہنچتے، پہنچتے رات پڑ جاتی ہے۔'' وہ ایک پاؤں پر وزن ڈال کر تھوڑا ترچھا ہو کر کھڑے ہوتے ہوئے بولا۔

''کدھر...... تم ملتان جاتے ہو، ابھی پڑے رہو یہیں...... میں معاملے کا کچھ کر تو لوں......'' امراؤ بیگم بلند آواز میں بولی تھی۔

''کوٹھی تیار ہے، اس کی چابی تم تک پہنچ جانی ہے ایک آدھ دن تک۔ سردار وزیر بننے والا ہے امراؤ بیگم، لڑکی پرے تمہارا سارا اختیار ختم ہونے کو ہے، کما لیا جتنا تم نے اس سے کما لیا، اب نہ سود ملے گا نہ بیاج...... اس طرف سارے انتظام مکمل ہیں، میں نے تمہیں ساری صورتِ حال بتا تو دی ہے، تم نے اب معاملے کا آگے سے کرنا بھی کیا ہے۔'' چوہدری رزاق سامنے دیوار پر لگے آئینے کے قریب جا کر اس میں جھانک کر اپنے بال ہاتھ سے سیدھے کرتے ہوئے بولا۔

''ارے بیڑا غرق ہو جائے تیرا کم بخت، عین موقع پر آ کر بتا رہا ہے۔'' امراؤ بیگم دانت پیستے ہوئے بولی۔

''لو جی، مجھے تو پہلے ہی پتا تھا یہ بندہ خیر کی خبر نہیں لا سکتا۔'' تاؤ شریف نے سوچا۔

''جب پتا چلا فوراً ہی تو آ دھمکا ہوں، سفر میں جو وقت لگا سو لگا اور کیا کرتا، یہ بات فون پر کرنے کی تھی نہیں، تمہیں پتا نہیں ہے امراؤ بیگم اِدھر فون کی کالیں بھی ٹریس ہوتی ہیں۔'' چوہدری رزاق اکڑ کر بولا۔

''پھر بیٹھ جا اِدھر، سر جوڑ میرے ساتھ اور کوئی ترکیب نکال، لڑکی کا معاملہ سیدھا نہیں ہے، اوپر سے تو بتا رہا ہے پٹی والوں کی بھی شامت آئی کھڑی ہے۔'' امراؤ بیگم بولی۔

''میں بتا رہا ہوں بی بی جان......'' چوہدری رزاق اپنی اہمیت بنتے دیکھ کر شان سے امراؤ بیگم کے سامنے رکھے شیز لانگ پر ٹِک گیا۔

''یہ جو سردار ہے ناں یہ امرتی کی طرح سیدھا بندہ ہے، اس کے تو اپنے فرشتوں کو بھی خبر نہیں ہوتی ہو گی کہ اگلا قدم دھرنے والا ہے، اس کی اپنی پارٹی کے لوگ بھی اتنی سی دیر میں عاجز آ گئے ہیں اس سے، تم لڑکی کدھر پھنسا بیٹھی ہو۔''

''میں تو لاکھ جان چھڑاتی رہی، کئی بار کہا مجھے نہیں چاہیے ہزار راتوں کی بے منت یکمشت، لڑکی کو کھونٹے سے باندھ دوں تو سمجھو اپنے ہاتھ باندھ لیے مگر وہ رقم بڑھاتا گیا، تحفے تحائف آنے لگے، یہ جو باہر شان سے کھڑی چمکتی گاڑی دیکھ رہے ہو ناں جس پر اسٹیشن سے بیٹھ کر یہاں تک آئے ہو، یہ بھی اسی نے مجھے دلوائی ہے، لڑکی کے لیے الگ گاڑی، شوفر، اس کے لباس، جوتے، زیور سب اُدھر سے آتے ہیں، امپورٹڈ اور قیمتی ترین...... بیچ میں میرے تیرے بھی ہاتھ مار لیتے ہیں۔'' امراؤ بیگم نے گھبرائے ہوئے انداز میں جتایا۔

''دلدل ہے ناں دلدل...... روپے پیسے کی دلدل، مایا کا جال، بس سب پھنس جاتے ہیں، تم بھی پھنس گئیں کوئی بات نہیں، ہوتا ہے...... ہوتا ہے۔'' چوہدری رزاق نے کتھے چونے کے کھائے ہوئے اپنے ادھورے دانت نکالتے ہوئے کہا۔

''نہ ہنس کم بخت نہ ہنس۔'' امراؤ بیگم ڈپٹ کر بولی۔ ''کچھ سوچ اب کرنا کیا ہے۔''

''اس شہزادے نے ہائی الرٹ کیا ہوا ہے پٹی والوں کو، معاملے کی چھان بین جاری ہے، اِدھر اس نے حلف لیا، اُدھر منسٹری سے پہلا آرڈر اسی کا ہونا ہے، لڑکی اِدھر پہنچی کیسے، نہ تمہاری جان بچنی ہے نہ بختو کی، میں تو بھائی کب کا ریٹائر ہو چکا، میری بلا جانے لڑکی کدھر سے کہاں پہنچی، یہ تو جانیں ملتان اور لاہور شہر کی وڈی (بڑی) ڈیرے دارنیاں۔'' چوہدری رزاق اٹنک ہوا۔

''وہ جو بڑا صاحب ہے، اس کا بیٹا بھی تو اسی در کا مرید ہے، نازو کے حسن کا دیوانہ پھر بھی کئی بار مجھ سے کہہ چکا ہے اور امراؤ بیگم ہیرا تو تم نے بہت کم قیمت میں سردار کی جھولی میں ڈال رکھا ہے، ذرا مجھے بھی چہرہ تو کراؤ، میں اسی سے بات کرتی ہوں۔'' امراؤ بیگم کچھ سوچتے ہوئے بولی۔

''اسے کہنا تھا ہیرا معمولی نہیں کوہِ نور ہیرا ہے جو بہت قیمتی تو ہے مگر اس کسی کو نہیں آتا۔'' چوہدری رزاق زور سے ہنسا۔

''خیال سے بات کرنا بڑے صاحب کے بیٹے سے...... پارٹی ایک ہی ہے، پارٹی کے اندر ٹکراؤ ہو گیا تو پارٹی نے ترجیح سردار کو ہی دینی ہے، بڑے بڑوں کے چھکے چھڑا چکا ہے، پارٹی کو بھی اس تازے خون کی ضرورت ہے، بڑا صاحب پرانا ہو چکا کب کا۔'' چوہدری رزاق نے کہا۔

''تو کوئی ملتان شلتان نہیں جا رہا، بیٹھا رہ اِدھر ہی، میں اپنی سی کر لوں پھر دیکھتے ہیں۔'' امراؤ بیگم نے چوہدری رزاق کے گھٹنے پر ہاتھ رکھا اور سامنے دیکھتے ہوئے سر ہلا ہلا کر کچھ سوچنے میں مصروف ہوئی۔

تاؤ شریف نے صفائی والا کپڑا تیل کی بوتل اور اپنے اوزار اپنے تھیلے میں ڈالے اور صاف ستھرے، چمکتے ہارمونیم کو واپس مخملی غلاف سے ڈھک دیا۔

☆☆☆

الیکشن میں فتح کے بعد اسے اپنے علاقے میں ایک بار تقریباً ایک ہفتہ تو گزارنا ہی تھا۔ علاقے کے وہ بادشاہ گر جن کے رزق اور عیاشیاں آنے والے ساڑھے چار سال میں اس کے دم سے چلنی تھیں۔ اسے علاقے کے ووٹر کو اپنی مٹھی میں مزید دبا لینے کے مشورے دے رہے تھے۔ وہ مخالف جو یقیناً اس کے باپ کے خون کے مجرم بھی تھے اور چند روز پہلے تک بندوقیں اٹھا کر اس کے خلاف نعرے لگاتے پھر رہے تھے، ان میں سے بھی کئی رات کے اندھیروں میں اس کے ڈیرے تک آنے اور ملاقاتیں کرنے لگے تھے، وہ خود کو گالیاں دینے والوں کے منہ سے اپنی تعریفیں سنتا اور دل میں مسکراتا۔

''اقتدار بھی کیا چیز ہے، بندے کو شاہ اور مخلوق کو گدا بنا دیتی ہے۔'' وہ سوچتا۔ ''لیکن اس اقتدار کا ہما سر سے اٹھ جائے تو شاہ کو گدا بننے میں چند لمحے بھی نہیں لگتے۔''

''سردار صاحب، زنان خانے سے آپ کے لیے پیغام آیا ہے، بڑی بی بی ملاقات کرنا چاہتی ہیں۔'' ایک ملازم نے اسے اطلاع دی تھی۔

''دوپہر میں آتا ہوں۔'' اس نے مختصر جواب دیا۔

باپ کے مرنے کے بعد پاکستان واپس آنے کے بعد اپنی ماں سے یہ اس کی تیسری ملاقات تھی۔ اپنے باپ

WWW.PAKSOCIETY.COM

کا جانشین قرار دیے جانے کے بعد ہونے والی ملاقات میں اس نے زندگی میں پہلی مرتبہ اپنی ماں کو غور سے سنا اور جانا تھا، اس کے بعد الیکشن مہم شروع کرنے سے پہلے وہ ان سے ملنے بطورِ خاص گھر آیا تھا۔ وہ ایک مختصر ملاقات تھی جو عجلت میں ہوئی اور اب وہ تیسری بار اُن سے ملنے آیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ ان کے چہرے پر اسے اپنے بیٹے کی کامیابی کی خوشی اور فخر کی جھلک دیکھنے کو ملے گی لیکن اس کی توقع کے برعکس اُن کے چہرے پر تشویش تھی اور پریشانی بھی۔

''راستہ پہلے سے زیادہ پُر خار ہو گیا ہے مہر......'' انہوں نے اس کے سامنے بیٹھ کر اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا۔

''مجھے پہلو بچا کر چلنے کا حوصلہ دیں۔'' اس نے نرمی سے جواب دیا۔

''تمہارے خاندان کی تاریخ میں پہلو بچا کر چلنے کی کوئی روایت موجود ہی نہیں تو تم کیا بچا پاؤ گے۔'' انہوں نے افسردگی سے کہا۔ ''تم لوگوں کو پُر خار کو گلزار بنانے کا جنون ہو جاتا ہے، ان خارزاروں میں تمہارے شملے اٹکیں چاہیں کانٹوں میں الجھ کر جا بجا اُن پر سوراخ نمودار ہو جائیں۔ تمہاری جبلت میں اس کی پروا شامل نہیں۔'' ان کا لہجہ قدرے سخت ہوا۔

''میں آپ کی بات سمجھ نہیں پایا ہوں۔'' وہ اٹکا...... ''آپ نے سنا نہیں لوگ آپ کے بیٹے کو سرداروں کا ایک نیا روپ قرار دے رہے ہیں، روایت شکن سمجھ رہے ہیں، آپ نے ان چند دنوں میں علاقے میں ہونے والی... سرگرمیوں میں ایک واضح تبدیلی کی خبر نہیں سنی کیا اب تک؟''

''میں نہیں مانتی کہ تم میری بات نہیں سمجھ پا رہے ہو۔'' ان کا لہجہ مزید سخت ہوا۔ ''میں علاقے میں تمہاری... سرگرمیوں کی خبر نہیں لوں گی نہ میں نے تمہارے باپ کی ایسی سرگرمیوں کی خبر لی تھی۔''

''پھر......؟'' اس نے سوالیہ نظروں سے اُن کی طرف دیکھا۔ ان کے چہرے پر اسے نہ جانے کیا نظر آیا تھا جو وہ ان سے نظریں ہٹا کر کسی دوسری جانب دیکھنے لگا تھا۔

''نظریں کیوں چرا گئے؟'' انہوں نے تیزی سے کہا۔ ''میری طرف دیکھو اور میرے چہرے پر لکھے سوال کا جواب دو۔'' ان کا لہجہ کاٹ دار ہونے لگا۔ ''تم نے اپنے بارے میں کیا دعویٰ کیا تھا یاد ہے؟''

مہرزاد نے ان کی بات کا جواب دینے کے بجائے سر جھکا لیا۔

''چند مہینے۔'' وہ بولیں۔ ''فقط چند مہینے بھی تم اپنے دعوے پر قائم نہیں رہ سکے اور باپ دادا کے قدموں کے نشانوں پر پاؤں جما جما کر چلتے انہی گلیوں انہی بھول بھلیوں میں جا پھنسے جہاں جا پھنسنے نے اس خانوادے کے خون کو ہمیشہ آلودہ کیا ہے کوئی عزت کبھی نہیں بخشی۔''

''آپ......؟'' مہرزاد نے کچھ کہنا چاہا۔

''مان جاؤ مہرزاد خان کہ جبلت کبھی بدل نہیں سکتی۔'' ان کی آواز مزید بلند ہوئی۔ ''یونہی تمہارا باپ تمہیں ماں کی عادات لے لینے کے طعنے دیتا تھا آج اگر وہ دیکھ رہا ہے تو اس کی تو روح کا بھی سر فخر سے بلند ہو گیا ہو گا۔ بیٹے نے پہلا قدم ہی ایسا رکھا کہ اس کے تخم کی لاج رہ گئی۔''

''آپ غلط سمجھ رہی ہیں، اس کا تعلق ان گلیوں، ان بازاروں اور ان چوباروں سے نہیں ہے۔'' وہ ساری دنیا کے سامنے خود کو ایک کامیاب orator (مقرر) منوانے میں کامیاب ہو چکا تھا مگر اپنی ماں کے سامنے جواب دہ ہوتے ہوئے اس کی آواز حلق میں پھنسنے لگی تھی۔

''اس کا تعلق ایک نجیب الطرفین اور بلند نسب خاندان سے ہے، اس کی رگوں میں پاک خون دوڑتا ہے، شاید

مجھ سے اور آپ سے بھی زیادہ پاکیزہ خون......''

''ہونہہ......!'' انہوں نے اس کے بیان پر سر جھٹکا۔ ''جہاں سے اٹھا کر اسے اپنی خواب گاہ میں لا بٹھاتے ہو، تمہارا یہ اتنا سا عمل آغاز سے اختتام تک ہی پاکیزگی کی گواہی دینے کو کافی ہے، تمہاری بھی......'' انہوں نے سرد نظروں سے اس کی جانب دیکھا۔ ''اور اس کی بھی۔''

''آپ......'' وہ ان کے لہجے اور گفتگو کے سامنے بے بس ہوتا ہوا بولا۔ ''کاش میں آپ کو سمجھا سکتا۔''

''مہرزاد خان، وہ جیسے بھی خاندان سے تعلق رکھتی تھی جہاں آ کر وہ بیٹھ چکی ہے، وہاں کی ہواؤں کی آلودگی اب پاکیزہ ترین پانی میں دُھل کر بھی صاف نہیں ہو سکتی۔'' انہوں نے کہا۔ ''اور تمہارے بارے میں میرا پہلا مان یہ تھا کہ مہرزاد خان سیاسی مقاصد حاصل کرنے کے لیے چاہے کوئی بھی راہ اختیار کرے، ذاتی زندگی میں وہ اپنے بڑوں اور ساتھ والوں کی اس قبیح جبلت کا ساتھی ہونے کا مظاہرہ ہرگز نہیں کرے گا اور میری بدقسمتی۔'' ان کا لہجہ پہلی بار کمزور ہوا۔ ''کہ مہرزاد خان اپنے پہلے قدم پر ہی یہ آزمائش ہار گیا۔''

''مت کہیں ایسا۔'' وہ ان کی کاٹ دار گفتگو اور اس جذباتی انداز کو دیکھ کر خود پر قابو پاتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ ''آپ کے مخبر چاہے وہ جو بھی ہوں آپ کو میرے ظاہری فعل کی خبر ضرور دے سکتے ہیں، میرے اندر کیا ہے، اس فعل کے پیچھے میری نیت کیا ہے، اس کی خبر تو اُن کے فرشتے بھی آپ کو نہیں دے سکتے۔'' اس کی آواز نہ چاہتے ہوئے بھی بلند ہونے لگی۔ ''میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ میں کیا کر رہا ہوں۔'' اس نے ان کی طرف دیکھا۔ ''میں نے اپنے بارے میں فرشتہ ہونے کا دعویٰ کبھی نہیں کیا، میں ایک انسان ہوں اور خدا نے جس خاندان میں مجھے پیدا کیا میں اسی کا ایک فرد ہوں، جبلتیں اچھی ہیں یا خبیث، مجھے بھی ورثے اور جینز میں ملی ہیں، میں لاکھ پہلو بچا کر چلنے کا دعویٰ کروں یہ اپنی خباثت سمیت ہمیشہ میرے سامنے آ کر کھڑی ہوتی رہیں گی، کبھی میں ان کو پچھاڑوں گا...... کبھی یہ مجھے پچھاڑ لیں گی، اس لیے کہ میں فرشتہ ہرگز نہیں ہوں۔'' اس نے جتانے کے سے انداز میں اپنی ماں کو دیکھا۔

''لیکن اس معاملے کو۔'' وہ ان کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھتا ہوا بولا۔ ''اس معاملے کو جبلت کی خباثت سے مت جوڑیں نہ میں آپ کو وضاحت دے سکتا ہوں، نہ آپ میری وضاحت کو ماننے پر تیار ہوں گی۔ اس لیے اس معاملے میں مجھے میرے حال پر چھوڑ دیجیے پلیز...... ان کی اور سب باتیں سن لیا کریں جو صبح عالمِ مدہوشی میں آنکھ کھولتے ہیں اور ہر رات جن کی کسی نئے چہرے کے پہلو میں گزرتی ہے لیکن اس معاملے میں ان کی ہر بات پر اپنے کان بند کر لیا کیجیے۔'' وہ ملتجیانہ انداز میں بولا۔

''ہرگز نہیں۔'' وہ ایک بار پھر مضبوط لہجے میں قطعیت سے بولیں۔ ''دنیا کا ہر معاملہ جیسے چاہو اپنی مرضی سے نمٹا لو مگر میری اگلی نسل کی نیو (بنیاد) گناہ کی آلودگی سے پاک کر دو مہرزاد خان، میری خاطر اپنے خاندان کی تاریخ میں یہ پہلا قدم تم اٹھا لو، حرام سے بچ جاؤ، حلال کو برتو، حلال سے نسل آگے بڑھاؤ، تمہارا یہ پہلا قدم ہو سکتا ہے اس خاندان کی اگلی تاریخ بدل ڈالے۔''

ان کی اس بات نے جیسے اسے دم بخود کر دیا تھا۔ وہ کچھ کہنا چاہ رہا تھا مگر کہہ نہیں پا رہا تھا۔

''اور اگر تم ایسا نہیں کر سکتے تو مجھے اپنی ماں کہنا اور سمجھنا چھوڑ دو، میں بدقسمت اپنی زندگی کی واحد خواہش دل میں لیے دنیا سے کنارہ کر جاؤں گی، تمہاری شکل نہیں دیکھوں گی، اگر میں نے ایسا نہ کیا تو جب، جب تمہیں دیکھوں گی میری خواہش ایک کسک بن کر میرے دل میں کانٹے کی طرح چبھے گی اور میں اس چبھن کو سہار نہیں پاؤں گی۔''

''میرا ایسا کڑا امتحان مت لیں۔'' مہرزاد نے آنکھیں بند کرنے کے بعد کھولتے ہوئے کہا۔ ''میں

WWW.PAKSOCIETY.COM

نے کہا تاں اس کو اب تک کسی غیر مرد نے چھوا نہیں ہے، اس کو اسی عذاب سے بچانے کی خاطر ہی تو میں خود پر پڑنے والے کیچڑ کے چھینٹوں کی پروا نہیں کرتا۔ خدا کے واسطے میری نیت کو میرے عمل کو شک کی نظر سے مت دیکھیں۔"

"مہرزاد خان اگر مجھے اپنی ماں سمجھتے ہو تو جان لو میں نے فوری طور پر تمہارا رشتہ خان اکبر کے گھر ڈالنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ منظور ہو تو آج نہیں کل، کل نہیں تو پرسوں تک مجھے بتا دینا، تمہاری ہاں کی صورت میں، میں اسی ہفتے ملتان روانہ ہو جاؤں گی۔" اس کی ماں نے اس کی بات سے ذرا برابر بھی متاثر نہ ہوتے ہوئے فیصلہ کن انداز میں کہا اور اٹھ کر تیزی سے کمرے سے باہر نکل گئیں۔ وہ اس سجے سجائے کمرے کے درمیان اکیلا بیٹھا رہ گیا۔ اس کا دماغ ماؤف ہونے لگا تھا اور دل کو جیسے کسی نے بند مٹھی میں دبوچ لیا تھا۔ پوری دنیا کو طرح دے کر اپنے پیچھے بھگانے والے کی اپنی سگی ماں نے اس کے سامنے ایسی بساط بچھا دی تھی جس کے ہر مہرے کا کنٹرول وہ اپنے ہاتھ میں رکھنا چاہتی تھیں۔ ایک بھی مہرہ چلنے سے پہلے وہ اسے چیک میٹ دے گئی تھیں۔ وہ آگے چلتا یا دائیں، بائیں چلتا یا پیچھے، اس معاملے میں اسے یا تو شہ مات تسلیم کرنی تھی یا ماں کے لیے اپنے جذبات کو قربان کرتے ہوئے اس کا بادشاہ جا گرانا تھا۔

"how smart of you Meharzad khan." اس نے خود کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"منگولوں کے فنِ تیر اندازی کے مدّاح، کیا تم نے کبھی یہ بھی سیکھنا چاہا کہ اگر سامنے والا کندھے پر تیر رکھے اپنے عقب میں کھڑے تم پر بغیر دیکھے نشانہ باندھے تو اس نشانے سے تم نے کیسے بچنا ہے۔" وہ خود سے سوال کر رہا تھا۔

☆☆☆

وہ ویگن سے نیچے اترا اور سامنے اپنے، اپنے ٹھیلوں کا سامان بند کرتے ٹھیلے والوں کو دیکھنے لگا۔ شام کی نیم تاریکی پر تیزی سے رات کے اندھیرے غلبہ پا رہے تھے اور اب اپنے، اپنے روزگار کمانے کا سامان اٹھا کر دکان لگانے والوں کو دکان بڑھا کر اپنے گھروں کو جانے کی جلدی تھی۔

"نادر بھائی برگر کھائیں گے، انڈا برگر اسپیشل والا؟" اس کے گھر کو جاتی ذیلی سڑک کے کنارے برگر اور چپس کا ٹھیلا لگائے کھڑے سرور نے آواز لگائی، سرور کا کام رات کو شروع ہوتا تھا۔

"رہنے دو بھائی، میں ایک برگر کھانے کے لیے تمہاری جان عذاب میں پھنسا دوں گا، تمہیں پتا نہیں میرے پیچھے لگے ہوئے ہیں وہ لوگ۔" نادر نے بیزاری سے کہا۔

"ہی...... ہی......" سرور نے دانت نکوسے۔ "آج بھی آئے تھے اُن کے دو۔" اس نے ہاتھ کی دو انگلیاں اٹھا کر اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "دو بندے تھے کبھی رمضان کی دکان پر کھڑے ہوتے کبھی معراج کے ٹھیلے کے پاس، معراج بتا رہا تھا پھر اُن کو فون آیا کسی کا لیس سر، یس سر کر رہے تھے فون کرنے والے کو اور پھر فون بند کر کے دونوں فوراً سے یہاں سے چلتے بنے۔ اس کے بعد سے ابھی تک تو نظر نہیں آئے وہ، نہ ہی ان کے بھائی بند۔"

"اچھا جب ہی مجھے خود سے آفر کر رہے ہو برگر کھانے کی۔" نادر ٹھٹکا اور پھر سر ہلاتے ہوئے بولا۔

"ہاں تو اور کیا......" سرور نے سر ہلایا۔ "کہو پھر لگاؤں فریش اینڈ ٹیسٹی برگر؟" اس نے نادر کی طرف دیکھا۔

"ایسا کرو پیک کر دو، میں گھر جا کر کھا لوں گا چائے کے ساتھ۔" نادر نے کہا۔ اس کا خالی معدہ بھوک کی دہائی دے رہا تھا اور سر درد سے پھٹا جا رہا تھا۔ سرور سے برگر کا پیکٹ لے کر وہ گھر کی طرف جانے والے راستے پر چلنے لگا۔

"امی تو گیٹ دروازے بند کیے کب کی پڑ کر سو چکی ہوں گی، کیا ہے یار گھر پہنچ کر گیٹ، دروازے بھی خود ہی کھولو، کچن میں جا کر چائے بھی خود ہی بناؤ۔" وہ چلتے چلتے سوچ رہا تھا۔ "اور صبح سے اب تک امی نے جو برتن استعمال کر کر کے سنک میں رکھ چھوڑے ہوں گے انہیں بھی دھونا ہوگا۔" اس کا دماغ گھوم رہا تھا۔ "اوپر سے یہ۔" اس کا دھیان بائیں ہاتھ میں پکڑے سیل فون کی طرف گیا۔ "یہ بھی کوئی جواب نہیں دے رہا، کب سے کال کر رہا ہوں۔" حمزہ سے ملاقات کے بعد سے لے کر اب تک وہ کئی بار زوئی کے نمبر پر کال کر چکا تھا مگر اسے زوئی کا نمبر بند مل رہا تھا اور اس کے نہ ملنے نے اس کا ذہن اور بھی خراب کر رکھا تھا۔ "پہلے میرا نمبر اسے بند ملتا ہوگا اور اب اس کا نمبر بند ہے۔" اس نے سوچا۔ "یہ کیسا اتفاق ہے؟" اسے زوئی کے متعلق طرح، طرح کے وہم آ رہے تھے۔ "کس عذاب میں پڑ کر رہ گئی ہے زندگی۔" ایک گھر کے گیٹ کے پیچھے سے جھانکتے کتے نے اس کے قدموں کی آہٹ سن کر بھونکنا شروع کر دیا، مارے طیش کے اس نے سڑک کے کنارے پڑا ایک پتھر اٹھا کر کتے والے سیاہ گیٹ پر دے مارا۔ "تُو تو چپ کر جا، انسان کم ہیں مجھ پر بھونکنے والے جو تُو بھی شروع ہو گیا۔" اس نے دانت پیسے۔

"کیا کرتے ہو بیٹا، حکیم صاحب کے گیٹ میں ڈینٹ پڑ جائے گا۔" رات کے کھانے کے بعد سیر کی غرض سے نکلی بے فکر خواتین کے گروپ میں سے ایک نے ہنستے ہوئے اس سے کہا۔ وہ شرمندہ ہوتا ہوا تیزی سے آگے نکل گیا۔

"سب غلط ہو رہا ہے، میرا ہر کام الٹا پڑ رہا ہے، نہ جانے اس سارے قصے کا انجام کیا ہوگا۔" سارے دن کی خواری، زوئی کی طرف سے جواب نہ ملنے، گھر کے بند دروازے کھولنے، پیٹ کی بھوک، سب نے مل کر اس پر بیزاری اور کوفت کی ایک ایسی کیفیت طاری کر رکھی تھی کہ اس کا دل سب کچھ اُڑا دینے کو چاہ رہا تھا۔ اسی بیزاری اور کوفت کی کیفیت میں اس نے اپنے گھر کے گیٹ کے تالے میں چابی ڈال کر گھمائی، گیٹ کھلنے پر اسے زور سے دھکا دیا، گیٹ کا پٹ کھل کر پیچھے جاتے ہوئے گھر کی اندرونی دیوار سے جا ٹکرایا۔ اڑوس پڑوس کے چند اور کتے چونکتے ہو کر بھونکنے لگے۔ اس نے گھر کے اندر داخل ہو کر مزید بیزار ہوتے ہوئے گیٹ لاک کیا اور مڑ کر گھر کی اندرونی عمارت کو دیکھنے لگا جو گیرج میں روشن بلب کی زرد روشنی میں ایک ہیولے کی طرح نظروں کے سامنے کھڑی تھی۔ برآمدے میں پہنچ کر اس نے اندرونی دروازے کا لاک کھولا، لاؤنج میں بھی ایک انرجی سیور روشن تھا، اس کی بھاری بل سے ڈرنے والی اماں غالباً نیند کے غلبے کے مارے یہ بلب بجھانا بھول گئی تھیں۔ جیب سے والٹ، فون اور چابیاں نکال کر میز پر رکھتے ہوئے اس نے کچن کے دروازے کی طرف دیکھا اور اسے لگا جیسے اس نے کوئی بھوت دیکھ لیا ہو، وہ بدک کر پیچھے ہٹا اور تیزی سے لپک کر لاؤنج کی ٹیوب لائٹ کا بٹن دبایا اور پھر مڑ کر کچن کے دروازے کی طرف دیکھا، جس کے بیچوں بیچ چپٹی ناک، چھوٹی آنکھوں اور سیاہ سیدھے بالوں والی زوئی حسین، دونوں بازو سینے پر باندھے کھڑی تھی، اس کے دبلے پتلے، کوتاہ قامت سراپے کو اس کے واقعی موجود ہونے پر یقین کرنے کے لیے دیکھتے ہوئے نادر کی نظریں اس کے پیروں تک پہنچیں اور بے ساختہ اس کے چہرے پر مسکراہٹ آگئی، چھوٹے چھوٹے سفید پیروں میں نادر کے دس نمبر کے سیاہ سلیپرز تھے اور انتہائی مضحکہ خیز لگ رہے تھے۔

☆☆☆

"میں دیکھ رہی ہوں لیکن مجھے یقین نہیں آتا کہ تم اس لڑکی سے گاڑھی دوستی کر چکے ہو، جس کے پاس کچھ ایسا نہیں جو تم سے دوستی کے معیار پر پورا اتر سکے۔" دانیال نے اپنے ساتھ بیٹھی ثمرین کی بات سنی اور دھیان اپنے چائے کے کپ میں چینی ڈال کر چمچ سے اسے حل کرنے کی طرف مبذول کر لیا۔

"ہوں۔" چینی حل کر لینے کے بعد اس نے چمچ ایک خالی پلیٹ میں رکھ کر ثمرین کی طرف دیکھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

"اور مجھ سے دوستی کا معیار کیا ہے بھلا؟"

"ایک سا سوشل اسٹیٹس، ایک سی گرومنگ، ایک سے انٹرسٹس۔" ثمرین نے شانے اچکاتے ہوئے سر ہلایا۔ "کچھ تو کامن ہونا چاہیے دو لوگوں میں دوستی کے لیے۔"

"ورنہ؟" دانیال نے چائے کا گھونٹ حلق سے اتارنے سے پہلے کہا۔ "دوستی نہیں ہو سکتی؟" چائے کا گھونٹ حلق سے اتارنے کے بعد اس نے سوالیہ انداز میں کہا۔

"ظاہر ہے، کیسے ہو سکتی ہے؟" ثمرین نے ایک بار پھر شانے اچکائے۔ "کبھی شیر کو چوہے سے دوستی کرتے نہیں دیکھا ہوگا کسی نے۔"

"اگرچہ تم نے واضح نہیں کیا کہ اس دوستی میں شیر کون ہے اور چوہا کون لیکن مائی ڈیر لیڈی تمہیں پتا ہونا چاہیے کہ جب شیر، شکاری کے جال میں پھنستا ہے تو صرف اور صرف چوہے کی دوستی ہی اس کے کام آسکتی ہے۔"

"اوہ...... تو تمہاری یہ دوستی کسی مطلب پرستی کا نتیجہ ہے۔" ثمرین یقیناً اس کی مثال کو کوئی اور مطلب دے رہی تھی۔

"مطلب پرستی!" دانیال مسکرایا۔ "بھلا بتاؤ بینش سے دوستی میں میری کیا غرض شامل ہوگی۔"

"یہ تو میں نہیں جانتی لیکن مجھے اس اَن میچڈ دوستی پر حیرت بھی ہے اور اعتراض بھی۔" ثمرین کسی مان کے تحت بولی۔

"تمہاری حیرت اور اعتراض پر میں معذرت خواہ ہوں۔" دانیال نے سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا۔ "لیکن میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں کہ میں دوستی، سوشل اسٹیٹس، گرومنگ، لائف اسٹائل، زبان، ٹیلنٹ اور انٹرسٹ دیکھ کر نہیں کیا کرتا بلکہ اپنا کمفرٹ لیول اور کمپیٹیبلٹی دیکھ کر کرتا ہوں۔"

"پھر مجھے تمہارے کمفرٹ لیول اور کمپیٹیبلٹی پر افسوس ہے اور مجھے ایسے لگتا ہے میں اسے اسٹینڈ نہیں کر سکتی۔" ثمرین طیش میں آکر اٹھ کھڑی ہوگئی۔

"ایزی ثمرین ایزی۔" دانیال نے نرمی سے کہا۔ "تم نے کب سے دوستیوں اور دوستوں کا موازنہ کرنا شروع کر دیا ہے۔" اس نے ہاتھ کے اشارے سے ثمرین کو بیٹھ جانے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

ثمرین اسی بگڑے ہوئے موڈ کے ساتھ دوبارہ بیٹھ گئی۔

"دیکھو میرے لیے کسی بھی چیز سے زیادہ انسان اہم ہے۔" دانیال نے اسے نرمی سے سمجھایا۔

"ہم سب یہاں پڑھنے اور سیکھنے کے لیے آئے ہیں، کون کس خاندان سے تعلق رکھتا ہے، اس کا معیارِ زندگی کیا ہے، وہ کون سی زبان بولتا ہے، کہاں سے پڑھ کر آیا ہے، کیا یہ ساری باتیں ثانوی نہیں ہیں؟" اس نے سوالیہ نظروں سے ثمرین کو دیکھا۔ "اصل بات تو صرف یہ ہے کہ یہاں سب ایک سے ہیں، ایک خاندان کے افراد کی طرح ہیں، کم از کم میں ایسی ہی نظر سے دیکھتا ہوں۔"

"آئی ایم سوری دانیال، میری ترجیحات مختلف ہیں۔" ثمرین نے نہ ماننے کے سے انداز میں کہا۔ "تو اس کے ساتھ مل کر ایک ایسی لڑکی کے لیے کوئی کمپین بھی تو چلا رہے تھے، جس کی شناخت خاصی مشکوک سی ہے۔" اس کے لہجے میں چبھن تھی۔

"بہتر تو یہ ہے کہ ان ساری باتوں میں الجھے بغیر ہم اپنی دوستی کو اسی طرح جاری رکھیں جیسے وہ ہمیشہ سے تھی۔" دانیال نے اب کے اس کی بات کا برا مانتے ہوئے کہا۔ "دوسری صورت میں جیسے تم چاہو کرو۔"

"واٹ!" ثمرین کی آنکھیں حیرت سے کھل گئیں۔ "تم اس معمولی سی لڑکی کی دوستی کو مجھ سے دوستی پر

ترجیح دے رہے ہو۔" وہ ایک بار پھر طیش کے عالم میں اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ "ٹھیک ہے پھر بھول جاؤ کہ ہم کبھی دوست تھے۔"

دانیال نے تاسف سے ثمرین کی طرف دیکھا اور شانے اُچکا دیے۔ ثمرین پیر پٹختے ہوئے ٹیبل کے پیچھے سے نکل کر کیفے سے باہر جانے والے راستے پر چل دی۔ سامنے سے آتی بینش کو دیکھ کر اس نے نخوت سے سر جھٹک کر اس پر ایک نظر ڈالی اور تیزی سے باہر نکل گئی۔ بینش نے حیرت سے ثمرین کے بگڑے تیوروں کی طرف دیکھا اور پھر سامنے بیٹھے دانیال پر نظر ڈالی جو اس کی طرف دیکھ کر دوستانہ انداز میں مسکرا رہا تھا۔

☆☆☆

"اتفاق کی بات ہے سر، اسی لڑکی میرال صلاح الدین کے بارے میں جاننے کے لیے کتنی ہی فائلز کسی اور کے اشارے پر بھی کھلی رکھی ہیں۔" حمزہ نے یہ بات سنانے والے کی طرف چونک کر دیکھا۔

"کس کے اشارے پر؟" اس نے پوچھا۔

"ہے ایک بڑی شخصیت۔" اس کے سامنے بیٹھے شخص نے کہا۔ "نام صیغۂ راز میں رکھا جانا ضروری ہے کہ سختی سے آرڈر ہے اور میرال صلاح الدین اس کا ذاتی معاملہ ہے، اگرچہ اب اس لڑکی کا نام یہ نہیں ہے۔"

"میں سمجھتا ہوں اور میں جانتا ہوں کہ آج کل اس لڑکی کی صورتِ حال کیا ہے لیکن اس تک رسائی مشکل ہی نہیں ناممکن ہے کیونکہ ان لوگوں کے سر پر جن، جن کا سایہ ہے وہ اثر رسوخ بھی رکھتے ہیں اور ان کے معاملات میں ذاتی دلچسپی بھی۔" حمزہ نے کہا۔ "لیکن اس حصار کا کوئی زاویہ تو کمزور ہوگا ہی جہاں سینت لگائی جا سکے۔"

"آپ کی سوچ ہے سر۔" اس کے مخاطب نے کہا۔ "یہ ایک ایسا مافیا ہے جس کے حصار میں سینت کوئی ایسا ہی لگا سکتا ہے جو خود اس کا حصہ ہو، ہم تو حکم کے غلام ہیں، ہمیں کہیں سے حکم ملے تو آج ہی بلکہ ایک گھنٹے میں ہی یہ قلعہ مسمار ہو جائے مگر آرڈر دے گا کون، وہ تو ہرگز نہ دیں گے جو وہاں ہر طرف لہراتی زلفوں میں سے کسی نہ کسی ایک کے اسیر ہیں۔"

"یار کیا، کیا جائے پھر اور کیسے کیا جائے؟" وہ بے بسی سے بولا تھا۔

"دعا کی جائے سر، دعا تو کوئی بھی معجزہ دکھا سکتی ہے۔" وہ شخص بولا۔

"اچھا یہ بتاؤ اس بے چارے نادر کی جان بھی چھوڑی تم نے کہ نہیں۔"

"چھوڑ دی سر، اسی وقت چھوڑ دی تھی جس وقت آپ نے آرڈر کروایا تھا مگر اس کی بیوی جانتی ضرور ہے سب۔"

"نادر نے وعدہ کیا ہے کہ وہ ہر طرح تعاون کرے گا۔"

"اس کی بیوی اگر اس بینک کے منیجر تک پہنچا دے سر جو راتوں رات اپنے گھر سے غائب ہو گیا ہے تو بات آگے بڑھ سکتے ہیں۔"

"ہوائی تیر چلاتے ہو بس تم لوگ...... اگر یہ ہو جائے، اگر وہ ہو جائے، اگر فلاں جو ہے وہ فلاں کے سلسلے میں ایسا کر دے اور کوئی اور کسی اور کے سلسلے میں ویسا کر دے تو پھر تم لوگ معاملے کی تہ تک پہنچ جاؤ گے۔" حمزہ زچ ہو کر بولا۔ "کیا سسٹم ہے یہ اور کیسے محافظ ہو تم لوگ؟"

"سسٹم کی بات مت کریں سر، سسٹم ٹھیک ہوتا تو لڑکی کیمپ سے غائب ہی کیوں ہوتی۔"

"کچھ کرو یار، بہت ہو چکی، میں نے تمہیں بتایا تو ہے کہ درمیان کے ڈانڈوں کو چھوڑ کر اب اُدھر کی فکر کرو جہاں کے بارے میں پتا چلا ہے کہ وہ اب موجود ہے۔"

WWW.PAKSOCIETY.COM

''وہیں کی تو بات کر رہا ہوں سر، فائلیں کھل چکی ہیں اگر تو آرڈر آجاتا ہے تو ممکن ہے معاملہ ویسے ہی کلیئر ہو جائے۔''

''فائلیں اقتدار والوں کے لیے کھلی ہیں، ہم عوام ہیں یار، ایسا نہ ہو کہ معاملہ کھل کر ختم بھی ہو جائے اور ہمیں خبر تک نہ ہو۔''

''کیسی باتیں کرتے ہیں بادشاہو۔'' اس کا مخاطب دانت نکالتے ہوئے بولا۔ ''ہم جو موجود ہیں آپ کو پل، پل کی خبر دینے کو، کوئی ایکشن تو ہو کہیں، دیکھیے گا کیسے کھٹ سے آپ تک خبر پہنچتی ہے۔''

''اچھا یار، تمہاری بڑی مہربانی ہوگی جو تم ایسا کر دو، میں اب چلتا ہوں۔'' حمزہ اٹھ کر باہر آگیا۔ یہاں آنے کے بعد اس کا ذہن پہلے سے زیادہ پراگندہ ہو چکا تھا۔ منتشر سوچیں اس کے ذہن کو گھمائے دے رہی تھیں۔ معاملے کی نوعیت جتنی کھل کر سامنے آتی تھی اتنی ہی اس کی مایوسی بڑھتی جاتی تھی۔ یوں جیسے وہ کسی سراب کے پیچھے بھاگتا ہو اور سراب ہر گام پر آگے ہی آگے بڑھ جاتا تھا۔

☆☆☆

''کیا تم سچ مچ اماں جان کی بات مان کر خاندان کی پاکیزہ ترین نسل کی بنیاد رکھنے والے ہو مہر زاد خان؟'' نیلوفر عرف گڈی نے استہزائیہ لہجے میں اس سے سوال کیا۔ نیلوفر، اس کی سوتیلی بہن تھی جو اس کے باپ کے چچیرے بھائی کے سالے سے بیاہی ہوئی تھی، نیلوفر کا شوہر میدانِ سیاست کا پرانا کھلاڑی تھا اور نسلاً بلوچ سردار تھا۔

''تمہارا کیا خیال ہے میں ایسا کرنے والا ہوں؟'' مہر زاد نے الٹا نیلوفر سے سوال کیا۔

''پتا نہیں۔'' وہ صوفے کی بیک سے سر ٹکاتے ہوئے ذرا آگے کو کھسکی۔ ''میں تو تمہیں یہ بتانے آئی ہوں کہ اگر تم ایسا کرنے والے ہو تو تم سے بڑا احمق میں نے دنیا میں نہیں دیکھا ہوگا۔''

مہر زاد نے اپنی اس الٹرا ماڈرن بہن کی طرف دیکھا جو متعدد بار ایک وزیر کی بیوی کی حیثیت سے زندگی گزار چکی تھی، جس کے اپنے نام زمین، جائداد، روپے پیسے کی بہتات تھی جو اپنے علاقے میں بڑی، بڑی روایتی چادروں میں لپٹی پائی جاتی تھی مگر اسلام آباد میں جس کی جُون ہی کچھ اور ہوا کرتی تھی۔ جم، سیلونز، ڈیزائنر ڈریسز، بیش قیمت جیولری، امپورٹڈ جوتوں اور بیگز جس کی شخصیت کو ایک دم فِٹ رکھنے کے سب سے بڑے سہارے تھے اور جو اپنی تمام تر آزاد مزاجی کے باوجود اپنی پانچ سوتیلی بہنوں میں سے اسے ہمیشہ سے زیادہ پیاری تھی۔

''کیوں؟'' مہر زاد نے سوالیہ انداز میں اس کی طرف دیکھا۔ ''تم چاہتی ہو کہ اس خاندان میں تمہارے شوہر، دیوروں اور ان کے کزنز، کزنز کے کزنز سے مختلف کوئی دوسرا نہ ہو، سب ایک ہی جیسے حمام کے ننگے بنے رہیں اور کوئی کسی دوسرے پر انگلی اٹھا کر یہ نہ کہہ سکے کہ دیکھو وہ تو ننگا ہے اور میں ڈھکا ہوا ہوں۔''

''خیر پارسائی کا دعویٰ تو تم اب بھی نہیں کر سکتے۔'' گڈی نے مسکرا کر کہا۔ ''کہو تو تمہارے معاملات کی تفصیل سنا دوں۔''

''نہیں، مجھے اس لیے مت سناؤ کہ مجھے خود سب یاد ہے۔'' مہر زاد نے تحمل سے کہا۔

''پھر حمام میں بھی اتر جاؤ، اس سے کیا بچنا، وہاں تمہارے ہی جیسے پہلے سے موجود ہیں۔'' گڈی کی مسکراہٹ نے خبیثانہ رنگ اختیار کیا۔ مہر زاد نے ایک نظر اس کے سڈول بازوؤں پر ڈالی جو سلیولیس قمیص سے باہر جھانک رہے تھے۔ دوپٹے کے بغیر، گہرے گلے کی قمیص کے ساتھ وہ ٹخنوں سے اوپر سیدھا پاجامہ پہنے ہوئے تھی۔

''کہاں سے پتا چلتا ہے کہ یہ خاتون سینئر کیمبرج میں پڑھتی بچی کی ماں ہے۔'' اس نے سوچا۔

''تمہارے مشورے کی جب ضرورت پڑی ضرور مانگوں گا۔'' اس نے دھیان دوسری طرف مبذول کیا۔

''اماں جانؒ خان اکبر کے گھر رشتہ ڈالنا چاہ رہی ہیں مہر زاد خان......'' گڈی اٹھ کر اس کی نظروں کے سامنے آکر بیٹھ گئی۔ ''تم جانتے ہو خان اکبر کی بہو بن کر میں نے زندگی کے اتنے سال کس اذیت میں گزارے ہیں۔'' وہ بیش قیمت ڈائمنڈز جڑی انگوٹھیوں والا ہاتھ ہوا میں لہراتے ہوئے بولی۔

''جانتا ہوں۔'' مہر زاد نے بے نیازی سے کہا۔

''تم جانتے ہو اویس خان کی بیوی ہونا کتنی بڑی اذیت ہے؟'' اس نے مہر زاد کی بے نیازی سے زچ ہوتے ہوئے کہا۔

''اویس خان سے کون پوچھے گا کہ نیلوفر عرف گڈی کا شوہر ہونا اذیت ہے یا راحت......؟'' مہر زاد نے طنزیہ انداز میں سوال کیا۔

''بڑے وسیع مشاہدے کے مالک ہو ناں تم؟'' وہ دانت پیستے ہوئے بولی۔ ''یہ موٹی، موٹی کتابوں سے بھری لائبریری کے مالک، دنیا جہان کا علم پڑھ لینے والے، کامیاب انسان کے سارے گُر سیکھ لینے والے۔'' گڈی نے مہر زاد کا شانہ جھنجوڑا۔ ''لیکن تم ایک عورت کا دکھ نہیں سمجھ سکتے اور عورت بھی وہ جو تمہاری اپنی بہن ہے۔'' اس کی ستواں ناک سکڑی، مہر زاد اس کی طرف دیکھتا رہ گیا۔ وہ ایک دم کیا خوب سسکنے لگی تھی۔

''میری سمجھ میں نہیں آرہا تم مجھ سے کہنا کیا چاہ رہی ہو، تم مجھ سے دراصل چاہ کیا رہی ہو؟'' وہ سر جھٹکتے ہوئے بولا۔

''میں تم سے صرف یہ کہنا چاہتی ہوں کہ خان اکبر کے گھر رشتہ جاتا ہے تو اسے جانے دو، منع مت کرنا۔''

''مائی گاڈ......!'' مہر زاد کا لہجہ تلخ ہوا۔ ''کب سے پہاڑ کھود رہی ہو یہ والا چوہا نکالنے کے لیے۔''

"میری بات غور سے سنو مہرزاد خان......" گڈی نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "خان اکبر تمہارا رشتہ لپک کر قبول کرے گا، اسے اور کیا چاہیے۔" اس نے شانے اچکاتے ہوئے کہا۔ "وہ جانتا ہے تمہارا مستقبل روشن ہے، تمہاری کامیابیوں کو فوری طور پر کہیں سے بھی کوئی خطرہ نہیں ستانے والا، وہ ایک لحظہ بھی نہیں لگائے گا اور اپنی ولایت پلٹ، بلی آنکھوں والی چڑیل بیٹی کے لیے تمہارا رشتہ قبول کرلے گا۔"

"اسے اپنے منہ سے چڑیل کہہ رہی ہو اور رشتہ بھی ڈلوانا چاہتی ہو۔" مہرزاد نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"سن تو لو پوری بات......" گڈی نے اس کا بازو دبایا۔ "اصل کہانی تو اس سے آگے شروع ہوگی۔"

"اچھا......" مہرزاد ہنسا۔ "یہ فیک اسٹارٹ تھا کہانی کا۔"

"ہاں بالکل!" وہ سر ہلاتے ہوئے بولی۔ "اگر میرے بھائی اور اپنے باپ کے بیٹے ہو تو اس شادی کی اگلی ہی رات اس لڑکی سے نکاح کرلینا جس کے چوبارے کی طرف جانے سے اماں جان تمہیں روک رہی ہیں۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" مہرزاد کو عجیب سا شاک لگا۔

"ہاں۔" وہ خلا میں دیکھتے ہوئے بولی۔ "اگر تمہاری بہن اویس خان کا ہر دوسرے ہفتے ایک نیا تعلق اور سال بھر میں دو تین نکاح برداشت کرسکتی ہے تو اویس خان کی بہن کے لیے بھی یہ کوئی اچنبھے والا تجربہ نہیں ہونا چاہیے۔"

"نان سینس......" مہرزاد نے جھلّا کر اس کو دیکھا۔

"تم تے اس چوبارے والی حسینہ سے نکاح تو کرنا ہی ہے ناں مہرزاد۔" گڈی نے عجیب سی نظروں سے اسے دیکھا۔ "یونہی تو تم اس کے پیچھے اپنا نام اور شہرت لُٹا دینے کو تیار نہیں ہوگئے تھے......" وہ ایک بار پھر عیارانہ انداز میں مسکرائی۔ "اور یہ بھی نہیں ہوسکتا کہ تم اماں جان کی بات کو ریجیکٹ کردو، بس پھر جو میں کہہ رہی ہوں ویسے ہی کرنا، بڑی اچھی گیم شروع ہوگی خان اکبر کے خاندان کے ساتھ جیسا انہوں نے مجھے اب تک رُلایا اور کلسایا ہے، جیسے خان اویس میرے کلیجے میں ہر دوسرے مہینے نئی چنگی بھرتا ہے ویسا ہی سلوک تم اس کی بہن کے ساتھ کروگے تو میرے کلیجے میں ٹھنڈ پڑ جائے گی پھر تم اپنی معشوقہ کے ساتھ من چاہی زندگی گزارتے رہنا، اس ملک کے سیاسی منظر نامے پر اس کو تو سیاستداں ہی مانا نہیں جاتا، جس کے ساتھ دس اسکینڈل نہ ہوں، تمہیں اس تجربے سے کوئی فرق نہیں پڑنے والا۔"

"آہ میرے خدا......" مہرزاد نے اس کی بات سن کر سر صوفے کی پشت سے ٹکالیا۔ "میں سیاست کے میدان میں نئی روایت شروع کرنے کا اعلان کرتا پھرتا ہوں، یہاں مجھے فیملی کے فرنٹ پر انہی فرسودہ داؤ پیچ میں الجھایا جارہا ہے جن کا تصور کرکے ہی مجھے الٹی آتی ہے۔" اس نے نیلوفر کی طرف دیکھا...... یہ اس کی وہ بہن تھی جو سال میں دس بار سیر اور شاپنگ کی غرض سے اپنے من چاہے روٹ کا ٹرپ بنا کر کبھی یورپ، امریکا اور کبھی مڈل ایسٹ کے چکر لگاتی تھی۔ جس کی اپنی بے راہ روی اور غیر مردوں سے دوستیوں کے چکر اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھ اور سن رکھے تھے، چاہے یہ بے راہ روی اس نے اویس خان کی عیاشیوں کے ردِعمل کے طور پر اپنائی تھی مگر حقیقت یہ ہی تھی کہ اس کے مزاج اور حرکتوں کے آگے اب اویس خان کا کوئی بس نہیں چلتا تھا، دونوں نے اپنے اپنے طرزِ زندگی سے کمپرومائز کر رکھا تھا۔ اس کی یہ ہی بہن، اپنے جیسی ہی اپنی کسی نند کے لیے اسے مشورہ دینے آئی تھی کہ اسے اپنے نکاح میں لے کر اس لڑکی کو بھی اسی جہنم میں دھکیل دے جس کی آگ میں تپ کر وہ خود کندن بنی اس کے سامنے بیٹھی تھی۔

"کتنا اور کہاں تک فرار حاصل کروگے مہرزاد خان، یہ زندگی تمہارے اعصاب کا امتحان بنتی چلی جائے گی تم کس، کس محاذ پر اگلی صفوں میں جا کر لڑوگے۔" اس نے خود سے سوال کیا۔

"وہاں تک اور تب تک، جہاں تک اعصاب ساتھ دیں گے۔" اگلے لمحے ہی اس نے فیصلہ کیا۔

"تم واپس چلی جاؤ گڈی اور مجھے میرے فیصلے خود کرنے دو۔" اگلے لمحے وہ اپنی بہن سے کہہ رہا تھا۔ "اس خاندان کے مردوں نے جس سے میرا اور تمہارا تعلق ہے، کبھی عورتوں سے بھی ڈکٹیشن لی ہے...... جو تم اور اماں جان مجھے ڈکٹیٹ کرانے پر تل گئی ہو کہ مجھے کیا کرنا ہے۔" ایسا کہتے ہوئے اسے خود محسوس ہورہا تھا کہ اس کے لہجے میں وہ نہیں اس کے خاندان کا ایک روایتی مرد بول رہا تھا جو من مانی کرنے کا عادی اور عورت کے احترام کو اپنی توہین سمجھتا تھا۔

☆☆☆

"تم نے ہمت کا مظاہرہ کیا جو یہاں تک پہنچ گئیں اور اس سے بھی زیادہ بہادری یہ دکھائی جو میری ممی کو فیس کرلیا۔" نادر بیان نہیں کرسکتا تھا کہ زوئی کو یوں اپنے گھر میں موجود دیکھ کر اس کی کوفت، بیزاری، تھکن اور بھوک کا احساس کیسے ہَوا ہوگیا تھا، وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ دن بھر جس کا فون بند مل رہا تھا وہ یوں من چاہی بہو بنی اس کے گھر میں بیٹھی ہوگی۔

"مجھے تمہیں تلاش کرنے کے لیے یہاں آنا پڑا نادر۔" زوئی کا رویہ معذرت خواہانہ تھا۔ "حالانکہ مجھے پتا تھا کہ نکاح والی بات تم نے اپنے گھر والوں سے چھپا رکھی تھی لیکن پاکستان پہنچ کر تمہاری کوئی خبر نہ ملنے پر میں جتنی پریشان تھی، اس کی وجہ سے مجھے یہاں آنا پڑا، مجھے خوف آرہا تھا کہیں میری وجہ سے تم کسی بہت بڑی مصیبت میں نہ پھنس گئے ہو۔"

"جو بھی ہوا شاید اچھا ہوا۔" نادر کے کندھوں سے زوئی کی وجہ سے ماں کی ناراضی کا بوجھ اترا تو اسے لگا اس کا ذہن ہلکا ہوگیا ہو۔ "میں تمہیں اپنے گھر میں خوش آمدید کہتا ہوں۔"

"نہیں نادر۔" زوئی نے سر ہلایا۔ "تم اتنی اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ مت کرو، تم میری وجہ سے بہت مصیبت جھیل چکے ہو، میں یہاں تمہیں اس مصیبت سے نکالنے کے لیے آئی ہوں، تمہیں اس مسئلے سے نکالنے کے بعد اگر ان لوگوں نے سمجھا کہ میرا اس سارے معاملے میں کوئی قصور نہیں تو میں واپس چلی جاؤں گی، تم اپنی اور اپنی امی اور بہنوں کی خوشی سے اپنی شادی کرلینا۔ مجھے کوئی حق نہیں پہنچتا اپنی خوشی کے لیے تمہاری زندگی مشکل بنادوں۔"

نادر نے حیرت سے اس کوتاہ قامت، سفید رنگت، چپٹی ناک اور چھوٹی چھوٹی آنکھوں والی لڑکی کو دیکھا جس کے چہرے پر آزردگی تھی اور سنجیدگی بھی...... اس کے بولے لفظوں میں سچائی تھی اور خلوص تھا۔

"کیا یہ مخلص اور صاف گو لڑکی ان ہزاروں لڑکیوں سے بہتر نہیں ہوگی جو میری بہنیں میرے لیے دیکھیں گی اور جن کو کسی نہ کسی وجہ سے مسترد کردیں گی۔" اس نے سوچا۔ "اور کون جانے کہ جس کو بھی وہ میرے لیے بالآخر منتخب کرلیں...... وہ میرے لیے کیسی ثابت ہو، اس میں ایسی سچائی اور اتنا خلوص ہو بھی یا نہیں۔"

"میں بہت شرمندہ ہوں زوئی، میں تم سے تلخ کلام ہوا......" اس نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا۔ "دراصل میں اس اچانک پڑ جانے والی افتاد پر اتنا حواس باختہ تھا کہ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ مجھے کیا کرنا چاہیے۔" اس نے سر ہلایا۔

"میں سمجھتی ہوں......" زوئی نے سر جھکا کر کہا۔

"شاید تم نہیں جانتیں کہ اس ملک کی روایت ہی کچھ ایسی ہے، جس کا نام ایک بار مشتبہ افراد کی فہرست میں آجاتا ہے، اس کی نسلوں کو بھی معاف نہیں کیا جاتا......" نادر بے بسی سے بولا۔ "پچھلے کچھ عرصے سے جو ذہنی اذیت وہ مجھ [illegible] ہیں میرے جیسے عام اور انجان انسان کے حواس ختم کرنے کو اتنی ہی کافی ہے، میں حیران ہوتا

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہوں جس کو وہ واقعی مجرم سمجھتے ہوں گے اس کا کیا حشر کرتے ہوں گے۔"

"اس معاملے میں تم اپنے ملک کی روایتوں کو مت کوسو نادر، دنیا میں ہر جگہ یہی ہو رہا ہے۔" زوئی نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "یہ جو اتنے بڑے، بڑے مہذب ملک ہیں ناں وہاں بھی جرائم اور مجرموں کی شرح اسی طرح ہے، وہاں بھی اپنے نشانے کو اذیتیں پہنچانے کے ایسے ہی بھیانک طریقے رائج ہیں۔ اپنا مہذب چہرہ انہوں نے دنیا کو دِکھانے کے لیے رکھا ہوا ہے، اس مہذب چہرے کے پیچھے کیسے مکروہ عزائم اور مکروہ اصول رائج ہیں تم ان سے بھی انجان ہو...... ابھی جو حالیہ اذیتوں کی خبریں پریس میں آرہی ہیں ان کو نہیں پڑھتے تم؟ انسانوں کو جانوروں کی طرح پنجروں میں قید رکھنے کی خبریں، ان کے ساتھ شرمناک سلوک کرنے کی خبریں......" اس نے نادر کی طرف دیکھا۔ "تو یہ ابھی ایک چھوٹا اور ترقی پزیر ملک ہے، اسے کیوں کوستے ہو۔"

"یہ لڑکی کتنی خوش گمان ہے، یہ کسی سے بدظن نہیں ہوتی، ہر برائی کا محرک بھی منطقی قرار دے دیتی ہے۔" نادر کتنے ہی دن بعد مسکرایا تھا۔ "اور میں جو اسے اپنے سامنے پا کر ایک ساتھی، ایک رفیق کے موجود ہونے کے احساس سے دوچار ہوا ہوں، یہ اعتراف کیوں نہ کرلوں کہ مجھے اس سے کیسی انسیت محسوس ہو رہی ہے، جیسے یہ بنی ہی صرف میرے لیے ہے۔"

"ہا...... ہائے......" وہ دونوں ایک دوسرے کو غور سے دیکھنے میں مگن تھے جب نادر کی امی نے ان دونوں کی محویت کو توڑتے ہوئے بلند الفاظ میں کہا۔ دونوں نے چونک کر امی کو دیکھا جو نیند بھری آنکھوں اور منتشر بالوں کے ساتھ سامنے کھڑی تھیں۔

"کب سے سن رہی ہوں دونوں باتیں کیے جارہے ہیں، باتیں ہی نہیں ختم ہو رہیں، صبح کا بھوکا پیاسا گیا اتنی دیر سے گھر واپس آیا ہے، کیسی بیوی ہو تم، نہ اسے کھانے کا پوچھا نہ پینے کا......" انہوں نے نیند بھری آنکھوں کو انگلیوں سے مسلتے ہوئے زوئی سے کہا۔

"فریج میں سالن پڑا ہے ناں...... آٹا بھی ہے، سالن گرم کرکے روٹیاں ڈال دے اس شیدائی کو......" انہوں نے ہدایت جاری کی اور پھر نادر کی طرف دیکھا۔ "میں نے سارا دن خوب سوال کرلیے اس سے، مجھے پکا پتا چل گیا ہے اصلی مسلمان ہے۔" انہوں نے فخر سے اپنا کارنامہ بیان کیا۔ "اتنی سورتیں اور چھ کے چھ کلمے تو تیری بہنوں کو بھی نہیں آتے جو منہ بنا، بنا کر کہتی تھیں مینڈک اور چھپکلیاں کھانے والی سے نکاح کرلیا نادر نے۔" انہوں نے ہاتھ ہلاتے ہوئے کہا۔ "بس اپنی تسلی کرلی ہے میں نے، اسی لیے کچن کا چارج اسے دے دیا ہے، ان پاکستانی لڑکیوں سے اچھی ہی رہے گی جو سارا دن کان کو فون لگا کر سوہروں (سسرال والوں) کی باتیں پیکے (میکے والوں) کو سناتی اور اِدھر اُدھر لڑائیاں ڈلواتی رہتی ہیں، نہ خود چین سے رہتی ہیں نہ اپنے خصم (شوہر) کو چین سے رہنے دیتی ہیں۔" انہوں نے شانے پر لٹکتا دوپٹا منہ میں ٹھونس کر ہنسنا شروع کردیا۔ نادر کے پورے وجود میں خوشی سے سرشاری کی ایک بھرپور لہر دوڑ گئی۔ اس لمحے بہت دنوں پیچھے اسے محسوس ہوا اسے نہ کوئی غم تھا نہ فکر تھی۔

☆☆☆

"ثمرین کو کیا ہوا، وہ اتنے غصے میں کیوں تھی؟" بینش نے دانیال سے سوال کیا۔

"تم یہ بتاؤ کہ تم نے وہ ہینڈ آؤٹس سنبھال لیے ناں...... کسی کو دیے تو نہیں؟" جواب میں دانیال نے اس سے سوال کیا۔

"ثمرین کو کیا ہوا، یہ تو بتائیں؟" بینش نے اپنا سوال دُہرایا۔

"اُفوہ...... بینش کیا ہمارے پاس اتنا فالتو ٹائم ہوتا ہے کہ ہم ایسی فضول باتوں کے بارے میں سوال

جواب کریں۔" دانیال نے کہا۔

بینش شرمندہ سی ہوگئی۔

"کم آن بینش......" دانیال کو اپنے لہجے کی سختی کا احساس ہونے لگا۔ "اچھا پتا ہے کیا؟" بینش کے چہرے پر چھائی شرمندگی دیکھ کر اس نے کہا۔ "ثمرین مجھے بیویوں کے سے استحقاق کے ساتھ بتانا چاہ رہی تھی کہ میری ترجیحات کیا ہونی چاہئیں، اسی بات پر ہمارا جھگڑا ہوگیا اور وہ ناراض ہو کر چلی گئی۔"

"بیویوں کے سے استحقاق کے ساتھ......؟" بینش کی آنکھیں پھیلیں۔

"ہاں......" دانیال نے سر جھکا کر کہا اور پھر سر اٹھا کر مسکرادیا۔ "کم از کم مجھے تو ایسے ہی محسوس ہوا کیونکہ دوست کسی پر اپنی مرضی ٹھونسنے کی کوشش نہیں کرتے، وہ صرف معاملات کو ڈسکس کرتے ہیں۔"

"ثمرین سے آپ کی دوستی ہے بھی تو بہت زیادہ۔" بینش نے اسے یاد دلانے کی کوشش کی۔

"ہاں......" دانیال نے سر ہلایا۔ "ہماری فیملیز کے ہمیشہ سے تعلقات بہت اچھے رہے ہیں، ثمرین نے اور میں نے بہت سی گروپ بینکنگز اور پروجیکٹس پر اکٹھے کام کیا ہے، لیول آف انڈر اسٹینڈنگ خاصا بلند ہے لیکن اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ ہم ایک دوسرے کو ڈائریکشن اور ڈیکٹیشن دینے لگ جائیں۔"

"ہوسکتا ہے وہ ایسا سمجھتی ہو کہ آپ کوئی غلطی کررہے ہیں، اسی لیے آپ کو ڈائریکشن دینا چاہتی ہو۔" بینش نے کہا۔

"جانتی ہو اس کے خیال میں، میں کیا غلطی کررہا ہوں۔" دانیال نے مسکرا کر کہا۔

"نہیں جانتی، بتائیں۔"

"چلو چھوڑو، رہنے دو۔" وہ مزید مسکرایا۔ "تم یہ بتاؤ تمہارے کولاجز کا کیا بنا؟"

"اُف نہ پوچھیں......" بینش نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "دماغ گھوم گیا۔"

"اچھا چلو میں اپنی آخری کلاس کے بعد اسٹوڈیو آؤں گا، وہاں بیٹھ کر تمہارے کولاجز پر کام کریں گے، فکر نہیں کرو، یوں ہوجائیں گے یوں۔" اس نے چٹکی بجاتے ہوئے کہا اور جانے کے لیے کھڑا ہوگیا۔

"ہینڈ آؤٹس کیوں نہیں دینے تھے؟" بینش نے پوچھا۔

"وہ بھی تب ہی بتاؤں گا، ابھی کلاس شروع ہونے والی ہے۔" وہ تیزی سے بولا اور ہاتھ ہلاتا ہوا چلا گیا۔

☆☆☆

"میں نے آپ سے کہا تھا ناں ماضی کے دفینوں کو دفن رہنے دیں، ان کو کھود کر کچھ چہرے شناخت کرنے کی کوشش مشکل میں ڈال دے گی آپ کو اور دیکھا میرا کہا سچ نکلا، آپ اس روز کے بعد سے غائب ہیں، نہ کوئی فون کال، نہ ٹیکسٹ میسج نہ ملاقات۔"

اس نے خصوصی نمبر سے آنے والا یہ میسج پڑھا اور سامنے دیکھنے لگا، اس کی آنکھوں کی پُتلیاں سامنے دیکھتے ہوئے سکڑ گئی تھیں اور چہرے پر گہری سوچ کا تاثر تھا اس شام وہ وزارت کا قلمدان سنبھالنے والا تھا اور اس کے بارے میں صبح کے اخبار اپنے فرنٹ پیجز پر خبریں سجائے ہوئے تھے، حلف اٹھانے کے بعد اسے ایک نامور نیوز چینل پر ٹاک شو میں شرکت کرنا تھی، اس کا میڈیا ایڈوائزری عملہ صبح سے دن بھر کی مصروفیت سے متعلق نوٹس بنانے اور پوائنٹس فارورڈ کرنے میں مشغول تھا۔

"کچھ کامیابیاں میٹریل ہوتی ہیں اور کچھ immaterial۔" اسے دو ہفتے پہلے اسی کمرے میں کھڑے ہو کر کہی اپنی بات یاد آئی۔ زندگی ہر نئے دن کے ساتھ اس کے سامنے اپنی ایک نئی حقیقت افشا کررہی تھی، جن میں

WWW.PAKSOCIETY.COM

سے اکثر متوقع تھیں اور چند ایک غیر متوقع بھی تھیں لیکن اپنے مزاج کو ہر غیر متوقع صورتِ حال کے مطابق ڈھال لینے کی جو صلاحیت وہ ایک بار خود میں ڈیولپ کر چکا تھا...... وہ ہر غیر متوقع صورتِ حال میں اس کے لیے ڈھال بن جاتی تھی لیکن وہ immaterial (غیر مادی) کامیابی جس کے حصول پر وہ خوشی سے سرشار تھا، ایک نامحسوس سی گرد کے پیچھے غائب ہوتی محسوس ہو رہی تھی۔

"آپ کے پورٹ فولیو سے متعلق ایک اہم پریس کانفرنس سے پہلے کے نوٹس سر پلیز ایک دفعہ ان پر نظر ڈال لیجیے......" یشل رئیس نے اس کے سامنے چند پرنٹڈ کاغذات پر مشتمل فائل رکھی...... "اور ایک نیوز چینل آپ کے ایک exclusive انٹرویو کے لیے پچھلے دو دن سے وقت مانگ رہا ہے، آپ نے اس پر کوئی رسپانس نہیں دیا۔"

"تمہارا کیا خیال ہے، یہ انٹرویو دینا ضروری ہے کیا......؟" اس نے فائل میں رکھے کاغذات پڑھتے ہوئے کہا، ان کاغذات میں نیوز کانفرنس کے متوقع سوالات کی فہرست لکھی تھی۔

"سر، وہ جو آپ کی شکل میں نیا خون سامنے لا رہے ہیں، ان کی ہدایت ہے کہ یہ انٹرویو دیا جائے، اس انٹرویو کی ڈیل دو ماہ پہلے ہی طے ہو چکی تھی۔" یشل نے متانت سے جواب دیا۔

"دو ماہ پہلے......" مہر زاد کی ہنسی میں تمسخر تھا...... "اور اگر الیکشن رزلٹ توقع کے خلاف ہوتا تو اس ڈیل کا کیا بنتا؟"

"سر ڈیل ہو جانے کا مطلب الیکشن میں کامیابی ہی تھی، آپ جانتے ہیں......" یشل نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"اگر ہر چیز پری پلینڈ (پہلے سے طے) ہے اور ہر وہ ڈراما جو ہر نئے دن عوام کی نظروں کے سامنے رچایا جاتا ہے وہ پری اسکرپٹڈ (پہلے سے لکھا جا چکا) ہے تو انسان کیوں، روبوٹس اور کٹھ پتلیاں کیوں نہیں خرید لی جاتیں ان پر ایکٹ (اداکاری) کرنے کے لیے......" مہر زاد نے ہاتھ میں پکڑی فائل میز پر پھینکتے ہوئے کہا۔ یشل نے مہر زاد خان کے اس عمل اور اس کے چہرے پر چھائی تلخی پر ایک نظر ڈالی۔

"آپ یہ بھی خوب جانتے ہیں سر کہ انسان ہی کو کٹھ پتلی بنا دیا جا چکا ہے اور یہ کٹھ پتلیاں ہی کٹھ پتلیوں کی ڈوریاں ہلا رہی ہیں، ہر چھوٹی کٹھ پتلی کے لیے ایک بڑی کٹھ پتلی، اس بڑی کٹھ پتلی کے لیے اس سے بڑی کٹھ پتلی اینڈ سو آن اینڈ سو فورتھ...... so on and so forth"

"تم جانتی ہو میرا مزاج یہ نہیں ہے۔" مہر زاد نے جھلا کر کہا۔ "میں نے الیکشن جیتا ہے نگران کے ڈیز انرز پر نہیں جیتا۔" اس نے دانت پیسے...... "تمہیں یاد ہوگا کہ میری ہر موو پر یہ...... (گالی) ایک نئی تشویش میں مبتلا ہو جاتے تھے کہ اب الیکشن ہاتھ سے نکلا کہ اب نکلا...... مجھے کتنی وارننگز ملتی رہیں، کتنی ہدایات کتنی ڈکٹیشنز مگر میں نے کسی ایک پر بھی عمل نہیں کیا اور......" اس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "نہ ہی اب کروں گا......" اس کا لہجہ فیصلہ کن ہوا۔ "لہٰذا، دو ماہ پہلے کی ڈیل کے تحت کوئی انٹرویو نہیں ہوگا، میں خود فیصلہ کروں گا کہ مجھے کب اور کہاں اور کسے انٹرویو دینا ہے۔" اس کی بات غور سے اور شاید حیرت کے ساتھ سنتی یشل نے بات ختم ہونے پر سینے میں دبی ہوئی سانس خارج کی۔

"I bet you are keeping your image at stake" (میں شرط لگا کر کہہ رہی ہوں کہ آپ اپنا امیج جوئے پر لگا رہے ہیں) اس نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"پروا نہیں" مہر زاد نے بے نیازی سے کہا۔ "میں نے پہلی پارٹی میٹنگ میں یہ بات واضح لفظوں میں کہہ دی تھی کہ میں بریفنگز نہیں سنوں گا۔"

"پھر بھی۔" یشل نے کہا۔ "میرا مشورہ ہے کہ آپ تھوڑا آہستہ چلیں۔"

"تم دیکھو گی میرا ہر قدم well calculated ہوگا۔" مہر زاد نے اسے یقین دلایا۔ "لیکن میں کبھی نہیں ناچوں گا کیونکہ مجھے رقص میں بھی اپنے قدم خود اٹھانے آتے ہیں۔"

"it will become a pressure game for you." یشل نے اسے ایک مرتبہ پھر تنبیہ کرنے کی کوشش کی۔

"دیکھتے ہیں مجھ میں پریشر برداشت کرنے کی کتنی سکت ہے، میں اپنی سکت خود بھی آزمانا چاہتا ہوں یا میں جیت جاؤں گا یا کھیل چھوڑ جاؤں گا...... دونوں میں سے جو بھی صورتِ حال ہوگی تم خود دیکھ لوگی......" مہر زاد خان ایک بار پھر یشل کی توقع پر پورا اتر رہا تھا۔ الیکشن سے پہلے اور الیکشن کے بعد والے مہر زاد خان کے بارے میں اس کی توقع ہمیشہ حالات و واقعات کے برعکس ہوتی تھی اور مہر زاد ہمیشہ اس کی توقع پر پورا اترا تھا۔ اسے خوشی محسوس ہونے لگی۔ "تیسری دنیا کے ایک سیاستداں کے سیاسی سفر" نامی وہ کتاب جس کو لکھنے کے لیے وہ ان دنوں نوٹس بنا رہی تھی میں آج کی رات اچھا اضافہ ہونے کی توقع تھی۔

"سر وہ پیج شکاگو میں رہنے والے پاکستانیوں کے ایک گروپ نے بنایا ہے، جس میں سے چند افراد کے نام یہ ہیں۔" مہر زاد کے پرسنل سیکرٹری نے ایک ٹیب مہر زاد کی نظروں کے سامنے رکھا۔ "اور یہ دیکھیں سر۔" اس نے ٹیب اسکرین کو سوائپ کیا۔ "اس ایشو پر بہت سے ٹوئیٹس بھی سامنے آئے ہیں۔"

"ہوں" مہر زاد کی آنکھوں کی پتلیاں ایک مرتبہ پھر سکڑیں...... "یہ شخص جس کا نام عاصم جہانگیر ہے، اس کے بارے میں انفارمیشن لو۔"

"وہ میں لے چکا ہوں سر۔ اس کا تعلق لاہور کی ایک اربن انڈسٹریلسٹ فیملی سے ہے اور یہ کسی کورس کے سلسلے میں امریکا میں مقیم ہے۔"

"اور یہ دوسرا نام طلحہ جمال الدین کا ہے، کیا یہ شخص پاکستانی ہے؟"

"سوفی صد سر، یہ لڑکا بنیادی طور پر پشتون ہے اور اس کا تعلق کوئٹہ سے ہے۔"

"ٹھیک ہے، فی الحال تم ان دونوں کو مارک کرو اور ان کے بارے میں معلوم کرنے کی کوشش کرو کہ یہ ایشو انہوں نے کیوں اور کیسے اٹھایا؟" مہر زاد نے کہا۔

"رائٹ سر......" سیکرٹری نے ٹیب مہر زاد سے واپس لیتے ہوئے کہا۔ "اور سر شیخ صاحب کافی دیر سے ملاقات کے انتظار میں بیٹھے ہیں......" جاتے جاتے وہ واپس مڑا۔

"اسے انتظار کرنے دو۔" مہر زاد نے بیزاری سے کہا۔ "تم رفیق کو آفس میں بھیجو، میں اُدھر ہی جا رہا ہوں۔" وہ اٹھتے ہوئے بولا۔

"سجاد بات سنو......" مہر زاد خان کے جانے کے بعد یشل نے اس کے سیکرٹری سے کہا۔ "یہ ٹیب مجھے دو ذرا، یہ کیا معاملہ ہے؟"

"کسی صورت بھی نہیں۔" سجاد نے ٹیب والا ہاتھ کمر کے پیچھے چھپاتے ہوئے کہا۔ "سختی سے منع ہے۔"

"احمق ہو تم۔" یشل نے کہا۔ "اگر مجھ سے اس معاملے کا پردہ ہوتا تو سردار صاحب میرے سامنے یہ معاملہ تمہیں کبھی نہ ڈسکس کرنے دیتے۔"

"وائز لیڈی......" سجاد نے کچھ سوچتے ہوئے سر ہلایا۔ اور ٹیب آن کر کے اس کے سامنے رکھا...... "اس پیج کی تفصیلات پڑھ لیں، سردار صاحب کو اس پر انفو چاہیے۔" وہ جھک کر اسے اسکرین دکھاتے ہوئے بولا۔ "کچھ سمجھ آ جائے تو مجھے بھی بتایئے گا، لیں میں چلا۔" وہ اپنا سر درد یشل کے حوالے کر کے کسی مشہور انگریزی گانے کی

WWW.PAKSOCIETY.COM

دھن پر سیٹی بجاتا کمرے سے باہر نکل گیا۔

''میرال صلاح الدین۔'' یشل نے اس پیج کا ٹائٹل پڑھا اور اس پر موجود ایک ہی تصویر کو مختلف پوسٹس کے ساتھ اپ لوڈ ہوتے دیکھا۔

''اوہ......'' اس پیج کی تفصیل پڑھنے اور ٹوئٹر پر اس کے متعلق کیے جانے والے ٹوئیٹس پر نظر ڈالنے کے بعد اس نے سر اٹھا کر سامنے دیکھا۔ ''یہ شخص ایک وقت میں کتنے معاملات ساتھ ساتھ نمٹا رہا ہوتا ہے۔'' اس نے سوچا اور پھر اس کی انگلیاں تیزی سے اسی ٹیب کی اسکرین پر حرکت کرنے لگیں، وہ اپنے لیے اس سوشل ویب سائٹ پر ایک نئی فیک آئی ڈی بنانے میں مصروف تھی۔

☆☆☆

''اس کا وہ اسپیشل نمبر بند ہے اور اس کی جانب سے کوئی جواب کسی بھی شکل میں نہیں آیا۔'' زرنگار اپنے کمرے میں بیڈ پر بیٹھی اَن گنت الجھنوں کا شکار تھی۔

''شاید وہ سیاست میں اپنی نئی صورتِ حال میں الجھا ہوا ہے اور اس کا مجھ سے رابطہ کرنا ناممکن ہے۔'' اس نے خود کو تسلی دیتے ہوئے سوچا۔

''لیکن اگر ایسا تھا تو وہ مجھے اطلاع دے سکتا تھا کہ کچھ عرصے تک رابطہ نہیں ہوگا۔'' ایک نئی سوچ نے سر اٹھایا۔

''یقیناً میرال صلاح الدین سے زرنگار تک کے سفر کی تفصیل نے اس کے قلب پر کسی نئی واردات کی شکل میں اثر کیا ہے، ورنہ وہ دل تو وہی تھا جس کو وہ میرا مفتوحہ قلعہ قرار دیتا تھا......'' اس نے اس نئی سوچ کے ردِعمل میں دل میں اٹھتی ٹیس کی شدت دبانے کے لیے اپنے ہونٹ دانتوں تلے دبائے۔

''وہ روزن جو میری تاریک ہوتی زندگی میں روشنی کی لکیر کا ذریعہ بنا کیا وہ صرف چند روزہ نظر کا دھوکا ثابت ہونے والا ہے، اس چار دیواری کے درمیان اپنی عزت اور آبرو کی بقا کے لیے سر پٹخ پٹخ کر جان پر کھیل جانا کیا اب کے سچ مچ میرا مقدر بننے والا ہے؟'' اس نے کمرے میں چاروں طرف نظر دوڑاتے ہوئے سوچا۔

''نہ جانے کب کس کے ہاتھوں ہوئی کوئی نیکی، کسی کے دل سے نکلی کوئی دعا، روٹی کا ٹکڑا بن کر میرے وجود کی زندہ لاش کو زمانے کے سانپوں کے پھن سے ہمیشہ بچاتی رہی، میں ہر اس وقت جب میں اپنی عزت کی بقا کے بارے میں بالکل ناامید ہو چکی تھی کسی نہ کسی غیبی امداد کے پہنچ جانے پر حیران رہ جاتی رہی......اور میرے دل کا یقین بڑھتا جاتا رہا کہ اللہ کو میری حفاظت منظور ہے مگر جب مجھے تقدیر امراؤ بیگم کے ہاں لے آئی، میرا یقین ڈول گیا۔ نہیں اب میرے بچاؤ کا کوئی راستہ ممکن نہیں، میں نے سوچا، یہ جگہ جہاں ہر شام نئے سرے سے منڈی سجتی اور بولیاں لگتی ہیں۔ یہاں میرا بچاؤ کیسے ممکن ہے، میں نے سوچا اور بس یہ ہی سوچ لیا کہ دعا کی یا نیکی کی تاثیر ایکسپائر ہو چکی اب مجھے باقی کی عمر اپنے مقدر کی پامالی پر رونا ہی ہے لیکن پھر آپ آ گئے۔'' اسے یاد آیا سردار مہرزاد خان کو اپنی داستان سناتے ہوئے اس نے کہا تھا۔ ''لیکن پھر آپ آ گئے۔'' اس کے الفاظ، آواز اور لہجے میں کتنا یقین تھا۔ وہ جو آ گیا تھا اب غائب ہو گیا ہے، امید، بیم میں تبدیل ہوئی جاتی ہے، یا اللہ تو رحم کر ہمیشہ کی طرح تو رحم کر۔'' وہ سوچ رہی تھی اور عین اسی گھر کی چھت تلے جہاں وہ بیٹھی یہ سب سوچ رہی تھی امراؤ بیگم کے پاس اقتدار کے ایوانوں سے ایک صاحبِ اقتدار شخصیت ملاقات کرنے کے لیے پہنچی تھی اور اس شخصیت کو سردار مہرزاد خان سے پرانے پوائنٹس برابر کرنا تھے۔

(جاری ہے)

میرا آشنا ہوا اجنبی

سکینہ فرخ

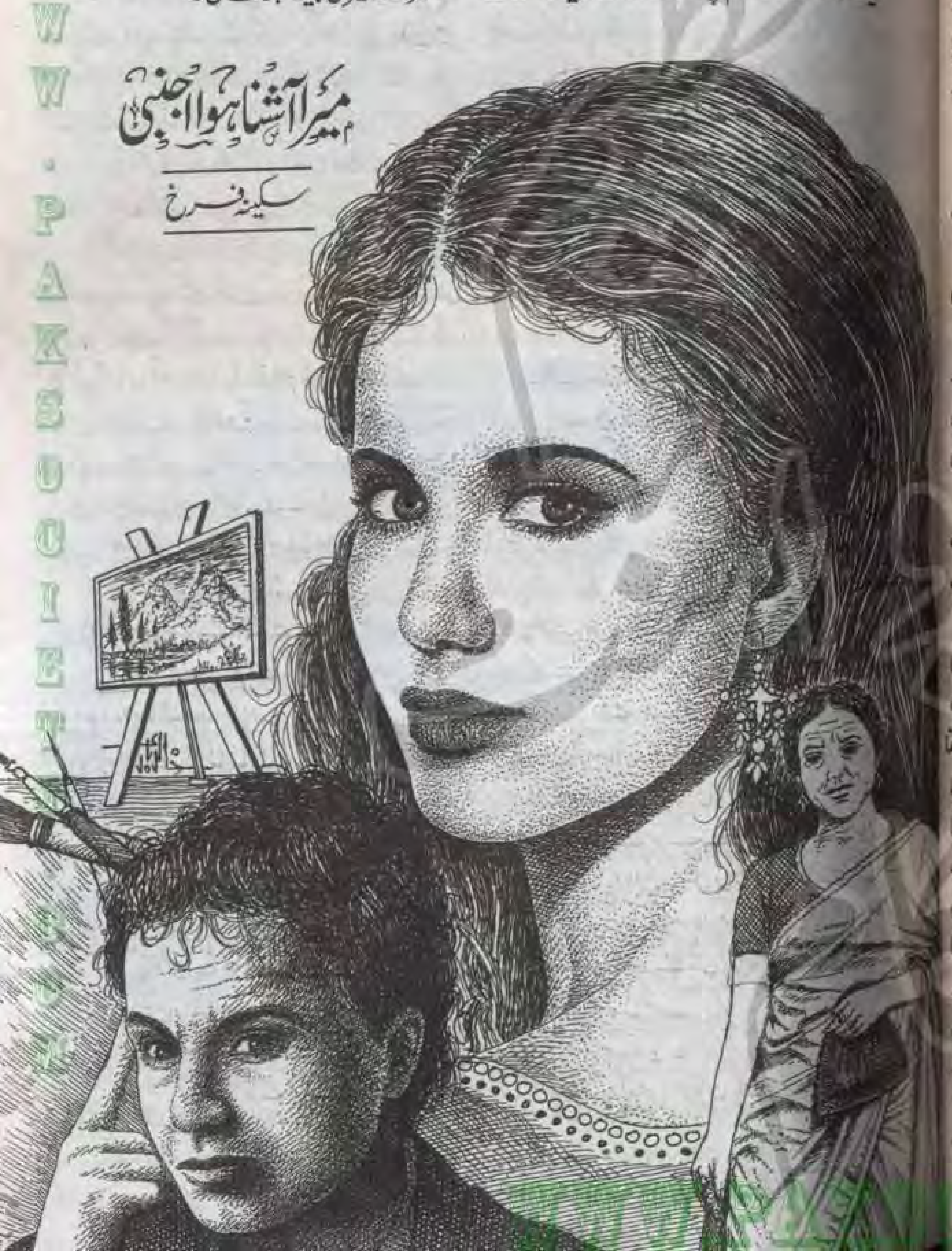

''کل رات گیارہ بجے کی فلائٹ سے ماما واپس آ رہی ہیں۔'' دلنشین نے صبح ناشتے کی میز پر مجھے مطلع کرتے ہوئے کہا اور چائے کا کپ میرے ہاتھ میں لرز گیا۔ ساتھ ہی گرما گرم چائے کا تازہ تازہ لیا ہوا گھونٹ حلق سے نیچے اترنے کے بجائے پوری رفتار سے باہر آ گیا۔ نتیجتاً مجھے زوردار کھانسی آ گئی۔

''کیا ہوا شہریار، پھندا لگ گیا ہے کیا؟'' وہ گھبرا کے میری پیٹھ سہلانے لگی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

"پھندا...... ہاں پھندا ہی تو لگا ہے مگر ابھی نہیں چار سال پہلے۔" جملے کا آخری حصہ میں نے زبان سے ادا کرنے کے بجائے فقط سوچنے پر ہی اکتفا کیا۔

"کتنی دفعہ کہا ہے آپ سے، آرام سے ناشتا کیا کیجیے۔ آپ ہمیشہ اٹھنے میں دیر کر دیتے ہیں اور پھر ناشتا اسی افراتفری میں کرتے ہیں۔" اس نے شاکی لہجے میں کہا۔

"یہ تو محض اتفاق تھا، تم پریشان مت ہو۔" میں نے جلدی سے نیپکن سے منہ پونچھا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

"آج جلدی آجائیے گا۔ زیمل کی سالگرہ کی شاپنگ کے لیے اکٹھے چلیں گے۔" اس نے لاڈ سے میرے نزدیک آ کر کہا۔ یہ تو صرف جلدی آنے کی فرمائش تھی وہ اگر اس پیار سے مجھے کسی عمارت کی بیسویں منزل سے نیچے کودنے کے لیے بھی کہہ دیتی تو میں ایک لمحے کے لیے بھی نہ سوچتا اور فوراً کود جاتا۔ وہ مجھے اسی قدر عزیز تھی۔ میں نے پیار سے اپنی دلربا، مہ جبیں، نازنیں یعنی دلنشین کی طرف دیکھا۔

"جو حکم سرکار کا...... کہو تو جاؤں ہی نہ۔" میں نے ریشہ خطمی ہونے کی کوشش کی۔

"جی نہیں، ایسی بھی کوئی ایمرجنسی نہیں ہے۔ آپ بصد شوق تشریف لے جائیں مگر واپس جلدی آئیے گا۔" اس نے مجھے اپنے نازک ہاتھوں سے باہر کی طرف دھکا دیتے ہوئے کہا۔

مجھ جیسے چھ فٹ کے اچھے بھلے ڈیل ڈول والے آدمی کے لیے اس کا دھکا بالکل ایسا تھا جیسے کسی نے پھولوں کی چھڑی سے ضرب لگائی ہو۔ میں نے ایک مزید پیار بھری نظر اپنی نازک اندام بیوی پر ڈالی۔

"کل ماما بھی تو آ رہی ہیں۔ اُن کے استقبال کی تیاریاں بھی تو کرنی ہوں گی۔ اس بار وہ پورے چھ ماہ بعد آ رہی ہیں۔ شاید ہمارے پاس زیادہ دنوں کے لیے رکیں۔" وہ اپنی دُھن میں بولے جا رہی تھی۔ اس کے اس جملے نے میرے اندر بجلیاں بھر دیں اور بیرونی دروازے تک کا سفر میں نے گویا ایک ہی جست میں طے کر لیا اور اس کے بعد آناً فاناً میں گاڑی کے اندر تھا۔

"یا خدا...... پھر سے ماما...... اُف وہ اس قدر جلدی کیوں واپس آ رہی ہیں؟" میری آنکھوں میں ان کا سراپا گھوم گیا۔ میری گاڑی لہرائی اور میں سامنے سے آنے والی گاڑی سے ٹکراتے ہوئے بال بال بچا۔ گاڑی والے نے مجھے کھا جانے والی نگاہوں سے دیکھا مگر میں مجبور تھا کہ اپنے ذہن کو "ماما" کے خیال میں الجھنے سے روکنے میں کامیاب نہیں ہو سکتا تھا۔ اسی طرح بھٹکتے ہوئے ذہن اور...... بے قابو ہوتی ہوئی گاڑی کے ساتھ کسی نہ کسی طرح میں آفس پہنچنے میں کامیاب ہو ہی گیا لیکن اس دن انتہائی ضروری کاموں کے ڈھیر لگے ہونے کے باوجود انہیں بھگتانے کے بجائے میں فقط 'ماما' کے عتاب سے بچنے کی تراکیب ہی سوچتا رہا۔ آخر جان کس کو پیاری نہیں ہوتی اور مجھے تو میری جان بہت عزیز تھی کیونکہ میں اپنی جان سے پیاری دلنشین کا اکلوتا شوہر اور زیمل کا پیارا پپا تھا۔ سوچنا میرا حق تھا بلکہ مجبوری تھی۔ اب یہ اور بات کہ جب آپ پریشان ہوں تو ساری سوچیں آپس میں الجھ کے بھک سے اُڑ جاتی ہیں اور باقی رہ جاتی ہے پریشانی۔ میری پریشانی یعنی مسز ریسانی......

☆☆☆

ہر انسان کی فطرت ہے کہ وہ اس چیز کے لیے سب سے زیادہ تڑپتا، مچلتا اور بے قرار ہوتا ہے جو اس کی دسترس سے باہر ہوتی ہے۔ کبھی یہی تڑپ اور بے قراری اس کے سینے کا ناسور بن جاتی ہے تو کبھی جینے کا سامان بھی۔

میں اتنا کامیاب مصور ہرگز نہیں ہو سکتا تھا اگر میری ماں زندہ ہوتی اور میرے ساتھ ہوتی۔ میں نے اپنی زندگی کی پہلی تصویر اس وقت بنائی جب میری عمر فقط چھ سال تھی اور یہ تصویر میری ماں کی تھی۔ یہ تصویر اس تڑپ کا نتیجہ تھی جو میں اپنی ماما سے جدائی کی وجہ سے محسوس کر رہا تھا۔

اس وقت ماں کو گزرے چند مہینے ہوئے تھے۔ یہ چند مہینے میری زندگی کے سب سے تلخ اور تکلیف دہ دنوں کا مجموعہ تھے۔ ماما کو دفن ہوتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا لیکن انہیں پاگلوں کی طرح ہر کمرے میں ڈھونڈتا، روتا اور چیختا رہتا تھا۔ اُن کی تصویروں کا البم سینے سے لگا کر روتا تھا تو کبھی اُن کے استعمال کی چیزوں کو سمیٹ کر بیٹھ جاتا۔ ڈیڈی بالآخر عاجز آ گئے انہوں نے ماما کی ساری چیزیں خدا جانے کہاں غائب کر دیں اور سارے البمز چھپا دیے۔

ڈیڈی وہ ہستی تھے جن سے کسی وقت بھی کسی چیز کی توقع کی جا سکتی تھی۔ ڈسپلن کے معاملے وہ چٹان کی طرح سخت تھے، فوجی جو ٹھہرے۔ میری آہ و فریاد بے اثر رہی، وہ البمز مجھے دوبارہ نہ ملنے تھے نہ ملے۔ میں ماما کو دیکھنے سے محروم ہو گیا اور میری وحشت بڑھتی چلی گئی پھر میں نے سادہ کاغذ پر پنسل سے ایک اسکیچ بنایا۔ یہ اسکیچ میرے حساب سے میری ماما کا تھا۔ چھ سال کا بچہ جس نے ابھی بنی ہوئی تصویر میں رنگ بھرنا سیکھا تھا جو ٹوٹی پھوٹی لکیریں ہی کھینچنا جانتا تھا اس کا بنایا ہوا اسکیچ ظاہر ہے کیسا رہا ہوگا۔ اس کا اندازہ بہ آسانی کیا جا سکتا ہے تاہم میرے دل کو وہ اسکیچ بنا کر قرار آ گیا۔ میں نے لگاتار کئی اور اسکیچ بنائے۔ دوسروں کے لیے وہ اسکیچز بے شک نہ سمجھنے والی لکیریں ہوں گی مگر میرے لیے وہ ماں تھی۔ وہ ماں جو کہیں کھو گئی تھی۔

میں اسکیچز بناتا، انہیں چومتا، ان سے باتیں کرتا، ان میں اپنی مرضی کے رنگ بھرتا۔ میرے لیے گویا زندہ رہنے کا ایک سبب پیدا ہو گیا تھا۔ میں رونا دھونا چھوڑ کر خوش رہنے لگا تھا۔ ہر روز اسکول سے واپس پر پہلے کی طرح اچھلتا کودتا، خوش خوش اسکول سے گھر آتا۔ مجھے لگتا جیسے ماما میری منتظر ہیں۔ گھر آنے کے بعد میں ہوتا اور میری تصویریں۔

ڈیڈی خوش تھے۔ ان کے خیال میں ان کی کامیاب ترکیب مجھے زندگی کی طرف لے آئی تھی اور پھر انہیں بھی زندگی کی طرف لوٹنے میں زیادہ وقت نہیں لگا۔ ان کا تبادلہ اوکاڑہ سے کوئٹہ ہو گیا تھا اور وہ مجھے نانی کے پاس لاہور چھوڑ کر خود کوئٹہ سدھارے پھر انہوں نے وہیں دوسری شادی بھی کر لی۔ اُن کا گھر دوبارہ آباد ہو گیا تھا لیکن اس نئے گھر میں میری کوئی گنجائش نہیں نکلتی تھی، نہ انہوں نے مجھے بلایا اور نہ ہی نانی نے مجھے اُن کے پاس بھیجا۔ میں خود نانی کے پاس زیادہ خوش تھا۔ یہاں عابد ماموں تھے، صالحہ ممانی تھیں، لائبہ تھی اور ارسلان تھا اور سب سے بڑھ کر یہاں ماما کی بے شمار تصویریں تھیں۔ بڑی بڑی تصویریں جو دیواروں پر لگی تھیں اور چھوٹی چھوٹی تصویریں جو البمز میں قید تھیں۔ نانی خود بھی ان تصویروں کو دیکھ کر روتی رہتی تھیں لیکن اس بار میں اُن تصویروں کو دیکھ کر رونے کے بجائے ماما کے خوب صورت نقوش آنکھوں کے راستے اپنے ذہن میں محفوظ کرتا رہا اور پھر صرف چند ہی سالوں کے بعد اس قابل ہو گیا کہ ان کا بہترین اسکیچ بنا سکوں جو ہو بہو ان جیسا ہو پھر اس کے بعد نہ میرے قدم رکے اور نہ میں نے مڑ کر دیکھا۔

NCA سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد میرے کام کی شہرت میرے حلقۂ احباب سے نکل کر باہر پھیلنا شروع ہو گئی تھی۔ میری بنائی ہوئی پینٹنگز نہ صرف پسند کی جاتی تھیں بلکہ ہاتھوں ہاتھ بک بھی جاتی تھیں۔ زندگی کا اتنا سفر میں نے بڑی کامیابی سے طے کر لیا تھا۔ اس سفر میں نانی تو میرے بچپن ہی میں ساتھ چھوڑ گئی تھیں البتہ ماموں اور اُن کے سارے خاندان نے مجھ سے محبت اور میرا خیال رکھنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

ڈیڈی سے تعلق پہلے بھی سرسری رہ گیا تھا پھر اب برائے نام ہی رہ گیا۔ ان کے مختلف شہروں میں تبادلے ہوتے رہے اور وہ ترقی کے زینے پر چڑھتے رہے بالآخر بریگیڈیر کے عہدے سے ریٹائرڈ ہو کر اسلام آباد میں مستقل رہائش پزیر ہو گئے۔ سنا تھا کہ ان کی دو بیٹیاں اور ایک بیٹا تھا۔ ڈیڈی کے خاندان سے میری پھر کبھی ملاقات نہ ہو سکی۔ پتا نہیں یہ ڈیڈی کا فیصلہ تھا یا اُن کی نئی بیگم کی خواہش بہر حال ان کی محبت، ان کے شاندار عہدے یا ان کے بہترین گھر سے حظ اٹھانا شاید میرے مقدر ہی میں نہیں تھا۔ میں کبھی وہاں گیا نہ انہوں نے مجھے بلایا۔ البتہ وہ خود شروع میں تو ہر سال مجھ سے ملنے آیا کرتے تھے بعد میں یہ سلسلہ موقوف ہوتا گیا۔ ٹیلی فون پر بات چیت بھی رفتہ رفتہ نہ ہونے کے برابر رہ گئی اور میں جو اُن کا سگا بیٹا تھا ان کے لیے اجنبی بن کے رہ گیا۔

میری ضرورتوں اور تعلیمی اخراجات کا بار عابد ماموں پر تھا جو انہوں نے نہایت خوش اسلوبی سے نبھایا اور اپنی اولاد میں اور مجھ میں کبھی کوئی فرق روا نہ رکھا۔ ماما ان کی اکلوتی چھوٹی بہن تھیں۔ ساجد ماموں سب سے چھوٹے تھے اور وہ انگلینڈ میں ہوتے تھے بس یہی کل ننھیال تھا میرا۔ لائبہ مجھ سے چار سال بڑی تھی اور ارسلان میرا ہم عمر تھا۔

صالحہ ممانی بہت اچھی خاتون تھیں انہوں نے اپنی ممتا مجھ پر نچھاور کرنے میں کبھی بخل سے کام نہیں لیا۔ میرے لیے وہ بالکل اسی طرح پریشان ہوتی تھیں جیسے اپنے بچوں کے لیے ہوا کرتی تھیں۔

لائبہ کی شادی کے بعد ارسلان کی منگنی اس کی پسند پر وہ اپنے بھائی کی بیٹی عنبرین سے کر چکی تھیں اور اب میرے پیچھے پڑی تھیں کہ میں اپنی پسند انہیں بتاؤں ورنہ وہ اپنی مرضی سے میری بھی بات کہیں نہ کہیں ٹھہرا دیں گی۔ اس معاملے میں، میں بالکل ٹھس تھا۔

بچپن کی محرومی میرے دل کے اندر کچھ اس طرح جم سی گئی تھی کہ بعد کی کامیابیاں بھی اس درد کو کم نہ کر سکی تھیں۔ مجھ پر اکثر قنوطیت کا دورہ پڑ جاتا۔ ایسے میں، میں کمرے میں بند ہو جاتا۔ کئی کئی دن باہر نہ نکلتا نہ کسی سے ملتا۔ اس دوران میں ہوتا اور میرے رنگ اور برش ہوتے اور ایسے، ایسے شاہکار تخلیق پاتے جو بعد میں تہلکہ مچا دیتے۔ میرے اندر کی آگ پھر بھی کم نہ ہوتی۔

میں عموماً چہرے پینٹ کرتا تھا۔ میرا موضوع چہرے اور انسان تھے۔ میں خوب صورتی کا دلدادہ تھا اور بڑی مہارت سے اسے کینوس پر منتقل کرتا تھا۔ میرے نزدیک دنیا کی سب سے بڑی خوب صورتی ماں تھی۔

میرے دوستوں کا خیال تھا کہ جتنی خوب صورت آنکھیں میں پینٹ کرتا ہوں اس کی مثال نہیں ملتی۔ بولتی ہوئی خوب صورت آنکھیں سب سے پہلے مجھ سے اپنا حالِ دل کہتی تھیں اور بعد میں میرے برش کے ذریعے دوسرے ان کو پڑھتے تھے۔ زندگی ایک ڈگر پر رواں دواں تھی۔

☆☆☆

چند سال بیتے اور پھر سب کچھ بدلا۔ ارسلان کی شادی، ماموں کا انتقال آگے پیچھے ہوا۔ ارسلان یو کے میں بسلسلۂ روزگار مقیم ہو چکا تھا اور مامی کو ساتھ لے جانا چاہتا تھا۔ لائبہ پہلے ہی اپنے شوہر کے ساتھ کینیڈا سدھار چکی تھی۔ گھر ایک دم ویران ہو گیا۔ مامی میری وجہ سے ہچکچا رہی تھیں۔ انہیں میری بہت فکر تھی مگر میں نہ تو اُن کے ساتھ جا سکتا تھا اور نہ ہی انہیں یہاں رکنے پر مجبور کر سکتا تھا۔ وہ میری ماں نہیں تھیں مگر اس میں کوئی شک نہیں کہ انہوں نے مجھے بہت پیار سے پالا تھا۔ یہ ان کا مجھ پر احسان تھا۔ ارسلان اور لائبہ میرے بھائی بہن کی طرح تھے۔ مجھے اُن کی خوشی کا احساس کرنا چاہیے تھا۔ سو مامی کو میں نے جلد شادی کر لینے کے وعدے کے ساتھ

ارسلان کے ہمراہ روانہ کر دیا۔ سب کے جانے کے بعد گھر کاٹ کھانے کو دوڑنے لگا تو میں بوکھلا گیا۔

زیادہ تر اپنے اسٹوڈیو میں گھسا تصویریں ہی بناتا رہتا۔ میری تصویروں کی تیسری بڑی نمائش نے بالآخر مجھے ملک گیر شہرت دلا دی۔ اس ملک گیر شہرت کی نہ مجھے طلب تھی اور نہ ضرورت...... میں تو اپنی ذات میں مگن ایک عام انسان تھا۔ راتوں رات ہی خاص بن گیا۔

شہرت کے ساتھ ساتھ دولت بھی بندھی چلی آئی۔ میں ٹی وی چینلز، اخبارات اور رسائل کی مہربانی سے مشہور و ہر دل عزیز ہو گیا کہ لوگ مجھ سے ملنے کے لیے بے قرار نظر آنے لگے۔ مجھے ہر طرف سے پزیرائی کے ساتھ ساتھ اچھی آفرز ملنا شروع ہو گئیں اور لڑکیاں...... جی ہاں لڑکیاں میرے گرد دیوانہ وار گھومنے لگیں۔ جیسا کہ میں نے پہلے بھی بتایا تھا کہ اس معاملے میں، میں بالکل ٹھس واقع ہوا تھا تو میرے لیے تو یہ الجھن کی بات بن گئی۔ میں اُن کے ہجوم سے جتنا زیادہ خائف ہوتا جتنا تو لفٹ کا بورڈ منہ پر لٹکاتا میری مارکیٹ ویلیو اسی قدر بڑھتی چلی گئی۔ وہ اسے میرا اسٹائل سمجھیں اور مجھ پر پہلے سے زیادہ زور شور سے فدا ہونے لگیں اور میں ان کی بڑھتی ہوئی مہربانیوں سے خوف زدہ ہوتا چلا گیا۔

میں اب ایک سیلیبریٹی تھا۔ آج کے دور کا نوجوان، ہینڈسم اور دولت مند مصور جس کی پینٹنگز پر لوگ مرتے تھے۔

☆☆☆

ٹیلی ویژن پر میری پینٹنگز کی نمائش کی کوریج دیکھ کر یا شاید اخبارات میں پڑھ کر ڈیڈی کو بھی اپنے بھولے بسرے بیٹے کا خیال آ ہی گیا۔

ان کا فون آیا...... میری ان سے تقریباً چار سالوں کے بعد بات ہو رہی تھی مگر ان کے انداز سے کہیں نہیں لگ رہا تھا کہ ہمارے درمیان کوئی دوری بھی ہے۔ وہ بڑے نارمل انداز میں بات چیت کر رہے تھے۔

میری کامیابیوں پر مبارک باد کے ساتھ ساتھ انہوں نے اپنی دوسرے نمبر والی بیٹی کی شادی کا دعوت نامہ بھی زبانی دے ڈالا۔ اس سے بڑی بیٹی کی شادی وہ دو سال پہلے ہی کر چکے تھے جس میں مجھے بلانا تو درکنار اطلاع دینا بھی ضروری نہیں سمجھا گیا تھا۔

یہ شادی اگلے ہفتے متوقع تھی اور اسلام آباد ہی میں کسی فائیو اسٹار ہوٹل میں ہو رہی تھی۔ وہ مجھے بڑے اصرار سے بلا رہے تھے مگر میں نے انہیں واضح انکار یا اقرار کے بغیر بات ختم کر دی۔

عمرِ عزیز کے اٹھائیس برس گزارنے کے بعد اتنی ڈپلومیسی تو مجھے آ ہی گئی تھی۔ ڈیڈی کے لیے میں اپنے دل میں اب کچھ بھی محسوس نہیں کرتا تھا لیکن ان کے اور میرے درمیان جو چیز مجھے سب سے زیادہ معتبر لگتی تھی وہ میری ماں کا حوالہ تھا سو میں نے اُن سے انتہائی ادب و احترام اور خوش خلقی سے بات کی اور ریسیور رکھنے کے بعد سب کچھ بھول گیا۔ دن میں میرے پاس میرے مداحوں کے تقریباً تیس چالیس فون تو آتے ہی تھے۔ کچھ میں اٹینڈ کر لیتا تھا کچھ نہیں کر پاتا تھا۔ جو اٹینڈ کر لیتا تھا ان کالز پر مجھے کوئی اپنے گھر بلاتا، کوئی ملنا چاہتا تھا لیکن ظاہر ہے کہ ہر ایک سے ملنا یا اس کے گھر جانا مجھ جیسے مصروف بندے کے بس کی بات تو نہیں تھی ناں۔

☆☆☆

تیسری ایگزیبیشن کے ایک سال بعد میری تصاویر کی چوتھی ایگزیبیشن بالکل اسی دھوم دھام سے ہوئی جیسے کسی مشہور مصور کی ہونی چاہیے تھی۔ ملکی اور غیر ملکی مشہور شخصیات اس تقریب میں جلوہ افروز تھیں۔ اخبارات، رسائل اور ٹی وی کے نمائندے کوریج کر رہے تھے اور سب کے سب مجھ سے انٹرویو کے خواہاں تھے۔ بے شمار انٹرویوز دے دے کر میں

WWW.PAKSOCIETY.COM

بالکل تھک گیا تھا۔ رات تک ہر تصویر پر سولڈ کا ٹیگ لگ چکا تھا۔

آرٹ اور آرٹسٹ کے نام کے قلابے ملائے جارہے تھے۔ لوگوں کا ایک جمِ غفیر تھا جو ختم ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا لیکن اس ہجوم میں، میں بالکل تنہا تھا۔ کوئی اپنا میرے پاس نہ تھا۔ سوائے چند دوستوں کے جو میرے ساتھ اس خوشی کو سیلیبریٹ کررہے تھے۔

اپنے اندر کی تنہائی سے خوف زدہ ہوکر میں لوگوں کی نگاہوں سے بچتا بچاتا نسبتاً ایک تاریک گوشے میں ستانے کھڑا ہوگیا۔ میں خود کو اس مجمع میں جو صرف میرے لیے، میری وجہ سے اکٹھا ہوا تھا بالکل اکیلا محسوس کرنے لگا۔ میرا دل چاہ رہا تھا کہ سب کچھ چھوڑ کر یہاں سے بھاگ جاؤں۔ گھر جاکر خوب روؤں۔ شاید مجھ پر ڈپریشن کا حملہ ہورہا تھا۔ شاعر ہو، چاہے ادیب، مصور ہو یا کوئی فنکار اس ڈپریشن کے بغیر ادھورا ہوتا ہے۔ یہی تو وہ بنیادی وجہ ہے جس کی وجہ سے ہنر میں نکھار آتا ہے۔ اگر میں اس وقت اپنے گھر میں ہوتا تو شاید کسی شاہکار کی تخلیق میں جُت جاتا مگر ابھی میں بے بس تھا۔

اچانک میری نگاہ سامنے پڑی اور میں ٹھٹک کر رہ گیا۔ جیسا میں نے پہلے بھی بتایا کہ میں خوب صورتی کا دلدادہ ہوں تو سامنے آنے والی ہستی کچھ ایسی ہی خصوصیات کی حامل تھی۔

سروقد، نازک بدن اور انتہائی خوب صورت چہرہ جس پر آنکھیں نمایاں تھیں۔ وہ میری طرف ہی دیکھ رہی تھی اور میری نگاہ جو اس پر پڑی تو پھر لوٹ کر واپس نہیں آسکی۔ اس وقت میں یہ نہیں جانتا تھا کہ یہ لمحہ میری زندگی بدلنے والا ہے۔ سب کچھ تبدیل ہونے والا ہے۔

☆☆☆

مجھے میری منزل کا نشان مل چکا تھا۔ دوست ایسے ہی موقع... پر کام آتے ہیں۔ دونوں کے اندر اندر اس نازنین کی ساری معلومات میرے سامنے موجود تھیں۔ وہ اپنے والدین کی اکلوتی بیٹی تھی اور اس کے چھ عدد گبرو جوان بھائی موجود تھے جو سارے کے سارے اس سے عمر میں بڑے تھے۔ اس کے والد کروڑ پتی ہی نہیں بلکہ ارب پتی تاجر تھے۔

یہ سن کر میری امیدوں پر اوس سی پڑ گئی۔ کہاں وہ اور کہاں میں لیکن میرے دوستوں نے ہمت نہ ہاری۔

عجیب بات تھی میرا پروپوزل ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔ آگے کے مراحل بھی بڑی آسانی سے طے ہوتے چلے گئے اور فقط چند ماہ کے اندر، اندر وہ میری دلہن بن کر میرے چھوٹے سے گھر میں اجالے بکھیرنے آچکی تھی۔

دولت کی فروانی اور محبت کی کثرت نے اسے بگاڑنے کی جگہ بنا دیا تھا۔ اسے دیکھ کر سن ساٹھ کی پتی ورتا بیویوں کا گمان ہوتا تھا۔ وہ مجھ پر ایسے ہی مرتی مٹتی رہتی تھی۔ اس نے مجھے کبھی احساس نہیں ہونے دیا کہ وہ کوئی بہت اعلیٰ وارفع ہستی ہے گو میرے پاس بھی عزت و دولت اور شہرت کی کمی نہ تھی۔ ممانی نے اپنا ہزار گز کا خوب صورت بنگلا بھی میرے نام کردیا تھا لیکن میری اوقات اور میرا گھر اس کے سامنے معمولی حیثیت رکھتا تھا۔ فرید رئیسانی یعنی میرے سسر محترم کی جیب میں مجھ ایسے کئی پڑے رہتے تھے لیکن میں اب ان کی اکلوتی بیٹی کا شوہر تھا سو وہ مجھ سے محبت کرنے پر مجبور تھے لیکن جیسے دھوپ چھاؤں، اندھیرا، اجالا اور خوشی، غمی ساتھ ساتھ چلتے ہیں تو بھلا یہ کیونکر ممکن تھا کہ ہر چیز اچھی، اچھی ہی ہوتی چلی جائے اور کہیں کسی قسم کا کوئی مسئلہ نہ ہو۔ سب کچھ ٹھیک ہونے کے باوجود ایک گڑبڑ یہاں موجود تھی۔ میں حیران تھا اور میری حیرانی جلد ہی پریشانی میں تبدیل ہوگئی۔ جب میں نے انہیں پہلی بار دیکھا تو مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا۔

"یہ دلنشین کی ماما ہیں؟ ایسا کیسے ہوسکتا ہے؟"

دلنشین کی خوب صورتی تو میں بیان کرہی چکا ہوں۔ اس کے سارے بھائی بھی اچھی صورتوں اور ڈیل ڈول والے نوجوان تھے۔ خود فرید رئیسانی انتہائی وجیہہ انسان تھے جو اس بڑھاپے میں بھی بڑے، جاذبِ نظر تھے مگر مسز رئیسانی...... ! شکل صورت تو رب کی بنائی ہوئی ہوتی ہے اس میں عیب ڈھونڈنا گناہ ہے لیکن بعض اوقات انسان شاکڈ بھی تو رہ جاتا ہے۔ چھوٹا قد، انتہائی موٹا اور بھدا جسم، گہری سانولی رنگت۔ اس سے زیادہ مجھ سے دیکھا نہ گیا۔ میں اُن سے نگاہیں چرا چرا کر گفتگو کرتا۔ وہ اسے میرا احترام سمجھتیں اور دورانِ گفتگو میری حسن پرست طبیعت پر کیا گزرتی وہ میں ہی جانتا تھا۔

مسز رئیسانی کے پیروں میں چکر تھے۔ اُن کے دو بیٹے امریکا میں تھے۔ ایک دبئی اور ایک شارجہ میں مقیم تھا۔ باقی دو چھوٹے بیٹے پاکستان میں تھے۔ فرید صاحب کا بزنس چونکہ بیرون ملک بھی پھیلا ہوا تھا اس لیے انہوں نے اپنے بیٹوں کو باہر بھیجا ہوا تھا۔ چار بیٹے شادی شدہ تھے اب مسز رئیسانی سارا سال پوری دنیا گھومتی رہتیں۔ کبھی کسی بیٹے کے پاس تو کبھی کسی کے پاس۔ اتفاق سے اُن کے اپنے چار عدد بھائی بھی مختلف ملکوں میں مقیم تھے ایک آدھ چکر وہاں کا بھی لگ جاتا۔ بقول دلنشین...... ماما ایک جگہ ٹک کر بیٹھ ہی نہیں سکتیں۔ میرا خیال تھا ان کے یہ دورے کم از کم فرید صاحب کے حق میں کافی بہتر تھے۔

میں حیران تھا کہ فرید صاحب کی شادی اُن کے ساتھ کیسے ہوگئی۔ یہ عقدہ بھی جلد ہی کھل گیا۔ فرید صاحب کے پاس وجاہت کے سوا کچھ بھی نہ تھا اور دلنشین کی ماما کے والد کروڑ پتی بزنس مین تھے۔ کچھ کچھ میری والی کہانی تھی مگر دلنشین کے پاس تو حسن کی دولت فروانی کے ساتھ موجود تھی اور میں بھی فقط وجاہت ہی نہیں بلکہ شہرت اور تھوڑی بہت

سچی کہانیوں آپ بیتیوں، جگ بیتیوں کا بے مثال مجموعہ
ماہنامہ سرگزشت
شمارہ دسمبر 2013ء کی جھلکیاں
جہانِ حیرت
اس سائنسداں کی داستان زندگی جو دودہائی سے مردے کی شکل میں پڑا اپنا کام کیے جارہا ہے
رجحان ساز
نوبل انعام یافتہ مصنف کا زندگی نامہ اور اس کے انوکھے ناول کی تلخیص
عقوبت خانہ
انسانوں کو زندگی سے محروم کردینے والے کارخانے کا ذکرِ خاص' آخری کڑی
خدارا
ایک دلچسپ سبق بھری آپ بیتی جسے آپ بھول نہیں پائیں گے
اس کے علاوہ
لہو کی گردش تیز کردینے والی طویل داستان "سراب"
فلمی دنیا کی کہی ان کہی داستان "فلمی الف لیلہ"
دلچسپ سفرنامہ "ترکی نمی دانم" اور بہت سے دلچسپ واقعات، سچے قصے، آپ بیتیاں، جگ بیتیاں
آج ہی نزدیکی بک اسٹال پر اپنا شمارہ مختص کرالیں
خاص شمارہ...... ہر شمارہ، خاص شمارہ...... ہر شمارہ، خاص شمارہ

WWW.PAKSOCIETY.COM

دولت بھی ساتھ رکھتا تھا۔

شادی کے ایک مہینے کے اندر، اندر میں ان سے شدید خائف ہوگیا۔ وہ میرے گھر آتیں تو دو چار دنوں سے پہلے جانے کا نام نہ لیتیں۔ ایک، ایک چیز کے بارے میں سُو سُو سوال کرتیں اور مفت کے مشوروں کا تو ایک نہ ختم ہونے والا اسٹاک اُن کے پاس موجود تھا۔ میں اس وقت شدید کوفت کا شکار ہوجاتا جب وہ میرے اسٹوڈیو میں بلاتکلف پہنچ جاتیں اور میری مکمل اور نامکمل تصاویر پر سیر حاصل تنقید و تبصرہ شروع کردیتیں لیکن میں مجبور تھا کہ سر جھکا کے اُن کے ریمارکس سنتا رہوں۔

دلنشین کو میری فکر کے ساتھ ساتھ اپنی ماں کا بھی خیال رہتا، وہ بے چاری کبھی میری طرف دیکھتی تو کبھی ماں کو سنبھالتی۔ اس کے خیال سے مجھے بھی اپنے رویّے کو بہ مشکل تمام نارمل رکھنے کی کوشش کرنی پڑتی۔ شادی کے اگلے دو ماہ مجھ پر بہت بھاری تھے۔ بالکل مسز رئیسانی کی طرح۔

☆☆☆

''یہ جو تم اتنی بڑی، بڑی آنکھیں پینٹ کرتے ہو یہ بالکل غیر حقیقی لگتا ہے۔ تمہیں چاہیے کہ تم خیالی تصویریں بنانے کے بجائے حقیقت کی منظر کشی کرو۔'' انہوں نے میری تازہ پینٹنگ کو اپنی چُندی چُندی آنکھوں سے دیکھ کر تبصرہ کیا اور میرا دل جل کر خاک ہوگیا۔

''اصل میں میری والدہ کی آنکھیں انتہائی خوب صورت اور بڑی، بڑی تھیں، میرے ذہن میں وہ آنکھیں بس گئی ہیں۔'' میں نے بظاہر خوش اخلاقی سے جواب دیا۔

''ہاں مگر بڑی، بڑی آنکھوں والے چہرے مجھے نہ جانے کیوں بے وقوف، بے وقوف سے لگتے ہیں۔ اوپر سے تمہاری تصاویر میں عورتوں کے رنگ اتنے سفید ہوتے ہیں جن میں زندگی کی رمق بھی نظر نہیں آتی۔ مجھے اتنا گورا رنگ پسند نہیں ہے۔ میں تو دلنشین کو بچپن میں دھوپ میں بٹھایا کرتی تھی تاکہ اس کے رنگ میں خوب صورتی اور نمک آئے۔ تم ایک ہی طرز کی تصویریں بنا بنا کر بور نہیں ہوجاتے؟'' انہوں نے منہ بنایا۔

''جب میں ایسی تصویریں بنا کے بور نہیں ہوتا۔ میرے چاہنے والے انہیں دیکھ کر بور نہیں ہوتے بلکہ ان پر مرتے ہیں تو بھلا آپ کو کیا تکلیف ہے؟'' یہ اُن کے سوال کا سب سے مناسب جواب تھا مگر میں یہ مناسب جواب اگر ان کو دے دیتا تو شاید میرے لیے کچھ نامناسب ہوجاتا۔ میں نے اپنے چہرے کی کوفت کو ایک خواہ مخواہ کی مسکراہٹ میں چھپانے کی کوشش کی۔

''اور بھئی تمہارا اسٹوڈیو بہت گُھٹا ہوا لگتا ہے۔ نہ ہوا کا گزر ہے نہ روشنی کا...... اسے تبدیل کرلو۔'' انہوں نے ایک طائرانہ نگاہ میرے اسٹوڈیو پر ڈالی۔

''شاہکار ہمیشہ خواب ناک ماحول میں ہی جنم لیتے ہیں۔ ایسا کمرا جہاں روشنی اور ہوا کا خاطر خواہ گزر ہو وہاں بیٹھ کر الجبرا ہی پڑھا جاسکتا ہے۔'' میں نے کوفت سے سوچا مگر اُن سے کہا کچھ اور۔

''جی بالکل، میں بھی ایسا ہی سوچ رہا تھا۔''

''تم کہو تو میں اپنی فرینڈ کو بتادوں...... انٹیریئر ڈیزائنر ہے۔ میری وجہ سے تمہارا خاص خیال رکھے گی۔'' انہوں نے فوراً آفر کی۔

''جی، میں آپ کو جلد بتاؤں گا۔'' میں نے گھبرا کر کہا۔

''اور اب تم اپنی ڈریسنگ کا بھی خیال رکھو، تم اب فقط ایک مصور نہیں بلکہ فرید رئیسانی کے اکلوتے داماد ہو۔ یہ کیا کہ ہر جگہ جینز پہن کر چلے جاتے ہو۔ دل، تم شہریار کے لیے اچھی سی شاپنگ کیوں نہیں کرتیں۔ شہریار کو کپڑوں کا ذوق نہیں، تمہیں تو ہے نا۔'' ان کا روئے سخن ایک دم بیٹی کی طرف ہوجاتا۔ دلنشین شرمندہ ہوکر دائیں بائیں دیکھنے لگتی۔ میں کلس کر رہ جاتا۔ ایک مصور کے امیج کے ساتھ بھلا امپورٹڈ تھری پیس سوٹ کیسا لگتا، چوں چوں کا مربّہ۔

شادی کے چوتھے مہینے مجھے خوش خبری کے ساتھ ساتھ قید کا پروانہ بھی نصیب ہوگیا۔ اس بار فرید رئیسانی اپنی بیگم کے بچھائے ہوئے جال کو میری طرف پھینکنے میں کامیاب ہوگئے۔ ان کا زریں خیال تھا۔

''مصوری وغیرہ پارٹ ٹائم ایکٹیویٹی کی حد تک ٹھیک ہے۔ میں نے دلنشین کے بزنس شیئرز اس کے نام کردیے ہیں اور اب تمہیں اُن کی دیکھ بھال کرنی ہوگی۔ کل سے آفس آجاؤ۔ عمران اور عدنان تمہیں اچھی طرح بریف کردیں گے۔''

یہ اس خاندان کی وہ سازش تھی جس میں میری دلربا یعنی دلنشین بھی شامل تھی جس نے مجھ سے بڑے پیار سے کہا تھا۔

''شیری مجھے بزنس کی بالکل سمجھ نہیں ہے۔ میں تو آپ کے گھر کو سنوارنا چاہتی ہوں۔ آپ سے محبت کرکے اپنی زندگی گزارنا چاہتی ہوں۔ میری خاطر میرا بزنس جو اَب آپ کا ہے، آپ ہی کو دیکھنا ہوگا۔''

میں دلنشین کا کہا نہیں ٹال سکتا تھا۔ یہ خوش خبری نہیں بلکہ قید کا پروانہ تھا جو میں نے دلنشین کی خاطر بخوشی قبول کرلیا۔ خوش خبری تو یہ تھی کہ میری ساس صاحبہ اگلے ہفتے اپنے فارن ٹور پر روانہ ہونے والی تھیں جو کم از کم چار ماہ کا تھا۔ میرا دل چاہ رہا تھا کہ میں زور زور سے چھلانگیں لگاؤں، اس خوش خبری نے مقید ہونے کے دکھ کو کافی کم کردیا تھا۔

☆☆☆

مسز رئیسانی کا دورہ طویل ہوتے ہوتے سات ماہ پر محیط ہوگیا۔ بقول دلنشین کے یہ ماما کا طویل ترین دورہ تھا کیونکہ اب وہ گھر کی طرف سے بے فکر تھیں کہ دلنشین اپنے گھر کی ہوچکی تھی۔

اُن کی واپسی تک میں نے زندگی جی بھر کے انجوائے کی گو کہ اس دوران تخلیقی کام کافی کم کرسکا تھا۔ کچھ بزنس کی ذمّے داری اور کچھ دلنشین کی قربت مجھے اسٹوڈیو جانے سے روکتی رہی۔ یہ چند مہینے خوشیوں بھرے گزارنے کے بعد زیمل کی پیدائش کی خوشی کو میں ابھی پوری طرح انجوائے بھی نہ کرپایا تھا کہ ماما واپس پہنچ گئیں۔

وہ بیٹی سے سخت شرمندہ تھیں کہ انہیں آنے میں چند دن دیر ہوگئی اور اس کا مداوا انہوں نے کچھ اس طرح کیا کہ اگلے پورے مہینے وہ ہمارے گھر میں قیام پزیر ہوگئیں۔ دلنشین خوش تھی کہ اسے ایسے میں ماں کی ضرورت محسوس ہورہی تھی اور ظاہر ہے میرے گھر میں کوئی خاتون نہیں تھی جو دلنشین کی مددگار ہوسکتی سو میں خاموش رہا۔

مسز رئیسانی بے تکلفی سے میرے بیڈروم میں قیام پزیر ہوچکی تھیں۔ ناچار اپنا بوریا بستر سمیٹ کر مجھے اسٹوڈیو منتقل ہونا پڑا۔ اس چیز کا کم از کم اتنا فائدہ ہوا کہ کچھ کام جو بڑے عرصے سے ادھورے پڑے تھے وہ مکمل کرنے کا موقع مل گیا۔

ساس صاحبہ، بیٹی اور نواسی میں مصروف تھیں اس لیے میری کھنچائی کا موقع انہیں کم ہی ملتا سو اُن کا یہ قیام میرے لیے کم کوفت کا حامل لگ رہا تھا۔

زیمل کا عقیقہ بہت دھوم دھام سے کیا گیا۔ ایک مشہور و معروف آرٹسٹ کی بیٹی جس پر نانا کی بے شمار دولت کا تڑکا بھی لگا ہوا تھا کہ آخر وہ بھی بزنس ٹائیکون تھے کا پہلا، پہلا فنکشن ایسا ہی زوردار ہونا چاہیے تھا۔

اس تقریب کا سب سے خوشگوار پہلو یہ تھا کہ مسز رئیسانی بچی کے لیے ایک عدد امپورٹڈ گورنس کا بندوبست کرکے جلدی، جلدی آنے کے وعدے کے ساتھ رئیسانی ہاؤس سدھاری تھیں۔ اب میں تھا اور میری فیملی۔ میں دوبارہ بیڈروم میں شفٹ ہوگیا اس دعا کے ساتھ کہ اب ساس صاحبہ کم از کم ایک مہینے تک

WWW.PAKSOCIETY.COM

یہاں تشریف نہ لاسکیں۔

☆☆☆

شاید وہ قبولیت کا وقت تھا۔ یہاں سے جاتے ہی انہیں ٹائیفائیڈ نے آلیا۔ وہ بے چاری صاحب فراش ہوگئیں اور کہیں بھی آنے جانے سے معذور بھی۔

دلنشین کا پریشانی سے برا حال تھا۔ نہ تو وہ بچی کے ساتھ وہاں رہ سکتی تھی اور نہ ہی بچی کو چھوڑ کر جاسکتی تھی سو محض روزانہ دیکھنے جانے پر ہی اکتفا کرسکی۔

میں دل ہی دل میں تھوڑا پشیمان ہوا لیکن جب وہ بے چاری اگلے دو مہینوں تک مکمل طور بحال نہ ہوسکیں اور نہ ہی میرے گھر آسکیں تو میں ذہنی طور پر پُرسکون رہ کر اپنی کافی پینٹنگز مکمل کرنے میں کامیاب ہوگیا۔

ان کی صحت کی طرف سے سب ہی فکرمند تھے۔ ان کا سب سے بڑا بیٹا جو امریکا میں مقیم تھا فوراً ہی انہیں لینے پہنچ گیا اور وہ اس کے ساتھ امریکا روانہ ہوگئیں۔ دلنشین بہت اداس تھی لیکن اسے سنبھالنے کے لیے میں جو موجود تھا۔

☆☆☆

زندگی دلنشین کے ساتھ رہ کر واقعی دلنشین ہوگئی تھی۔ میں اتنا خوش نصیب ہوسکتا ہوں شاید یہ بات میں نے اس وقت نہیں سوچی تھی جب میں ماما کی محبت سے محروم ہونے کے بعد ان کی بنائی ہوئی تصاویر کو ہی اپنی زندگی کا سرمایہ اور خود کو دنیا کا مظلوم ترین انسان سمجھتا تھا جس سے ماں تو بچھڑ ہی گئی تھی لیکن باپ نے جیتے جی جسے دھتکار دیا تھا۔

میرا ہنسنا، بولنا، خوش رہنا سب ختم ہوچکا تھا۔ اب دلنشین نے آکر میری زندگی میں خوشیوں کے وہ رنگ بھر دیے تھے جس سے میری زندگی حسین ترین ہوگئی تھی۔ سارے دکھ مٹ گئے تھے۔

مسز ریسانی کی آمد و رفت مجھے ضرور پریشان کرتی تھی مگر پھول کے ساتھ کانٹا تو ہوتا ہی ہے یہ سوچ کر میں خود کو سمجھا لیتا تھا لیکن انہوں نے شاید مجھے سکون سے نہ رہنے دینے کی قسم کھائی ہوئی تھی۔ میری شخصیت، میرے گھر، میرے انداز اور میرے کام میں انہیں سو سو کیڑے تو نظر آتے ہی تھے لیکن اس بار جو انہوں نے فرمائش کی تھی اسے سن کر میرے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔ مجھے لگا شاید وہ مذاق کررہی ہیں مگر ایسا نہ تھا وہ سنجیدہ تھیں۔ بدترین حد تک سنجیدہ...... آنے والے وقت کا سوچ کر میں دل ہی دل میں سخت پریشان تھا اور اس پریشانی کو دلنشین سے بھی شیئر نہیں کرسکتا تھا۔ وہ چند مہینے پاکستان میں گزار کر اپنے اگلے دورے پر روانہ ہوچکی تھیں لیکن میرے سر پر لٹکتی ہوئی تلوار چھوڑ گئی تھیں۔

☆☆☆

ماما کو ائرپورٹ لینے جانے کی ڈیوٹی ہمیشہ میری اور دلنشین کی ہوتی تھی۔ عمران اور عدنان بھی ساتھ ہوتے مگر ماما کا جو التفات بیٹی اور داماد کی طرف تھا اس کے سبب یہ فرض ادا کرنا ہی پڑتا تھا۔ کاش وہ اپنی فرمائش بھول چکی ہوں۔ میں نے دل ہی دل میں دعا کی۔ گو ماما جیسی بال کی کھال اتارنے والی خاتون سے کسی بات کے بھول جانے کی امید کرنا بیکار ہی تھا مگر سوچنے میں کیا حرج تھا اور ہوا بھی یہی۔ انہوں نے گاڑی میں بیٹھتے ہی سب سے پہلی بات یہی کی۔

''شہریار، کیا میں پہلے سے خوب صورت لگ رہی ہوں؟'' یہ سوال انگریزی میں کیا گیا تھا جس کے جواب میں میرے ہاتھوں میں اسٹیئرنگ لرز کر رہ گیا لیکن اُن کی بیٹی یعنی میری دلنشین نے اپنی خوب صورت لہجے والی انگریزی میں اس کا جواب اپنی ماں کے گلے میں بانہیں ڈال کر دیا۔

''ماما، آپ ہمیشہ ہی خوب صورت دِکھتی ہیں۔''

''تو بس پھر اگلے ہفتے سے یہ پروجیکٹ شروع۔'' وہ مسکرائیں اور میرا دل چاہا کہ میں سامنے جاتے ہوئے ٹرک سے اپنی گاڑی مار دوں۔

''بالکل کیوں نہیں، شیری ویسے بھی آج کل

WWW.PAKSOCIETY.COM

کسی پروجیکٹ پر کام نہیں کر رہے ہیں۔ آپ کا پورٹریٹ بہت جلد تیار ہو جائے گا۔" دلنشین نے محبت بھرے لہجے میں کہا۔

یہ واقعی درست تھا کہ آج کل میں کسی بھی پروجیکٹ پر کام نہیں کر رہا تھا اور اس کا سبب کوئی اور نہیں مسز رئیسانی تھیں۔ جیسا کہ میں نے پہلے بھی کہا تھا کہ شاعر، ادیب یا مصور سب ایک حساس قوم سے تعلق رکھنے والے لوگ ہوتے ہیں۔ حسن پرست ہوتے ہیں۔ چیزوں کی لطافت اور نزاکت کو محسوس کرنے والے اور اپنے، اپنے انداز میں اسے دنیا کے سامنے پیش کرنے والے ہوتے ہیں۔ میری طبع نازک پر یہ خیال کسی آسیب کی طرح چمٹ گیا تھا کہ مجھے عنقریب مسز رئیسانی کی تصویر بنانی ہوگی کہ انہوں نے مجھ سے یہی فرمائش کی تھی۔ میں جب برش ہاتھ میں لے کر کینوس کی طرف بڑھتا.... مسز رئیسانی کا ہیولہ سامنے آکر کھڑا ہو جاتا اور میرے ذہن کی ساری کھڑکیاں دھڑ دھڑ بند ہو جاتیں۔ یہی وجہ تھی کہ میری پینٹنگز ایزل پر ادھوری پڑی تھیں۔ میری پانچویں ایگزیبیشن قریب تھی اور مطلوبہ ہدف ابھی تک پورا نہیں ہو سکا تھا لیکن مسز رئیسانی کی فرمائش ٹالی بھی نہیں جا سکتی تھی۔ مسز رئیسانی کی وجہ سے نہیں بلکہ اپنی پیاری دلنشین کی وجہ سے جس کا کہا میں ٹال نہیں سکتا تھا۔ آخر وہ دن آ ہی گیا جس کا روح فرسا خیال مجھے پچھلے کئی ماہ سے ہولائے دے رہا تھا۔

☆☆☆

وہ ٹھیک ایک ہفتے بعد اپنی تازہ ترین ڈیجیٹل تصاویر کے ساتھ موجود تھیں۔ امریکا سے تازہ تازہ کروائی ہوئی پلاسٹک سرجری اور جدید ترین ہیئر اسٹائل کے باوجود وہ مسز رئیسانی ہی تھیں۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں یہ نیک کام کہاں سے شروع کروں۔

"یا خدا انہیں یہ شوق کیونکر لاحق ہو گیا۔ نہ جانے ان کی کس فسادن سہیلی نے انہیں یہ مشورہ دیا تھا کہ "تمہارا داماد ایک مشہور مصور ہے اس سے اپنی خوب صورت تصویر کیوں نہیں بنواتیں؟""

مسز رئیسانی کا پورٹریٹ...... مشہور مصور شہریار رضا کے ماہرانہ ہاتھوں سے جو بڑے، بڑے پروجیکٹس مکمل کر چکا ہے۔ جس کے نام کی دھوم پورے ملک میں پھیلی ہوئی ہے۔ جس کی تصویر پر اس کے کونے میں کیے ہوئے چھوٹے سے سگنیچر اس تصویر کی مالیت کو بڑھا کے کہیں سے کہیں لے جاتے ہیں....

مسز رئیسانی اسٹیٹس کانشس خاتون تھیں اور یہ بات ان کے اسٹیٹس میں اضافے کا سبب تھی۔

میری ساری صلاحیتیں جیسے منجمد ہو کر رہ گئی تھیں۔ فن کار کا فن اس وقت بولتا ہے جب اس کا ذہن اور دل ہم آہنگ ہو کے پورے جذبے کے ساتھ اپنی کسی تخلیق کو وجود میں لانے اور سنوارنے میں لگ جائے۔ آرٹ کی آبیاری خونِ جگر سے کرنی پڑتی ہے ورنہ شاہکار یونہی تو تخلیق نہیں ہو جاتے اور یہاں یہ حالت تھی کہ جگر خون ہوئے جا رہا تھا۔ میں نے بہ مشکل ان کا اسکیچ بنایا اور ایک سیشن مکمل ہوا۔

☆☆☆

دلنشین بے حد خوش تھی اس کی ماما کی دلی خواہش جو پوری ہونے جا رہی تھی۔ کاش دلنشین مجھ سے اپنا پورٹریٹ بنوانے کے لیے کہتی تو میں دل و جان سے یہ کام کر گزرتا۔

میں نے مسز رئیسانی کو اب اسٹوڈیو آنے سے منع کر دیا تھا۔ انہیں میں نے تسلی دلا دی تھی کہ ان کی اسنیپ سے یہ کام چل جائے گا وہ بہ مشکل اس پر رضامند ہوئیں ورنہ وہ ایک روایتی تصویر سازی کی خواہش مند تھیں، جس میں ماڈل گھنٹوں مصور کے سامنے ایک ہی زاویے سے بیٹھا اپنی تصویر بنواتا رہتا تھا۔

بہر حال جیسے تیسے کر کے یہ تصویر میں نے مکمل کر دی۔ تصویر ظاہر ہے کہ ہو بہو اُن کے جیسی تھی اور انہیں بہت پسند آئی۔ انہوں نے خوشی، خوشی وہ

WWW.PAKSOCIETY.COM

پورٹریٹ اپنے گھر میں آویزاں کرلیا۔ دلنشین خوش تھی تو میں بھی خوش تھا حالانکہ مجھے بزنس کا شوق تھا نہ کوئی سُدھ بُدھ لیکن میرا بزنس پھیلتا ہی جارہا تھا۔ شاید یہ دلنشین کے نصیب کے کرشمے تھے یا کوئی اور بات۔ میں نہ چاہتے ہوئے بھی بزنس کے آکٹوپس میں جکڑتا چلا گیا۔

چند مہینے بیرونِ ملک بھی گزارنے پڑے اپنی پینٹنگز کی طرف میرا دھیان ہی نہ جاسکا۔ جب ذرا فرصت ملی اور میں نے چاہا کہ میں یہ ادھورا کام بھی مکمل کرلوں تو نہ جانے کیا ہوا کہ میری طبیعت اس طرف مائل ہی نہ ہوسکی۔ غلط اسٹروک لگنے لگے، ذہن جیسے سوسا گیا تھا۔

تنگ آکر میں نے تصویروں کو مکمل کرنے کا ارادہ ترک کردیا۔ پانچویں ایگزیبیشن گو کافی عرصے کے بعد ہو پائی تھی مگر تصاویر کی تعداد بہت کم تھی۔

یہ ایگزیبیشن بھی دھوم دھام سے منعقد ہوئی۔ مجھے پانچ برس پہلے والی ایگزیبیشن یاد آئی جس نے مجھے دلنشین سے ملایا تھا۔ اس بار دلنشین اپنے کالج فرینڈز کے ساتھ نہیں آئی تھی۔ وہ اب نوخیز طالبہ نہیں تھی جو مشہور مصور کی ایک جھلک دیکھنے اور اس سے آٹوگراف لینے کے لیے پُرجوش ہورہی تھی بلکہ وہ اب بڑے استحقاق کے ساتھ میرے قریب کھڑی تھی۔

مزے کی بات تھی کہ ٹی وی چینلز کے نمائندے بھی اس دفعہ میرے بجائے اسے ہی فوکس کیے ہوئے تھے۔ مجھ سے زیادہ سوالات اس سے ہورہے تھے اور وہ مسکرا مسکرا کر سب کے تسلی بخش جواب دے رہی تھی۔ شہرت اور دولت تو اس ایگزیبیشن میں بھی حاصل ہوگئی تھی لیکن نہ جانے کیا بات تھی کہ دل بجھا بجھا سا تھا۔

مجھے لگ رہا تھا کہ جیسے میرے اندر کا فنکار کہیں گم ہوگیا ہے۔ میرا ذہن بزنس کے اسرار و رموز میں تو چلنا شروع ہوگیا تھا لیکن میری حسِ لطیف کہیں جاسوئی۔ تبھی تو مجھ سے نہ کوئی اسٹروک صحیح لگتا اور نہ ہی کوئی اچھوتا خیال ذہن میں آرہا تھا۔ یہ مجھے کیا ہوگیا تھا؟

ماں سے بچھڑے ہوئے جس بچے کو ماں کی یاد نے رنگوں کی دنیا سے روشناس کروایا تھا اب رنگ اس کے لیے اجنبی ہوگئے تھے۔ دل کی تڑپ خاموش ہوگئی تھی۔ نہ جانے میری اس کیفیت کا سبب کیا تھا۔ میرا پھیلتا ہوا بزنس یا مسز رئیسانی کی وہ تصویر جسے میں نے طبع نازک پر سخت گراں گزرنے کے باوجود محض اپنی بیوی کے خیال سے مکمل کیا تھا اور جسے بنانے کے بعد رنگ مجھ سے روٹھ گئے تھے۔

شاید اس دنیا کو فنکاروں کی ضرورت نہیں۔ کبھی شاعروں، ادیبوں اور مصوروں کے فن کو پیٹ کی آگ ہڑپ کرلیتی ہے کہ اُن کے چولھے ان کے فن سے جل نہیں پاتے اور وہ ہاتھوں سے قلم اور برش رکھ کر مزدوری کے کدال اٹھالیتے ہیں...... تو کبھی گردشِ زمانہ اُن کے لیے ماحول سازگار نہیں رہنے دیتا۔ فن، مجبوری کی قید کو نہیں مانتا، آزادی چاہتا ہے۔ آبیاری چاہتا ہے۔ اپنی مرضی چاہتا ہے اور ستائش چاہتا ہے۔ میں نے اپنے برش کو آخری بار ہاتھوں میں اٹھایا۔ اسے چوما اور ہمیشہ کے لیے خیرباد کہہ دیا۔

"میں فنکار تھا اور فنکار حقیقی ہوتا ہے، سچا ہوتا ہے وہ اپنے فن سے جھوٹ نہیں بول سکتا۔ اسے دھوکہ نہیں دے سکتا۔ جب میں اپنی مجبوری سے لڑ نہیں سکتا تھا تو مجھے فن کی حرمت سے کھیلنے کی اجازت بھی نہیں ہونی چاہیے تھی۔ میرے پاس کئی راستے تھے جن پر چل کر میں اپنی زندگی گزار سکتا تھا۔ یہ برش اب کسی اور سچے فنکار کی انگلیوں کی زینت بنے تو زیادہ اچھا تھا۔" یہ سوچ کر تھکے تھکے قدموں سے میں اسٹوڈیو سے باہر نکل آیا۔

ناولٹ

منحوس

عتیقہ محمد بیگ

اس کے ابا مین روڈ پر اٹیچی گھسیٹتے آنکلے...... اور وہ معصوم پیچھے پیچھے اپنے دوپٹے کو بار بار سنبھال کر ان کے ساتھ قدم ملانے کی بھرپور کوشش میں لگی تھی کہ اچانک اُن کے پاس سے ایک تیز رفتار بائیک گزری...... جس نے حیدر میاں کے کپڑوں پر سڑک کا کیچڑ بری طرح سے اچھال دیا۔

"ابے اندھا ہے...... نظر نہیں آتا کیا؟ یا پھر آج پہلی دفعہ بائیک پر بیٹھنا نصیب ہوا۔" حیدر

WWW.PAKSOCIETY.COM

میاں نے شدید غصے سے بائیک والے کو پکارا...... اور اپنے کپڑوں کا جائزہ لینے لگے۔

بائیک والا اپنی اس غیر اخلاقی حرکت پر ہرگز شرمندہ نہیں ہوا...... بلکہ مڑ کر قہقہہ لگاتے ہوئے بائیک کی رفتار مزید تیز کر کے دھواں اُڑاتا وہاں سے غائب ہوگیا۔ حیدر میاں کا چہرہ غصے سے لال بھبوکا ہوگیا...... وہ گھبرا سی گئی...... اس نے جلدی سے اپنے بیگ میں سے رومال نکالا...... اور اپنے ابا کے کپڑوں کو صاف کرنے کے لیے بڑھی۔

''منحوس...... یہ سب تمہاری وجہ سے تو ہو رہا ہے...... رکشا، ٹیکسی نہیں مل رہی...... جس دن سے میری زندگی میں آئی ہو، میری زندگی برباد کر کے رکھ دی......'' حیدر میاں غصے سے اپنا رومال نکال کر بولتے ہی چلے گئے۔ وہ معصوم سر جھکا کر گنہگار سی بُت بنی کھڑی رہی...... اس نے اپنا رومال اپنی مٹھی میں دبوچ لیا...... اس کے ہاتھ لرزنے لگے اور آنکھوں میں نمی سی بھر گئی۔

''میں تمہیں گھر تو لے کر جا رہا ہوں...... مگر مجھ سے یہ امید بھی مت رکھنا کہ میں تمہیں باپ کا پیار دے سکوں گا۔'' وہ رومال سے اپنے کپڑے صاف کرتے کرتے بولے۔ اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے...... حیدر میاں کے چہرے پر مزید تلخی ابھر آئی۔

''تمہارے یوں رونے سے میں تمہیں معاف نہیں کرسکتا...... تم نے اپنی ماں کو نگل لیا...... ہاجرہ سے میں بہت محبت کرتا تھا بلکہ اب بھی کرتا ہوں...... اس لیے تو تم سے نفرت کرتا ہوں، تمہاری پیدائش نے اسے مجھ سے چھین لیا...... کاش اس کی جگہ تم مرجاتیں۔'' حیدر میاں کی آنکھیں یک دم سرخی مائل سی ہوگئیں...... وہ مزید کچھ بولنا چاہ رہے تھے مگر انہوں نے رخ موڑ لیا...... اور اٹیچی کا ہینڈل دوبارہ سے اپنے ہاتھ میں پکڑ کر چلنے لگے۔

''ابا......'' وہ لرزتی آواز میں بولی۔ ''ابا اس میں بھلا میرا کیا قصور...... اگر مجھے......'' اس سے پہلے کہ وہ مزید لب کھولتی حیدر میاں نے غصے سے پلٹ کر دیکھا اور تلخی سے بولے۔

''مجھ سے زبان چلائے گی...... اماں نے مرتے وقت وعدہ نہ لیا ہوتا تو کبھی تمہیں اپنے گھر لے کر نہ جاتا...... تمہارے انور چچا کے پاس ہی تمہیں چھوڑ جاتا۔'' وہ باپ کے منہ سے مزید اپنے لیے زہر آلود جملے سننا نہیں چاہتی تھی...... اسے یوں لگا جیسے اس کا حلق تک کڑوا سا ہوگیا ہو۔ اس نے نظریں جھکا لیں۔

''منحوس تم...... اگر یقین نہیں آتا تو دیکھ لو...... کب سے پیدل چل رہے ہیں مگر دور، دور تک کوئی رکشا اور نہ ہی کوئی ٹیکسی مل رہی ہے۔'' حیدر میاں نے غصے سے جتایا۔

اس نے نظریں ملانے کی جرأت نہیں کی...... اور اپنے آنسوؤں کو بہ مشکل روکنے لگی۔ حیدر میاں بڑبڑاتے ہوئے چلنے لگے...... اور وہ پھر سے ان کے ساتھ قدم پر قدم رکھنے لگی اور دل ہی دل میں خدا تعالیٰ سے دعائیں مانگنے لگی۔

''یا خدا...... میری مدد کر...... جلدی سے کوئی سواری کا انتظام کردے۔'' اس نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے خدا کو پکارا...... سورج اپنی پوری آب تاب سے چمک رہا تھا...... اس لیے جھٹ سے اس نے نظریں آسمان سے ہٹائیں کچھ دور چلتے، چلتے ایک رکشا نظر آیا۔ اس کے چہرے پر سکون سا چھانے لگا جیسے خدا تعالیٰ نے اس کو ثابت کردیا ہو...... کہ وہ منحوس نہیں ہے...... پچھلے پندرہ سولہ سال سے وہ یہ الزام لیے جی رہی تھی۔

☆☆☆

''دادی...... دادی...... آپ وعدہ کریں آپ مجھے چھوڑ کر کہیں نہیں جائیں گی۔'' عاشی نے دادی کا ہاتھ تھام کر ڈرتے، ڈرتے ان سے وعدہ مانگا...... جن کی حالت بہت خراب تھی...... ان کے گُردے فیل ہو رہے تھے اور ڈاکٹرز نے انہیں لاعلاج قرار دے دیا تھا۔

''عاشی...... اِک وعدہ میں خدا سے بھی کر کے آئی تھی......'' انہوں نے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

''دادی...... میں آپ کے بغیر مرجاؤں گی...... بس مجھے بھی اپنے ساتھ لے جائیں۔'' اس کی آنکھیں بھر آئیں...... اس کی دادی ہی اس کی کل کائنات تھیں...... اس نے ہوش سنبھالا تو والدین کے رشتے کے بجائے صرف اِک دادی کا رشتہ دیکھا...... سولہ سال سے وہ دادی کے سہارے اپنی زندگی کاٹ رہی تھی۔

''اوہو...... عاشی......! خبردار جو مرنے کی باتیں کیں۔ میری بیٹی، میری جان، میں نے تو اپنی زندگی جی لی...... اب میری بچی تیری باری ہے...... میں نے حیدر سے بات کرلی ہے، وہ تجھے اپنے ساتھ لے جائے گا...... تو اب اپنے باپ کے گھر رہے گی...... اپنے گھر......'' انہوں نے پیار سے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔

''نہیں دادی...... مجھے ابا کے پاس رہنے نہیں جانا...... مجھے آپ کے پاس رہنا ہے۔'' وہ لرزتی آواز میں بچوں کی طرح ضد کرنے لگی۔

''اچھا...... اچھا میں تمہارے پاس ہی رہوں گی......'' دادی نے اس کے پیلے فق چہرے پر اسے دلاسا دیا...... اور گلے سے لگاتے تسلی دی۔

''آپ مجھے چھوڑ کر کہیں نہیں جارہیں...... آپ بالکل...... بھلی چنگی ہوجائیں گی......'' وہ معصومیت سے بولتی چلی گئی۔

''ہاں...... ہاں خدا مجھے صحت دے...... میں تمہیں اکیلا نہیں چھوڑوں گی...... اب خوش ہو......'' دادی نے پیار سے اسے دیکھ کر کہا۔

''دادی اماں...... ابا جی نے کیا مجھے معاف کردیا ہے؟'' اس نے دادی کے ہاتھ کو چوما...... اور سنجیدگی سے بولی۔ اس کی آنکھوں میں بے چینی سی ابھرنے لگی۔

''وہ تجھے کیا معاف کرے گا...... اور تو نے کون سا کوئی گناہ کیا ہے...... میری بچی۔'' اُن کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی۔

''دادی اماں...... آپ روئیں مت......'' وہ بہت اپ سیٹ سی ہوگئی۔

''بیٹی...... میرا بیٹا...... تیرا گنہگار ہے...... اسے تجھ سے معافی مانگنی چاہیے۔ جس نے میری معصوم سی پوتی کو منحوس ثابت کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔'' ان کے گالوں پر آنسو بہنے لگے۔

''مت روئیں...... دادی اماں۔'' اس کا چہرہ مرجھا سا گیا...... وہ اپنی دادی سے بے پناہ محبت کرتی تھی۔

''حیدر، ہاجرہ کی موت کا ذمے دار تجھے ٹھہرائے گا...... میں نے سوچا تک نہیں تھا۔ بس بیٹی یہ قسمت کا کھیل ہے...... کہ تیرا اپنا باپ تجھے منحوس سمجھنے لگا...... تو منحوس نہیں، بس اللہ کی مرضی تھی...... تیری ماں مرتے وقت تجھے جی بھر کر پیار کر گئی۔'' انہوں نے لرزتی آواز میں بتایا۔

''دادی اماں...... میری ماں کیسی تھیں...... اُن کی ایک تصویر بھی آپ کے پاس نہیں ہے...... ایسا کیوں؟'' اس نے فکرمندی سے ماں کی تصویر کے متعلق پوچھا۔

''ہاجرہ کی تصویریں سب کی سب حیدر میاں کے پاس ہیں، حیدر اور ہاجرہ ایک ہی یونیورسٹی میں پڑھتے تھے۔ دونوں میں محبت ہوگئی۔ حیدر کی مرضی پر میں ہاجرہ کا رشتہ لینے گئی۔ تیری ماں حاجرہ امیر گھرانے سے تعلق رکھتی تھی اور ہم ٹھہرے غریب لوگ...... بس تیری ماں نے اپنے باپ کی دولت کو محبت کے آگے ٹھکرادیا...... اور ہم غریب لوگوں کا گھر

WWW.PAKSOCIETY.COM

آباد کرنے آ گئی۔ تیری ماں بہت اچھی عورت تھی۔ اس نے میری بہت خدمت کی...... حیدر کی جان تھی وہ۔ بہت محبت کرتا تھا اور سچ میں تیری ماں نے میرا دل بھی جیت لیا تھا۔ جیسے تم نے میری بچی...... تم بالکل اپنی ماں پر ہو......'' انہوں نے اپنی بہو کی تعریف کرتے کرتے اس کے ماتھے کو چوما۔

''کاش...... میری ماں...... میرے پاس ہوتی۔'' وہ دادی کے گلے لگ گئی۔ دادی اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگیں اور اسے یوں لگا جیسے وہ اپنی ماں کی آغوش میں پہنچ گئی ہو۔ اس کی آنکھیں خود بخود بند ہونے لگیں مگر ان بند آنکھوں میں بے پناہ آنسو قید تھے۔ جنہیں وہ اپنی دادی کے سامنے آزاد نہیں کر سکتی تھی۔

☆☆☆

''عاشی...... عاشی...... عاشی۔'' اس کے کانوں میں تیز آواز پڑی...... تو وہ بوکھلا کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ حیدر میاں رکشے سے اتر چکے تھے اور رکشا ایک گھر کے سامنے کھڑا تھا۔ وہ سفر کے دوران کب سو گئی وہ خود بھی جان نہ پائی...... وہ شرمندگی سے اپنا بیگ سنبھالتی سواری سے اتر کر باہر آ کھڑی ہوئی۔ حیدر میاں نے اٹیچی کا ہینڈل سنبھالا...... اور گھر کے پاس جا پہنچے۔ وہ بھی سہمی سہمی ان کے پیچھے آ کھڑی ہوئی...... اسے اپنے باپ کے چہرے پر عجیب سی فکرمندی کا سا احساس ہوا۔

''ابا...... شاید میری وجہ سے پریشان ہیں...... زینت آنٹی (ابا کی دوسری بیوی) نے مجھے قبول نہ کیا تو میں کہاں جاؤں گی۔ اب تو دادی کا سہارا بھی نہیں رہا۔ یا خدا...... میری مدد کر۔'' وہ گھبرانے لگی۔ حیدر میاں نے دو تین بار بیل پر ہاتھ رکھا...... اور پھر...... فکرمندی سے اسے مڑ کر دیکھا۔ اس نے اپنی نظریں جھکا لیں...... جن میں سوتیلی ماں کا خوف صاف صاف جھلکنے لگا تھا۔ پانچ منٹ بعد دروازے کے پاس آہٹ محسوس ہوئی۔ اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا اور اس کی ہتھیلیاں پسینے سے شرابور ہو گئیں...... دروازہ کھل گیا...... اس کے سامنے ایک ادھیڑ عمر کی مگر خوب صورت خاتون کھڑی تھیں جس نے اسے دیکھے بغیر حیدر سے بات شروع کی۔

''حیدر صاحب آپ آ گئے...... کب سے آپ کی منتظر تھی...... بس وہ چھت پر کپڑے پھیلانے گئی تھی۔'' انہوں نے اپنے دیر سے آنے کی تفصیل سنا دی۔ دوسری طرف حیدر نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اپنی جوان بیٹی کے سامنے اپنی دوسری بیوی سے وہ کیا بات کرتے...... اس لیے نظریں چرا لیں۔ وہ چونکیں...... جب انہوں نے پیچھے کھڑی عاشی کو دیکھا...... اور حیدر کی طرف دیکھنے لگیں۔

''یہ عاشی ہے...... آپ کی بیٹی......؟'' زینت نے حیرانی سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں......'' انہوں نے بہ مشکل کہا...... اور اٹیچی پکڑ کر گھر میں داخل ہو گئے۔ انہوں نے عاشی کو گھورا...... اور حیدر صاحب کے پیچھے چلی گئیں۔

''یا خدا...... اب مزید کوئی اذیت مت دینا...... میرا دل اب اور دکھ برداشت نہیں کر سکے گا۔'' اس نے پریشانی سے سوچتے ہوئے گھر کے اندر قدم رکھے...... حیدر میاں ایک کمرے میں اس کا سامان رکھ کر باہر نکل رہے تھے...... وہ سمجھ چکی تھی کہ وہ کمرا اسی کا ہے۔ وہ خاموشی سے اس کمرے کے پاس آ کھڑی ہوئی...... انہوں نے اسے دیکھا اور پھر اپنی رعب دار آواز میں بولے۔

''یہ گھر تمہارا ہے...... تمہیں کسی چیز کی ضرورت ہو خود ہی لے لینا...... مجھ سے پوچھنے کی ضرورت نہیں...... اور ہو سکے تو مجھ سے دور ہی رہنا۔'' ابا نے خفگی بھرے انداز میں بات ختم کی...... اور خاموشی سے سر جھکائے دوسرے کمرے میں چلے گئے...... اس نے جلدی سے اپنا کمرا بند کر لیا...... اور اپنے آنسوؤں کو بہنے دیا...... جن پر وہ کب سے بند

پاؤں سے بیٹھی تھی۔

☆☆☆

وہ غصے سے ٹی وی کے چینلز تبدیل کرنے لگیں...... جب انہوں نے واش روم سے باہر نکلتے شوہر کو دیکھا...... وہ بھی پشیمان تھے۔ زینت بیگم، عاشی کی آمد سے ناخوش تھیں...... وہ تولیے سے بال خشک کرتے کرتے اُن کے پاس آ کر بیٹھ گئے...... زینت بیگم نے ٹی وی پر نظریں جما دیں۔ اُن کے چہرے سے ناراضی جھلکنے لگی۔ وہ پیار سے اُن کا ہاتھ تھام کر بولے۔

''میرے پاس اور کوئی راستہ نہیں تھا...... اس لیے عاشی کو یہاں لانا پڑا...... بے شک میں اس سے نفرت کرتا ہوں مگر بالآخر خون تو وہ میرا ہی ہے۔''

''میرے حصے میں کبھی خدا تعالیٰ نے مکمل خوشیاں نہیں لکھیں۔'' وہ خفگی سے بولیں۔

''تم...... تم عاشی کی وجہ سے فکرمند کیوں ہو رہی ہو...... یہ گھر تمہارا ہے...... اور تم اسے اپنی مرضی سے چلاؤ...... وہ تمہارے کسی معاملے میں کبھی مداخلت نہیں کرے گی۔ میں صرف تمہارا ہوں...... اور یہ گھر بھی......'' حیدر میاں نے پیار سے انہیں سمجھایا اور تسلی دی اور وہ صرف سر ہلا کر رہ گئیں۔

☆☆☆

وہ صبح دیر تک سوتی رہی...... اس کی آنکھ کھلی تو ساڑھے نو بج رہے تھے...... وہ فوراً آنکھیں مسلتی اٹھ بیٹھی...... اور کمرے کے چاروں طرف غور، غور سے دیکھنے لگی۔

''میں کتنی دیر تک سوتی رہی اور مجھے کسی نے اٹھایا بھی نہیں۔'' اس نے پریشانی سے سوچا۔

''مجھے کون جگانے کے لیے آتا...... میرا اپنا یہاں کون ہے...... دادی جیسا رشتہ بھی نہ رہا۔'' اس کے چہرے پر افسردگی چھا گئی۔ اس نے اپنا دوپٹا کندھوں پر سنبھالا...... اور چپلیں پہن کر کچھ سوچتے، سوچتے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اسے زینت آنٹی سے بات چیت کر کے خود ہی یہاں رہنے کے لیے اِک رشتہ بنانا ہوگا...... جیسے دادی نے اسے سمجھایا تھا کہ رشتے بنانے کے لیے اسے ہی ہمیشہ پہل کرنا ہوگی، وہ فریش ہو کر باہر آ گئی اور باورچی خانے کے دروازے کے پاس آ پہنچی...... اس نے زینت آنٹی کو مخاطب کرنا چاہا مگر اس کے الفاظ منہ میں ہی اٹک گئے۔ زینت آنٹی نے پیچھے آہٹ محسوس کی...... تو فوراً ہی پلٹ کر دیکھا...... وہ گھبرا سی گئی...... اور ڈرتے ڈرتے اس نے سلام کیا۔

''وعلیکم السلام...... کوئی چیز چاہیے تھی؟'' انہوں نے برتن دھوتے دھوتے پوچھا۔

''نہیں...... آنٹی...... وہ...... وہ۔'' اس نے مزید بات کرنا چاہی...... کہ زینت آنٹی فوراً مڑ کر بولیں۔

''ناشتا نہیں کرو گی؟'' اُن کا لہجہ بہت دوستانہ تھا...... جس پر اس کی اٹکی سانس بحال ہونے لگی۔

''جی...... وہ آنٹی کوئی کام ہو...... تو مجھے بتا دیں...... میں کر دیتی ہوں۔'' اس نے ہمت کر کے بات شروع کی...... زینت نے اس کی طرف جو دوستانہ ہاتھ بڑھایا تھا، وہ بے مقصد نہیں تھا۔

''خدا نے میری دعا سن لی...... جو گھر بیٹھے مفت کی ملازمہ مل گئی......'' زینت نے اس کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے سوچا۔

''ایسا کرو...... یہ برتن صاف کر دو...... اور میں ناشتا تیار کر لیتی ہوں...... آج حیدر صاحب کی چھٹی ہے...... وہ اتوار کو ناشتے میں پراٹھا لیتے ہیں۔'' انہوں نے توا چولھے پر رکھتے ہوئے بتایا۔

عاشی تیزی سے برتن صاف کرنے لگی...... اور اس نے اُن کی بات پر سر ہلایا جیسے وہ ان کی باتوں کو خاص توجہ دے رہی ہو۔

''عاشی تمہیں پراٹھے بنانے آتے ہیں؟'' وہ فریج سے آٹے کی پرات نکال کر پوچھنے لگیں۔

''جی...... جی...... آنٹی...... میں اپنے گھر میں

WWW.PAKSOCIETY.COM

سارے کام خود کرتی تھی...... مجھے دادی نے چودہ سال کی عمر میں ہنڈیا بنانا سکھادی تھی......'' وہ پیار سے بولتی چلی گئی۔ زینت نے ایک سکون بھری سانس لی۔

''اچھا یہ تو بہت اچھی بات ہے...... پھر ایسا کرو، تم آج ناشتا تیار کرو...... میں حیدر صاحب کے کپڑے استری کردیتی ہوں...... آج انہیں اپنے اِک پرانے دوست کی عیادت کے لیے جانا ہے اور بجلی کا کیا بھروسا کب چلی جائے۔'' زینت نے... فکرمندی ظاہر کی...... اور چولھے سے پیچھے ہٹ گئیں۔ وہ آخری پلیٹ دھو کر نل بند کرتے ہوئے بولی۔

''جی آنٹی...... میں ناشتا بنادیتی ہوں۔ آپ ناشتے سے بے فکر ہوجائیں۔'' اس نے بڑے خلوص سے جواب دیا اور فوراً پراٹھے بنانے کے لیے کھڑی ہوگئی۔

''یا خدا تو نے میری ساری مشکلیں پل بھر میں آسان کردیں جو اتنی سگھڑ لڑکی میرے آرام کے لیے بھیج دی۔'' زینت بیگم نے سوچتے، سوچتے عاشی کو مسکرا کر دیکھا...... اور پھر کھِلے کھِلے چہرے کے ساتھ باورچی خانے سے باہر نکل آئیں۔

☆☆☆

وہ پودوں کو پانی دے رہی تھیں۔ جب حیدر میاں تیار ہو کر باہر آئے۔

''بیگم...... آج ناشتا نہیں ملے گا کیا......؟''

حیدر میاں نے شریر لہجے میں پوچھا۔

''بس ناشتا تیار ہے...... آرہا ہے۔'' یہ کہہ کر انہوں نے آواز دی۔

''عاشی...... عاشی ناشتا تیار ہے تو لے آؤ۔'' وہ پودوں کو پھر سے پانی دینے لگیں۔

''ناشتا عاشی بنارہی ہے؟'' وہ شدید حیرت سے بولے۔

''جی ہاں......'' وہ حیدر صاحب کی طرف دیکھے بغیر بولیں۔ جن کے چہرے پر خفگی چھا گئی۔

''تم نے اس سے کام کیوں لیا؟'' وہ ایک دم اُن کی بات پر انہیں گھبرا کر دیکھنے لگیں۔ پانی کا پائپ پودوں کے گملے کے بجائے فرش پر پڑنے لگا۔

''تم اچھی طرح جانتی ہو...... کہ میں اس سے نفرت کرتا ہوں، اس کے ہاتھ کا بنا ہوا ناشتا نہیں کروں گا پھر بھی تم نے اسے ناشتا بنانے کی اجازت دی۔'' وہ شدید غصے سے بولتے ہی چلے گئے۔ وہ باورچی خانے میں کھڑی کانپ اٹھی...... اور اس نے آملیٹ بنانے کے لیے جو ٹماٹر کاٹنے کو پکڑا تھا وہ وہیں کا وہیں پلیٹ میں رہ گیا۔ اس کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی۔

''حیدر صاحب...... آپ...... وہ...... وہ میں نے سمجھا...... شاید...'' ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا کہ اب وہ اپنے میاں کو کیا جواب دیں۔

''تمہیں میرے لیے ناشتا بنانا مشکل لگنے لگا ہے تو آئندہ میں باہر سے ناشتا کرلوں گا...... مگر اس منحوس......'' انہوں نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

''حیدر صاحب...... آپ خفا نہ ہوں...... میں آپ کو ابھی اپنے ہاتھ سے ناشتا بنا کردیتی ہوں۔'' وہ گھبرا سی گئیں۔ پانی کا پائپ وہیں چھوڑا اور نلکا بند کردیا۔

''نہیں...... مجھے دیر ہورہی ہے...... میں باہر سے ناشتا کرلوں گا......'' وہ یہ کہہ کر باہر کے دروازے کی جانب بڑھ گئے۔

''سنیے...... سنیے...... حیدر صاحب......'' انہوں نے پیچھے سے پکارا...... مگر حیدر صاحب نے پلٹ کر نہ دیکھا...... اور وہ افسردہ ہو کر سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔

☆☆☆

وہ کمرے میں بیٹھ کر پھوٹ پھوٹ کر رورہی تھی...... تب زینت اس کے کمرے میں آپہنچیں۔

''تم کیوں رو رہی ہو...... جبکہ پریشان تو مجھے ہونا چاہیے۔ وہ آج پہلی دفعہ یوں مجھ سے خفا ہو کر گئے ہیں۔'' زینت نے اس کا ہاتھ تھام لیا...... اور اسے چپ کرانے لگیں۔

''میں آئندہ ابا کے لیے کوئی چیز نہیں پکاؤں گی اور نہ اُن کی کسی چیز کو ہاتھ لگاؤں گی۔'' زینت اسے چپ کرواتے سوچنے لگیں، اگر یہ ایسا سوچنے لگے گی تو سارا دن مجھے ہی کاموں میں اپنی جان کھپانی پڑے گی۔'' وہ انہی سوچوں میں ڈوبی تھیں کہ عاشی نے روتے روتے کہا۔

''میں سچ میں منحوس ہوں، میری وجہ سے آج ابا کو بھوکا جانا پڑا......'' اس کا چہرہ مرجھا سا گیا۔ وہ اپنے باپ کی نفرت برداشت نہیں کرپارہی تھی۔

''پاگل مت بنو...... تم کیا فضول بول رہی ہو۔'' زینت نے اسے ٹوکا...... اور اس کے آنسو پونچھے۔

''ہاں میں منحوس ہوں........ جبھی تو میرے والدین میری وجہ سے تکلیف میں رہے ہیں۔''

''اوہو ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں کو دل سے مت لگاؤ، آہستہ آہستہ سب کچھ بہتر ہوجائے گا۔'' انہوں نے اسے تسلی دی۔

''سولہ سال سے کچھ بہتر نہ ہوسکا۔ دادی، ابا کو سمجھاتے سمجھاتے دنیا چھوڑ گئیں...... مگر ابا کے دل میں میرے لیے رحم پیدا نہ ہوسکا۔'' وہ لرزتی آواز میں اپنا درد بتارہی تھی۔

''اچھا پریشان نہ ہو...... میں حیدر صاحب سے بات کروں گی...... اور اب کیا تم کام میں میرا ہاتھ نہیں بٹاؤ گی؟'' زینت نے ہنستے ہنستے موڈ تبدیل کرنے کے لیے پوچھا۔

''آنٹی میں آپ کے سارے کام کردوں گی...... مگر ابا کا کوئی کام نہیں کروں گی وہ پھر سے مجھ سے خفا ہوجائیں گے۔''

''اوہو...... یہ بات ہے...... تو اس کا حل بھی تم نے سوچ لیا ہے۔''

''کیسا حل......؟'' عاشی حیرت سے بولی۔

''عاشی ایسا کرتے ہیں...... کام تم کرلینا اور نام میں اپنا کرلوں گی۔ یوں تمہارے ابا بھی خوش...... اور مجھے بھی آرام مل جائے گا۔'' زینت نے مسکرا کر کہا۔

''جی آنٹی...... جیسا آپ چاہیں۔'' اس کے چہرے پر اطمینان سا چھانے لگا۔ وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی...... کہ اس کی سوتیلی ماں اس کی اتنی اچھی دوست بن سکتی ہے۔

''چلو...... اب موڈ ٹھیک کرو...... ناشتا کرو اور پھر مشین لگالینا...... کافی کپڑے پڑے ہیں۔'' زینت نے نظریں چرا کر کہا کہ کہیں اسے یہ احساس نہ ہوجائے کہ وہ عاشی سے کام کی وجہ سے اچھا سلوک کررہی ہیں۔ عاشی نے اثبات میں سر ہلایا۔ اس نے ناشتا بڑی بے دلی سے کیا...... مگر کپڑے دھونے میں وہ بہت چست دکھائی دے رہی تھی...... اسے صرف اس گھر میں خوشیاں چاہیے تھیں جس کے لیے وہ اپنی جان تک دے سکتی تھی جیسے دادی نے اسے نصیحت کی تھی کہ اسے اپنے بابا کے اس گھر کو جنت بنانا ہے۔

☆☆☆

زینت بیگم دوپہر کو سونے کی غرض سے لیٹی تھیں کہ مین ڈور کی بیل بج اٹھی...... انہوں نے وال کلاک کی طرف دیکھا...... تو ساڑھے تین بج رہے تھے وہ حیرانی سے مین ڈور کی طرف بڑھیں کہ اس وقت کون آسکتا ہے...... انہوں نے دروازہ کھولا...... تو سامنے اپنی سہیلی طیبہ کو پایا۔

''ارے طیبہ......! تم دبئی سے کب آئیں؟'' وہ اس کے گلے لگ کر پوچھنے لگیں۔

''بس جناب ایک ہفتہ ہوا ہے، دیکھ لو میری محبت...... تمہارے پاس دوڑی چلی آئی ہوں۔'' طیبہ نے مسکرا کر کہا اور ان کے کہنے پر گھر کے اندر داخل ہوگئی۔

''سچ یار...... میں تمہارے جانے کے بعد بہت

WWW.PAKSOCIETY.COM

اداس ہوگئی تھی...... ایک تم ہی تو تھیں جس سے اپنے دل کا بوجھ کم کرلیتی تھی۔"

"اچھا...... اچھا باقی باتیں بعد میں...... پہلے دیکھ لو...... میں تمہارے لیے کیا لائی ہوں۔" طیبہ نے مسکرا کر انہیں ایک شاپر تھمایا۔

"واہ...... میک اپ کا سامان......!" انہوں نے مسکرا کر شاپر میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"حیدر صاحب کے لیے گھڑی لائی ہوں۔" اس نے ہنستے ہوئے بتایا۔

"یہ تو بہت قیمتی ہوگی......" وہ حیرانی سے گھڑی دیکھنے لگیں۔

"توبہ ہے زینت...... دوست بھی کہتی ہو...... اور یوں فکر بھی کرتی ہو...... بس جلدی سے سامان کو ایک طرف رکھو اور اچھے سے پکوڑے اپنے ہاتھ سے بنا کر کھلاؤ۔"

"السلام علیکم......" اس نے ادب سے آکر ان کے سامنے سلام کیا۔

"وعلیکم السلام......" طیبہ نے عاشی کو حیرانی سے دیکھا...... اور پھر زینت کی طرف دیکھنے لگی۔

"یہ...... یہ عاشی ہے۔" زینت بیگم نے مسکرا کر اس کا تعارف کروایا۔

"ماشاء اللہ بہت پیاری بچی ہے......" طیبہ اس کے نام سے واقف تھی۔ اس لیے مزید اس نے پوچھنا مناسب نہیں سمجھا...... اور بات کو آگے بڑھایا۔

"جناب یہ پیاری ہونے کے ساتھ ساتھ بہت اچھی کوکنگ بھی کرلیتی ہے۔" زینت نے ہنستے ہوئے بتایا۔

"آنٹی میں آپ کے لیے پکوڑے بنا کر لاتی ہوں۔" اس نے طیبہ کی بات سن لی تھی۔

"ہاں...... ہاں ضرور...... بیٹا۔" طیبہ مسکرانے لگی۔ زینت کا بھی چہرہ خوشی سے کھل اٹھا...... تقریباً آدھے گھنٹے میں اس نے ٹیبل سجادی...... اور خود رات کے کھانے کی غرض سے باورچی خانے میں گھس گئی۔

"یار تمہاری تو موجیں ہیں...... اتنا اچھا شوہر ملا...... اور اب یہ کمال کی خدمت گزار لڑکی......" اس نے گرما گرم پکوڑا منہ میں لیتے ہوئے کہا۔

"سچ میں بہت اچھی لڑکی ہے...... مجھے تو کوئی کام کرنے نہیں دیتی۔" زینت نے تھرماس سے چائے کپ میں انڈیلی۔

"اس کی اور کوئی بہن ہے...... تو مجھے بھیج دو۔" طیبہ نے معنی خیزی سے مسکراتے ہوئے کہا

"آہستہ بولو...... یار...... اس نے سن لیا تو کام کرنا چھوڑ دے گی۔ باپ کے دل میں کب محبت جاگ اٹھے...... اس کا پتا تھوڑی ہے، وہ میری ہر بات اس لیے سنتی ہے کہ میں اس کی جگہ حیدر صاحب کے دل میں بنا دوں......" انہوں نے طیبہ کی طرف چائے کا کپ بڑھایا اور اسے تمام تفصیل دی۔

"یار...... حیدر بھائی کیسے انسان ہیں جو اپنی ہی بیٹی کو منحوس سمجھتے ہیں۔ اس میں اس بے چاری کا کیا قصور!" وہ چائے کا سپ لے کر بولی۔

"ہاں قصور تو عاشی بے چاری کا نہیں...... مگر میں کیسے حیدر کا دل صاف کروں...... میں نے ایسا کردیا...... تو میرے ہی حق میں نقصان ہوگا۔" انہوں نے آہ بھر کر کہا۔

"وہ کیسے......؟" طیبہ نے چائے کی چسکی لی۔

"اوہو...... حیدر صاحب کے دل میں اس کے لیے محبت بڑھ جائے گی...... تو وہ میری ضرورتوں کے ساتھ ساتھ اس کی ضرورتوں کا بھی خیال رکھنا شروع کردیں گے۔ گھر کا بجٹ بڑھ جائے گا...... اور کوئی بچت نہیں ہوسکے گی اور مزید یہ کہ وہ پھر اپنی بیٹی کو اتنا کام کرنے نہیں دیں گے۔" اس نے آہستہ آواز میں کہہ کر اپنے دل کا ڈر ظاہر کیا۔

"اوہو...... یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں تھا۔ تم تو

WWW.PAKSOCIETY.COM

بہت سمجھداری سے کام لیتی ہو۔"

زینت بیگم اپنی سمجھداری کی تعریف پر پھولے نہیں سما رہی تھیں۔ عاشی باورچی خانے میں رات کا کھانا بنانے میں مصروف رہی اور زینت بیگم اپنی بچھڑی دوست سے گپیں لگاتی رہیں۔

عاشی باورچی خانے میں کھڑی برتن دھو رہی تھی...... جب وہاں تیزی سے زینت پہنچیں اور فکرمندی سے کہنے لگیں۔

"عاشی فوراً اپنے کمرے میں چلی جاؤ...... تمہیں پھر انہوں نے باورچی خانے میں دیکھ لیا تو آج بھی انہیں بھوکا سونا پڑے گا۔" زینت نے تیزی سے بات ختم کی۔ جلدی سے انہوں نے دروازہ کھولا...... یہ حیدر صاحب کے آنے کا ٹائم تھا...... وہ اپنے کمرے میں چلے گئے۔ زینت بیگم نے میز پر کھانا لگا کر انہیں بلایا تو وہ نہیں آئے کہ انہوں نے عاشی کو باورچی خانے میں دیکھ کر یقین کرلیا تھا کہ آج بھی اسی نے کھانا بنایا ہے۔

زینت بیگم کے لاکھ کہنے کے باوجود کہ کھانا اس نے نہیں انہوں نے خود بنایا ہے۔ وہ سونے کی غرض سے بغیر کھائے ہی لیٹ گئے۔ زینت بیگم نے دھڑ سے دروازہ بند کیا اور خود بھی منہ سکھا کر لیٹ گئیں۔ کچھ دیر بعد خود حیدر صاحب کو ہی خیال آیا تو بیوی کی طرف بڑھے۔

"تم نے بھی کھانا نہیں کھایا ہوگا چلو باہر چل کر کھاتے ہیں۔" مگر وہ کچھ نہیں بولیں۔

"تم اچھی طرح سے جانتی ہو...... کہ میں اس کی ذات سے نفرت کرتا ہوں۔ میں اس کو جب، جب دیکھتا ہوں مجھے ہاجرہ کی جدائی تڑپا دیتی ہے...... تم میرے احساسات کو سمجھو...... زینت۔" حیدر صاحب نے ان کا ہاتھ تھاما...... اور افسردگی سے کہنے لگے۔

"ٹھیک ہے...... آئندہ میں اسے کوئی کام کرنے نہیں دوں گی...... سارا دن خود ہی کام کروں گی...... اور اس کو مہارانی بنا کر کھلاؤں گی...... جس سے آپ کو بہت خوشی ملے گی۔" وہ لرزتی آواز سے جواب دے کر کروٹ بدل کر لیٹ گئیں۔

"میں ایسا تو نہیں چاہتا......" وہ گھبرا سے گئے۔

"حیدر صاحب آپ نہیں چاہتے...... کہ آپ کی بیٹی گھر کا کام کرے...... اگر وہ میرا ہاتھ بٹا دے گی تو اس میں برا کیا ہے اور اب تو وہ اس گھر کی فرد ہے۔"

"نہیں، نہیں ایسی بات نہیں...... میں کیوں نہیں تمہیں آرام دینا چاہتا...... یہ تم نے کیسے سوچ لیا......" حیدر صاحب کے چہرے پر فکرمندی کے آثار جھلکنے لگے۔

"ٹھیک ہے...... اگر ایسی بات نہیں...... تو آپ گھر کے کاموں میں نہ الجھیں، وہ مجھے آرام دینے کے لیے خود سے کام کرتی ہے۔" زینت نے لرزتی آواز میں بتایا۔

"اچھا آئندہ میں کچھ نہیں کہوں گا۔ اب موڈ ٹھیک کرلو۔ چلو کھانا کھانے چلتے ہیں۔"

"نہیں، آپ آج گھر کا پکا ہوا کھانا ہی کھائیں گے۔ کل ہم شاپنگ کرنے جائیں گے تو وہیں کھانا کھا لیں گے۔" انہوں نے بیوی کی بات پر سر ہلایا۔

"وعدہ ہے جناب...... آپ فکر نہ کریں...... بندہ آپ کی خدمت میں ہر وقت تیار ہے۔" حیدر صاحب نے ان کا ہاتھ تھام لیا...... اور وہ مطمئن سی ہوکر مسکرانے لگیں۔

☆☆☆

حیدر صاحب بے تابی سے صحن میں ٹہل رہے تھے...... وہ باورچی خانے میں کھڑی برتن دھو رہی تھی...... اسے صبح زینت نے بتا دیا تھا کہ اب اسے اپنے باپ سے چھپ کر کام نہیں کرنا پڑے گا...... انہوں نے اسے گھر کے کام کرنے کی اجازت دے دی ہے...... وہ اسی بات پر خوشی سے کام کرتی جارہی تھی۔

”زینت...... زینت کہاں رہ گئی ہو...... اب آبھی جاؤ...... بازار جانا بھی ہے کہ نہیں؟“ حیدر صاحب نے گھڑی کو دیکھتے آواز دی۔

”بس پانچ منٹ میں آرہی ہوں۔“ ان کے کہیں جانے کا سن کر وہ سوچ میں پڑ گئی کہ وہ اکیلی کیسے رہے گی۔ اسے اکیلے گھر میں رہنے سے بہت ڈر لگتا تھا۔ اس کا چہرہ بجھ سا گیا...... اسے اپنی دادی کی یاد ستانے لگی کہ وہ کبھی اسے اکیلا نہیں چھوڑتی تھیں...... ابھی وہ انہی سوچوں میں گھری ہوئی تھی کہ زینت بیگم نے اسے پکارا۔

”عاشی...... عاشی...... عاشی کہاں ہو؟“

”جی...... جی۔“ وہ تیزی سے صحن کی طرف لپکی۔

حیدر صاحب نے فکرمندی سے بیگم کی طرف دیکھا۔

”حیدر صاحب سامان زیادہ ہوگا...... اس لیے میں نے سوچا کہ عاشی کو بھی ساتھ لے لیتے ہیں۔ یہ اکیلی کیا کرے گی۔“ انہوں نے عاشی کی موجودگی میں بتایا...... عاشی کا سر جھک گیا...... کہ شاید اس کے ابا انکار کر دیں گے۔ حیدر صاحب نے اچھا کہا اور ٹیکسی لینے چلے گئے۔ انہوں نے اس کے ساتھ جانے پر اعتراض نہیں کیا...... عاشی کا بجھا چہرہ کھل اٹھا۔

”عاشی تم چادر لے لو...... تمہارے کپڑے تو ٹھیک ہی ہیں۔“ زینت نے مسکرا کر اس کے کپڑوں کا جائزہ لیا۔

”جیسا آپ مناسب سمجھیں۔“ اس نے شائستگی سے جواب دیا...... اور اپنے کمرے میں تیزی سے چادر لینے چلی گئی۔

زینت نے اِک لمبی سانس بھری...... اور پھر بیگ میں سے سیل فون نکال کر اِک میسج کیا...... ان کی آنکھوں میں عجیب سی چمک در آئی۔

☆☆☆

زینت نے گھر کے لیے خوب شاپنگ کی...... اپنا خریدا سامان وہ عاشی کو تھما رہی تھیں۔ عاشی اپنی چادر کے ساتھ ساتھ سامان کو بہ مشکل سنبھال پا رہی تھی۔ وہ خوش تھی کہ وہ اس گھر کا فرد بن چکی ہے۔ وہ اپنی سوچوں میں گم تھی کہ دوسری اطراف کی دکانوں کی قطار میں کھڑا ایک لڑکا اسے دیکھے جا رہا تھا...... وہ اس سے بالکل بے خبر تھی...... کہ اچانک حیدر صاحب کی نظریں اس لڑکے پر جا ٹھہریں وہ فکرمندی سے عاشی کو دیکھنے لگے...... اس کا چہرہ اسی لڑکے کی جانب تھا پر وہ کہیں اور دیکھ رہی تھی۔

”یہ لڑکا عاشی کو کیوں گھور رہا ہے اور عاشی بھی اسی کی طرف دیکھ رہی ہے...... شاید وہ دونوں ایک دوسرے کو پہلے سے جانتے ہیں۔“ حیدر صاحب نے دونوں کو دیکھ کر سوچا...... اُن کا چہرہ غصے سے سرخ ہونے لگا...... اور وہ زینت کی طرف بڑھے کہ اب انہیں گھر جانا چاہیے۔

”حیدر صاحب...... کیا ہوا؟ آپ بھول رہے ہیں آپ نے تو کسی اچھے سے ہوٹل میں کھانا کھلانے کا کہا تھا۔“ وہ اٹھلا کر بولیں۔

”وہ میرے سر میں ایک دم درد اٹھا ہے، کھانا پھر کبھی......“ وہ نظریں چرا گئے۔ عاشی یہ سمجھنے لگی کہ اس کے ابا اس کی موجودگی میں آنٹی زینت کو ہوٹل نہیں لے کر جا رہے ہیں۔ وہ خود کو کوسنے لگی کہ ان دونوں کی خوشیوں کو کیوں تباہ کر رہی ہے...... اسے ان لوگوں کے ساتھ شاپنگ کے لیے نہیں آنا چاہیے تھا...... حیدر صاحب نے جلد ہی ٹیکسی روکی...... اور پھر وہ تینوں گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔ اسے لگا جیسے اس کے ابا کسی وجہ سے پریشان ہو گئے ہیں...... ان کے چہرے سے بالکل، صاف ظاہر ہو رہا تھا۔ اپنے باپ کے لیے فکرمند سی ہو گئی۔ تقریباً آدھے گھنٹے کے بعد وہ گلی کے نکڑ پر پہنچ گئے تھے۔ ان کا مکان ایک تنگ گلی میں واقع تھا...... جہاں کوئی گاڑی اندر نہیں آ سکتی تھی۔ حیدر صاحب نے ڈرائیور کو

تیزی سے فارغ کیا...... اور پھر تیز تیز قدم اٹھا کر اُن دونوں سے پہلے ہی گھر کی طرف بڑھ گئے تھے۔

”مجھے تو تمہارے ابا کے موڈ کا کچھ پتا نہیں چلتا...... نہ جانے اب اُن کو کون سی بات بری لگ گئی ہے۔“ زینت نے منہ بسور کر کہا۔ وہ بھی فکرمندی سے انہیں دیکھنے لگی۔ زینت بیگم اور وہ گھر کی طرف قدم بڑھا رہی تھیں کہ زینت کے ہاتھ سے پھل کا شاپر چھوٹ گیا۔

”اوہو...... یہ مجھ سے کیا ہوا...... پھل گلی میں بکھر گئے......“ وہ حیرت سے دیکھتے ہوئے بولیں۔

”آنٹی آپ فکر نہ کریں...... میں اٹھا لیتی ہوں، آپ ابا کے پاس جائیں، وہ کس بات پر پریشان ہیں۔“ اس نے اپنا سامان زینت کو تھما دیا اور تیزی سے گرے ہوئے پھل اٹھانے لگی۔

زینت تیزی سے گھر میں داخل ہو گئیں...... حیدر صاحب پانی پی کر انہیں دیکھتے حیرت سے پوچھنے لگے۔

”عاشی...... عاشی...... کدھر ہے؟“

”جی...... وہ بس آرہی ہے۔ کیوں، کیا ہوا؟“ وہ اُن کے غصے پر ڈر سی گئیں۔ حیدر صاحب تیزی سے باہر کے دروازے کی طرف لپکے...... جہاں انہوں نے دیکھا کہ وہی لڑکا گلی کے نکڑ پر کھڑا عاشی کو دیکھ رہا ہے اور عاشی پھل اٹھانے میں مصروف تھی۔

”عاشی اندر آؤ......“ حیدر صاحب کی کرخت آواز نے اسے بری طرح سُن کر دیا...... وہ اپنے باپ کو حیران نظروں سے دیکھنے لگی۔

”عاشی......“ وہ پھر چیخے۔ اسے لگا جیسے اس کی ٹانگوں میں جان ہی نہیں رہی...... وہ غصے سے اس کی طرف لپکے...... اور اس کا بازو سختی سے پکڑ کر اسے اندر لے آئے...... وہ باپ کے اس عمل پر کانپ اٹھی تھی۔ اس بات سے قطعی بے خبر کہ باپ نے گلی کے نکڑ پر کیا دیکھا تھا۔

دنیا کے کسی بھی گوشے میں اور ملک بھر میں

گھر بیٹھے

رسالے حاصل کیجیے

جاسوسی ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ

ماہنامہ پاکیزہ، ماہنامہ سرگزشت

باقاعدگی سے ہر ماہ حاصل کریں، اپنے دروازے پر

ایک رسالے کے لیے 12 ماہ کا زرسالانہ
(بشمول رجسٹرڈ ڈاک خرچ)

پاکستان کے کسی بھی شہر یا گاؤں کے لیے 700 روپے

امریکا، کینیڈا، آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے لیے 8,000 روپے

بقیہ ممالک کے لیے 7,000 روپے

آپ ایک وقت میں کئی سال کے لیے ایک سے زائد رسائل کے خریدار بن سکتے ہیں۔ رقم اسی حساب سے ارسال کریں ہم فوراً آپ کے دیے ہوئے پتے پر رجسٹرڈ ڈاک سے رسائل بھیجنا شروع کر دیں گے۔

یہ آپ کی طرف سے اپنے پیاروں کے لیے بہترین تحفہ بھی ہو سکتا ہے

بیرون ملک سے قارئین صرف ویسٹرن یونین یا منی گرام کے ذریعے رقم ارسال کریں۔ کسی اور ذریعے سے رقم بھیجنے پر بھاری بینک فیس عاید ہوتی ہے۔ اس سے گریز فرمائیں۔

رابطہ: ثمر عباس (فون نمبر: 0301-2454188)

جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز

C-63 فیز II ایکسٹینشن ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی مین کورنگی روڈ، کراچی

فون: 35895313 فیکس: 35802551

WWW.PAKSOCIETY.COM

☆☆☆

وہ رو رہی تھی...... اس کے کمرے میں ان دونوں کی آوازیں آرہی تھیں۔

"خدا کے لیے خاموش ہوجائیں، حیدر صاحب......!" زینت کی آواز ابھری۔

"وہ لڑکا اسی کے لیے یہاں تک آیا...... اور یہ اس کو گھر کی نشاندہی دینے کے لیے باہر کھڑی رہی۔"

"حیدر صاحب...... خدا کے لیے اپنے غصے پر قابو پائیں...... جوان بچی ہے...... محلے والوں نے سن لیا تو ہم کہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گے۔" زینت نے انہیں سمجھایا۔ عاشی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اسے اب سمجھ آیا کہ اس کے ابا کسی لڑکے کے شک کی بنا کر اپنا غصہ نکال رہے ہیں۔

"شکر ہے کہ محلے میں سے کوئی بندہ باہر نہیں تھا...... ورنہ اس لڑکی نے تو میرا سر جھکانے کا پورا انتظام کرلیا تھا۔"

"آہستہ بولیں، خدا کے لیے۔" زینت کی آواز پھر ابھری۔

"ابا خدا کی قسم...... میں کسی لڑکے کو نہیں جانتی۔ میں نے تو کسی لڑکے کو کبھی نظر بھر کر دیکھا تک نہیں، میں بے قصور ہوں۔" وہ اپنے کمرے میں بیٹھی خود سے کہہ رہی تھی۔ اس کے ابا کی آواز پھر ابھری۔

"زینت اس لڑکی پر کڑی نظر رکھا کرو...... ایسا نہ ہو کہ کل کو یہ ہمیں برباد کرکے رکھ دے۔"

"ہاں، ہاں میں دیکھ لوں گی۔ بس آپ خاموش رہیے۔" زینت نے اُن کا غصہ ٹھنڈا کرنے کے لیے ہاں میں ہاں ملائی۔ کچھ دیر کے بعد آوازیں آنا بند ہوگئیں۔

"دادی اماں...... دادی اماں...... آپ مجھے چھوڑ کر کیوں چلی گئیں...... مجھے ساتھ ہی لے جاتیں تو اچھا تھا۔ مجھے یہاں نہیں رہنا...... دیکھیے ابا نے مجھ پر کتنا گھٹیا الزام لگا دیا ہے...... دادی اماں آپ مجھے اپنے پاس بلوالیں۔" اس نے دادی کی تصویر کے فریم کو پکڑ لیا...... اور پھر روتے روتے فریم کو سینے سے لگالیا...... وہ دادی کے سینے سے لپٹنا چاہتی تھی...... وہ اپنے سگے باپ کی نفرت سے ٹوٹ چکی تھی۔

☆☆☆

اس روز وہ اپنے کمرے میں صفائی میں مصروف تھی...... جب زینت سیل فون لے کر کمرے میں پہنچیں۔

"عاشی...... یہ لو......" انہوں نے فون عاشی کی طرف بڑھایا...... سیل فون اس کے ابا کا تھا...... اس کی رنگت پیلی پڑنے لگی...... وہ گھبرا کر بولی۔

"آنٹی...... کون ہے؟" اس نے فون پکڑنے سے پہلے ہی پوچھا۔

"تمہارے ابا نے بھیجا ہے، تمہارے چچا انور کا فون ہے...... لو بات کرلو۔" زینت نے اس کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرا اور فون اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔

"ہیلو...... السلام علیکم...... چچا جان!" وہ گھبرا کر بولی۔

"وعلیکم السلام...... بیٹی کیسی ہو؟" اس کے چچا انور کی آواز اسپیکر میں سے ابھری...... تو اس کا بجھا چہرہ کھل اٹھا۔

"جی، اچھی ہوں۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہمارے بغیر تمہارا ایسا دل لگا کہ اپنے چچا کو فون کرنا ہی بھول گئیں۔" انہوں نے پیار بھرا شکوہ کیا۔

"نہیں نہیں، ایسی بات نہیں چچا...... آپ سب کو میں بہت یاد کرتی ہوں۔" اس کی آنکھیں بھر آئیں۔

"بیٹی...... تمہاری رول نمبر سلپ آگئی ہے اور پندرہ دن کے بعد تمہارے امتحان شروع ہوجائیں گے۔ کل میں تمہیں ڈیٹ شیٹ اور رول نمبر سلپ دے جاؤں گا۔ کتابیں تو تمہارے پاس ہیں ناں۔"

"جی چچا جان، میں پڑھائی کررہی ہوں، آپ کب آئیں گے؟" اس نے بہ مشکل اپنی بھرائی ہوئی آواز پر قابو پایا...... کل رات سے ابا نے صاف طور پر اس کے گھر سے نکلنے پر پابندی لگادی تھی۔

"پڑھائی تو کررہی ہو ناں؟" چچا انور نے پیار سے پوچھا۔

"جی چچا...... پڑھائی کررہی ہوں، اس نے زینت آنٹی سے نظریں چرائیں۔

"اچھا اب میں فون رکھتا ہوں...... اپنا خیال رکھنا...... خدا حافظ۔" انور صاحب نے اسے دعا دے کر فون بند کردیا۔

اس سے پہلے کہ زینت کوئی بات چیت کرتیں...... حیدر صاحب کے پکارنے پر وہ سیل فون لے کمرے سے باہر چلی گئیں...... اس نے اپنے اٹیچی کو کھولا اور تیزی سے اپنی کتابیں نکالنے لگی...... اس کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا...... جس نے اپنی دادی سے وعدہ کیا تھا کہ وہ پڑھائی کو کبھی خیرباد نہیں کہے گی۔

☆☆☆

زینت کپڑوں کو الماری میں ترتیب سے لگا رہی تھیں...... جب وہ چائے کا کپ لے کر اندر داخل ہوئی۔

"سچ میں مجھے چائے کی بہت طلب ہورہی تھی۔" زینت نے مسکرا کر چائے کا کپ تھاما...... اور مسکرا کر بولیں۔

"تم امتحان دینا چاہتی ہو؟" انہوں نے چائے کا سپ لے کر اس سے پوچھا۔ وہ کپڑوں کی تہ لگاتے ہوئے انہیں دیکھنے لگی پھر ہچکچاتے ہوئے بولی۔

"اگر ابا اجازت دے دیں گے تو میں امتحان دینے چلی جاؤں گی۔" اس نے شائستگی سے جواب دیا۔

"امتحان کی تیاری ہے کیا......؟" زینت نے پوچھا۔

"لائیں...... میں آپ کے کپڑے رکھ دیتی ہوں۔" اس نے زینت کے کپڑوں کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

"جی آنٹی...... میں روز رات کو پڑھتی ہوں۔" اس نے اپنی پڑھائی کے متعلق بتایا...... جس سے زینت بے خبر تھی۔

"اچھی بات ہے...... لڑکیوں کو پڑھائی ضرور کرنی چاہیے...... تم امتحان ضرور دینا۔" زینت نے کچھ سوچتے ہوئے جواب دیا۔

"آپ ابا سے پوچھ لیں، میں نہیں چاہتی کہ میری وجہ سے انہیں کبھی کوئی تکلیف ہو۔"

"ہاں، ہاں پوچھ لوں گی...... تم بے فکر رہو...... اور تمہاری پڑھائی سے بھلا انہیں کیوں تکلیف ہوگی۔" زینت نے چائے ختم کرکے اسے تسلی دی۔

"وہ کل رات...... ابا نے مجھے گھر سے باہر......" اس نے بات ادھوری چھوڑ دی...... شرمندگی سے اس کا چہرہ لال ہوگیا کہ اس کے باپ نے کل اس کے کردار پر انگلی اٹھائی تھی۔

"میں ان سے بات کرلوں گی، بس تم اپنی پڑھائی پر توجہ دو۔" زینت نے اسے تسلی دی۔ وہ تیزی سے الماری میں کپڑوں کو ترتیب سے لگانے لگی۔ اسے باقی کام بھی گھر کے نمٹانے تھے...... اور پھر پڑھائی بھی کرنی تھی...... زینت کے ساتھ نے اسے کافی ریلیکسڈ کردیا تھا۔ اس کے دل میں اُن کی عزت مزید بڑھ گئی تھی۔

☆☆☆

وہ رات دیر تک پڑھ رہی تھی کہ اس کے دروازے پر دستک ہوئی۔ اس نے وال کلاک کی طرف دیکھا...... رات کے تین بج رہے تھے...... وہ گھبرائی آواز سے بولی۔

"کون ہے؟" اس نے دروازے کی طرف قدم بڑھا دیے۔

"تم سوئی کیوں نہیں؟ تمہارے کمرے کی لائٹ کیوں آن ہے؟" حیدر صاحب کی آواز آئی۔ ابھی اس نے دروازہ نہیں کھولا تھا۔ اس نے تیزی سے

WWW.PAKSOCIETY.COM

بڑھ کر دروازہ کھولا...... اور ان کے سامنے سر جھکائے کھڑی ہوگئی۔

وہ کمرے میں داخل ہوگئے اور عجیب نظروں سے پورے کمرے میں نگاہیں دوڑائیں...... اور پھر منہ ہی منہ میں بولے۔ ”کمرے میں سے عجیب سی آوازیں آرہی تھیں جیسے کوئی دو انسان باتیں کررہے ہوں۔“ انہوں نے اپنا وہم ظاہر کر کے کمرے سے باہر قدم بڑھا دیے۔

وہ باپ کی بات پر کانپ سی گئی۔ اس کے زور زور سے پڑھنے کی آواز پر ابا کچھ الٹا ہی مطلب سوچنے لگے...... البتہ کمرے میں کسی کو نہ پا کر وہ تسلی سے اپنے کمرے میں آکر سوگئے...... مگر وہ دیر تک روتی رہی...... اس کا دل چاہنے لگا...... اسے اب چچا انور سے بات کرنی چاہیے۔ ورنہ وہ یوں کب تک اپنے ہی باپ کے ہاتھوں ذلیل ہوتی رہے گی۔ وہ روتے روتے کب سوگئی...... اسے اندازہ نہیں ہوا اس کی آنکھ تبھی کھلی جب زینت نے اس کے ہاتھ سے کتاب پکڑ کر ٹیبل پر رکھی۔ وہ آنکھیں ملتے اٹھ بیٹھی۔

”عاشی صبح ہوگئی، اب اٹھ جاؤ۔“ اس نے گھڑی کی طرف مُندی آنکھوں سے دیکھا۔

”اوہ نو بج گئے میں کتنی دیر تک سوتی رہی۔“ وہ خود سے ہی بولی تھی۔ اس کی آنکھیں کل رات رونے کی وجہ سے سُوج گئی تھیں۔

”تم ہاتھ منہ دھولو، میں تمہارے لیے ناشتا تیار کرلیتی ہوں۔“ زینت نے پیار سے کہا۔

”نہیں آنٹی...... میں خود ناشتا بنالوں گی آپ پہلے ہی میرا بہت خیال رکھتی ہیں۔“

”اوہو...... میں نے ایسا کچھ نہیں کیا۔ تم کپڑے استری کرلو، کہیں لائٹ نہ چلی جائے۔ میں ناشتا فٹافٹ تیار کرتی ہوں۔ آج تمہارا دو بجے پیپر ہے۔“ انہوں نے کہا اور تیزی سے کمرے سے چلی گئیں۔

وہ مزید انکار نہ کرسکی...... زینت کے جانے پر اس نے تیزی سے واش روم کا رخ کیا...... اور اس کے دل سے بے شمار دعائیں زینت آنٹی کے لیے نکلی تھیں۔

☆☆☆

وہ پیپر دے کر خوشی، خوشی گھر کی طرف آرہی تھی کہ پیچھے سے اسے کسی نے مخاطب کیا۔

”سنیں......“ اس نے مڑ کر دیکھا...... تو ایک چوبیس، پچیس سالہ نوجوان اس کی طرف کوئی کاغذ بڑھا رہا تھا۔

”کیا آپ اس ایڈریس کو جانتی ہیں...... میرا نام سبحان ہے...... میں اس شہر میں نیا ہوں...... پلیز میری مدد کریں۔“ اس نے ایک ہی سانس میں وضاحت دی۔ وہ کاغذ پر لکھا ایڈریس پڑھ کر کہنے لگی۔

”نہیں، اس ایڈریس کے متعلق کچھ نہیں جانتی...... دراصل میں خود یہاں نئی ہوں...... آپ کسی اور سے پوچھ لیں۔“ اس نے شائستگی سے جواب دیا...... اور وہ کاغذ واپس اس لڑکے کو تھما دیا۔ سبحان نے بھی شکریہ ادا کیا اور آگے بڑھ گیا...... وہ گھر میں ابھی داخل ہی ہوئی تھی کہ ابا بھی پیچھے، پیچھے گھر میں داخل ہوئے...... اور غصے سے اسے دیکھ کر چیخ کر بولے۔

”تجھے منع بھی کیا تھا مگر تو اپنی حرکت سے باز نہیں آئی...... آخر اس لڑکے کو گھر تک بلوا لیا۔“ انہوں نے ایک زور کا طمانچہ رسید کیا۔ وہ بوکھلا سی گئی...... اس کے ہاتھ سے کتابیں اور ایگزام بورڈ چھوٹ گیا اور وہ کانپتے ہوئے بولی۔

”خدا کے لیے ابا میرا یقین کریں...... میں اس لڑکے کو نہیں جانتی...... وہ تو کسی کا ایڈریس پوچھ رہا تھا۔“ اس نے روتے روتے بتایا۔ حیدر صاحب نے اس لڑکے کے ساتھ اسے بات کرتے دیکھ لیا تھا۔

”جھوٹی، منحوس کہیں کی...... تو باہر کیسے نکلی؟ بتا مجھے...... گھر سے باہر قدم کیوں رکھا؟“ وہ چیخنے لگے۔

زینت بیگم جو چھت پر کپڑے پھیلانے کی غرض سے گئی تھیں سیڑھیاں اترتے ہوئے یہ صورتِ حال دیکھ کر بھاگتی ہوئی ان دونوں کے درمیان آکھڑی ہوئیں اور ہکلاتے ہوئے بولیں۔

”وہ...... وہ اسے پیپر دینے کے لیے میں نے ہی بھیجا تھا۔“ زینت بیگم نے غصے سے بپھرے شوہر کو قابو کرنے کی کوشش کی۔

”آئندہ یہ گھر سے باہر نکلی...... تو اس کی ٹانگیں توڑ دوں گا۔“ وہ دوبارہ اس پر ہاتھ اٹھانے کے لیے آگے بڑھے۔

”معاف کردیں...... بچی ہے...... معاف کردیں......“ زینت نے اُن کا بازو پکڑ کر انہیں پیچھے کیا۔

”زینت اس لڑکی سے کہہ دو کہ دور ہوجائے میری نظروں سے۔“ اُن کے منہ سے کف اُڑ رہا تھا۔ عاشی معصوم روتی چلی جارہی تھی۔ وہ بے قصور تھی...... مگر اپنے باپ سے بحث کر کے اپنے رشتے کے خلا کو مزید گہرا نہیں کرنا چاہ رہی تھی...... اس لیے مجرم بن کر سر جھکائے کھڑی رہی۔

☆☆☆

وہ رات رو رو کر اس نے گزاری...... زینت نے اسے بہت پیار سے سمجھا کر کاموں میں لگایا، اگلے دن وہ ناشتا بڑی بے دلی سے تیار کررہی تھی...... جب اسے باورچی خانے کی کھڑکی سے ابا کی آواز سنائی دی۔

”زینت دیکھو...... عاشی پر اپنی نظر رکھنا...... اسے اکیلے چھت پر بھی مت جانے دینا۔“ وہ بیوی کو سختی سے سمجھا رہے تھے۔

”جی...... جی آپ فکر نہ کریں...... میں خیال رکھوں گی۔ آپ اطمینان سے آفس جائیں۔“ زینت نے انہیں تسلی دی۔

”یا خدا...... یہ سننے سے پہلے میں مر کیوں نہ گئی...... میں کیسے ابا کو اپنے بے قصور ہونے کا ثبوت دوں...... یا اللہ تو مجھ پر کرم کر...... میری قسمت میں ایسے دکھ کیوں لکھ دیے۔ مجھ میں اتنی سکت نہیں، اب تو مجھے خود بھی یقین ہونے لگا ہے کہ میں منحوس ہوں......“ اس کی آنکھوں سے آنسو موسلا دھار بارش کی طرح بہہ نکلے۔

”عاشی...... عاشی......“ زینت آنٹی نے اسے پکارا...... تو اس نے بہ مشکل اپنے آنسوؤں پر قابو پایا۔ وہ باورچی خانے میں آپہنچی تھیں۔

”تم نے اپنے ابا...... کی باتیں تو سن لی ہوں گی؟“ زینت نے اس کی سوجی آنکھوں کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”نہیں...... میں نے کچھ نہیں سنا......“ اس نے اپنی نظریں چرائیں...... اور چائے تھرماس میں انڈیلنے لگی۔

”عاشی...... کیا میں پوچھ سکتی ہوں...... کہ آخر سچ کیا ہے؟“ آنٹی نے اس کا چہرہ اپنی طرف کرتے

Personality Development Dr. Online

۱۔ مضبوط قوت ارادی کے ساتھ پر اعتماد اور کامیاب زندگی گزارنا آپ کا حق ہے۔
۲۔ آپ ہماری رہنمائی میں اپنی شخصیت کی خامیاں دور کر کے اپنا یہ حق حاصل کر سکتے ہیں۔
۳۔ Suggesion کی مشقوں کے ذریعہ احساس کمتری دور کر کے خود اعتمادی حاصل کریں۔ کامیاب زندگی گزاریں۔
۴۔ مسمریزم کی مشقوں کے ذریعے (صرف 27 دن میں) بے پناہ قوت ارادی حاصل کریں۔ ارادے کی قوت سے آپ جو چاہیں حاصل کر سکتے ہیں۔
۵۔ علم النفس کی مشقوں کے ذریعے دل و دماغ کو پرسکون کر سکتے ہیں۔ مراقبہ کر سکتے ہیں اور ماورائی قوت حاصل کر سکتے ہیں۔
۶۔ مثبت انداز زندگی سیکھ کر آپ بہتر ازدواجی اور معاشرتی زندگی گزار سکتے ہیں خاندان اور معاشرے کے ہر دل عزیز فرد بن سکتے ہیں۔
۷۔ اپنے Depression اور Anxiety کو (Medicine & Psychotherapy) کے ذریعے دور کر کے اپنے اندر کی اداسی مایوسی ناامیدی بے چینی بے خوابی غصہ چڑچڑا پن ذاتی اور ازدواجی زندگی میں ناکامی پر قابو پا کر ایک پرسکون اور کامیاب زندگی گزار سکتے ہیں۔
۸۔ اپنے روحانی مسائل کے حل اور وظائف کے حصول کے لئے بھی رابطہ کر سکتے ہیں۔ ہر طرح کی نفسیاتی اور جسمانی کمزوری کے لئے Alternative Medicines بذریعہ ٹیلی فون ای میل ایس ایم ایس منگوائی جا سکتی ہیں

ڈاکٹر محمد لطیف شاہین
ایم بی بی ایس (بی ایس سی آنرز)
رابطہ اور فیس مشورہ کے لیے
صبح 11 تا 1 بجے تک رات 8 تا 10
03216528001
email: dr.muhammadlatifshaheen@gmail.com

ہوئے پوچھا۔

"آنٹی ایسی کوئی بات نہیں، معلوم نہیں ابا کو کیا شک ہوگیا ہے، میں تو......" وہ بات مکمل نہیں کر پارہی تھی۔ اس کا رنگ پیلا زرد پڑ گیا...... ابا کے لگائے زخموں پر مرہم اب زینت آنٹی لگارہی تھیں۔ جن سے اسے آخری امید تھی کہ ایک نہ ایک دن وہ ابا کے دل میں اس کی جگہ بنادیں گی مگر زینت آنٹی کے سوال سے اس کا دل پھٹنے لگا۔

"تم پریشان نہ ہو، اگر یہ غلط فہمی ہے تو میں جلد دور کردوں گی۔" اس نے سر جھکالیا۔

"تم مجھ سے خفا ہو گیا......؟" حیدر صاحب نے آفس سے آکر زینت بیگم کے لاتعلق سے رویے پر فوراً ان سے پوچھا کیونکہ آج انہوں نے شوہر کا اس خوش دلی سے استقبال نہیں کیا تھا جیسا کہ وہ کیا کرتی تھیں۔

"ہاں، میں آپ سے خفا ہوں۔" انہوں نے فوراً جواب دیا۔

"تم مجھے غلط سمجھ رہی ہو...... میں نے اپنی ان گنہگار آنکھوں سے دو دفعہ اسی لڑکے کو عاشی کے نزدیک دیکھا ہے۔" حیدر صاحب کے چہرے کا رنگ پھیکا پڑنے لگا۔

"میں آپ کو غلط نہیں کہہ رہی...... مگر عاشی بھی جھوٹ نہیں بول رہی...... کم از کم آپ اسے پیپرز تو دینے دیں۔" زینت نے اس کی حمایت کی۔

"نہیں...... وہ اب اکیلے باہر نہیں جائے گی...... میں جو کررہا ہوں، اس میں ہی اس کی بھلائی ہے۔" اُن کے چہرے پر فکر مندی کے آثار چھاگئے۔ زینت پھر بھی عاشی کی طرف داری کرتی رہیں۔

"اچھا بس اب سوجاؤ مجھے نیند آرہی ہے...... میں نے جو بھی فیصلہ کیا ہے ٹھیک کیا ہے۔" یہ کہہ کر وہ کروٹ بدل کر سوگئے۔

آدھی رات کے قریب کسی چیز کے گرنے پر اچانک ان کی آنکھ کھلی وہ گھبرا کر اٹھے۔ زینت کو بیڈ پر سکون سے سوتا دیکھ کر انہیں نہ جگایا اور خود آہستہ قدموں سے باہر برآمدے میں آگئے۔ یکا یک عاشی کے کمرے کا دروازہ کھل گیا...... اور اس کمرے سے عاشی کے بجائے انہوں نے اسی لڑکے کو باہر نکلتے دیکھا۔

"ٹھہر جا ذلیل...... گھٹیا انسان رات کے اندھیرے میں میری عزت تباہ کرنے آیا ہے۔" وہ اس کی طرف لپکے تیزی سے وہ جو کوئی بھی تھا انہیں دیکھ کر بوکھلا گیا اور تیزی سے بھاگ نکلا۔ باہر کا دروازہ کھلا ہوا تھا ادھر عاشی کی شکل سے تو صاف لگ رہا تھا کہ وہ گہری نیند سے اٹھی ہے جبکہ زینت بیگم ان کی زوردار آواز پر صحن میں پہنچیں تو وہ تازہ دم لگ رہی تھیں۔

"وہ، وہ لڑکا...... ابھی ابھی......" حیدر صاحب کے منہ سے جملہ مکمل نہیں ہوا اور انہوں نے فوراً عاشی کا گلا دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیا...... عاشی اپنے باپ کے اس حملے پر بوکھلا سی گئی...... "میں تجھے آج زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

"ابا...... ابا چھوڑیں، کیا ہوگیا ہے آپ کو۔" وہ بہ مشکل بولی۔ وہ عاشی کا گلا زور سے دبانے لگے۔ زینت بیگم نے انہیں روکا بھی مگر اُن کے سر پر خون سوار تھا...... انہوں نے بیوی کی بھی ایک نہ سنی۔ جب عاشی کھانسنے لگی...... اور اس کی رنگت پیلی پڑنے لگی تو وہ چیخیں۔

"چھوڑیں...... حیدر صاحب...... وہ مر جائے گی۔"

"تو نے میری ہاجرہ کو مارا ہے اور تو نے ہی میری عزت کا جنازہ میری آنکھوں کے سامنے نکالا ہے، میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" گلا دبنے کی وجہ سے اس کی آنکھیں باہر کی طرف آنے لگیں۔ بے دم ہو کر وہ اپنے باپ کے سینے پر ہاتھ مارنے لگی...... کہ وہ اُن کی گرفت سے آزاد ہو جائے گی مگر وہ معصوم خود کو اس جنونی شخص سے چھڑوا نہ سکی اور اس کے ہاتھ پاؤں یکا یک ڈھیلے پڑنے لگے۔ زینت عاشی کی یہ حالت دیکھ کر چیخیں۔

"چھوڑ دیں...... حیدر صاحب......" زینت نے اُن کے بازو جھنجوڑے ان کی گرفت ڈھیلی پڑی اور عاشی زمین پر جا پڑی...... اس کی آنکھیں اور زبان باہر کو آنکلی تھی...... اور وہ یہ دنیا چھوڑ کر جا چکی تھی۔ زینت چیخنے لگیں اور حیدر کے چہرے پر ہوائیاں اُڑنے لگیں۔ وہ حیرت سے کبھی عاشی کو دیکھتے تو کبھی اپنے ہاتھوں کو کہ یہ اُن سے کیا ہوگیا۔

☆☆☆

"اب تو میری قسمت میں صرف رونا ہی رہ گیا ہے۔ میرا گھر تباہ ہوگیا...... اور میں کچھ نہ کرسکی۔" زینت بیگم رو رہی تھیں۔

"سچ میں عاشی منحوس تھی...... باپ کو جیل کے اندھیروں میں لے گئی۔ مجھے افسوس ہے کہ میں حیدر بھائی کی سوچ کو غلط قرار دیتی تھی۔" زینت بیگم کی سہیلی اس سانحے پر اُن کا غم بٹانے آئی تھی۔

"ہاں...... ہاں طیبہ...... کاش میں بھی یہ سمجھ پاتی...... اور اس منحوس کو اپنے گھر سے نکال دیتی...... مگر اب تو وہ میرا سب کچھ برباد کرکے چلی گئی...... حیدر کو عمر قید کی سزا مل گئی۔" زینت نے روتے روتے بتایا...... عاشی تو اپنی جان سے چلی گئی تھی۔ چچا اور دیگر لوگوں کو نا معلوم کون کون سی کہانیاں سنائی تھیں۔ اب اتنے بڑے گھر میں زینت اکیلی بیٹھی اپنی سہیلی طیبہ سے دل کا حال کہہ رہی تھیں۔

☆☆☆

ایک ماہ کے بعد زینت کے گھر کے دروازے پر دستک ہوئی...... وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھا کر دروازے کے پاس پہنچیں...... اور ...... دروازہ کھولا...... تو سامنے وہی نوجوان کھڑا تھا۔

"سبحان...... تم......؟" زینت کے چہرے پر خوشی کے آثار چھاگئے۔

"اماں...... سب کچھ آپ کی مرضی کے مطابق ہوگیا ناں؟" اس نے زینت بیگم سے کہا۔

"ہاں...... بیٹا...... سب کچھ ہماری مرضی کے مطابق ہوگیا...... یہ گھر اب ہمارا ہے...... اپنی دونوں بہنوں کو کل لے آنا...... میں نے اپنے بچوں کے لیے گھر لے لیا......" زینت نے اِک لمبی سانس بھری۔

"اماں...... اب ہمیں کسی کا کرایے دار بن کر کبھی ذلیل نہیں ہونا پڑے گا۔" سبحان کے چہرے پر مسکراہٹ ابھری۔

"ہاں بیٹا...... اب کوئی ہمیں ذلیل نہیں کرے گا...... کوئی ہمیں دھکے دے کر باہر نہیں پھینکے گا۔ تمہارے باپ نے مجھے اُس امیر عورت کے لیے طلاق دے کر گھر سے دھکے مار مار کر نکالا تھا...... اُس عورت کے گھر سے بڑا اب ہمارا گھر ہے......" زینت نے اپنے پہلے شوہر کی باتیں یاد کر کے کہا۔

"اماں...... بس میں ابھی بہنوں کو لے کر آتا ہوں۔" سبحان نے خوشی خوشی کہا۔

زینت بیگم نے دروازہ بند کیا...... اور پھر گھر کو دیکھتے دیکھتے بولیں۔

"حیدر میں نے تم سے شادی صرف اس گھر کو پانے کے لیے کی تھی...... حیدر تمہاری بیٹی منحوس نہیں تھی...... بلکہ تمہاری منفی سوچ نے اسے منحوس بنادیا تھا۔ وہ تو بہت معصوم تھی...... بہت معصوم...... عاشی ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا...... شاید تم نے مجھے معاف کردیا ہوگا دیکھو میں نے تمہیں، تمہارے باپ کی نفرت سے آزاد کرادیا......" زینت کی آنکھوں میں آنسو اُمڈ آئے۔ وہ حیدر کی تصویر کو بغور دیکھتے ہوئے بولی۔ "وہ جو اپنوں کا وفادار نہیں ہوتا...... اسے وفا کبھی نہیں مل سکتی...... عاشی منحوس نہیں تھی...... منحوس تو تم خود تھے جسے نہ بیوی کی وفا ملی اور نہ بیٹی کا پیار مل سکا۔" یہ کہہ کر زینت نے آنکھیں موند لیں...... ان کے چہرے پر سکون تھا...... مگر آنکھ سے دو قطرے آنسو ضرور نکلے تھے شاید عاشی کی بے بس موت یاد آگئی تھی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

منی ناول

اک نئے موڑ پر

رضوانہ پرنس

دوسرا حصہ

کبھی منزل ، کبھی رستہ کوئی کیسے بدلتا ہے
ہمیں معلوم ہی کب تھا کوئی کیسے بدلتا ہے
یقیں سے بے یقینی کے سفر تک ساتھ تھا میرے
بدل کر اس نے دکھلایا کوئی کیسے بدلتا ہے

راہِ زیست کبھی پُرخار و پُرپیچ تو کبھی رواں دواں ہوتی ہے۔ اسی راہ پر سفر کرتے ہوئے اجنبی مسافروں سے آشنائی، کبھی منزل کی جانب رہنمائی کرتی ہے تو کبھی راہ گم کردیتی ہے... ایسے ہی ایک مسافر کا دلگداز احوال جو منزل پر پہنچا تو ضرور مگر کیسے...؟

شوبز کی دنیا کے اسرار سے پردے اٹھاتی، گراتی ایک دل فریب روداد

کتنا سوگوار سا ماحول تھا چہار سو۔ ایک اداس سی خاموشی کے حصار میں سارا گھر ڈوبا ہوا تھا۔ صبح سے بارش کا بھی نہ رکنے والا سلسلہ جاری تھا بالکل اس گھر کے مکینوں کے آنسوؤں کی طرح جو کسی طرح تھم کر ہی نہیں دے رہے تھے۔ زنیرا نے آنسوؤں سے بوجھل نظریں اٹھا کر سامنے بیٹھے ہوئے فاران کی جانب دیکھا جو صوفے کی بیک سے ٹیک لگائے بہت نڈھال سا بیٹھا ہوا تھا۔ ساجدہ باجی پاس بیٹھی

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہولے ہولے اس کا سر سہلا رہی تھیں۔ وہ کل صبح ہی بحرین سے یہاں پہنچی تھیں۔ راحیلہ بھی متورم آنکھوں کے ساتھ اُن لوگوں کے نزدیک ہی قالین پر بیٹھی نہ جانے کن سوچوں میں گم تھیں۔ تبھی سارہ بھابی اندر داخل ہوئیں۔ اُن کے ہاتھوں میں ٹرے تھی جس میں بھاپ اڑاتے ہوئے چائے کے مگ رکھے ہوئے تھے۔ ذیشان بھائی بھی ان کے ہمراہ تھے۔

''چلو فاران، اٹھو کل سے تم نے ڈھنگ سے کچھ نہیں کھایا پیا ہے۔ چائے کے ساتھ یہ سینڈوچ کھالو ورنہ طبیعت مزید خراب ہوجائے گی۔'' انہوں نے ٹرے میں سے چائے کا مگ اور سینڈوچ کی پلیٹ میز پر رکھتے ہوئے فاران کو بہت پیار سے مخاطب کیا پھر وہ اپنی دونوں بہنوں کی طرف متوجہ ہوکر انہیں بھی چائے پینے کے لیے اصرار کرنے لگے جبکہ سارہ بھابی بھیگی آنکھوں کے ساتھ زنیرا کو زبردستی چائے پینے پر مجبور کررہی تھیں تبھی راحیلہ کو اچانک ہی اجالا کا خیال آیا جو کافی دیر سے کہیں نظر نہیں آئی تھی۔

''سارہ بھابی یہ اجالا کہاں ہے؟ پتا نہیں اس نے بھی کچھ کھایا ہے یا نہیں؟'' راحیلہ نے بہت فکرمندی سے پوچھا۔

''وہ گیسٹ روم میں بچوں کے پاس ہے۔ سب ہی بچے بہت اداس اور سہمے ہوئے ہیں۔ اپنے دادا کے چہیتے بھی تو بہت تھے۔'' سارہ نے گلوگیر آواز میں جواب دیا۔ الطاف صاحب کے اچانک انتقال نے جیسے پورے گھر کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ کسی کو یقین ہی نہیں آرہا تھا کہ ایک ہنستا بولتا ہشاش بشاش سا انسان ایک دم سے کیسے ہمیشہ کے لیے اُن لوگوں کو چھوڑ کر جاسکتا ہے۔ ان دنوں وہ فاران اور زنیرا کی ازدواجی زندگی میں آنے والی ٹینشن سے کچھ پریشان ضرور تھے لیکن بقول ذیشان وہ اسے دل پر قطعی نہیں لے رہے تھے کیونکہ انہیں پورا یقین تھا کہ یہ وقتی ہے اور زنیرا اور فاران کی محبت اتنی کمزور نہیں جو ان چھوٹی چھوٹی باتوں کی وجہ سے ختم ہوجائے بلکہ پرسوں ہی زنیرا سے فون پر بات کرنے کے بعد انہوں نے ذیشان سے کہہ کر دوسرے دن کی فلائٹ سے اپنی سیٹ بھی بک کروالی تھی۔ انہیں پوری امید تھی کہ اُن کے جانے سے زنیرا بہت سنبھل جائے گی۔ اسی دن انہوں نے فاران کو بھی فون کرکے اپنے پروگرام سے آگاہ کیا تھا۔

''ارے واہ ابا، یہ تو آپ نے بہت زبردست پروگرام بنالیا۔ سچ میں بھی آج یہی سوچ رہا تھا کہ آپ اگر زنیرا کو سمجھائیں گے تو اور ہی بات ہوگی، وہ آپ کو مانتی بھی بہت ہے۔'' فاران سچ مچ اُن کا پروگرام سن کر خوش ہوگیا تھا۔

''ارے میرے ہیرو تم دل جمعی کے ساتھ اپنا کام مکمل کرواؤ۔ میں تمہارے گھر کی اصلی فلم کا ڈائریکٹر بن کر اس کا ہیپی اینڈ کرنے کی کوشش کرتا ہوں لیکن بیٹا تمہارے گھر کی ہیروئن کو ڈائریکشن دینا اس وقت مجھے دنیا کا مشکل ترین کام لگ رہا ہے۔'' ان کے پُرمزاح لہجے پر فاران کو بے ساختہ ہنسی آگئی۔ اپنے ابا سے بات کرکے جیسے اس کا ذہن ایک دم سے فریش ہوگیا تھا۔ اسے ایسا محسوس ہوا تھا جیسے اس کے ابا اس کی ساری ذہنی پریشانیاں اور ٹینشن اپنے دامن میں سمیٹ کر پھر سے اس کی زندگی میں سکون کے رنگ بھر دیں گے۔ وہ زنیرا سے اپنی روز روز کی چخ چخ سے تنگ آچکا تھا۔ وہ اپنے ابا سے کتنی خوشی، خوشی اس پروگرام کے بارے میں ڈسکس کررہا تھا۔ اس بات سے بے خبر کہ آنے والا کل کتنی بڑی قیامت چھپا کر اس کی زندگی میں آنے والا ہے۔ اس کے ابا جس صبح کراچی جانے کی بات کررہے ہیں وہ صبح تو اُن کی زندگی میں تھی ہی نہیں۔ رات کے کھانے کے بعد سارہ ان کے کمرے میں ان کے ساتھ مل کر پیکنگ کروا رہی تھی کہ اچانک ان کی طبیعت کچھ ایسی بگڑی کہ اسپتال تک جانے کا وقت نہیں ملا پل بھر میں سارا منظر بدل گیا۔

لاہور میں فاران کو جب یہ اطلاع پہنچی تو وہ صدمے سے ساکت رہ گیا۔ اسے کسی طور یقین نہیں آرہا تھا۔ ابھی کچھ گھنٹے قبل تو وہ اپنے ابا سے باتیں کررہا تھا۔ اُن کی ہنسی سن رہا تھا۔ اپنے شفیق ابا کی امید افزا باتیں، اُن کی حوصلہ افزائی اس کے دل میں ایک نئی امنگ اور سکون آمیز خوشی بن کر اتر رہی تھیں پھر بھلا کیسے وہ ایک دم اسے چھوڑ کر جاسکتے ہیں لیکن موت شاید نام ہی تمام محبتوں اور رشتوں کو توڑ کر جانے کا ہے۔ وہ بے قرار ہوکر رو رہا تھا۔ اس وقت اتفاق سے اسلام آباد کے لیے کوئی فلائٹ نہیں تھی لیکن شیرازی صاحب نے فوری کسی کار کا بندوبست کرکے اسے بائی روڈ اسلام آباد روانہ کردیا۔ اِدھر زنیرا اور راحیلہ پر بھی یہ خبر ایک قیامت بن کر ٹوٹی تھی۔ کل رات ہی تو ذیشان بھائی نے فون کرکے ان لوگوں کو الطاف صاحب کے آنے کے بارے میں بتایا تھا۔ زنیرا کے اداس دل میں خوشی کی ایک لہر سی دوڑ گئی تھی۔ آٹھ دس دن سے فاران اپنی شوٹنگ میں بہت زیادہ بزی رہا تھا۔ فلم کی ریلیز کی ڈیٹ اناؤنس کردی گئی تھی اور کام مقررہ وقت پر ختم کرنا ضروری تھا۔ پورا یونٹ دن رات بزی رہتا تھا۔ زنیرا، فاران کی اس مجبوری، اس کے کام کی گہرائی، اس کی ٹینشن، اس کی بے اندازہ محنت اور مصروفیت کسی بھی چیز کو سمجھنے کی روادار نہیں ہورہی تھی۔ اگر کبھی فاران کا فون آبھی جاتا تو اختتام زنیرا کے رونے یا غصے پر ہوتا تھا۔ راحیلہ باجی کے شوہر اپنے آفس کے کسی کورس پر فرانس گئے ہوئے تھے سو وہ اپنے اکلوتے بیٹے حمزہ کے ساتھ زنیرا کے اصرار پر اس کے پاس رہنے کے لیے آئی ہوئی تھیں اور بھائی، بھاوج کے درمیان بڑھتی تلخیوں پر کافی پریشان بھی تھیں۔ کچھ دنوں سے زنیرا کو بخار بھی ہورہا تھا۔ ادھر روشانہ کی چڑچڑاہٹ بھی عروج پر تھی۔ ضد پر آتی تو رو رو کر گھر سر پر اٹھالیتی۔ زنیرا کبھی پیار سے سمجھانے کی کوشش کرتی اور کبھی چلا کر اس پر اپنا غصہ اتارتی۔ راحیلہ باجی ان حالات میں خود بھی کافی اپ سیٹ ہورہی تھیں، ایسے میں الطاف صاحب کے آنے کی خبر نے جیسے ماحول میں کچھ تازگی سی بکھیر دی۔ زنیرا کو بھی ایک عجیب سی تقویت کے احساس نے خود ہی بستر سے اٹھ جانے پر مجبور کردیا۔ شروع، شروع میں وہ انہیں الطاف انکل ہی کہتی تھی لیکن پھر اُن کی خواہش پر وہ بھی انہیں ابا کہہ کر پکارنے لگی تھی۔ اس نے بڑی لگن سے ان کا کمرا صاف کرکے اسے بہت پیار سے سیٹ کیا تھا۔ صبح ابا کو آنا تھا۔ زنیرا نے بچوں کو بھی اسکول سے چھٹی کرنے کا کہہ دیا تھا کہ کل سب ہی کا ائرپورٹ جاکر انہیں ریسیو کرنے کا پروگرام تھا۔ بچوں کے سوجانے کے بعد وہ اور راحیلہ باجی بیٹھے گپ شپ کررہے تھے کہ اچانک بجتی ہوئی فون کی گھنٹی نے جیسے ان کی ساری خوشیوں کو نگل لیا۔ ذیشان بھائی نے روتے ہوئے جو خبر سنائی تھی اس نے جیسے روشنی سے جگمگاتے کمرے میں گھٹا ٹوپ اندھیرا پھیلا دیا۔ راحیلہ باجی سنبھالے نہیں سنبھل رہی تھیں اور زنیرا اُن کو سنبھالتے ہوئے خود بھی بے حال ہورہی تھی۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ کیا ہوگیا ہے۔ پتا نہیں کس طرح اس نے اپنی امی کو فون کرکے یہ اندوہ ناک خبر سنائی تھی اور انہوں نے ہی پھر سب عزیز و اقارب کو فوری اطلاع دی تھی کیونکہ بہت صبح کی فلائٹ سے وہ لوگ اسلام آباد روانہ ہورہے تھے۔ اجالا بھی یہ خبر سن کر ششدر رہ گئی تھی۔ الطاف انکل نے اسے گودوں کھلایا تھا۔ وہ بچپن سے ہی ان کی بہت چہیتی رہی تھی شاید اس لیے بھی کہ انہوں نے ہمیشہ اسے اپنی بہو کے روپ میں محسوس کیا تھا اور جب اس کی امی نے اسے آدھی رات کو جگا کر الطاف انکل کے انتقال کی خبر سناتے ہوئے یہ بھی بتایا کہ زنیرا اور راحیلہ چند گھنٹوں میں اسلام آباد

WWW.PAKSOCIETY.COM

روانہ ہو رہے ہیں تو اسی لمحے اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ بھی ان لوگوں کے ساتھ اسلام آباد جا کر اپنے الطاف انکل کا آخری دیدار کرے گی۔ سو بہت آنسوؤں کے ساتھ اس نے بیگ میں اپنے چند جوڑے اور کچھ ضروری چیزیں رکھیں۔ بچوں کو امی کے حوالے کر کے وہ بھی دو تین دن کے لیے ان لوگوں کے ساتھ اسلام آباد چلی آئی تھی۔

اجالا کا ان لوگوں کے ساتھ آجانا ایک طرح سے اچھا ہی ہوا تھا۔ زنیرا کا بخار اس اچانک صدمے نے کافی تیز کر دیا تھا۔ راحیلہ باجی بھی شدید صدمے سے دوچار تھیں۔ فاران تو غم سے اتنا نڈھال تھا کہ اسے اپنے آنسوؤں میں کہیں زنیرا نظر ہی نہیں آرہی تھی۔ یہی حال ذیشان بھائی اور سارہ کا تھا۔ ایسے میں اجالا نے زنیرا کا خیال رکھنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ بچے بھی بہت سہمے ہوئے اور صدمے میں تھے۔ یہ اجالا ہی تھی جس نے انہیں سنبھالا اور اپنی دل جوئی سے اُن کے معصوم دلوں کو تھوڑی سی تقویت دینے میں کامیاب بھی ہوئی۔ اجالا، فاران اور زنیرا کے درمیان حائل سرد مہری کو اچھی طرح محسوس کر رہی تھی۔ یہ ایسا غم تھا جس میں یقیناً رونے کے لیے فاران کو اپنی شریکِ زندگی کا کاندھا درکار تھا اور زنیرا کی جو کیفیت ہو رہی تھی اس وقت اسے بھی فاران کی محبت ... توجہ اور التفات کے چند لمحوں کی شدت سے ضرورت محسوس ہو رہی تھی لیکن ایک عجیب سی دوری دونوں کو جیسے اس مشترکہ غم کو آپس میں بانٹنے سے محروم کر رہی تھی۔ ساجدہ باجی کے پہنچنے پر فضا ایک بار پھر سوگواری اور آنسوؤں میں ڈوب گئی۔ فاران اپنی دونوں بہنوں کی ماتا بھری محبت کے سائے میں آنسوؤں کو اُن کے ساتھ شیئر کر رہا تھا۔ ذیشان بھائی بھی اپنے آپ کو ابا کی جگہ محسوس کرتے ہوئے اپنے تینوں بھائی بہنوں کو اپنے بازوؤں میں سمیٹے ہوئے تھے اور زنیرا نہ جانے کیوں اپنے آپ کو بہت تنہا اور اکیلا محسوس کر رہی تھی۔ وہ فاران کی محبت کی شدتوں کی اتنی عادی تھی کہ اس عظیم غم میں بھی اس کا دل فاران کے پیار اور اس کے التفات کا متلاشی تھا۔

لیکن وہ دشمنِ جاں بس رسمی طور پر ہی اس کے پاس آتا تھا۔ وہ اس سے دور دور اور خفا، خفا سا بھی لگ رہا تھا شاید اپنے ابا کی اچانک موت کا تھوڑا بہت سبب وہ اپنے اور زنیرا کے بگڑتے ہوئے تعلقات کو بھی گردان رہا تھا۔ اجالا سے مل کر بھی وہ اپنے آنسوؤں پر قابو نہیں پا سکا تھا کہ ان دونوں کا بچپن ساتھ کھیل کود کر ہی تو گزرا تھا۔ اکثر ان دونوں میں جب جھگڑا ہوتا تھا تو ابا کو ہی وہ لوگ جج بنا کر اپنی شکایتیں سناتے تھے اور پھر ابا اتنے خوب صورت طریقے سے ان دونوں کی صلح کرواتے کہ انہیں اپنی لڑائی بھول ہی جاتی تھی۔ اجالا کو دیکھ کر کتنی ہی پرانی یادیں ماضی کے کواڑوں سے جھانک کر اسے رُلا گئیں۔ اجالا بھی ضبط کا دامن چھوڑ کر بے اختیار پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔ پتا نہیں ان آنسوؤں میں الطاف انکل کے غم کے ساتھ ساتھ اور کون سا دکھ بھی رو رہا تھا۔

طویل عرصے بعد دل کے کسی کونے میں چھپا ہوا وہ احساس جسے وقت نے تھپکی دے دے کر سلا دیا تھا دوبارہ جیسے فاران کی آنکھوں سے بہتے آنسوؤں کے چھینٹوں نے جگا سا دیا تھا لیکن اجالا اب یہ حقیقت بھی اچھی طرح سے قبول کر چکی تھی کہ یہ لاحاصل جذبہ اگر اس نے دوبارہ اپنے دل میں پنپنے دیا تو اذیت صرف وہی اٹھائے گی اور صرف وہی سہے گی اور اب وہ یہ یکطرفہ محبت ہرگز نبھانا نہیں چاہ رہی تھی سو اپنے دل کو جھڑکتے ہوئے اس نے زنیرا کے مِٹتے ہوئے چہرے کو دیکھ کر اسی وقت فیصلہ کر لیا تھا کہ ان غم کی گھڑیوں میں وہ فاران اور زنیرا کے دلوں کی دوریوں کو مٹانے کی اپنی سی ہر کوشش کر ڈالے گی۔ شاید اسی کو محبت کی انتہا کہتے ہیں جو ہر سود و زیاں سے بے نیاز ہوتی ہے۔

☆☆☆

"فاران میں ابھی زنیرا کا ٹمپریچر چیک کر کے آئی ہوں شکر ہے بخار اتر گیا ہے۔" وہ کافی کا مگ فاران کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے اسی کے سامنے والے صوفے پر بیٹھ گئی۔ فاران نے ایک نظر اس کی طرف ڈالی۔ ہلکے زرد اور سیاہ پرنٹ کے کاٹن کے سوٹ میں وہ کچھ تھکی تھکی سی نظر آرہی تھی۔ وہ صبح سے اسے اسی طرح ہر ایک کا خیال رکھتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

"اجالا تم کافی نہیں پیو گی؟" فاران نے کافی کا سپ لیتے ہوئے اس کے اداس سے چہرے کی طرف گہری نظروں سے دیکھا۔ اجالا نے ایک لمحے کو پلکیں اٹھائیں تو بے اختیار فاران کی سیاہ آنکھوں میں اس کی نگاہیں ایک لمحے کو الجھ سی گئیں۔ اجالا کو اپنی ایک ہارٹ بیٹ مس ہوتی ہوئی محسوس ہوئی اس نے فوراً ہی پلکیں جھکا لیں۔ جواب بھی دینا یاد نہ رہا۔

پیار بھی عجب شے ہے
اضطرار میں مضمر
انتشار سے آگے
اختیار سے باہر

فاران نے اس کی اس کیفیت کو بہت اچھی طرح محسوس کیا۔ وہ کبھی اجالا کے جذبات سے بے خبر نہیں رہا تھا۔ جانتا تھا کہ یہ پاگل سی لڑکی جنون کی حد تک اس کی محبت بچپن سے ہی اپنے دل میں بسائے ہوئے ہے اور محبت تو اپنی شدتیں خود بیان کر دیتی ہے۔ اس کے لیے الفاظ کی ضرورت نہیں ہوتی اور اجالا کے جذبوں میں تو اتنی شدت اور سچائی تھی جو خود بخود بنا کچھ کہے فاران کو بہت کچھ سمجھا دیتی تھی لیکن وہ بالکل انجان بن کر اجالا کی اس دیوانگی کو نظر انداز کرتا رہتا۔ بہنوں اور ابا کی خواہش کو جانتے ہوئے بھی وہ ان کی اس آرزو کو پورا کرنے سے قاصر تھا کیونکہ زنیرا ایک خوب صورت خواب بن کر اس کی آنکھوں میں کچھ ایسے بس گئی تھی کہ اس خواب کی تعبیر کے حصول کے علاوہ اسے کچھ اور سجھائی ہی نہیں دے رہا تھا۔ ساجدہ باجی اور راحیلہ باجی اس سے کتنی خفا، خفا سی رہنے لگی تھیں۔ ابا جن کی جان ہی فاران میں تھی وہ بھی بہت چپ، چپ سے ہو گئے تھے۔ کتنے شاکڈ ہوئے تھے وہ جب انہوں نے خوشی، خوشی فاران کو یہ بتایا کہ اگلے ہفتے وہ اجالا کا رشتہ مانگنے جا رہے ہیں اور جواب میں فاران نے صاف انکار کرتے ہوئے اُن سے زنیرا کا ذکر کیا تھا۔ اُف ایک دم سے کتنا چہرہ اتر گیا تھا ان کا۔ فاران کو نہ جانے کیوں اس وقت وہ لمحات یاد آگئے تھے۔ شاید ابا سے جُڑی ہر یاد بہانے بہانے سے آکر اسے رُلا رہی تھی۔ اس نے کیسے ابا کے خوشی سے جگمگاتے چہرے پر ایک کرب سا بکھیر دیا تھا اور پھر اجالا کی شادی پر ان کی آنکھوں میں چھپی ہوئی نمی کو محسوس کرتے ہوئے بھی وہ ان کے احساسات سے بے نیاز اس خوشی اور اطمینان سے سرشار تھا کہ اب اس کے اور زنیرا کے درمیان کوئی دیوار حائل نہیں اور آج ابا کے یوں اچانک چلے جانے پر ان کا دل توڑنے کے احساس نے اسے ایک دم سے بہت بے کل کر دیا۔

"سوری اجالا، میں نے تمہارے ساتھ ساتھ اپنے ابا کو بھی ایک اذیت بھرے دکھ سے دوچار کیا تھا اور اس بات پر میں نے کبھی ان سے معافی بھی نہیں مانگی لیکن وہ اتنے گریٹ انسان تھے کہ انہوں نے میری اس نافرمانی کو خاموشی سے دل پر سہہ لیا۔" فاران کے منہ سے اچانک ہی یہ جملے نکلے تھے جنہوں نے ایک لمحے کے لیے اجالا کو بالکل گنگ کر دیا۔ اتنے برس بعد وہ پہلی بار اس سے اظہارِ ندامت کر رہا تھا لیکن اس میں بھی اپنے ابا کے دل کو توڑنے کا دکھ رو رہا تھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

"نہیں فاران، وہ تم سے اور زنیرا سے بہت خوش گئے ہیں۔ وقتی طور پر انہیں دکھ ضرور ہوا تھا لیکن بعد میں میری اُن سے جب بھی بات ہوئی انہیں زنیرا سے بہت خوش اور مطمئن پایا۔ ان فیکٹ وہ زنیرا کو اپنی کسی نیکی کا انعام بھی کہتے تھے۔" اجالا نے بہت سچائی سے فاران کو اس کے ابا کے خیالات سے آگاہ کرتے ہوئے جیسے اس کے دل پر تسلی کا پھایا رکھ دیا۔ فاران نے بہت تشکر آمیز نظروں سے اس صاف دل لڑکی کے چہرے کی طرف دیکھا جسے اس نے ٹھکرا دیا تھا لیکن وہ پھر بھی اس کے لیے اتنی ہی مخلص اور فکر مند لگ رہی تھی جیسے بچپن میں وہ اس کی ہر شرارت پر اپنی ذہانت سے پردہ ڈال کر اسے بڑوں کی ڈانٹ سے بچا لیا کرتی تھی۔ اس کا ہوم ورک بھی چپکے سے کر دیا کرتی تھی اور نوجوانی کے دور میں جب وہ یونیورسٹی سے تھکا ہارا کبھی سیدھا اُن کے گھر آجاتا تو آنکھوں میں خوشی کے جگمگاتے جگنو لیے وہ اس کی خاطر داری میں ایک پیر سے کھڑی رہتی تھی اور اس وقت بھی اس کے وجود سے کتنی تقویت محسوس ہو رہی تھی اسے۔ وہ یہ سب سوچتے ہوئے بلا ارادہ ہی جانے کب تک اسے دیکھے گیا تو اجالا کا دل جیسے بند ہونے لگا۔ ہتھیلیاں پسینے سے بھیگ سی گئیں۔ وہ تو فاران کو زنیرا کے حوالے سے سمجھانے کے ارادے سے آئی تھی لیکن اس وقت اسے کچھ بھی یاد نہیں رہا تھا ماسوائے اس کے کہ دو کھوئی کھوئی سی ساحر آنکھیں اس کے چہرے کو تک رہی ہیں۔ وہ گھبرا کر کھڑی ہو گئی تو فاران بھی بے اختیار چونک کر اپنے خیالوں سے باہر آگیا۔

"تھینک یو اجالا، غم کی ان گھڑیوں میں تمہاری سپورٹ ہم سب کے لیے بہت تسلی کا باعث بنی ہے۔" فاران نے جیسے دل کی گہرائیوں سے اس کا شکریہ ادا کیا تب وہ جاتے جاتے ایک دم رک گئی۔

"فاران مجھے پتا ہے الطاف انکل کا یوں اچانک چلے جانا تم سب کے لیے کتنی بڑی قیامت ہے۔ جب میرا دل اس حادثے کو قبول نہیں کر پایا تو پھر تم لوگوں کے غم کا تو کوئی اندازہ ہی نہیں کر سکتا لیکن فاران میں دیکھ رہی ہوں کہ زنیرا نے بھی اس صدمے کا بہت گہرا اثر لیا ہے۔ الطاف انکل نے اسے بیٹیوں سے بھی بڑھ کر مان اور پیار دیا لیکن تم لوگ اپنے غم میں اسے بالکل اگنور کر رہے ہو، مجھے ڈر ہے کہ اس کی طبیعت پھر سے نہ بگڑ جائے۔" اجالا نے اس بار موقع کو جانے نہیں دیا اور بہت نرمی سے فاران کی توجہ زنیرا کی طرف دلانے کی کوشش کی۔

"نہیں اجالا، اس کی طبیعت نہیں البتہ مزاج مزید بگڑ سکتا ہے۔ تم نہیں جانتیں پچھلے دنوں اس نے مجھے کن اذیتوں میں مبتلا رکھا ہوا تھا۔ مجھے قدرت نے زندگی میں ایک بڑے چانس کو آزمانے کا موقع دیا ہے لیکن میں یکسوئی اور ذہنی سکون کے ساتھ اپنا کام کر ہی نہیں پا رہا ہوں۔ اب اسے مجھ پر اعتبار ہے اور نہ ہی میری محبت پر بھروسا...... اور اب ابا کے جانے کا اتنا بڑا غم بھی میں بنا اس کی تسلی اور سہارے کے تنہا ہی برداشت کر رہا ہوں۔ اس وقت تو اسے اپنے سب شکوے بھلا کر میرے آنسوؤں، میرے غم میں شریک ہونا چاہیے لیکن اسے تو صرف اپنی خود ترسی سے پیار ہے۔" آج فاران نے بھی اپنے دل میں چھپی تلخیوں کو بنا کچھ سوچے اس کے سامنے عیاں کر دیا۔

"تمہاری بات بالکل ٹھیک ہے فاران لیکن میں نے محسوس کیا ہے کہ زنیرا کی تم سے شدید محبت نے لاشعوری طور پر اسے یہ رویہ اپنانے پر مجبور کر دیا۔ ہمیشہ تم دونوں ساتھ ساتھ رہے۔ بچے بھی تمہاری موجودگی سے تمہاری محبت اور لاڈ پیار کے اتنے عادی ہو گئے تھے کہ تمہاری اتنی مصروفیات اور گھر سے دوری نے ان سب کو بے حد ڈسٹرب کر دیا اور پھر ہمہ وقت تمہیں تمہاری ہیروئن کے ساتھ ساتھ سوچ کر جو ایک ینگ اور بہت خوب صورت لڑکی بھی ہے زنیرا کا جلنا اور کڑھنا ایک فطری سی بات ہے۔ پلیز اس وقت اسے تمہاری محبت اور توجہ کی شدید ضرورت ہے۔ تم کیوں نہیں سمجھتے کہ ہر عورت کی ایسی ہی نیچر ہوتی ہے۔" اجالا نے زچ ہو کر اس کی طرف دیکھا۔

"اگر تم اس کی جگہ ہوتیں تو کیا تم بھی ایسے ہی ری ایکٹ کرتیں؟" فاران نے گہری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بے ساختہ سوال کیا۔

اجالا کے دل کی دھڑکنیں ایک لمحے کو مرتعش سی ہوئیں لیکن دوسرے ہی لمحے اس نے خود کو سنبھال لیا۔ فاران کو باپ کے غم اور بیوی کے رویّے نے کچھ ایسا دل برداشتہ کر دیا تھا کہ اس وقت اجالا کا وجود اسے ایک ایسے مسیحا کے روپ میں نظر آرہا تھا جس سے بات کر کے اسے ایک عجیب سا سکون مل رہا تھا ورنہ جس لڑکی کی شدید محبت کو اس نے بہت بے دردی سے ٹھکرا دیا تھا بھلا اس سے ایسا سوال کرنے کی کوئی تک بنتی تھی؟ اجالا اس کی اس کیفیت کو اچھی طرح سے سمجھ رہی تھی سو اس نے فاران کے اس سوال کے جواب میں نہ کوئی طنزیہ بات کی اور نہ ہی زنیرا کی طرف سے اس کا دل برا کرنے کی کوشش کی حالانکہ فاران کی اس بات نے اس کے دل کے اندر تک ایک اذیت ناک دکھ اتار دیا تھا۔

اس کا دل چاہا کہ وہ فاران کو بتائے کہ اگر وہ زنیرا کی جگہ ہوتی تو وہ اپنے محبوب کی دی ہوئی جدائی یا اس کی بے اعتنائی کو بھی امرت سمجھ کر پی جاتی۔ اس کی خوشی اس کی خواہشات پر اپنی جان بھی قربان کرنے سے گریز نہ کرتی لیکن یہ ہی تو اس کی بدنصیبی تھی کہ وہ زنیرا کی جگہ تھی ہی نہیں۔ اس نے ایک ہی لمحے میں یہ سب سوچ ڈالا تھا اور پھر چہرے پر مسکراہٹ سجاتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

"زنیرا تمہاری محبت ہے، تمہاری خواہش ہے

اس لیے اس کی جگہ میں کیا کوئی بھی نہیں ہو سکتی تھی اور اس کا جو ردِعمل ہے تمہیں اس کا سامنا بہت سمجھداری سے کرنا چاہیے۔ محبت صرف لینے کا نہیں دینے کا نام ہوتا ہے۔" وہ بہت ضبط سے کہتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئی کہ آنکھوں میں آئے ہوئے آنسوؤں کو اس بے درد سے چھپانا بھی تو تھا۔

☆☆☆

سوئم ہو چکا تھا۔ اس میں شرکت کے لیے آئے ہوئے مہمان بھی رفتہ رفتہ رخصت ہو رہے تھے۔ ذیشان بھائی اور فاران جب آخری مہمان کو رخصت کر کے اندر آئے تو فاران کی نظر بے ساختہ سامنے کرسی پر بیٹھی زنیرا پر پڑی۔ کتنی کمزور اور نڈھال سی لگ رہی تھی وہ۔ تبھی روشانہ بھاگتی ہوئی آئی اور فاران سے لپٹ گئی۔ کل سے وہ لگاتار فاران کے آس پاس ہی منڈلاتی رہی تھی لیکن فاران اپنے غم میں کچھ ایسا ڈوبا ہوا تھا کہ سوائے روشانہ کے سر پر ہاتھ پھیرنے کے اس نے ڈھنگ سے بات بھی نہیں کی تھی جبکہ کتنے دنوں بعد اس نے دیکھا تھا روشانہ اور فرحان کو۔ اس نے بے اختیار روشانہ کو اپنے سینے سے لگا لیا اور پھر نہ جانے اسے کیا ہوا کہ وہ اس کے بالوں میں منہ چھپا کر زار و قطار رونے لگا۔ کچھ اتنی شدت سے کہ روشانہ کے ساتھ ساتھ سب ہی گھر والے گھبرا گئے۔ روشانہ اپنے دادا کی بہت ہی لاڈلی پوتی تھی۔ وہ اس کی فکر میں تو اور زیادہ بے چین ہو کر کراچی جا رہے تھے۔ روشانہ اپنے ننھے منے ہاتھوں سے اپنے بابا کے آنسو پونچھتے ہوئے خود بھی رونے لگی۔ فاران کا ذہن عجیب سی الجھن اور کشمکش کا شکار ہو رہا تھا۔ اسے احساس تھا کہ فلم کی شوٹنگ مقررہ وقت پر ختم ہونی ہے۔ وہاں سیٹ لگے ہوئے ہیں، آرٹسٹ اس کے انتظار میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ شیرازی صاحب کا یقیناً نقصان بھی ہو رہا ہوگا لیکن یہ اُن کی اعلیٰ ظرفی تھی کہ وہ خاموش تھے۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

فاران کا دل اپنے ابا کی اچانک موت کو اب تک قبول نہیں کر پا رہا تھا۔ دل جیسے ہر چیز سے اچاٹ ہو گیا تھا۔ واپس لاہور جانے کے تصور سے ہی شدید گھبراہٹ محسوس ہو رہی تھی لیکن احساسِ ذمے داری اسے ٹھیک سے غم بھی نہیں منانے دے رہا تھا اور اس پر مستزاد اس کی لاڈلی بچی اس وقت اس کے سینے سے لگی سسک سسک کر روتے ہوئے کتنی خوف زدہ سی لگ رہی تھی اور جیسے اس کا ہر آنسو پکار پکار کر اپنے بابا کو واپس جانے سے روک رہا تھا اور سامنے بیٹھی ہوئی اس کی محبوب بیوی کتنی ٹوٹی ہوئی اور اداس لگ رہی تھی۔ بھائی اور بہنوں کو بھی غم کی ان گھڑیوں میں اس کی کتنی ضرورت محسوس ہو گی لیکن وہ بہت بے بس تھا۔ اس کی مجبوری ایسی تھی جس کا کوئی حل بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ زنیرا اور اس کے درمیان حائل عجیب سی سرد مہری اسے مزید پریشان کر رہی تھی۔

کاش زنیرا اس کڑے وقت میں اس کے ساتھ ہوتی وہ اس سے اپنی پریشانی، اپنی الجھن شیئر کر سکتا، اپنا غم اس کے ساتھ بانٹ سکتا۔ اس نے بہت شکوہ کناں نگاہوں سے زنیرا کی جانب دیکھا اسی لمحے اس کی نظریں بھی فاران کی طرف اٹھی تھیں۔ ایک پل کو دونوں کی نگاہیں ملیں اور جیسے فاران کی آنکھوں میں چھپے خاموش گلے زنیرا کے دل میں خود بخود اتر گئے۔ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے لبالب بھر گئیں اور پھر نہ جانے اسے کیا ہوا وہ جیسے اپنا ضبط کھو بیٹھی اور بے اختیار اٹھ کر فاران کے نزدیک آئی اور اس کے کاندھے پر سر ٹکا کر شدت سے رو دی۔ فاران نے بھی بے ساختہ اس کے شانوں پر بازو پھیلا کر اسے اپنے نزدیک کر لیا۔ اپنی بیوی اور بیٹی کو بازوؤں میں سمیٹے وہ بہتے آنسوؤں کے ساتھ انہیں تسلی دینے کی کوشش کر رہا تھا۔ فرحان جو اس غم زدہ ماحول سے سہم گیا تھا خود ہی سے سو گیا تھا ورنہ وہ بھی یقیناً اس وقت اپنے بابا سے لپٹا ہوتا۔

☆☆☆

"زنیرا تھینک یو سو مچ، اگر آج تم مجھے اپنا سہارا نہ دیتیں تو شاید میرا نروس بریک ڈاؤن ہی ہو جاتا۔ تم سوچ بھی نہیں سکتیں کہ میرے دل پر کیا گزر رہی تھی۔ ابا کا غم، تمہاری خفگی اور بدگمانی اور پھر کام کی شدید ٹینشن۔" وہ زنیرا کا ہاتھ تھامے بڑے دل گرفتہ لہجے میں اسے اپنے دل پر گزرنے والی قیامتوں کا حال سنا رہا تھا اور زنیرا بھی اتنے دن کی خود اذیتی بیان کر رہی تھی۔

"سوری فاران لیکن میں آپ سے خفا ہونے کے باوجود ہر وقت آپ کے لیے فکر مند بھی رہی ہوں۔ خاص طور پر ابا کے یوں اچانک چلے جانے کے بعد میرا دل آپ کو یوں روتے ہوئے دیکھ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو رہا تھا۔ جی چاہتا تھا کہ آپ کو اپنے بازوؤں کے حصار میں چھپا لوں لیکن آپ بھی تو مجھ سے اتنے اکھڑے اکھڑے سے رہے۔ میں تو اندر سے بالکل ختم ہوتی جا رہی ہوں فاران۔" زنیرا کی آواز آنسوؤں سے بوجھل ہو گئی تو فاران نے اس کے آنسو پونچھتے ہوئے اسے اپنے بہت نزدیک کر لیا۔

"شاید یہ ہم دونوں کا ہی قصور تھا زنی جس نے ہمارے درمیان اتنے فاصلے پیدا کر دیے۔ نہ تم نے میری مجبوریوں کو سمجھا اور نہ میں نے تمہارے احساسات کی گہرائی میں جانے کی کوشش کی۔ سچ زنی ابا کا یوں اچانک ہمیں چھوڑ کر چلے جانا بالکل برداشت نہیں ہو رہا بس اس مشکل وقت میں تم میرا ساتھ دو مجھے سنبھال لو۔ زنی اب ہم دونوں کو ایک دوسرے کے سہارے کی شدید ضرورت ہے۔" وہ ملتجی لہجے میں کہتا ہوا زنیرا کو بہت ٹوٹا ہوا سا لگا۔ تبھی روشانہ اور فرحان بھاگتے ہوئے ان دونوں کے پاس آ گئے۔

"بابا مجھے واپس کراچی اپنے گھر جانا ہے۔ مجھے یہاں دادا بہت یاد آ رہے ہیں۔" روشانہ آ کر فاران کے گلے میں جھول گئی جبکہ فرحان بھی بہت معصومیت سے روشانہ کی بات کو دہراتے ہوئے فاران کو بہت ہی پیارا اور معصوم لگا۔ اس نے بے اختیار دونوں کو لپٹا لیا۔

"بیٹا تم لوگ کچھ دن اور یہاں رک جاؤ ورنہ تمہارے ذیشان چاچا بہت گھبرائیں گے۔" فاران کی بات پر روشانہ نے ٹھٹک کر کچھ مشکوک نظروں سے اپنے بابا کی جانب دیکھا تو اس نے نظریں چرا لیں جبکہ زنیرا نے بے اختیار سر جھکا لیا۔ اس کے پاس روشانہ کی سوالیہ نظروں کا کوئی جواب نہیں تھا۔ ابھی کچھ دیر قبل ہی تو فاران نے اسے اپنی مجبوریاں سمجھاتے ہوئے اپنے کل صبح جانے کے بارے میں بتایا تھا۔ اس کا اُترا ہوا چہرہ، متورم آنکھیں اور بہت ہی تھکا ہوا لہجہ اس بات کا غماز تھا کہ وہ زنیرا کی مزید خفگی سہنے کی ہمت نہیں رکھتا۔ اس کا غم سے بوجھل دل اب صرف زنیرا کی محبت، اس کی تسلی اور اس کے سہارے کا متمنی ہے تو پھر ایسے کڑے وقت میں وہ کیسے اپنے محبوب کو بالکل تنہا کر کے یوں جانے دیتی جبکہ وہ یہ بھی جانتی تھی کہ اسے روکنے کا بھی کوئی فائدہ نہیں ہوگا کیونکہ اسے جانا تو بہر حال تھا ہی۔ اتنی بڑی کمٹمنٹ کو توڑنا کوئی آسان بات تو نہ تھی لیکن روشانہ تو بچی تھی وہ بھلا اپنے بابا کی پرابلم کو کیسے سمجھتی ویسے بھی دادا کی اچانک موت نے اسے سہما سا دیا تھا۔ ایسے میں بابا کی آغوش میں ہی اسے سکون مل رہا تھا۔

"بابا، کیا آپ ہمارے ساتھ نہیں رکیں گے؟" ایک اندیشہ سا اس کے سوال میں چھپا ہوا تھا۔

"بیٹا میں جلدی میں اپنا سامان ساتھ نہیں لایا تھا۔ بس میں لاہور سے اپنا سب سامان لے کر تقریباً تم لوگوں کے ساتھ ساتھ ہی کراچی پہنچوں گا۔" فاران نے اس کی آنکھوں میں امنڈتے آنسوؤں کو دیکھ کر گھبرا کر اسے تسلی دینے کی کوشش کی لیکن روشانہ ایک دم سے اٹھ کر بھاگتی ہوئی باہر نکل گئی۔ فاران نے بے بسی سے زنیرا کی جانب دیکھا۔

دسمبر

جب بھی آتا ہے
وہ پگلی پھر سے روتی ہے
پرانے خط وہ پڑھتی ہے
کہ جن میں اس نے لکھا تھا
میں لوٹوں گا دسمبر میں
نئے کپڑے بناتی ہے
وہ سارا گھر سجاتی ہے
دسمبر کے ہر ایک دن کو
وہ گِن گِن کے بِتاتی ہے
جونہی پندرہ گزرتی ہے
وہ کچھ کچھ ٹوٹ جاتی ہے
نہیں معلوم پر اس کو
کہ بیتے وقت کی خوشیاں
بہت تکلیف دیتی ہیں
محض دل کو جلاتی ہیں
یونہی دن بیت جاتے ہیں
دسمبر! لوٹ جاتا ہے
مگر وہ خوش فہم لڑکی
دوبارہ سے کیلنڈر میں
دسمبر موڑ لاتی ہے
وہ پھر سے دسمبر کے سحر میں ڈوب جاتی ہے
لکھا تھا اس نے یہ کیونکہ
میں لوٹوں گا دسمبر میں

انتخاب: شائقہ ایاز، لیہ

WWW.PAKSOCIETY.COM

''بابا آپ نے پھر روشی کو رُلا دیا۔'' ننھے فرحان نے خفگی سے فاران کے بازوؤں سے اپنے آپ کو چھڑوایا اور بہن کے پیچھے بھاگا۔ فاران بھی جلدی سے اٹھا اور تیزی سے کمرے سے باہر آیا تو لاؤنج میں اجالا کے بازوؤں کے حلقے میں چھپی روشانہ کو روتا دیکھ کر وہ کچھ جھجک کر رک گیا۔

''دیکھو روشانہ تمہارے بابا کتنے پریشان ہو رہے ہیں تمہیں روتا دیکھ کر...... بہت بری بات ہے بیٹا اگر تم ایسا کرو گی تو اُن کی فلم کمپلیٹ نہیں ہو سکے گی اور پھر ان کو نکال کر تمہاری کسی فرینڈ کے بابا کو وہ لوگ ہیرو لے لیں گے پھر سب کتنا مذاق اُڑائیں گے تمہارا اور تمہارے بابا کا۔'' اجالا کے جملوں نے جیسے روشانہ کے بہتے آنسوؤں کو روک دیا۔ اس نے گھبرا کر فاران کی طرف دیکھا تو اس نے بڑی مظلومیت سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''تمہاری اجالا آنٹی ٹھیک کہہ رہی ہیں بیٹا۔ وہ لوگ مجھ سے تمہاری فرینڈ کے ابو کے بارے میں پوچھ بھی رہے تھے۔ میں نے کہا بھی بس تھوڑے دن کا کام تو رہ گیا ہے لیکن وہ بولے...... تمہاری بیٹی اتنا روتی ہے تو تم واپس جاؤ۔'' وہ بہت مسکین سے انداز میں روشانہ کے چہرے کے بدلتے ایکسپریشن کو محسوس کرتے ہوئے اجالا کی بات کو مزید بڑھاتے ہوئے بولا تو وہ تڑپ کر اس کے نزدیک آ گئی۔

''اچھا بابا، میں اب نہیں روؤں گی اور علیزہ کے ڈیڈی تو اتنے موٹے ہیں وہ ہیرو بن ہی نہیں سکتے اور نازی کے ابو تو ذرا بھی نہیں اچھے اتنی موٹی ناک ہے اُن کی۔'' روشانہ سچ مچ اپنی فرینڈ کے سامنے اپنے بابا کے بجائے ان لوگوں کے بابا کو ہیرو کے روپ میں سوچ کر بہت پریشان ہو گئی تھی۔ کتنے دنوں بعد فاران کے ہونٹوں پر بے ساختہ مسکراہٹ آئی تھی۔ اس نے تشکر آمیز نظروں سے اجالا کی جانب دیکھا۔ کتنے خوب صورت طریقے سے اس نے روشانہ کو بہلایا تھا۔ ایک لمحے کو دونوں کی نظریں ملیں۔ اجالا کے چہرے پر گلال سا بکھر گیا۔ فاران نے بہت دلچسپی سے اس کے گلابی ہوتے رخساروں کو دیکھا۔ دل میں پتا نہیں کیوں ایک ملال سا اتر آیا۔

اتنی صاف دل کی یہ پیاری سی سمجھ دار لڑکی جو اس کے ابا کی بھی اولین آرزو تھی جنہوں نے ہمیشہ اسے بہو کے روپ میں دیکھا تھا لیکن اس نے کتنے ہی دلوں کو توڑ کر اپنی محبت کو پایا تھا۔ محبت کی یہ قسم بہت ہی خطرناک ہوتی ہے جو باقی سب رشتوں اور محبتوں کو کھا جاتی ہے۔ دل میں سوائے اپنے پیار کو پانے کے پھر کسی اور کے لیے کوئی احساس باقی ہی نہیں بچتا۔ اس کے ساتھ بھی تو یہ ہی ہوا تھا سوائے زنیرا کی محبت کے باقی سب محبتوں کو اس نے جیسے نیند کی گولی دے کر سلا دیا تھا اور اب اس گولی کا اثر جیسے زائل ہو رہا تھا اور اسے بار بار اپنے بابا کو دکھ دینے کا خیال کچوکے دینے لگا تھا۔

☆☆☆

آج فاران کی فلم کا پریمیئر تھا اور وہ صبح ہی سے بہت نروس فیل کر رہا تھا۔ شیرازی صاحب اسے مسلسل سمجھا رہے تھے حوصلہ دے رہے تھے۔

''دیکھو فاران، تم نے اس فلم کو سائن کر کے جو فیصلہ کیا ہے اس پر تمہارے ایمان، یقین اور اعتماد کی مُہر ہونی چاہیے۔ انشاء اللہ میرا دل کہہ رہا ہے کہ یہ فلم ضرور کامیاب ہو گی اور خاص طور پر تم تو بہت ہٹ ہو جاؤ گے میری یہ بات لکھ لو۔''

شیرازی صاحب کی باتیں ایک تقویت بن کر اس کے پریشان دل میں اتر رہی تھیں۔ فلم کمپلیٹ ہونے کے بعد وہ واپس کراچی چلا گیا تھا۔ زنیرا نے بہت خوش دلی سے اس کا استقبال کیا تھا۔ بچے بھی اپنے بابا کے واپس لوٹ آنے پر بے حد خوش تھے خاص طور پر روشانہ تو بابا کو ایک پل کے لیے بھی نہیں چھوڑ رہی تھی۔ ساجدہ باجی واپس بحرین جا چکی تھیں۔ راحیلہ باجی البتہ اس سے ملنے فوراً آ گئی تھیں۔ دونوں بہن بھائی کتنی ہی دیر بیٹھے اپنے ابا کو یاد کرتے رہے۔ زنیرا بھی ان کے آنسوؤں میں برابر کی شریک رہی تھی۔ ان کے انتقال کو تقریباً دو ماہ ہو رہے تھے لیکن زخم ہنوز تازہ تھا پھر یہ آٹھ دن دن کیسے گزر گئے زنیرا کو پتا ہی نہیں چلا۔ فلم کی پبلسٹی زور و شور سے جاری تھی۔ ٹی وی، فلم میگزین اور اخبارات میں تیرا میرا پیار امر کے چرچے عروج پر تھے۔ شیرازی صاحب کی ہدایت کے مطابق فاران گھر سے بالکل نہیں نکل رہا تھا۔ کچھ اخباری رپورٹرز کو اس کے گھر کا ایڈریس بھی مل گیا تھا لیکن لاکھ کوششوں کے باوجود وہ فاران سے ملاقات کرنے میں ناکام ہی رہے۔ ابھی فلم ریلیز بھی نہیں ہوئی تھی اور وہ ایک سیلیبریٹی بن چکا تھا۔ زنیرا کو یہ سب اچھا بھی لگ رہا تھا اور دل میں ایک عجیب سا احساس بھی اسے پریشان کیے رکھتا۔ علیشا جیسی حسین، کم عمر ہیروئن کے ساتھ فاران کی رومینٹک تصاویر جب وہ اخبارات اور میگزین میں دیکھتی تو دل جیسے بے چین سا ہونے لگتا لیکن پھر اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے فاران کو دیکھ کر روح میں ایک سکون سا اتر آتا کہ اصل میں تو وہ صرف اور صرف اسی کا ہے۔ یہ تصویریں اور یہ محبت بھرے پوز سب مصنوعی ہیں۔ فاران نے ہی تو اس کو بتایا تھا کہ کتنا دل پر جبر کر کے وہ ایسے سین فلم بند کرواتا تھا یہاں تک کہ ایک بار علیشا نے بھی اسے ٹوکا تھا کہ وہ تھوڑا ریلیکس ہو کر ایکٹنگ کرے وہ اسے کھا نہیں جائے گی۔ ایسے ہی کتنے قصے اس نے اتنے مزے سے سنائے تھے کہ زنیرا ہنس ہی چلی گئی تھی۔ فاران پر دل بھر کر پیار بھی آیا تھا جو وہاں پر رہ کر بھی اسے جیسے ایک پل بھی اپنے آپ سے جدا نہیں کرتا تھا پھر شیرازی صاحب کا فون آیا کہ پریمیئر میں شرکت کے لیے اسے لاہور فوراً لاہور پہنچنا ہے۔

''فاران میں پریمیئر میں کیا پہنوں؟ میرے خیال میں ساڑی زیادہ ڈیسنٹ لگے گی نا۔'' شیرازی کے فون آنے کے بعد وہ فوراً ہی وارڈ روب کھول کر کھڑی ہو گی۔

فاران نے کچھ تذبذب سے اس کی جانب دیکھا۔ اس کی ایکسائٹمنٹ دیکھ کر ہمت ہی نہیں ہوئی کہ وہ اسے بتا سکے کہ شیرازی صاحب کی یہ سختی سے ہدایت تھی کہ اس کے بیوی بچے اس پریمیئر میں شرکت نہیں کریں گے کیونکہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ فلم کی ریلیز سے پہلے ہی ہیرو کے بیوی، بچے سب کی نظروں میں آ جائیں۔ یہ بات اُن کی فلم کی کامیابی میں رکاوٹ بن سکتی تھی۔ فاران جب سے آیا تھا بس اسی بات کی وجہ سے پریشان ہوتا رہا تھا کہ وہ زنیرا کو شیرازی کا یہ آرڈر کیسے بتائے۔ کئی بار کوشش بھی کی لیکن پھر زنیرا کی خفگی کے ڈر سے ٹال ہی گیا لیکن اب تو بتانا ضروری تھا اور یہ اس کے لیے مشکل ترین مرحلہ تھا جسے اسے عبور کرنے میں شدید دشواری محسوس ہو رہی تھی۔ زنیرا نے اس کی آنکھوں میں چھپی الجھن کو محسوس کیا تو وہ مسکرا دی۔

''اچھا بھئی جو آپ کہیں گے میں وہی ڈریس پہنوں گی۔ آپ زیادہ بہتر سمجھتے ہیں کہ مجھے کیا پہننا چاہیے۔'' آخر ایک مشہور ہیرو کی بیوی کے طور پر سب ملیں گے مجھ سے۔ اس نے شرارت سے فاران کو دیکھا تو جواباً وہ مسکرا بھی نہ سکا۔

''کیا ہوا فاران، آپ کچھ پریشان لگ رہے ہیں؟'' اس بار زنیرا نے کچھ چونک کر اس کے چہرے کی جانب دیکھا۔ کتنا گھبرایا ہوا سا لگ رہا تھا وہ۔

''اِدھر آؤ زینی میرے پاس آ کر بیٹھو، مجھے تم سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہے۔'' اس کے لہجے میں چھپی گہری سنجیدگی محسوس کر کے زنیرا کی چھٹی حس نے اسے کسی انہونی کا اشارہ دیا۔ وہ دھڑکتے دل کے ساتھ فاران کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔ فاران نے

WWW.PAKSOCIETY.COM

بے اختیار اسے اپنی بانہوں کے حصار میں لے لیا۔
"زینی میری جان جہاں تم نے میری ہر مجبوری کو سمجھا ہے پلیز بس میری اس آخری مجبوری کا بھی بھرم رکھ لو۔" فاران نے بہت اٹکتے ہوئے لہجے میں جیسے اس سے درخواست کی۔ زنیرا کا دل ہچکولے کھانے لگا۔ اب سارا معاملہ بنا کہے ہی اس کی سمجھ میں آنے لگا تھا۔

"آپ کا مطلب ہے کہ ہم لوگ آپ کے ساتھ لاہور نہیں جا رہے ہیں؟" اس کی آواز میں نمی سی گھل گئی۔ کھلا کھلا سا چہرہ لمحوں میں مرجھا سا گیا تھا۔ فاران کوئی جواب نہیں دے سکا بس بے بسی سے اسے دیکھ کر رہ گیا۔ زنیرا نے اس کی بانہوں سے خود کو چھڑانا چاہا لیکن فاران نے اپنے بازوؤں کا گھیرا اس کے گرد مزید تنگ کر دیا۔

"پلیز زینی، مجھ سے خفا مت ہونا...... تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا ناں کہ اب تم کبھی مجھے تنہا نہیں کرو گی، ہمیشہ میرا ساتھ دو گی۔ تمہارا اور بچوں کا نہ جانا اس فلم کے لیے بس ایک مصلحت ہے جسے میں اور تم تو نہیں سمجھ سکتے لیکن شیرازی صاحب جانتے ہیں کہ اس بات کا فلم پر کیسا اثر پڑ سکتا ہے۔ یقین جانو انہوں نے کہا ہے کہ بس ایک ڈیڑھ ماہ کے لیے اپنے بیوی بچوں کا ذکر نہ کرنے کا پابند ہوں پھر ایسی کوئی بندش نہیں ہوگی۔" وہ بہت ملتجیانہ انداز میں اسے بتا رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں زنیرا کی خفگی کا خوف لرزاں تھا۔ ایک معصوم سے بچے کی طرح ہراساں ہو رہا تھا وہ۔ زنیرا نے ایک لحظہ اس کے اترے ہوئے چہرے کی جانب دیکھا۔ دل خود بخود موم ہونے لگا۔ اجالا کی بات بھی بے ساختہ اسے یاد آئی جو اس نے امریکا جانے سے قبل اس سے کہی تھی۔

"زنیرا! الطاف انکل کے جانے کے بعد اب تم ہی ہو جو فاران کی خوشی اور اس کی پریشانی کو سمجھ سکتی ہو، اسے شیئر کر سکتی ہو۔ اس کے بھائی بہنوں کی اپنی زندگی ہے وہ اپنے، اپنے گھروں میں مگن ہیں لیکن وہ فاران کی ایک آواز پر یقیناً دوڑ کر اس کے پاس چلے آئیں گے مگر مجھے امید ہے کہ تمہارے ہوتے ہوئے ایسی نوبت نہیں آئے گی۔ ہمیشہ تم ہی اس کی پکار رہو گی۔"

ٹھیک ہی تو کہا تھا اجالا نے۔ اگر اس وقت اس نے فاران کی مجبوری کو نہ سمجھا...... اس کی زندگی کی اتنی بڑی خوشی کو اپنی خفگی کی دھند میں چھپا دیا تو وہ ٹوٹ جائے گا۔ ابا کی یاد مزید اذیت بن کر اسے تڑپائے گی۔ وہ بہنوں سے اپنی پریشانی بانٹنے کی کوشش کرے گا۔ بھائی سے بھی ڈسکس کر کے اپنا دل ہلکا کرے گا اور ہو سکتا ہے کہ اجالا کو بھی فون کر ڈالے کہ کئی بار اس نے اجالا کی صاف دلی اور معاملہ فہمی کی بڑے کھلے دل سے تعریف کی تھی۔

"ٹھیک ہے فاران جیسا آپ مناسب سمجھیں۔ بس ایک ڈیڑھ ماہ بعد میں ہر جگہ آپ کے ساتھ ساتھ جاؤں گی۔" وہ اپنے آنسوؤں کو پیچھے دھکیلتے ہوئے اداس سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی تو جیسے فاران کے سر سے منوں بوجھ اتر گیا۔ چہرے پر ایک دم سے رونق آ گئی۔

"اوہ تھینک یو میری زندگی، یہ میرا وعدہ ہے کہ اس فلم کی ریلیز کے بعد تمہیں ہر پل اپنے ساتھ رکھوں گا پھر کوئی بھی مصلحت ہمارے درمیان نہیں آئے گی۔ میں سب کو علی الاعلان بتا دوں گا کہ یہ پیاری سی گڑیا جیسی لڑکی میری شریکِ زندگی ہے اور ہماری زندگی میں دو خوب صورت پھول بھی روشی اور فرحان کی صورت میں کھلے ہوئے ہیں۔" وہ فرطِ مسرت سے تمتماتے ہوئے چہرے کے ساتھ بہت جوشیلے انداز میں کہہ رہا تھا اور زنیرا کے دل میں بڑا خوب صورت سا اطمینان اترتا جا رہا تھا کہ اس کا محبوب اس کی خفگی اور اس کی خوشی کو کتنی زیادہ اہمیت دیتا ہے۔

☆☆☆

آج فاران کو اپنی زندگی کے اس اہم ترین دن زنیرا اور بچوں کی کمی شدت سے محسوس ہو رہی تھی۔ ابا بھی بے طرح یاد آ رہے تھے۔ اگر اللہ ان کو تھوڑی سی زندگی اور دے دیتا تو آج وہ ان کو وی آئی پی سیٹ پر بٹھاتا اور وہ اپنے بیٹے کی اتنی اہمیت، عزت اور کامیابی پر کتنا خوش ہوتے۔ فاران کی آنکھوں میں نمی سی اتر آئی۔ ابا کی اس کمی کو ذیشان بھائی نے آ کر کچھ دور کرنے کی کوشش ضرور کی تھی لیکن وہ خود بھی اس وقت ابا کو یاد کر کے آبدیدہ ہو رہے تھے خاص طور پر جب فلم کے اختتام پر لوگوں کا ایک ہجوم فاران کے گرد اسے مبارک باد دینے کو جمع ہو گیا تھا۔ ہیرو اور ہیروئن کیمروں کی چکا چوند میں نہائے جا رہے تھے اور ذیشان بہت فخر سے اپنے بھائی کی اتنی زبردست پزیرائی کو دیکھتے ہوئے نہ جانے کیوں اپنے آنسو روک رہے تھے۔ سارہ نے بھی بہت ضد کی تھی اس پریمیئر میں شرکت کرنے کے لیے لیکن فاران نے پہلے ہی ذیشان بھائی کو سمجھا دیا تھا...... چونکہ زنیرا نہیں جا رہی اس لیے وہ نہیں چاہتا کہ خاندان کی کوئی اور عورت اس پریمیئر میں شریک ہو اس سے زنیرا مزید ہرٹ ہو جائے گی۔ راحیلہ باجی بھی فاران کے اس خیال سے متفق تھیں سو سارہ دل مسوس کر رہ گئی اور پھر فلم اتنی زبردست ہٹ ہوئی کہ چار سو اس کے چرچے بکھر گئے۔ زنیرا نے دوسرے دن کے تمام اخبارات منگوا لیے تھے۔ فاران ہر تصویر میں علیشا کے ساتھ مسکراتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ بہت ہی خوب صورت کپل لگ رہا تھا دونوں کا۔ زنیرا کچھ اداس سی ہو گئی اس کے پاس صبح سے فون کالز کا تانتا بندھا ہوا تھا۔ اس کے پاپا اور مما تو مٹھائی لے کر اس کے گھر بھی آئے تھے۔ پاپا نے بہت گہری نظروں سے اس کے چہرے پر خوشی تلاش کرنی چاہی لیکن ایک بے نام سی اداسی نے جیسے اس کے وجود کا احاطہ کیا ہوا تھا۔ پاپا نے بہت تاسف سے اپنی اس زود رنج بیٹی کی طرف دیکھا۔ ابھی تو ابتدا تھی پتا نہیں آگے چل کر ان کی اس لاڈلی بیٹی نے اپنی پوزیسو نیچر کی وجہ سے کیا کچھ سہنا تھا۔ وہ اس کے پاپا ہی تھے جنہوں نے اس کے دل میں چھپے ہوئے درد کو محسوس کیا تھا ورنہ تو باقی سب ہی لوگ اس کے چہرے پر سجی صرف اس خوشی کو دیکھ رہے تھے جو دل ہی دل میں اسے رُلا رہی تھی۔ روشانہ بھی اپنے بابا کی تصویریں دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہی تھی۔

"مما میں کل یہ سارے نیوز پیپر اسکول لے کر جاؤں گی۔ سارے بچے حیران ہو جائیں گے، ہے ناں؟" وہ بہت ایکسائٹڈ ہو کر تمام اخبارات اپنے بیگ میں رکھ رہی تھی۔ تبھی فاران کا فون بھی آ گیا۔ کل وہ تقریباً آدھی رات تک فنکشن میں کچھ ایسا بزی رہا تھا کہ کال تک کرنے کا وقت نہیں ملا تھا۔

"زنیرا تم سوچ بھی نہیں سکتیں کہ سب کو یہ فلم کتنی پسند آئی ہے۔ بڑے بڑے سیلی بریٹیز آئے تھے اس کے پریمیئر میں۔ سب نے خاص طور پر میری تو کچھ زیادہ ہی تعریف کی۔" وہ بہت پُرجوش لہجے میں اسے سب تفصیل بتا رہا تھا۔ زنیرا بھی سب بھول کر بڑے شوق سے جیسے آنکھوں دیکھا حال سن رہی تھی۔

"اور پتا ہے زینی، ایک دو بڑے پروڈیوسرز اور ڈائریکٹرز نے مجھے اپنی فلم میں کام کرنے کی آفر بھی دی ہے لیکن شیرازی صاحب کے کانٹریکٹ کے مطابق میں ایک سال تک کسی اور کی فلم سائن نہیں کر سکتا۔" فاران کے لہجے میں چھپے افسوس کو محسوس کر کے وہ کچھ چونکی۔

"کیا مطلب فاران، یعنی آپ ابھی مزید فلموں میں کام کرنے کا ارادہ کیے ہوئے ہیں؟"

"تم بھی کمال کرتی ہو زینی، ظاہر سی بات ہے کسی پاگل کو بھی اتنی کامیابی ملے تو وہ اس کا فائدہ اٹھائے گا۔ اتنی شہرت، عزت اور منہ مانگا معاوضہ تو لوگ برسوں میں حاصل کر پاتے ہیں جو مجھے راتوں

WWW.PAKSOCIETY.COM

رات حاصل ہوگیا ہے۔ اب ہم لوگ لاکھوں میں کھیلیں گے۔ تمہارے پاس شاندار گھر ہوگا۔ تم اپنی پسند کی کار خرید لینا...... جانتی ہو شیرازی صاحب نے مجھے اپنی اگلی فلم کے لیے سائن کرلیا ہے اور باقی لوگ ابھی سے ایک سال بعد کی پلاننگ کررہے ہیں۔'' فاران تو جیسے ہواؤں میں اُڑ رہا تھا۔ زنیرا کچھ بول ہی نہ پائی پھر فاران نے روشانہ اور فرحان سے بھی دیر تک باتیں کیں۔ وہ کل شام کی فلائٹ سے واپس آرہا تھا لیکن زنیرا کو یوں محسوس ہورہا تھا جیسے اس کی یہ واپسی اپنے اندر بہت ساری دوریاں سمیٹے ہوئے ہے۔

☆☆☆

''ہیلو فاران، میں دو تین روز سے تمہیں مسلسل فون ٹرائی کررہی تھی شکر ہے آج تم سے بات ہو ہی گئی لیکن ایک بات تو کنفرم ہے کہ......'' اجالا سانس لینے کو رکی تو فاران بے ساختہ ہنس دیا۔

''اجالا نہ سلام نہ دعا بھلا یہ بھی کوئی بات ہوئی۔'' فاران کے ٹوکنے پر وہ کچھ شرمندہ سی ہوگئی۔

''کیا کروں فاران، اپنی عادت سے مجبور ہوں۔ عدیل بھی کبھی کبھی عاجز آجاتے ہیں۔ اصل میں تم سے کسی طرح کانٹیکٹ ہی نہیں ہو پارہا تھا اور آج اچانک جو تمہاری آواز سنی تو بس......'' وہ بات ادھوری چھوڑ کر ہنس دی۔

''سوری اجالا، میں پچھلے دنوں اپنے شوٹ میں بہت زیادہ بزی تھا بس یوں سمجھو کہ نیند بھی پوری طرح سے نہیں لے پارہا تھا۔'' فاران کے لہجے میں تھکن ضرور تھی لیکن ساتھ ساتھ وہ اپنی بے پناہ مصروفیات بھی جتا گیا تھا۔

''میں جانتی ہوں فاران ماشاءاللہ تمہارا ستارہ عروج پر جارہا ہے۔ امی بتارہی تھیں کہ تمہاری پہلی فلم نے بڑے شاندار طریقے سے گولڈن جوبلی بھی کرلی ہے۔ بھئی تم تو بہت بڑے اسٹار بن گئے ہو۔ اب آؤں گی تو تمہارا آٹوگراف ضرور لوں گی۔'' اجالا نے دل سے خوشی کا اظہار کیا۔

''ہاں اجالا قسمت مجھ پر یوں مہربان ہوجائے گی میں نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔ خدا کی قسم کبھی کبھی تو مجھے یقین ہی نہیں آتا کہ میں کیا سے کیا ہوگیا ہوں۔ اب تو سکون سے باہر بھی نہیں نکل سکتا لوگ پہچان کر گھیر لیتے ہیں۔'' فاران کے لہجے میں خوشی کی کھنک تھی۔

''اچھا فاران، یہ بتاؤ کہ زنیرا بھی زندگی کا یہ نیا دور انجوائے کررہی ہے ناں اور بچوں کا کیا ری ایکشن ہے؟'' اجالا بہت طریقے سے اب اپنے اصل ٹاپک کی طرف آرہی تھی۔

''نہیں اجالا، وہ میری شہرت، میری کامیابیوں پر خوش ہونے کے بجائے آج کل صرف رونے، کڑھنے اور غصہ کرنے میں میرا اور اپنا وقت ضائع کررہی ہے۔ شروع میں تو پھر بھی زنیرا نے میرا کچھ کچھ ساتھ دیا تھا لیکن اب تقریباً چھ سات ماہ سے ہمارے درمیان بس جیسے دوریاں بڑھتی جارہی ہیں۔'' فاران کے لہجے میں تھکن سمٹ آئی۔

''فاران اگر دوریاں طویل ہوجائیں تو جذبوں کی شدت میں کمی ہونے لگتی ہے۔ ان فاصلوں کو طول دینے کے بجائے انہیں سمیٹنے کی کوشش کرو پلیز۔'' اجالا نے پریشان ہوکر اسے سمجھانا چاہا تو وہ دھیمے سے ہنس دیا۔

''اجالا اپنی زندگی کے اس موڑ پر مجھے ایک بات کا ادراک ہوا ہے کہ کاش میں اپنے گھر والوں کے سامنے ہار گیا ہوتا۔ اگر میری زنیرا سے شادی نہ ہو پاتی پھر وہ ہمیشہ میری یادوں میں رہتی۔ میرے دل میں اس کی آرزو، اس کی محبت، اس کی طلب ہمیشہ ایک کسک بن کر مجھے تڑپاتی رہتی لیکن اب جیسے دل میں اس کے لیے چھپے سارے جذبے سرد پڑتے جارہے ہیں۔ حقیقت کی دنیا میں آنے کے بعد

پتا چلا ہوتا ہے کہ عشق، جنون سب بیکار کی باتیں ہیں۔ جو لوگ نارسائی کے کرب کے ساتھ جیتے ہیں وہ زیادہ خوش قسمت ہوتے ہیں کہ ان کی محبت کم از کم ان کے دل میں ہمیشہ زندہ تو رہتی ہے۔'' وہ بہت تلخ لہجے میں کہتے ہوئے اپنے آخری جملے میں اسے بہت کچھ جتا گیا۔ شاید اس نے اجالا کی آنکھوں میں چھپے اس دکھ کو اچھی طرح سے محسوس کرلیا تھا جسے اجالا لاکھ چھپانے کے باوجود نہیں چھپا سکی تھی۔

''ایسی بات ہرگز نہیں ہے فاران کہ اپنی محبت کو پالینے کے بعد جذبات اور احساسات بدل جاتے ہیں۔ مجھے زنیرا نے خود بتایا ہے کہ تمہارے فلم انڈسٹری میں جانے سے پہلے تم لوگوں کی زندگی کتنی پرسکون اور خوب صورت تھی اور تمہاری محبت بھی پہلے دن کی طرح تر و تازہ ہوا کرتی تھی۔ فاران پلیز ٹرائی ٹو انڈرسٹینڈ کہ تم لوگوں کے آپس کے ان تعلقات کا تمہارے بچوں پر کتنا برا اثر پڑ رہا ہے۔ جانتے ہو روشانہ کی اس بار کلاس میں کتنی خراب پوزیشن آئی ہے۔ بہت ہی چڑچڑی ہوتی جارہی ہے وہ۔'' اجالا کے سمجھانے پر وہ ایک دم بھڑک اٹھا۔

''اچھا تو زنیرا نے تم سے خوب دل بھر کر دل کی بھڑاس نکالی ہے۔ اسی کے کہنے پر شاید تم نے مجھے فون کیا ہے۔ میں تو سمجھا تھا کہ میرے بچپن کی دوست شاید میری کامیابی پر بہت خوش ہوکر میری حوصلہ افزائی کرنا چاہ رہی ہے لیکن اجالا بجائے اس کے کہ تم میرا دل بڑھاؤ تم تو زنیرا کی وکیل بن کر صرف اسی کے حق میں دلائل دیے جارہی ہو۔'' اس کی اتنی خفگی پر اجالا ایک لمحے کو چپ سی ہوگئی پھر ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔

''فاران میں صرف زنیرا کے لیے نہیں تمہارے لیے بھی بہت فکرمند ہوں۔ تمہاری خوشیوں کے لیے ہر لمحہ دعاگو رہتی ہوں لیکن بچپن سے ہی تمہاری یہ عادت رہی ہے کہ تم مجھ سے بہت جلدی بدگمان ہوجاتے تھے۔ ناراض ہوکر بلاوجہ ہی مجھ سے لڑ پڑتے تھے۔ میں کتنا ڈرتی تھی تمہاری خفگی سے...... لیکن نہ تم نے بچپن میں میرے احساسات کو سمجھا اور نہ ہی اب تم میرے خلوص کی قدر کرنا جانتے ہو۔'' اس نے رنجیدگی سے کہتے ہوئے فون بند کردیا تو فاران کو خواہ مخواہ ہی زنیرا پر غصہ آنے لگا۔

''پتا نہیں ہر ایک کے ساتھ کیوں دکھڑا رونے لگتی ہے وہ...... اسی کی وجہ سے میں آج بلاوجہ ہی اجالا پر بھی الجھ گیا۔ ٹھیک ہی تو کہہ رہی تھی وہ۔ میں نے ہمیشہ اس کے دل کو توڑا ہی ہے چاہے وہ بچپن ہو یا جوانی۔'' اس نے تاسف سے سوچتے ہوئے آنکھیں موند لیں۔

☆☆☆

''سنو زنی میں اگلے ہفتے آرہا ہوں۔ بچوں کی چھٹیاں بھی شروع ہوگئی ہیں چلو کچھ دنوں کے لیے ہم لوگ اسلام آباد، مری کا چکر لگا آتے ہیں۔'' فاران بہت فریش لہجے میں آج اس سے باتیں کررہا تھا۔ بہت عرصے کے بعد آج وہ وہی پرانا فاران لگ رہا تھا۔ زنیرا نے سامنے صوفے پر بیٹھی روشانہ پر ایک نظر ڈالی جس کے رخساروں پر اب بھی آنسوؤں کے تازہ نشان واضح تھے۔ وہ روٹھی روٹھی سی بیٹھی اپنی کاپی پر نہ جانے کیا لکھ رہی تھی۔

''ٹھیک ہے فاران، یہ تو بہت اچھا پروگرام ہے۔ آپ ذرا روشی کو بھی اپنا پروگرام تفصیل سے بتادیں مجھ سے تو یہ بلاوجہ ہی خفا ہوکر بیٹھی ہوئی ہے۔'' زنیرا نے دانستہ اونچی آواز میں کہتے ہوئے روشانہ کو آواز بھی دی تاکہ وہ اپنے بابا سے بات کرسکے لیکن روشانہ سنی ان سنی کرتے ہوئے بدستور کچھ لکھنے میں بزی رہی۔

''فاران آپ کی بیٹی آپ سے بھی بات نہیں کرنا چاہ رہی۔'' زنیرا نے روشانہ کی طرف دیکھتے ہوئے جیسے فاران سے اس کی شکایت کی تو وہ کاپی

WWW.PAKSOCIETY.COM

پھینک کر اس کے پاس آگئی اور بہت بیزاری سے اس کے ہاتھ سے فون لے لیا۔

''بابا مجھے آپ سے بات کرنی ہے اور نہ ہی مما سے۔ پتا ہے ابھی مما نے مجھے اتنا سارا ڈانٹا اور آپ تو بس اب ہمارے پاس رہتے ہی نہیں۔'' آٹھ سالہ روشانہ کی آواز بھرا گئی۔

''ارے، ارے میری جان پلیز رونا نہیں بس میں آرہا ہوں ناں اگلے ہفتے اور تمہاری مما نے تمہیں اسٹڈی نہ کرنے پر ڈانٹا ہے ناں تو بیٹا انہوں نے کوئی غلط تو نہیں کیا۔ وہ نہیں چاہتیں کہ ان کی بیٹی کو سب نالائق کہہ کر بلائیں۔'' فاران کو اس کی روہانسی آواز بہت پریشان کر گئی اور جب اس کے سمجھانے کے جواب میں روشانہ کی سسکیوں کی آواز اس کے کانوں میں آئی تو وہ تڑپ سا گیا۔

''روشی گڑیا دیکھو چپ ہو جاؤ، میں جلدی آرہا ہوں پھر ہم لوگ اسلام آباد گھومنے جائیں گے۔ میں تمہیں بہت ساری چیزیں خرید کر دوں گا۔ تم تو اپنے بابا کی جان ہو میری بچی۔'' فاران کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اپنی لاڈلی کے آنسو خود اپنے ہاتھوں سے آکر پونچھ ڈالے۔

''بابا آپ پہلے کی طرح ہمارے ساتھ کیوں نہیں رہتے۔ فرحان بھی مجھ سے لڑتا ہے اور مما بھی ہر وقت مجھے ڈانٹتی رہتی ہیں بس اب مجھے بھی آپ کے ساتھ لاہور میں رہنا ہے۔'' روشانہ اب باقاعدہ رو رہی تھی اور تب اسی لمحے فاران نے ایک فیصلہ کرلیا۔

''ٹھیک ہے بیٹا، اب تم لوگ میرے ساتھ لاہور میں ہی رہو گے یہ میرا تم سے وعدہ ہے۔'' اس نے بہت حتمی لہجے میں کہتے ہوئے روشانہ کو فون اپنی مما کو دینے کو کہا۔

''زینی میں آج ہی سے گھر دیکھنا شروع کر رہا ہوں۔ انشاء اللہ اس بار تم لوگ میرے ساتھ ہی واپسی پر لاہور آرہے ہو۔ تم لوگ اپنی پیکنگ شروع کردو۔'' فاران کے اس اچانک پروگرام پر وہ حیران رہ گئی۔ اس سے پہلے کئی بار ان دونوں کی اس موضوع پر گفتگو ہو چکی تھی جو بنا کسی نتیجے کے ختم ہو جاتی تھی۔ زنیرا اب بھی ایک ناقابلِ یقین کیفیت میں گھری فاران کا پروگرام سن رہی تھی۔

☆☆☆

اس وقت رات کے دو بج رہے تھے۔ زنیرا جلے پیر کی بلی کے مانند اِدھر سے اُدھر پورے گھر میں جیسے چکراتی پھر رہی تھی۔ دونوں بچے اپنے کمرے میں گہری نیند سو رہے تھے۔ فضا میں عجیب سناٹا بکھرا ہوا تھا۔ نیا گھر، نیا شہر نیا ماحول کچھ بھی تو زنیرا سے ایڈجسٹ نہیں ہو رہا تھا اور اس پر مستزاد فاران کی بے پناہ مصروفیت جس نے اسے اور بھی بور کر کے رکھ دیا تھا۔ وہ بہت اجنبی، اجنبی سا محسوس کر رہی تھی لاہور آکر...... ویسے بھی بہت آناً فاناً ہی ان لوگوں نے لاہور شفٹ ہونے کا فیصلہ کیا تھا۔ فاران ایک ہفتے کے لیے ہی کراچی آیا تھا اور واپسی پر اس کا زنیرا اور بچوں کو اپنے ساتھ ہی لے جانے کا پروگرام تھا۔ سب ہی لوگ اس اچانک خبر کو سن کر حیران رہ گئے۔ راحیلہ باجی تو اسی وقت دوڑی دوڑی چلی آئیں۔ زنیرا کے امی ابو بھی کافی الجھے ہوئے سے اس کے پاس آئے تھے۔

''ارے زنیرا مجھے ابھی، ابھی فاران نے فون پر بتایا ہے کہ اس بار وہ تم لوگوں کو اپنے ساتھ لے کر جا رہا ہے، گھر بھی کرایے پر لے لیا ہے اس نے۔'' راحیلہ باجی نے آتے ہی پہلا سوال اس سے یہی کیا کہ یہ خبر اُن کے لیے بہت شاکنگ تھی۔

''میں بھی یہی سمجھا رہا ہوں زنیرا کو کہ اتنی جلد بازی میں جانے کی کیا ضرورت ہے۔ بچوں کے فائنل ایگزام کچھ ماہ بعد ہونے والے ہیں۔ ایک دم سے ان کی پڑھائی کو ڈسٹرب کر دینا کہاں کی عقل مندی ہے۔'' اسلم صاحب نے راحیلہ کے سوال کے جواب میں جیسے اپنی الجھن ظاہر کی تھی۔

''انکل ٹھیک کہہ رہے ہیں زنیرا، جو بھی پروگرام بناؤ سوچ سمجھ کر بناؤ۔ مجھے پتا ہے کہ تم ذہنی طور پر کافی ڈسٹرب ہو لیکن زنیرا مایوسی میں کیے گئے فیصلے بہت کمزور ہوتے ہیں۔ فاران بتا رہا تھا کہ اگلے ماہ سے وہ اور زیادہ مصروف ہو جائے گا کیونکہ ایک ساتھ دو فلموں کی شوٹنگ شروع ہو رہی ہے۔'' راحیلہ باجی بھی اسلم صاحب سے سو فیصد متفق تھیں۔

''راحیلہ باجی وہ جتنے بھی مصروف ہوں گے کم از کم ہر روز لوٹ کر گھر تو آیا کریں گے ناں، بچے روزانہ اپنے بابا کو دیکھیں گے، ان سے باتیں کریں گے۔ یہاں تو بیس، بیس دن گزر جاتے ہیں وہ فاران کی صورت نہیں دیکھ پاتے اور اگر وہ کراچی آتے بھی ہیں تو محض ایک دو دن کے لیے اور ابو آپ کو معلوم نہیں ان کے واپس جانے کے بعد خاص طور پر روشانہ کا جو بی ہیویر ہوتا ہے بس وہ میرا دل ہی جانتا ہے۔'' آخری جملہ زنیرا نے اپنے ابو کو مخاطب کر کے کہا کہ راحیلہ باجی کے ساتھ ساتھ ان کو بھی تو قائل کرنا ضروری تھا۔

''لیکن بیٹا تمہاری خاطر تو تمہارے ابو نے اپنا سارا بزنس کراچی شفٹ کیا تھا۔ یاد ہے کتنی ضد کی تھی تم نے کہ ہم لوگ بھی یہیں آجائیں اور اب ہمیں چھوڑ کر خود واپس لاہور شفٹ ہو رہی ہو۔'' اس کی امی نے بھی شکایتی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے گلہ کیا تو وہ کچھ شرمندہ سی ہوگئی۔

''امی میں کیا کروں...... اس دن روشی کچھ اس طرح سے روئی کہ فاران بے حد جذباتی ہو گئے اور اسی وقت انہوں نے طے کرلیا کہ اب بچے وہیں لاہور میں اُن کے پاس ہی رہیں گے۔ امی آپ سوچ نہیں سکتیں کہ بچے کس قدر خوش ہیں، اپنے بابا کے ساتھ رہنے پر...... امی پلیز آپ لوگ میری مجبوریوں کو سمجھیں، میں روشانہ اور فرحان کو اکیلے سنبھالتے، سنبھالتے تھک سی گئی ہوں اور سب سے بڑھ کر اگر فاران ہم لوگوں کے بغیر رہنے کے عادی ہوگئے تو میرے بچے بالکل ٹوٹ جائیں گے۔'' وہ بے اختیار رو پڑی تو راحیلہ باجی نے آگے بڑھ کر اسے گلے لگا لیا جبکہ اس کی امی بھی اپنے آنسو پونچھتے ہوئے اس کے نزدیک چلی آئیں۔ اسلم صاحب نے ایک گہری سانس لے کر اپنی بیٹی کی جانب دیکھا۔ اس کے آنسو انہیں اپنے دل پر گرتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔ ان کا دل بالکل بھی نہیں مان رہا تھا کہ وہ یوں اچانک لاہور چلی جائے۔ انہیں احساس تھا کہ وہاں فاران کے ہوتے ہوئے بھی وہ اکیلی ہی ہوگی۔ یہاں تو کم از کم اس کے اپنے تو اس کے اردگرد تھے جو اسے تنہا نہیں ہونے دیتے تھے۔ جب وہ زیادہ گھبراتی تھی تو اُن کی محبتوں کے سائے میں آکر دل کو بہلا لیا کرتی تھی۔ وہ فاران کے فلم انڈسٹری میں جانے سے اسی لیے تو پریشان اور فکرمند رہنے لگے تھے کیونکہ ان کی بیٹی بہت ہی پوزیسو تھی، بے حد حساس طبیعت کی مالک تھی اور وہ اچھی طرح سے سمجھ رہے تھے کہ ایز اے ہیرو فاران جوں جوں شہرت کی بلندیوں کو چھوئے گا زنیرا کے گھر کا سکون اتنی ہی تیزی سے ختم ہوگا...... اکثر ان کی فکرمندی پر زنیرا ہنس کر انہیں بتاتی تھی کہ کتنے ہیروز کی بیویاں اپنے شوہروں کے ساتھ خوش و خرم ہیں لیکن وہ شاید ان عورتوں میں سے نہیں تھی جو صبر اور برداشت کا مادہ رکھتی ہیں اور مشکل یہ تھی کہ وہ اس بات کو اب بھی نہیں سمجھ رہی تھی اور اسلم صاحب اسے مزید سمجھا کر اس کا دل نہیں برا کرنا چاہ رہے تھے۔ اسی لیے اس وقت بھی بیوی کو آنکھ کے اشارے سے اس ٹاپک کو ختم کرنے کے لیے کہا اور پھر زنیرا کا دھیان پیکنگ کی طرف دلاتے ہوئے گفتگو کا رخ موڑ دیا تھا۔

فاران کے آنے کے بعد آٹھ دس دن جیسے ایک ہنگامے اور بھاگ دوڑ میں گزر گئے تھے۔ زنیرا

WWW.PAKSOCIETY.COM

کو بچوں کے لیونگ سرٹیفکیٹ لینے کے لیے اسکول کے بھی چکر لگانے پڑے تھے۔ فاران کے کہنے کے مطابق اس نے صرف کپڑوں اور کچھ دوسری ضروری چیزوں کو ہی پیک کیا تھا اور گھر کو لاک کر کے چابی راحیلہ باجی کو دے دی تھی تاکہ وہ گھر کی صفائی وغیرہ کرواتی رہیں۔ بقول فاران ان کا کراچی میں بھی گھر رہنا چاہیے تھا تاکہ جب بھی وہ لوگ یہاں آئیں تو اپنے ہی گھر میں ٹھہریں۔ فاران جس پیار اور محبت سے ان لوگوں کو اپنے ساتھ لے جا رہا تھا وہ زنیرا کو بہت اچھا لگ رہا تھا۔ وہ جب آنکھوں میں خوشی کے جگمگاتے جگنو لیے اس سے بہت پیار سے پوچھ رہا تھا۔

”زینی اب تو تم خوش ہوں ناں...... دیکھو وہاں پر جب ہم ساتھ رہیں گے تو پھر ہماری زندگی میں کوئی ٹینشن نہیں ہوگی پھر تم مجھ سے خفا بھی نہیں رہا کروگی، ہے ناں......؟“ تو وہ ہنس کر اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اس کے سینے پر سر رکھ دیتی اور پھر لاہور پہنچ کر تو جیسے وہ کسی خوابوں کی دنیا میں آگئی تھی...... فاران نے جو گھر لیا تھا وہ اتنا خوب صورت تھا کہ اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئی تھیں۔ بچوں کی طرح پورے گھر میں گھوم، گھوم کر وہ اپنی خوشی کا اظہار کر رہی تھی اور فاران اس کی اس ایکسائٹمنٹ پر اسے نثار ہوتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ روشانہ اور فرحان بھی جیسے خوشیوں کے ہنڈولے میں جھول رہے تھے۔ فاران نے انہیں کچھ دنوں میں پورا لاہور گھما ڈالا تھا اور اس گھومنے پھرنے کے دوران جب اکثر جگہوں پر لوگ فاران کو گھیر کر اس سے... آٹوگراف لیتے اس کے ساتھ تصویریں کھنچواتے تو زنیرا کو عجیب سے فخر کا احساس اندر تک سرشار کر دیتا...... لاکھوں دلوں کی دھڑکن بن کر بھی فاران صرف اس کا تھا۔ اس کے بچوں کا باپ تھا، وہ بڑے تفاخر کے ساتھ فاران کے قدم سے قدم ملاتی جب اس کے ساتھ چل رہی ہوتی تو کتنی ہی رشک آمیز نگاہوں کو اپنے اوپر محسوس کر کے جیسے خود بخود ایک شان اور وقار اس کی چال میں در آتے۔ فاران ان لوگوں کو اپنی شوٹنگ دکھانے اسٹوڈیو بھی لے کر گیا تھا۔ کتنے ہی مشہور فلم اسٹارز کو پہلی بار اس نے اپنے روبرو دیکھا تھا۔ وہ لوگ بھی بڑے خلوص سے زنیرا سے ملے تھے۔ بچوں کو بھی پیار کیا تھا۔ زنیرا کو یقین ہی نہیں آرہا تھا کہ جن ستاروں کو اس نے صرف اسکرین پر جگمگاتے دیکھا تھا آج وہ ان سے اتنی گھل مل کر باتیں کر رہی ہے...... فاران اس کے چہرے پر بکھری حیرت آمیز خوشی کو دیکھ کر محظوظ ہو رہا تھا۔ زندگی کے اندر کتنا حسن سمٹ آیا تھا۔ پہلی فلم کی شاندار کامیابی کے بعد شیرازی صاحب نے اسے اپنے بیوی اور بچوں کو منظرِ عام پر لانے کی اجازت دے دی تھی کہ اپنے تجربے کی بنا پر وہ جانتے تھے کہ فاران کو پبلک نے دل سے قبول کرلیا ہے اور اس کے شادی شدہ ہونے سے اس کے کیریئر پر کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ زنیرا لاہور آکر ذہنی طور پر بہت پرسکون اور خوش تھی۔ فاران بھی ذہنی یکسوئی کے ساتھ اپنے کام میں مگن تھا اور پھر انہی دنوں ان کی ویڈنگ انیورسری آگئی۔

”فاران پلیز، کل آپ ذرا جلدی گھر آجایئے گا۔“ رات فاران کے آنے کے بعد اس نے سب سے پہلے یہ بات کی تو فاران نے کچھ حیرانی سے اس کی جانب دیکھا۔

”کیوں زینی، کل کیا خاص بات ہے؟“ فاران کے سوال پر زنیرا نے کچھ خفگی سے اسے دیکھا۔

”کل ہماری ویڈنگ انیورسری ہے فاران...... پچھلی بار بھی ہم نے اپنا یہ یادگار دن آپ کی فلم کے نام کر دیا تھا۔ آپ کے پاس ذرا بھی ٹائم نہیں تھا کراچی آنے کا۔“ زنیرا کو بے اختیار وہ تلخی بھرے دن یاد آگئے جو اپنے اندر اس کے بے شمار آنسو سمیٹے ہوئے تھے۔

”ارے یار خدا کے لیے، تم یہ بار بار ماضی میں جا کر اداس ہونا چھوڑ دو اور حال کی خوب صورتی کو انجوائے کیا کرو۔“ فاران نے الجھ کر اسے ٹوکا اور پھر کچھ سوچ کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرایا جو اس کے الجھنے پر منہ پھلا کر بیٹھ گئی تھی۔

”ٹھیک ہے زنیرا...... اس بار ہم اپنی شادی کی سالگرہ ذرا ڈفرینٹ طریقے سے منائیں گے اور بہت انجوائے کریں گے۔ بچوں کو بھی بہت مزہ آئے گا۔“ فاران کے خوشی سے کھلکھلاتے لہجے پر زنیرا نے اپنی ساری خفگی بھلا کر بہت تجسس سے اسے دیکھا تو وہ اس کی لٹ کھینچ کر شرارت سے ہنس دیا۔

”کل صبح ہماری فلم کی آؤٹ ڈور شوٹنگ ہے، لاہور سے تقریباً سو کلومیٹر پر ایک بہت پُرفضا مقام ہے، ان فیکٹ اسے ایک چھوٹا سا گاؤں ہی سمجھ لو...... وہاں پر کچھ سین فلمانے ہیں۔ بس کل بچوں کی چھٹی کروالو اور تم سب میرے ساتھ چلو۔ پکنک کی پکنک، سالگرہ کی سالگرہ اور شوٹنگ کی شوٹنگ۔“ وہ بہت جوش سے پروگرام بنا رہا تھا۔ زنیرا کو بھی یہ آئیڈیا برا نہیں لگا پھر یہ بھی طے ہوا کہ بیکری سے زبردست کیک بھی خریدا جائے گا اور وہاں پورے یونٹ کے ساتھ کیک کاٹتے ہوئے وہ لوگ سب کے ساتھ اپنی انیورسری سلیبریٹ کریں گے۔

وہ صبح زنیرا کو ہمیشہ سے زیادہ دلکش اور حسین لگ رہی تھی۔ ہرے بھرے سرسبز ماحول میں وہ اور فاران یونٹ کے لوگوں میں گھرے کیک کاٹ رہے تھے۔ تالیوں کی گونج میں سب لوگ انہیں مبارک باد دے رہے تھے۔ شیرازی صاحب نے بہت خلوص سے خوب صورت پھولوں کا بوکے اس کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے اسے وش کیا تھا۔ بچے اِدھر سے اُدھر کھیلتے پھر رہے تھے اور فاران کے پہلو میں کھڑی زنیرا کو اپنے اوپر دل بھر کر رشک آرہا تھا۔ شوٹنگ شروع ہونے سے پہلے ہی شیرازی صاحب کے

غزل

اسی امید پہ آج تک جیتے ہی رہے ہم
ہنسنے کی آرزو میں روتے ہی رہے ہم

تپتے رہے زیست کے صحرا میں عمر بھر
تلخیِ حالات کی پیتے ہی رہے ہم

جذبوں سے کبھی کھیلا، کبھی محبتوں نے مارا
لوگوں کے ہر ستم کو بس سہتے ہی رہے ہم

بچپن ہمارا ہم سے ملتے ہی کھو گیا
ہر موڑ پر گلی کو تکتے ہی رہے ہم

دل نے کسی کی یاد کے جلائے تھے کچھ چراغ
عمر بھر اس آگ میں خود جلتے ہی رہے ہم

مرسلہ: نفیسہ آرا، دبئی

تیری کمی ہے

پھولوں کی ہے مہکار مگر تیری کمی ہے
چڑیوں کی ہے چہکار مگر تیری کمی ہے

قسمت نے کیا دولتِ ممتا سے ہے محروم
دولت کا ہے انبار مگر تیری کمی ہے

ہر درد میں، تکلیف میں اور رنج و الم میں
اے میری مددگار مگر تیری کمی ہے

ہر آن میرے سر پر دعاؤں کے وہ سائے
ہے سایۂ اشجار مگر تیری کمی ہے

گلشن میں گلابوں کی کمی کوئی نہیں ہے
کہتا ہے دلِ زار مگر تیری کمی ہے

مرسلہ: پروین افضل شاہین، بہاول نگر

WWW.PAKSOCIETY.COM

مشورے پر کیک کاٹ لیا تھا کیونکہ ہیروئن علیشا ابھی تک نہیں پہنچی تھی سو اس کے انتظار کے دوران ان لوگوں کی یہ چھوٹی سی تقریب سیلیبریٹ کرلی گئی تھی۔ فاران اور علیشا کی جوڑی آج کل پروڈیوسرز کے لیے کافی ہاٹ کیک بنی ہوئی تھی۔ فاران کو اس فیلڈ میں آئے تقریباً ڈیڑھ سال ہو رہا تھا اور اس عرصے میں شیرازی کے ساتھ کی ہوئی اس کی دونوں فلمیں سپرہٹ گئی تھیں اور دونوں فلموں کی ہیروئن علیشا ہی تھی۔ زنیرا کو پتا نہیں کیوں علیشا سے عجیب قسم کی چڑ محسوس ہونے لگی تھی جبکہ وہ فاران کے منہ سے اس کا ذکر بھی بہ مشکل سن پاتی تھی۔ اخبارات میں جب اس جوڑی کی تعریفوں کے پُل باندھے جاتے تو وہ ان اخبارات کو توڑ مروڑ کر پھینک دیا کرتی۔ فاران نے اس کی یہ جیلسی محسوس کر کے اسے ایک بار بہت اچھی طرح سمجھا دیا تھا کہ علیشا محض اس کی ایک ساتھ فنکارہ ہے اور فاران کے دل میں اس کے لیے قطعی کوئی جذبات نہیں ہیں اور اگر وہ اس کی محبت پر اعتماد کرتی ہے تو کبھی اس کی کسی بھی ہیروئن کے ساتھ وہ رقابت کا جذبہ نہیں رکھے گی اور فاران کے لہجے میں چھپی خفگی اور رنج کو محسوس کر کے اس نے فاران سے وعدہ کیا تھا کہ وہ کبھی اس کی محبت، اس کی وفا پر شک نہیں کرے گی اور نہ ہی فلم انڈسٹری کی کسی لڑکی کی وجہ سے اپنی خوشگوار زندگی کو اجیرن بنائے گی۔ اس دن کے بعد سے فاران کی ناراضی کے ڈر کی وجہ سے زنیرا نے کبھی اپنے احساسات فاران پر ظاہر نہیں کیے تھے لیکن دل ہی دل میں وہ بھی علیشا سے جی بھر کر جیلس ہوتی تھی کہ وہ آج کل فاران کے ساتھ مزید دو تین فلمیں کر رہی تھی۔

اس وقت سب لوگ بہت خوشگوار ماحول میں کیک کھاتے ہوئے گپ شپ میں مصروف تھے۔ شیرازی نے دو تین مرتبہ علیشا کو فون ٹرائی کیا لیکن کوئی رسپانس نہیں مل رہا تھا۔

''اللہ خیر کرے علیشا کا نمبر مل کر ہی نہیں دے رہا اور وہ ابھی تک پہنچی بھی نہیں ہے، پتا نہیں کیا مسئلہ ہے۔'' چوتھی مرتبہ موبائل ٹرائی کرنے کے بعد شیرازی نے کچھ فکرمند ہو کر کہا تو زنیرا نے بے اختیار دل سے دعا مانگی کہ کاش علیشا کے ساتھ کوئی بھی مسئلہ ہو گیا ہو اور وہ یہاں نہ پہنچ سکے۔ دعا مانگتے ہوئے اس نے کن انکھیوں سے فاران کی جانب بھی دیکھا تھا کہ اگر اسے زنیرا کے دل کی بات کی ذرا سی بھی بھنک بھی پڑ جاتی تو وہ شاید اسے معاف نہ کرتا کہ پروڈیوسر کے نقصان کے ساتھ ساتھ وہ اسے علیشا کے لیے تو بددعا بھی تو گردانتا...... زنیرا کو خود بھی اپنی خود غرضی کا احساس ہو رہا تھا لیکن پھر بھی بس اس کا دل مسلسل علیشا کے نہ آنے کی دعائیں مانگے جا رہا تھا لیکن اس کی دعائیں بے اثر رہیں۔ وہ فاران کی کسی بات پر کھلکھلا کر ہنس رہی تھی کہ ایک شور سا مچ گیا ''علیشا آ گئی...... علیشا آ گئی۔'' کچھ لوگ دوڑ کر کار کی جانب گئے جو ابھی ابھی ایک جھٹکے کے ساتھ آ کر رکی تھی۔ فاران بھی فوراً ہی اس کے پاس سے اٹھ کر علیشا کی جانب متوجہ ہو گیا جو ہاتھ ہلاتے ہوئے ان لوگوں کی جانب بڑھ رہی تھی۔ شیرازی صاحب بھی باتیں کرتے ہوئے اس کے ساتھ ساتھ آ رہے تھے......

''ارے علیشا کہاں رہ گئی تھیں ہم لوگ تو کافی پریشان ہو گئے تھے۔'' فاران نے اس کے نزدیک آتے ہی بہت بے تکلفی سے پہلا سوال یہی کیا تھا۔ زنیرا کو یوں محسوس ہوا گویا وہ علیشا پر اس کے لیے اپنی فکرمندی ظاہر کر رہا ہو۔ اس نے بہت جز بز ہو کر علیشا کی جانب دیکھا جو مسکراتے ہوئے اسے اپنے لیٹ ہو جانے کی وجہ بتا رہی تھی۔ دونوں کے درمیان زنیرا کو اپنا وجود بہت فالتو سا محسوس ہونے لگا۔ وہ ایک دم مڑ کر بچوں کی جانب جانے لگی تو فاران نے چونک کر فوراً ہی اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''علیشا ان سے ملو...... یہ ہیں میری وائف زنیرا...... اس دن اسٹوڈیو بھی آئی تھیں لیکن تم سے ملاقات نہیں ہو سکی تھی۔'' فاران کے تعارف پر علیشا نے بڑی گرمجوشی سے اس سے ہاتھ ملایا۔

''پلیز ٹو میٹ یو زنیرا...... مجھے آپ سے ملنے اور آپ کو دیکھنے کا بہت اشتیاق تھا۔ بھئی آپ کے میاں تو آپ کے بہت بڑے مجنوں ہیں، ہر دوسری بات میں آپ کا ذکر لازمی لاتے ہیں۔'' علیشا نے ہنستے ہوئے شرارت سے فاران کو دیکھا جو اب بھی زنیرا کا ہاتھ تھامے ہوئے تھا۔ علیشا کے جملے ایک پھوار بن کر زنیرا کے جلتے ہوئے دل پر گرے اور خوب صورت سا ٹھنڈک کا احساس جیسے اس کے رگ و پے میں اتر گیا۔

''مجھے بھی آپ سے ملنے کا بہت شوق تھا۔'' جواباً اس نے بھی مسکراتے ہوئے رسمی جملہ ادا کیا۔

''ویسے فاران ماشاء اللہ...... آپ کی وائف بہت پیاری ہیں اگر آپ انہیں بھی فلموں میں لے آتے تو ہمارا تو کباڑا ہی ہو جانا تھا۔'' علیشا نے بہت کھلے دل سے زنیرا کی تعریف کی تو سب ہی ہنس دیے جبکہ زنیرا بلش کر گئی تھی پھر فاران نے روشانہ اور فرحان کو بلا کر ان کو بھی علیشا سے ملوایا...... علیشا ان سے بہت پیار سے ملی...... اسے یہ پیارے پیارے سے بچے بہت اچھے لگے تھے۔ تبھی شیرازی نے اسے پکارا تو وہ جلدی سے اس طرف چلی گئی جہاں میک اپ مین اس کے انتظار میں بیٹھا ہوا تھا۔ لائٹنگ وغیرہ سیٹ ہو رہی تھی۔ شوٹنگ شروع ہی ہونے والی تھی۔ زنیرہ نے دزدیدہ نظروں سے کچھ فاصلے پر میک اپ کرواتی علیشا کی جانب دیکھا۔ کاہی رنگ کی ساڑی اس کے متناسب جسم پر بے طرح اٹھ رہی تھی۔ سلیولیس بلاؤز میں اس کے گورے گورے سڈول بازوؤں کی دمک یہاں تک محسوس کر رہی تھی۔ گھنے بالوں کا آبشار اس کی پشت پر بکھرا ہوا تھا اور میک اپ مین کے ماہر ہاتھ اس وقت اس کے حسن کو مزید دو آتشہ بنانے میں مصروف تھے۔ زنیرا نے چپکے سے اپنا جائزہ لیا۔ پنک کلر کے اسٹائلش سوٹ میں وہ بھی کچھ کم نہیں لگ رہی تھی لیکن نہ جانے کیوں اسے اپنا آپ علیشا کے سامنے پھیکا پھیکا سا محسوس ہونے لگا تھا۔ علیشا کا میک اپ مکمل ہو چکا تھا اور اس وقت وہ فاران کے پہلو میں کھڑی بہت غور سے شیرازی کی ہدایات سن رہی تھی۔ شاید وہ ان دونوں کو ابھی شوٹ ہونے والا سین سمجھا رہے تھے، علیشا اور فاران دونوں ساتھ ساتھ کھڑے ہوئے کتنے اچھے لگ رہے تھے۔ بالکل ایک پرفیکٹ کپل...... زنیرا نے ایک نظر ان پر ڈالی اور پھر بے اختیار کھڑی ہو گئی۔ بالکل بھی تو برداشت نہیں ہو پا رہا تھا اس سے یہ سب کچھ...... اس نے اشارے سے فاران کو اپنے نزدیک آنے کا اشارہ کیا تو وہ شیرازی سے معذرت کرتے ہوئے اس کے نزدیک آ گیا۔

''کیا بات ہے زینی، تم دیکھ نہیں رہیں کہ شیرازی صاحب ہمیں سین سمجھا رہے ہیں۔'' وہ بہت جھنجلاتے ہوئے لہجے میں بولا تو زنیرا نے بے ساختہ اس سے سوال کر ڈالا۔

''فاران پلیز مجھے بتاؤ کہ تم کوئی رومینٹک سین تو نہیں کرنے والے ہو اس وقت۔'' زنیرا کے اس بے تکے سوال پر ایک لمحے تو وہ بس اسے دیکھتا رہ گیا۔ بڑی مشکل سے اپنا غصہ ضبط کرتے ہوئے وہ اس کا ہاتھ تھام کر اسے کچھ دور لے گیا۔

''دیکھو زینی میرا آج تمہیں یہاں لانے کا مقصد یہ بھی تھا کہ تم دیکھ سکو کہ جب ایسے کوئی بھی سین فلم بند ہوتے ہیں تو آس پاس کتنے زیادہ لوگ ہوتے ہیں۔ بار بار... ری ٹیک بھی ہوتے ہیں اور اس وقت صرف اور صرف کام پر دھیان دیا جاتا ہے، اس میں کسی بھی جذبات یا احساسات کا ذرا سا بھی دخل نہیں ہوتا۔ آج تم دیکھو گی تو تمہیں خود بھی پتا چل جائے گا کہ......'' فاران کی بات درمیان میں رہ گئی

WWW.PAKSOCIETY.COM

کیونکہ زنیرا کی آنکھوں میں آئے آنسو اب رخساروں پر بہنے لگے تھے۔

''اس کا مطلب ہے کہ آپ علیشا کے رومینٹک سین شوٹ ہونے والے ہیں۔ پلیز فاران میں ابھی اور اسی وقت واپس جانا چاہتی ہوں۔'' وہ بھرائی ہوئی آواز میں کہہ رہی تھی اس کا حتمی لہجہ بتا رہا تھا کہ وہ قطعی رکنے والی نہیں۔ فاران نے گھبرا کر شیرازی کی جانب دیکھا جو اس سے تھوڑا دور ہی کھڑے تھے لیکن اُن کے چہرے سے لگ رہا تھا کہ وہ اس سچویشن کی گمبھیرتا کو سمجھ رہے ہیں...... فاران کو شدید شرمندگی کے ساتھ ساتھ زنیرا پر بے پناہ غصہ بھی آنے لگا۔

''ٹھیک ہے تم ابھی اور اسی وقت یہاں سے چلی جاؤ، اگر تم مزید ایک منٹ بھی یہاں رکیں تو میں خود تمہیں برداشت نہیں کروں گا۔'' اس نے شعلہ بار نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بھینچی بھینچی سی آواز میں اسے وارننگ بھی دے دی۔ زنیرا نے اس کے غصے سے سرخ ہوتے ہوئے چہرے کو دیکھا تو دل جیسے سہم سا گیا لیکن اس کے کچھ کہنے سے قبل ہی فاران ڈرائیور کو آواز دے چکا تھا۔

''ریحان تم ابھی بچوں اور بیگم صاحب کو واپس لاہور لے جاؤ۔ میں شیرازی صاحب کے ساتھ آجاؤں گا۔'' ڈرائیور کو ہدایت دیتے ہوئے اس نے بچوں کو بھی پکارا جو کچھ فاصلے پر کھیلنے میں مصروف تھے۔

''بابا ہمیں ابھی واپس نہیں جانا۔ یہاں اتنا مزہ آرہا ہے۔'' فاران کے بلانے پر روشانہ ٹھنک کر بولی تو فاران نے ملامت بھری نظروں سے زنیرا کی جانب دیکھا اور روشانہ کو بہلاتے ہوئے بولا۔

''بیٹا تمہاری مما کی طبیعت خراب ہو رہی ہے انہیں واپس لاہور جانا ہے، آئی پرامس اگلی بار تمہیں اس سے بھی اچھی جگہ لے کر جاؤں گا۔'' وہ روشانہ اور فرحان کا ہاتھ تھامے کار کی جانب بڑھا تو زنیرا کو جیسے اپنی غلطی کا احساس ہونے لگا لیکن فاران کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ اب اس کی کسی بھی قسم کی کوئی بات سننے کا روادار نہیں ہے۔ یہاں تک کہ اس نے زنیرا کو شیرازی صاحب اور علیشا سے خدا حافظ تک نہیں کہنے دیا تھا۔ اس سچویشن کو سب ہی نے محسوس کر لیا تھا جس کی زنیرا کو زیادہ شرمندگی ہو رہی تھی۔ اسے امید ہی نہیں تھی کہ اس کی اس بات پر فاران کا اتنا سخت ـــ ری ایکشن ہوگا۔ وہ سر جھکائے کار میں آکر بیٹھ گئی۔ بچے بہت اپ سیٹ سے منہ پھلائے اس سے خفا، خفا بس کار کی کھڑکی سے یوں راستے باہر دیکھتے رہے تھے۔ گھر واپس آکر زنیرا کو شدید پچھتاوے کا احساس ہونے لگا۔ فاران کی خفگی کا خیال اس کو ہولائے دے رہا تھا۔ سارے یونٹ کے سامنے اس نے کیسا تماشا بنا دیا تھا۔ کتنی محبت سے لے کر گیا تھا فاران ان لوگوں کو لیکن اس نے اپنی حماقت سے سب کچھ ملیامیٹ کر دیا تھا۔ علیشا کتنا ہنسی ہوگی اس کی اِس حماقت بھری حرکت پر...... بھلا رونے کی کوئی تُک بنتی تھی۔ بچے بے چارے الگ بور ہوئے۔ اسے جی بھر کر اپنے اوپر غصہ آنے لگا۔ آخر کیوں نہیں کنٹرول پا سکتی، وہ اپنے جذبات اور احساسات پر...... ابھی وہ یہ سوچ ہی رہی تھی کہ فون کی گھنٹی بجی...... شاید فاران کا فون ہو، وہ اس سے معافی مانگ لے گی...... اس نے بے تابی سے کال ریسیو کی لیکن دوسری طرف شیرازی صاحب تھے......

''زنیرا جی آپ نے فاران کو ناحق اتنا اپ سیٹ کر دیا...... ایک ہیرو کی بیوی کو اپنا دل بڑا رکھنا چاہیے...... میں تو آپ کو بہت سمجھدار خاتون سمجھتا تھا۔'' وہ اس وقت کافی تلخ ہو رہے تھے۔ زنیرا کو ان کا یہ انداز بالکل بھی اچھا نہیں لگا۔ یہ اس کا اور فاران کا معاملہ تھا۔ وہ کون ہوتے تھے درمیان میں بولنے والے لیکن اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی ان کے اگلے جملے نے جیسے اس کے ہوش ہی اُڑا دیے تھے۔

فاران اور زنیرا کی خوشگوار داستان محبت کا اگلا موڑ کیسا ثابت ہوا...... یہ جاننے کے لیے اگلے ماہ تک انتظار کیجیے۔

محبت کا زیاں

خالدہ نسیم

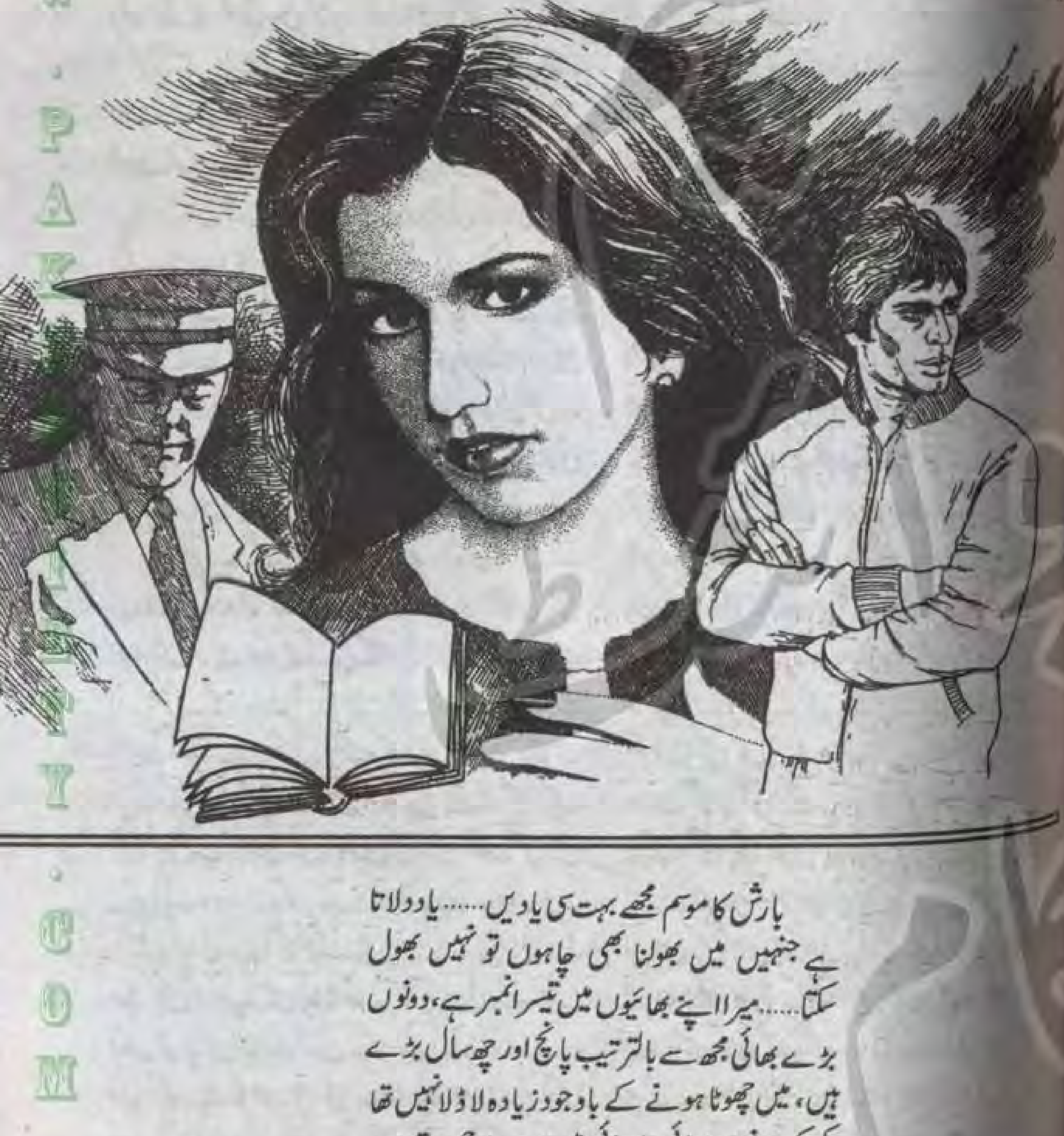

بارش کا موسم مجھے بہت سی یادیں...... یاد دلاتا ہے جنہیں میں بھولنا بھی چاہوں تو نہیں بھول سکتا...... میرا اپنے بھائیوں میں تیسرا نمبر ہے، دونوں بڑے بھائی مجھ سے بالترتیب پانچ اور چھ سال بڑے ہیں، میں چھوٹا ہونے کے باوجود زیادہ لاڈلا نہیں تھا کیونکہ دونوں بھائی پڑھائی میں بہت اچھے تھے اور جماعت میں پہلے دوسرے نمبر پر آتے تھے۔ مجھے پڑھائی سے زیادہ ہاکی اور کرکٹ کھیلنے میں دلچسپی

WWW.PAKSOCIETY.COM

تھی۔ بھائیوں کی لیاقت کی وجہ سے استاد مجھے بھی قبول کر لیتے تھے اور میں پاس ہو جاتا تھا۔ ہمارے والد کی حیدرآباد میں مناسب کریانے کی دکان تھی اتنی آمدنی تھی کہ گزارہ اچھا ہو جاتا تھا۔ تین چار کمروں کا گھر بھی اپنا تھا۔ ہر متوسط گھرانے کے بچوں کی طرح دونوں بھائیوں کو پڑھ لکھ کر کچھ بن کر دکھانے کا شوق ہی نہیں بلکہ جنون تھا۔ سرکاری اسکول میں پڑھتے تھے فیسوں کا زیادہ خرچ نہیں تھا۔ بڑے بھائی جان سہیل اور چھوٹے بھائی راحیل میں صرف ایک سال کا فرق تھا اور یوں وہ بھائیوں سے زیادہ آپس میں دوست تھے اور بقول لوگوں کے ایک جان دو قالب تھے۔ سہیل بھائی، راحیل بھائی سے نہ صرف بھائی ہونے کے ناتے پیار کرتے تھے بلکہ ہر بات میں اُن کی خوشی اور مرضی کو مقدم رکھتے تھے۔ اتنا کہ امتحانوں میں ایک آدھ سوال حل نہ کرتے کہ راحیل کے نمبر زیادہ آجائیں اس کی خوشی کی خاطر اور جیت کی خاطر اُن سے ہار جاتے۔

میٹرک کے امتحان سے پہلے راحیل بھائی نے ان سے وعدہ لیا کہ وہ سالانہ بورڈ کے امتحان میں ایسا نہیں کریں گے کیونکہ آگے کالج میں داخلہ لینا ہے اور میٹرک کا رزلٹ آگے کی ساری زندگی میں بہت اہمیت رکھتا ہے، اتفاق دیکھیے کہ دونوں نے حالانکہ ایک سال کے فرق سے امتحان دیے تھے پھر بھی ایک جتنے نمبر لیے۔ کالج میں دونوں کی لائن مختلف تھی اس لیے ایک دوسرے کو جتانے والی بات جاتی رہی۔ سہیل بھائی نے انجینئرنگ میں اور راحیل بھائی نے میڈیکل گروپ میں جانا تھا۔ سہیل بھائی نے ایف ایس سی پاس کیا اور آرمی کے لیے درخواست دے دی کچھ بننے کا اور جلدی سے اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کا انہیں یہ راستہ سہل لگا۔ پڑھائی میں اچھے تھے انجینئرنگ کا شوق وہاں پورا کر لیتے۔ ان کی سلیکشن ہو گئی اور وہ کاکول چلے گئے۔

اگلے سال راحیل بھائی نے بھی آرمی میڈیکل کالج جانے کی بات کی مگر اماں اور ابا نہ مانے اس طرح وہ کراچی میں میڈیکل کالج میں چلے گئے۔ میڈیکل کالج میں اُن کے انٹرویو کے سلسلے میں امی اور ابا بھی ساتھ گئے۔ ہمارے ایک ہی ماموں تھے عرصہ دراز سے اُن سے میل جول نہ تھا، امی سے کوئی جائداد کا تنازعہ تھا۔

”پرانی باتوں کو چھوڑو ان کے گھر چلتے ہیں۔“ ابا نے کہا۔ ان کا گھر کالج سے تھوڑے ہی فاصلے پر تھا۔ ہم ملنے گئے وہ بڑے تپاک سے ملے۔ مامی اور ان کی چاروں بیٹیوں سے بھی ملاقات ہوئی۔ ابا نے راحیل بھائی کا بتایا کہ یہ اب میڈیکل کالج میں آگیا ہے ہاسٹل میں رہے گا، اپنا بیٹا سمجھ کر دھیان رکھنا۔ انہوں نے بھی وعدہ کیا۔ راحیل بھائی جب چھٹیوں میں گھر آتے تو اماں ان سے پوچھتیں کہ ماموں سے ملے کہ نہیں وہ بہانے کرتے کہ ابھی نہیں جا سکا۔ ابھی تو کلاس فیلوز اور کالج سے ہی متعارف نہیں ہو پایا اور پھر کراچی نیا شہر ہے راستہ نہیں آتا وغیرہ...... اماں ان کی مسخری حرکتوں پر ہنس دیتیں۔ میرے یہ بھائی ہوشیار و لائق ہونے کے ساتھ ساتھ زندہ دل اور میل ملاپ رکھنے والے بھی تھے ایک اور اضافی خوبی جو صرف انہی میں تھی کہ وہ سائنس کے طالب علم ہوتے ہوئے شاعر بھی تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ شاعری کی ٹانگ کھینچ لیتا ہوں حالانکہ اسکول اور کالج کے زمانے میں وہ اکثر مشاعروں میں شرکت کرتے تھے اور ان کی نظمیں اور ان کے چھوٹے، چھوٹے خاکے اور مضامین کالج کے میگزین میں چھپتے تھے۔ ہماری چونکہ بہن کوئی نہیں تھی، راحیل بھائی اماں کے بھی بہت سے کام نمٹا دیتے تھے، جب وہ ہاسٹل گئے تو سب نے اُن کی غیر حاضری کو محسوس کیا۔ دو سال گزر گئے اور جب وہ چھٹیوں میں گھر آئے تو انہوں نے بتایا کہ اب کے ماموں آ کر انہیں ساتھ گھر لے گئے

تھے اور اب وہ ہفتے میں دو بار باقاعدگی سے وہاں جاتے ہیں، ماموں کی بیٹی ربیعہ جو بڑی تھیں اور سمیعہ نمبر دو پر وہ انہیں پڑھائی میں مدد دیتے ہیں، ماموں نے ہی کہا تھا۔ اس پر اماں کو بھائی کی اپنی پڑھائی کی فکر لاحق ہوئی تو انہوں نے اماں کو تسلی دی کہ وہ زیادہ وقت نہیں ٹھہرتے کبھی ایک گھنٹا اور کبھی کبھی دو گھنٹے کے لیے جاتے ہیں، ربیعہ کو انگلش اور سمیعہ کو ایف ایس سی کی تیاری میں مدد دیتے ہیں۔ مامی بھائی کے ہاتھ ہمارے لیے کراچی کا حلوا اور امی کے لیے کوئی نہ کوئی تحفہ ضرور بھجوا دیتیں۔ امی بھی چاروں بہنوں کے لیے حیدرآباد کی چوڑیاں اور کندن کا زیور اور دوسری سوغاتیں عید تہوار پر بھجوا دیتیں۔

سہیل بھائی کی پاسنگ آؤٹ پر صرف ابا... کاکول گئے اور بہت خوش واپس آئے۔

”تمہارا بیٹا سیکنڈ لیفٹیننٹ بن کر نکلا ہے چھ ماہ میں لیفٹیننٹ ہو جائے گا۔ اس کے آفیسرز بتا رہے تھے کہ ماشاء اللہ بہت ہوشیار بچہ ہے اور اس کے آگے ٹریننگ کے لیے امریکا جانے کا چانس ہے۔“ ابا نے خوشی، خوشی اماں کو بتایا مگر وہ امریکا تو نہیں انجینئرنگ میں ماسٹرز کی ڈگری حاصل کرنے کے لیے انگلینڈ چلے گئے۔ میرے والدین اپنے آپ کو دنیا کے خوش قسمت ترین والدین میں شمار کرتے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اتنی لائق اور نیک اولاد دی اور اس میں کوئی شک بھی نہیں تھا۔

دو سال کے بعد سہیل بھائی جب واپس آئے تو ہم سب اُن کو لینے کراچی گئے۔ وہ ائرپورٹ سے ٹرانزٹ کیمپ میں گئے ہم بھی ساتھ تھے ان کی فلائٹ صبح چار بجے پہنچی تھی۔ ہمیں میس میں آتے دو گھنٹے لگ گئے۔ دو گھنٹے انہوں نے آرام کیا اور اپنے آنے کی رپورٹ کرنے چلے گئے۔ یونیفارم میں تھے ویسے بھی لمبے تھے اور اب اور بھی اونچے لگ رہے تھے، کندھوں پر کپتانی کے تین ستارے تھے اور نظر ان پر

نہیں ٹھہر رہی تھی۔ راحیل بھائی کا قد اُن کے مقابلے میں چھوٹا لگ رہا تھا۔ ویسے بھی وہ ابھی اسٹوڈنٹ تھے اور ویسے ہی کم عمر، کھلنڈرے سے لگ رہے تھے۔ سہیل بھائی کی واپسی پر امی نے کہا کہ ماموں سے مل کر واپس حیدرآباد چلے جائیں گے۔

”ارے بھئی راولپنڈی سے پوسٹنگ کے آرڈرز نہیں ملے مجھے...... اگلے دو دن اِدھر ہی رکنا ہے آپ بھی ٹھہریں، کراچی کی سیر کرتے ہیں، ہفتہ، اتوار کی چھٹی ہے سوموار کو چلیں گے اور ماموں سے بھی مل لیں گے۔“ سہیل بھائی نے اگلے دو دنوں کا پروگرام بتا دیا۔ ہم وہاں سے ماموں کے گھر آگئے، ماموں سہیل بھائی سے پہلی بار ملے تھے۔ مامی نے ہماری کافی آؤ بھگت کی جب ہم چلنے لگے تو انہوں نے ابا اور امی کو اصرار سے اپنے گھر رکنے کے لیے کہا۔ راحیل بھائی، سہیل بھائی کے ساتھ چلے گئے اور ہم تینوں کا سامان لے آئے۔ خود پھر واپس ہاسٹل چلے گئے سہیل بھائی نے چند دوستوں سے ملنا تھا وہ میس میں رک گئے۔

رات میں ماموں نے ابا سے کہا کہ وہ رشتے داری کو مضبوط کرنا چاہتے ہیں، ان کی خواہش ہے کہ اتنا لائق بھانجا ان کا داماد بنے۔

”آخر تو آپ نے اس کے لیے لڑکی ڈھونڈنی ہی ہے تو پھر میری بیٹی کیوں نہیں آپ کی بہو بن سکتی؟“ ویسے ربیعہ آپی خوب صورت سلجھی ہوئی پڑھی لکھی لڑکی تھیں سب سے بڑھ کر اماں کی اپنی بھتیجی...... کسی کو کوئی اعتراض نہیں تھا۔ اگلے دن سہیل بھائی آئے تو اُن سے ان کی مرضی پوچھی گئی انہوں نے بات اماں ابا کی پسند پر ڈال دی پر ساتھ ہی بتا دیا کہ شادی دو سال سے پہلے نہیں ہوگی۔ ربیعہ آپی ماسٹرز کر لیں، راحیل بھائی فائنل امتحان دے لیں اور سال بھر کا ہاؤس جاب کر لیں۔ میرا میٹرک ختم ہو اور خود اُن کا دو سال کا hard area ہو جائے کیونکہ وہ اس

WWW.PAKSOCIETY.COM

دوران فیملی کو ساتھ نہیں رکھ سکتے تھے۔

''ابھی نکاح کرلیں رخصتی دو سال کے بعد ہوجائے گی۔'' ماموں نے کہا اور یوں دو دن بعد اچانک ہی تیز بارش کے باوجود نکاح کی تقریب رکھ لی گئی۔ ہم بہت خوش تھے۔ ربیعہ آپی گلابی جوڑے میں دلہن بنی شرمائی سی بہت خوب صورت لگ رہی تھیں۔ راحیل بھائی کھانے سے پہلے ہی اٹھ کر چلے گئے کہ اُن کا ضروری ٹیسٹ ہے، اگلے دن ملنے بھی نہیں آئے۔ سہیل بھائی نے بھی پوچھا پھر خود ہی سوچا کہ مصروف ہوگا۔ سہیل بھائی کی راول پنڈی فلائٹ تھی پھر انہوں نے آگے اسکردو چلے جانا تھا۔ ہم بھی واپس حیدر آباد آگئے۔ سہیل بھائی نے ابا سے کہا تھا کہ گھر میں ٹیلی فون لگوالیں انہیں بھی بات کرنے میں آسانی ہوجائے گی اور اگلا سال راحیل کا بھی فائنل ائیر ہے وہ بھی بار بار حیدر آباد نہیں آسکے گا۔ خیر خیریت جاننے کو فون کا ہونا ضروری ہے۔ ابا نے کراچی سے آکر دو کام کیے، فون لگوایا اور ساتھ ہی اپنا سامان باندھ لیا کہ اب وہ باقی زندگی دین کی خدمت میں گزاریں گے۔ کچھ عرصہ پہلے سے انہوں نے تبلیغی جماعت کی رکنیت لے لی تھی اور گاہے بہ گاہے تبلیغی دوروں پر جاتے رہتے تھے مگر زیادہ سے زیادہ دو تین دن کے لیے۔ اس بار ان کا کام لمبا تھا۔ میں نے کہا بھی کہ ابا میرا میٹرک کا ضروری سال ہے میں اسٹور پر زیادہ وقت نہیں دے پاؤں گا مگر انہوں نے ہمارے ایک پرانے ملازم کو کام... سمجھایا اور چلے گئے۔

راحیل بھائی کے فورتھ ائیر کے امتحان تھے جبھی اماں نے کہا کہ کالج ہاسٹل کا فون ملاؤ اور اس سے پوچھ لو کیسی تیاری کررہا ہے اور گھر کا فون نمبر بھی اسے دے دو۔ بھائی سے تو بات نہ ہوسکی ان کا روم میٹ ریاض ملا اس نے جو بتایا وہ حیران کن لگا تھا۔

''یار وہ کچھ اپ سیٹ ہے، راتوں کو جاگتا ہے اور دن کو سوجاتا ہے، پچھلے ہفتے کے سارے ٹیسٹ چھوڑ دیے ہیں، گھنٹوں کمرے کا دروازہ بند رکھتا ہے، مجھے دوسروں لڑکوں کے ساتھ رہنا پڑتا ہے۔ میرا سامان اندر ہوتا ہے، کتابیں، نوٹس ہر ضرورت کی چیز اندر ہوتی ہے، ہم سب اس کے لیے پریشان ہیں، تم اپنے ابا یا بڑے بھائی کو کہو وہ آکر اسے سمجھائیں۔'' اس وقت تو میں نے انہیں کہہ دیا کہ... فی الحال کوئی نہیں جو فوری راحیل بھائی کے پاس جاسکے۔ ساتھ ہی میں نے اماں کو بھی ساری بات سنادی انہوں نے کہا کہ ماموں کو اطلاع کردو۔

''ہم سب نے سب سے پہلے ان سے ہی رابطہ کیا تھا مگر راحیل نے ان سے ملنے سے انکار کردیا۔ اگر اب بھی آپ میں سے کوئی نہ آیا تو ہمیں اسے علاج کے لیے اسپتال لے جانا پڑے گا۔ وہ بہت زیادہ نیند کی دوائیاں لے رہا ہے۔'' ریاض نے بتایا تو یہ سن کر اماں تشویش میں پڑ گئیں۔ گرمیوں کی چھٹیاں ہونے والی تھیں اماں نے کہا کچھ دن ٹھہر کر تم چلے جانا اتنے میں ابا بھی واپس آگئے انہیں جب اس صورتِ حال کا پتا چلا تو اماں سے بولے۔

''زبیدہ اپنے چھوٹے کو سمجھاؤ، مجھے میری راہ سے ہٹانے کی کوشش نہ کرے، تمہیں پتا ہے ناں کہ میں شروع سے شادی شدہ زندگی کے خلاف تھا پھر بھی والدین کی خاطر میں نے سارے رشتے پچھلے پچیس برس سے بخوبی نبھائے ہیں اب ماشاء اللہ تمہارے بچے اس قابل ہیں کہ تمہیں اور اپنے آپ کو سنبھال لیں، مجھے اجازت دو۔'' اپنی بات کہہ کر وہ مڑے اور مسکرا کر بولے۔ ''راحیل ہمیشہ اپنے امتحانوں میں پریشان ہوتا ہے ٹھیک ہوجائے گا تم اپنی پڑھائی کرو، سہیل آکر اسے سمجھالے گا۔''

ابا کی تسلی کے باوجود مجھے بہت فکر ہورہی تھی مگر میں کچھ کہہ نہ سکا۔ تین چار ماہ گزر گئے بیچ میں ایک بار ریاض کا ٹیلی فون آیا۔ ''تمام اساتذہ بھی راحیل کے لیے فکر مند ہیں، آج کل وہ آغا خان اسپتال کے ڈاکٹرز کی نگہداشت میں ہے تم اپنے بڑے بھائی کو تمام صورتِ حال بتاؤ اور آکر اس سے ملو۔ اس سال تو وہ امتحان نہیں دے پائے گا کوئی حرج نہیں مگر ایک سال ضائع ہورہا ہے۔'' تقریباً ایک ماہ کے بعد بھائی جان کا پیغام ملا کہ وہ ایک ماہ کی چھٹی پر آرہے ہیں اور میں بھی کراچی آجاؤں، راحیل بھی فارغ ہوگا چند دن کراچی آفیسرز میس میں رہیں گے ان کا پیغام ملا تھا اگر وہ خود فون پر رابطہ کرتے تو میں انہیں راحیل بھائی کی طبیعت کی خرابی کے بارے میں ضرور بتادیتا مگر یہ ممکن نہ ہوا۔ اماں کے پاس اپنے رشتے کی خالہ کو چھوڑا اور میں ایسے وقت میں کراچی پہنچ گیا کہ بھائی جان سے ائرپورٹ پر ہی مل لوں اور وہیں سے ہم سیدھے کالج کے ہاسٹل میں چلے گئے میں نے راستے میں جو کچھ راحیل بھائی کے روم میٹ ریاض سے سنا تھا وہ بھائی جان کو بتایا۔

''وہاں پہنچ کر دیکھتے ہیں۔'' میری بات سن کر بھائی جان کے چہرے پر کوئی فکر مندی نظر نہ آئی مجھے خیال ہوا کہ شاید میں راحیل بھائی کی بیماری کو زیادہ محسوس کررہا ہوں ابھی ہم ہاسٹل کے گیٹ سے داخل ہوئے تھے کہ سامنے سے ریاض آتا نظر آیا ہم آگے بڑھ کر اس سے ملے اور وہ ہمیں کامن روم کی طرف لے کر چلا۔

''یار کمرے میں چلتے ہیں، راحیل نظر نہیں آرہا تمہارے ساتھ...... کیا وہ کالج نہیں آیا تھا؟'' بھائی جان نے پوچھا۔ اس پر ریاض نے میری طرف دیکھ کر کہا۔

''عمران! بھائی جان کو بتایا نہیں کہ راحیل بیمار ہے اور اسپتال میں ہے؟'' میں گھبرا گیا اور کیا کرتا بھائی جان کی طرف دیکھنے لگا۔

''عمران نے بتایا ہے کہ وہ امتحانوں کی وجہ سے گھبرایا ہوا تھا مگر ایسا بھی کیا ہوا ہے کہ اسپتال میں ہے؟ چلو پھر اسپتال چلتے ہیں۔ سنو ریاض تمہارا کوئی ضروری پیریڈ وغیرہ تو نہیں؟'' بھائی جان نے پوچھا۔

''ضروری بھی ہوتا تو بھائی جان آپ کے لیے اور راحیل کے لیے چھوڑ دیتا۔'' ہم ٹیکسی لے کر اسپتال کی طرف روانہ ہوگئے۔ راستے میں اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں کچھ دیر میں ہم اسپتال پہنچ گئے تھے۔ وارڈ تک جانے سے پہلے ریاض نے کہا۔

''بھائی جان مجھے آپ سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں پھر راحیل کے پاس جائیں گے۔'' ہم وہیں ایک بینچ پر بیٹھ گئے۔

''سہیل بھائی جان، راحیل کا ذہنی توازن ٹھیک نہیں۔'' ریاض بہت مشکل سے جملہ بول پایا تھا۔

سہیل بھائی چونک گئے۔

''میں آپ کو شروع سے بتاتا ہوں، عمران کو میں ساتھ ساتھ بتاتا رہا ہوں مگر یہ بچہ ہے سمجھ نہیں پایا۔ آپ تک ہماری رسائی نہیں ہوسکتی تھی۔ امتحانوں سے پہلے کی بات ہے، ہمارے روٹین کے ٹیسٹ تھے۔ راحیل صبح اٹھتا نہیں تھا۔ ساری رات جاگ کر اِدھر اُدھر ٹہلتا رہتا۔ اس کا کہنا تھا کہ نیند نہیں آتی، امتحانوں کے نزدیک اکثر طالب علم شکایت کرتے ہیں ہمارے وارڈن جو خود بھی ڈاکٹر ہیں انہوں نے ایک ہلکی سی نیند والی دوا اسے دے دی مگر اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔ اس کے بعد راحیل نے کتابیں سمیٹ کر ایک طرف ڈال دیں کہ مجھے نہیں پڑھنا۔

نظم

سدا معتبر
وہی چند سر
جو
اُگے ہیں شاخِ صلیب پر

شاعر: امجد اسلام امجد
مرسلہ: سیما ممتاز عباسی۔ لاڑکانہ

WWW.PAKSOCIETY.COM

کیوں پڑھوں، کس کے لیے پڑھوں؟ میں ایک پٹا ہوا مہرہ ہوں اپنے بادشاہ کے ہاتھ سے۔ ہم نے مذاق میں یہ بات لی میں نے کہا یار ہم کبھی شطرنج نہیں کھیلتے کہاں کی ہار کہاں کی جیت؟ یہ تم کیا باتیں کررہے ہو؟ بس ہر وقت کچھ نہ کچھ لکھتا تھا پھر یا تو اسے کاٹ دیتا تھا یا ڈسٹ بن میں ڈال دیتا تھا۔ ایک دن میں کمرے میں موجود نہیں تھا اس نے وہ کاغذ یا اپنے کچھ نوٹس اکٹھے کیے اور آگ لگادی ہاسٹل کے الارم بجنے لگے۔ آپ خود ہی سوچیں اس صورت حال میں کیا ہوتا ہے، ہر ایک پریشان تھا بات ہاسٹل سے نکل کر کالج تک پہنچی، ڈاکٹرز نے راحیل کو مختلف دوائیوں پر ڈال دیا۔ ان سے یہ قدرے پُرسکون ہوجاتا مگر کلاسز لیں نہ امتحان دیے جو کسی وقت کوئی بات کرلیتا تھا اس سے بھی گیا۔'' ریاض، راحیل بھائی کے متعلق بتاتا جارہا تھا اور بھائی جان کسی گہری سوچ میں گم تھے پھر وہ میری طرف دیکھ کر بولا۔

''عمران یہ تب کی بات ہے جب تمہاری امی نے کہا تھا کہ ماموں سے رابطہ کریں اتفاق سے وہ خود ہی آگئے تھے مگر راحیل نے اُن سے ملنے سے انکار کردیا۔ بلکہ اس کے بعد ان کے آنے کا سن کر کمرے سے بھاگ جاتا تھا یا سوتا بن جاتا تھا۔ وہ بزرگوار بہت مرتبہ آئے پھر جب یہ ہائپر ہونے لگا تو ہم نے انہیں منع کردیا۔ کتنے، کتنے دن راحیل منہ نہیں دھوتا تھا شیو کا تو سوال ہی نہیں تھا ہم نے ڈاکٹرز کے کہنے پر تمام نقصان پہنچانے والی چیزیں غائب کردی تھیں پھر سب کی متفقہ رائے یہ ہوئی کہ اسپتال میں داخل کرادیں، آپ کی آمد کا انتظار تھا گھر ہم اسے بھجوا نہیں سکتے کیونکہ سفر گو کہ تھوڑا تھا مگر آپ سب کی طرف سے کوئی رسپانس نہیں تھا۔ آغا خان مہنگا اسپتال تھا آج کل وہ سرکاری اسپتال کے مینٹل وارڈ میں ہے، باقی تفصیلات آپ کو ڈاکٹرز بتا سکتے ہیں، ابھی دو بجنے والے ہیں ساڑھے تین بجے ملاقات کا وقت ہوگا آپ نے صبح سے کچھ کھایا نہیں ہوگا وہیں لنچ کرلیتے ہیں پھر وارڈ کی طرف چلتے ہیں۔''

اس کی بات پر بھائی نے ایک گہری سانس لی اور ہم وہیں کینٹین کی طرف چلے گئے۔ پریشانی شروع ہوگئی تھی پھر بھی بھائی جان نے میری خاطر کھانا منگوایا اور زبردستی خود بھی کھایا اور ہم دونوں کو بھی کھلایا۔ ہم ڈاکٹر صاحب سے ملنے اُن کے کمرے میں چلے گئے۔ ریاض نے ہمارا تعارف کروایا۔

''آپ نے آنے میں دیر کردی ہے، ہمیں جو مریض کی ہسٹری درکار تھی وہ ہم تک فوری نہیں پہنچ پائی۔ ہم اپنے طور پر علاج کرتے رہے ہیں، آپ پہلے اپنے بھائی سے مل لیں پھر کیس پر بات کرتے ہیں۔'' ڈاکٹر نے بھائی سے کہا۔

وارڈ کے ساتھ ملاقاتیوں کے لیے کمرا تھا ہم اس میں بیٹھ گئے۔ میرا رخ دروازے کی طرف تھا۔ دو آدمی راحیل بھائی کو پکڑ کر لارہے تھے وہ اپنے قدموں کو گھسیٹ رہے تھے اور اتنے کمزور ہوگئے تھے کہ چھ ماہ پہلے والے راحیل بھائی کہیں سے نہیں لگ رہے تھے۔ ان کے چہرے پر اور آنکھوں میں پہچان کی کوئی رمق نہیں تھی نڈھال، بے جان سے وہ کرسی پر گرنے کے سے انداز میں بیٹھ گئے۔ میں اور بھائی بے ساختہ اپنی جگہ پر سے اٹھ کر اُن کی طرف لپکے۔ کوئی تاثر ان کے چہرے پر نہ آیا۔ بھائی جان نے اُن کے ہاتھ پکڑے تو انہوں نے آہستگی سے چھڑا لیے۔

''کیوں بھئی راحیل صاحب آپ کیسے ہیں؟'' ڈاکٹر کے پوچھنے پر انہوں نے سر ہلا کر اشارہ دیا کہ ٹھیک ہوں۔ انہوں نے دوبارہ پوچھا۔ ''کھانا کھایا؟'' اس کا جواب نہ آیا مگر راحیل بھائی بے چینی سے پہلو بدلنے لگے۔ اس پر ڈاکٹر صاحب نے ان دو آدمیوں کو اشارہ کیا۔ انہوں نے راحیل بھائی کو وہیل چیئر پر بٹھایا اور وارڈ کی طرف لے گئے۔ میں نے بھائی جان کی طرف دیکھا ان کا رنگ زرد ہورہا تھا۔ میں نے کولر سے پانی لے کر انہیں دیا۔

''آپ گھبرائیں نہیں، راحیل کی یہ حالت کھانا نہ لینے کی وجہ سے ہے۔ ڈرپ زیادہ لگا نہیں سکتے، کمزوری ہے صرف، ایسے مریض کو زندگی کا احساس دلانا ضروری ہے اور اس کے لیے گھر والوں کی مدد کی ضرورت ہوتی ہے۔ چلیں واپس آفس میں چلتے ہیں وہاں آرام سے... بات چیت کرتے ہیں۔'' ڈاکٹر صاحب بات کرتے کرتے رکے پھر بولے۔ ''ہمیں دراصل راحیل کی پچھلی زندگی کے بارے میں جاننا ہے، ہم تک جو بھی باتیں پہنچی ہیں وہ دراصل ریاض سے سنی ہیں۔ انہیں ایسا کون سا ذہنی صدمہ پہنچا ہے جس نے انہیں زندگی سے دور کردیا ہے، ماں باپ کی آپس کی لڑائیاں؟ بھائیوں کی چپقلش؟ رشتے داروں کی طرف سے ذہنی دباؤ، پڑھائی کا بوجھ، امتحان میں اچھے نمبر نہ آنا، راحیل کے ساتھ اُن میں سے ایسا کوئی مسئلہ نہیں ہوا یا پھر کسی لڑکی کا چکر......؟ مگر ریاض کا کہنا ہے کہ میرا دوست انتہائی درجے کا شرمیلا ہے، کوئی کالج میں افیئر نہیں، اس کی پرائیویٹ زندگی کے بارے میں یہاں کوئی کچھ نہیں جانتا۔ آپ کو اس سلسلے میں ہماری مدد کرنی ہوگی۔'' پہلی بار سہیل بھائی نے کچھ کہنے کی کوشش کی ورنہ ان کے منہ سے آواز ہی نہیں نکل رہی تھی صدمے اور حیرت سے وہ گنگ تھے۔

''ڈاکٹر صاحب کچھ کریں، میرا اتنا قابل، اتنا ذہین بھائی اس حالت میں ہے!''

''سہیل صاحب فرزانگی اور دیوانگی میں ایک باریک سی لائن ہوتی ہے، زیادہ حساس اور ذہین لوگ برداشت کی قوت نہیں رکھتے۔ ضرورت سے زیادہ کھنچی ہوئی ڈور جھٹکے سے ٹوٹ جاتی ہے، آپ وجہ تلاش کریں ہم علاج میں آپ کے ساتھ ہیں، میں نے سنا ہے کہ راحیل صاحب کو لکھنے لکھانے سے دلچسپی تھی آپ اس کی تحریروں میں ڈھونڈیں شاید کوئی سراغ مل جائے، شروع میں جب یہ میرے وارڈ میں آیا تھا تو مجھے لگتا تھا کہ کچھ کہنا چاہتا ہے مگر پھر بھول جاتا تھا۔ میں نے اس کے سرہانے کاغذ اور پنسل رکھ دی۔ اس نے چند جملوں سے زیادہ نہیں لکھا۔ کیا خوب لکھائی ہے اور وہ چند جملے میں آپ کو دکھاتا ہوں۔'' ڈاکٹر صاحب نے

قارئین متوجہ ہوں

پرچا نہیں ملتا

کچھ عرصے سے بعض مقامات سے یہ شکایات مل رہی ہیں کہ ذرا بھی تاخیر کی صورت میں قارئین کو پرچا نہیں ملتا۔ ایجنٹوں کی کارکردگی بہتر بنانے کے لیے ہماری گزارش ہے کہ پرچا نہ ملنے کی صورت میں ادارے کو خط یا فون کے ذریعے مندرجہ ذیل معلومات ضرور فراہم کریں۔

☆ بک اسٹال کا نام جہاں پرچا دستیاب نہ ہو۔
☆ شہر اور علاقے کا نام۔
☆ ممکن ہو تو بک اسٹال کا PTCL یا موبائل فون نمبر

رابطے اور مزید معلومات کے لیے
ثمر عباس
03012454188

جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز
سسپنس، جاسوسی، پاکیزہ، سرگزشت
C-63 فیز II ایکسٹینشن ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی مین کورنگی روڈ کراچی

مندرجہ ذیل ٹیلی فون نمبروں پر بھی رابطہ کرسکتے ہیں
35802552-35386783-35804200
ای میل: jdpgroup@hotmail.com

دراز کھول کر چند کاغذ نکالے، ایک پر لکھا تھا۔

"ہم مصلحتوں کی چادر تلے سسکتے وجود، نہ خواہشوں کی پزیرائی اور نہ جذبوں کی زبان۔ مجھے میرے بادشاہ نے ہرایا۔ میں ہارا ہوا انسان ہوں، پٹا ہوا مُہرہ......" اور اسی ایک جملے کی تکرار تھی کہیں کاٹا کہیں مٹایا سا پھر یہ بھی لکھا تھا۔ "بارش کے بغیر ہی کچے رنگ کے خواب ڈھل گئے۔ بس جینا ہی نہیں...... زندگی کے بغیر بھی کوئی جیتا ہے۔"

"یہ تحریر دیکھ کر میرے ذہن میں آیا تھا کہ کوئی وجہ ضرور ہے، آپ اس کی کوئی ڈائری کوئی اور تحریریں ڈھونڈیں مگر جلدی کریں، پہلے ہی دیر ہوگئی ہے۔" ڈاکٹر کی زبانی سب تفصیل سن کر ہم اسپتال سے بوجھل دل کے ساتھ نکلے۔ ہم نے ریاض کی مدد سے کالج کے ہاسٹل سے راحیل بھائی کا سامان لیا اور واپس میس میں آگئے۔ امی کو فون کر کے سب ٹھیک ہے کہا...... بھائی جان بہت پریشان تھے ہم نے راحیل بھائی کی کتابیں اور نوٹس وغیرہ دیکھنے شروع کیے۔ ڈائری ہم میں سے کوئی بھی نہیں لکھتا تھا۔ راحیل بھائی کی عادت تھی جب کبھی ان کے ذہن میں کوئی شعر یا جملہ آتا وہ کسی کاغذ پر یا جس نوٹ بک میں کام کر رہے ہوتے اسی میں لکھ دیتے۔ اب بھی ہمیں اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارنی تھیں۔ ہمارے پاس یہ گزرتی شام اور ایک رات تھی سہیل بھائی کا کہنا تھا ہمیں وجہ تلاش کرنی ہے چاہے ساری رات جاگیں۔ جتنے تڑے مڑے کاغذ تھے میں انہیں بھی ہاتھ سے سیدھا کر کے پڑھنے کی کوشش کرتا رہا بہت سے پیراگراف تھے بہت سی نظمیں تھیں مگر ہمیں تلاش تھی کچھ ایسی باتوں کی جن سے ہمیں کوئی نتیجہ ملتا مثلاً......

"دیارِ حبیب سے نکلا ہوں، اندر تک سکون ہے آسمان پر ایک بھولا بھٹکا بادل ہے، میری طرح دیارِ عشق سے نکلا۔ شام کیا اتنی خوب صورت اور مکمل بھی ہوسکتی ہے۔ دونوں اوقات کا سنگم ہے، دن جانے کو ہے رات آنے کو، چاند بھی نیا ہے جلو میں دمکتا ستارہ لیے، ایک دوسرے کے پاس، کون محب اور کون محبوب بس ساتھ ساتھ ہیں، کیا کبھی ہم بھی ساتھ ہوں گے۔ یونہی ایک دوسرے میں کھوئے اس بات سے بے نیاز کہ زمین پر اس وقت شر اور خیر کے فرشتوں کی ڈیوٹیاں بدل رہی ہیں، دن والے حساب، کتاب چکتا کر کے جانے کو ہیں اور رات والے اپنے کتابچے کھولنے کو۔"

ایک اور جگہ لکھا تھا۔ "محبت پھولوں کے مانند میرے دل پہ برسی ہے، جی چاہتا ہے تم سے اتنی باتیں کروں جتنی کہ بادلوں میں بوندیں ہیں، محبت نے میری کائنات میں رنگ بھر دیے ہیں، ہر چیز نکھر کر خوب صورت ہوگئی ہے۔"

"مگر یہ ہے کون؟" بھائی جان نے ایک بار پھر ہاتھ کا مکا بنا کر دوسرے ہاتھ پر مارا۔

"اور یہ ایک اور خوب صورت نظم......

محبت ہوگئی تم سے، چھپائی بات یہ خود سے
اور پوچھا دل سے یہ اپنے، یہ کس راہ پہ ہو جا نکلے
نہیں زادِ سفر کچھ بھی، نہ منزل کا پتا کچھ بھی
لیے چند خواب آنکھوں میں اور بس اِک آس ملنے کی!
چھپائی بات جو خود سے، فسانہ بن گئی کیسے؟
ہوئی حیرت مجھے اس پر، کُھلا وہ راز کس کس پر
بہاروں کو ہوئی کیسے خبر بے نام جذبوں کی
یہ خوشبو، تتلیاں، جگنو سفر میں ہوگئے ساتھی
ہے چھیڑا ساز بوندوں نے، مدھر نغمہ فضاؤں نے
رکیں گے اب قدم کیسے، زمانہ ہم رکاب اپنے
میرے دل سے تیرے دل تک، مسافت کرلی طے ہم نے
لو بھلا طے کیسے کرلی؟ تمہیں تو میرے جذبوں کا علم ہی
نہیں ہوا اور بن کہے جذبے بارش کی نذر ہوگئے۔
مجھے وقت کا انتظار ہے شاید کچھ بن جاؤں۔
زیادہ نہیں، میرا بس چلے بچپن کی طرح دو جماعتیں

اکٹھی کرلوں" پھر ایک جگہ لکھا تھا۔

"جھک کے ملا فلک مجھ کو، قدموں میں ستارے اترے ہیں
نئے خواب سجے میری آنکھوں میں، سپنوں کے محل سنورے ہیں"

یہ بھی ایک لمبی نظم تھی جس میں جذبوں کا اظہار تھا مگر عقدہ ابھی تک نہیں کھلا تھا کہ یہ ہے کون...... میں سوچ رہا تھا کہ یونہی ایک کاغذ پر نظر پڑی۔ ایک جملے نے میری توجہ کھینچ لی، کچھ یوں تھا۔

"تمہاری انگلیاں کاغذ پر لفظ لکھ رہی تھیں پلکوں کی جھالر اوپر نیچے ہو رہی تھی اور میرا دل کہہ رہا تھا کاش میں تم تک اپنے جذبات پہنچا سکوں مگر نہیں...... ابھی نہیں۔ محبت نہیں کرنی چاہیے، ہوش و خرد سے بیگانہ کر دیتی ہے۔ مگر کون کافر کرتا ہے، ظالم خود سے ہو جاتی ہے۔"

یہ پڑھ کر مجھے خیال آیا کہ راحیل بھائی صرف ماموں کے گھر جاتے تھے اور ربیعہ آپی اور سمیعہ باجی کو پڑھاتے بھی تھے۔ اس سے پہلے کہ میں سہیل بھائی جان سے کچھ کہتا انہوں نے ایک اور کاغذ میرے سامنے کر دیا۔

"یہ دیکھو......"

"تم نے میری آنکھوں میں چمکتے جگنو نہیں دیکھے تھے یا پھر...... کندھوں پر لگے اُن ستاروں سے مات کھا گئیں؟ میں کس سے ہارا؟ اسی سے، جس نے ہمیشہ جیت کو میرا مقدر بنائے رکھنے کی ٹھانی تھی مگر نہیں بھائی تم میرا مقدر نہیں بدل سکے...... انجانے میں ہی سہی تم نے مجھے محبت کے میدان میں شکست دے دی۔ میں اپنے بادشاہ سے ہار گیا۔ اندھیرا میری قسمت میں ہے، میں کیسے جیوں؟ اور کیوں زندہ رہوں۔

ٹوٹتے ہیں یوں بھرم، مانجھی ڈبوئے ناؤ کو
دکھ کا ساگر ہے اور مجھے پار اترنا ہی نہیں۔"

سارے صفحے پر بے ربط جملے تھے اشعار تھے۔ سہیل بھائی جان نے اپنا سر پکڑ لیا۔

"تو کیا ربیعہ؟ اُف میرے خدا یہ مجھ سے کیا ہوگیا۔ مجھے ماموں سے مل کر پوچھنا چاہیے، کیا انہیں پتا تھا راحیل کی چاہت کا...... ہاں عمران اسی دن کی بات ہے وہ فنکشن میں سے اٹھ کر چلا گیا تھا پھر ملنے بھی نہیں آیا۔ میرا جان سے پیارا بھائی کس اذیت سے گزرا ہوگا۔ میں نے اس کی محبت چھین لی، یہ دیکھو اس نے کیا لکھا ہے۔

ٹوٹے سپنے آنکھوں میں، نیند سے ناتا تمام ہوا
عشق، جنوں دیوانگی، پاگل دل تیرے نام ہوا"

مجھے راحیل بھائی کی ذہنی حالت سے خوف آنے لگا میں رونے لگا۔

"عمران میرے بھائی تم کیوں روتے ہو، ہم سب اسے دوبارہ ٹھیک کرنے کی کوشش کریں گے۔ راحیل کو میں اس کی محبت لوٹا دوں گا۔ تم کھانا کھاؤ اور سو جاؤ، صبح بہت سے کام کرنے ہیں۔" میں نے تمام کاغذ اکٹھے کیے اب اور کچھ پڑھنے کی ضرورت نہیں تھی۔ ربیعہ آپی کی محبت اور اس کے کھو دینے کے غم نے انہیں اس حالت کو پہنچایا تھا۔

بھائی جان نے انگلینڈ سے ہی کار بک کروالی تھی جو آج کل میں پہنچ جانی تھی۔ بھائی جان اسی سلسلے میں چلے گئے۔ دو تین گھنٹوں بعد آئے...... تو ہم ماموں کے گھر چلے گئے۔ وہ حسبِ معمول گرم جوشی سے ملے اور حال احوال پوچھا پھر انہوں نے اچانک راحیل بھائی کے متعلق پوچھا۔ تو تمام تفصیل جاننے کے بعد وہ بھائی جان کے اس طرح پوچھنے پر ششدر رہ گئے۔ میں بھی بھائی جان کے دوٹوک سوال پر حیران ہوا۔ ماموں کو ایک دم غصہ آگیا۔

"کیا تم میری بیٹی پر الزام لگانے آئے ہو، کیا مطلب ہے تمہارا اس سوال سے" بھائی جان کو بھی اپنے رویے کا احساس ہوا کہ وہ اس وقت ایک بیٹی کے باپ سے مخاطب ہیں، وہ ایک دم اٹھ کر ماموں کے پاس گئے اور نرمی سے بولے۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

''نہیں ماموں، میرا یہ مطلب نہیں، فوجی آدمی ہوں گھما پھرا کر بات نہیں کرنی آتی۔ آپ کو پتا ہے ناں راحیل ذہنی طور پر ڈسٹرب ہے، اس کی ڈائری وغیرہ ہی کہوں گا کہ جو کچھ وہ لکھتا رہا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ربیعہ کے لیے......'' اس پر ایک لمحے کے لیے انہوں نے سوچا کہ ذرا نرم لفظ بولیں۔

''تھوڑے پسندیدگی کے جذبات رکھتا تھا اور میرے ساتھ نکاح کی وجہ سے وہ آج اس حالت کو پہنچا ہے۔ اب میں اپنے آپ کو بھائی کی اس حالت کا ذمے دار سمجھ رہا ہوں اگر آپ کو تھوڑا سا بھی اس پسندیدگی کا اندازہ تھا تو یہ رشتہ نہیں کرنا چاہیے تھا۔''

''راحیل اتنا شریف بچہ ہے کہ وہ کبھی آنکھ اٹھا کر بات تک نہیں کرتا تھا۔ مجھے اندازہ ہوتا یا شک ہوتا تو خود سے رشتے کی بات نہ چھیڑتا۔ مجھے راحیل بہت اچھا لگتا تھا اور میری دل سے خواہش تھی کہ وہ میرے گھر میں میری کسی بھی بیٹی سے شادی کر لے، جب میں نے تمہیں دیکھا تو سوچا کہ کتنا ہی اچھا ہو بڑی بیٹی سے تمہاری اور چھوٹی سے راحیل کا رشتہ طے ہو جائے۔ میں چار بیٹیوں کا باپ ہوں اور یہ خواہش کچھ ایسی انہونی تو نہیں۔'' اس پر بھائی جان نے جیب سے پیپرز نکالے اور میز پر رکھ دیے۔

''یہ طلاق کے پیپرز ہیں، میں چاہتا ہوں ربیعہ کو چھوڑ دوں، آپ اس کی شادی راحیل سے کر دیں میں چھوٹی سے شادی کے لیے تیار ہوں۔'' ماموں ہکا بکا بھائی جان کا منہ دیکھ رہے تھے۔ ان کے منہ سے بات نہیں نکل رہی تھی۔ ممانی اور ربیعہ آپی دونوں کمرے میں آ گئیں۔ ممانی نے بڑے تحمل سے کہا۔

''بیٹا...... شادی بیاہ، نکاح گڑیا گڈے کا کھیل نہیں ہوتا سوچ سمجھ کر فیصلہ کرتے ہیں۔''

''میں نے سوچ لیا ہے، بھائی کی محبت، تمنا، آرزو آپ جو بھی کہہ لیں ربیعہ اور صرف ربیعہ ہے۔ میں اس کی محبت کے مزار پر اپنی شادی کا تاج محل نہیں بنا سکتا۔ میں ربیعہ سے کسی قیمت پر بھی شادی نہیں کر سکتا۔ ربیعہ سے کہیں وہ ان کاغذات پر دستخط کر دے۔ حق مہر کا چیک ساتھ ہے، میں نے دستخط کر دیے ہیں اگر ربیعہ تمہارے دل میں میرے لیے کچھ جذبات ہیں تو خدارا میرے بھائی کی زندگی بچا لو مجھے اس جرم کے احساس سے بچا لو کہ میں اپنے بھائی کی محبت کا قاتل ہوں، میں اس شرمندگی کے ساتھ جی نہیں سکتا۔ وہ آج جس حالت میں ہے اس کا ذمے دار میں ہوں، اس کا روشن مستقبل اس کی ذہانت اس کے خواب کس نے برباد کیے...... میں نے...... وہ مجھے بہت پیارا ہے، میں اسے اس حال میں نہیں دیکھ سکتا۔'' اس وقت سب کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

''سہیل تم جذباتی ہو رہے ہو، میں لگاتار راحیل کے ڈاکٹرز سے رابطے میں رہا ہوں، انہیں کوئی زیادہ امید نہیں...... سوری لیکن جو ہے سو ہے اسے قبول تو کرنا ہے۔ میرا بھانجا ہے، مجھے بہت عزیز ہے خدا کرے کہ وہ بالکل ٹھیک ہو جائے مگر جو تم سوچ رہے ہو وہ نہیں ہو سکتا۔'' ماموں نے پُر تاسف لہجے میں کہا۔

''تو پھر جو میں نے کہنا تھا کہہ دیا۔'' بھائی جان بولے۔ اس پر ربیعہ آپی فوراً کہنے لگیں۔

''یہاں ہم مقدر کے ہاتھوں ہار جاتے ہیں، ہمیں وہی ملتا ہے جو قسمت میں لکھا ہوتا ہے۔ قصور کسی کا بھی نہیں سزاوار ہم سب ٹھہرے...... آپ کے کہنے کے مطابق راحیل مناسب وقت کا انتظار کرتا رہا شاید...... اگر کبھی وہ اشارتاً کہہ دیتا تو میرے لیے اس سے زیادہ خوشی کی اور کوئی بات نہ ہوتی۔ مجھے وہ بھائیوں کی طرح عزیز تھا مجھ سے دو ماہ چھوٹا...... مجھے وہ کیوں عزیز تھا، میں آپ کو نہیں بتاؤں گی میں اسے سمجھا لیتی اور وہ ضرور میری بات سمجھ لیتا۔ کچھ خواب اس کے حوالے سے شاید کوئی اور بھی دیکھتا تھا مگر...... اب کوئی فائدہ نہیں...... اور

آپ...... ہمارے لیے اجنبی تھے اجنبی ہی رہتے تو اچھا تھا۔ نکاح کے بول کس بندھن میں باندھ دیتے ہیں آپ سمجھ نہیں پائے۔ آپ بھائی کو اس کی امانت لوٹا دینا چاہتے ہیں اور مجھے کسی کی محبت لوٹنے کا حق دے رہے ہیں۔ بھائی کی محبت میں آپ نے ہم سب کو سزا سنا دی۔ اپنی زندگی سے نکال پھینکا کیا کوئی اور آپ کی جگہ لے سکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ ایک لڑکی کی زندگی میں یہ وقت ایک بار ہی آتا ہے جب دل کے دروازے کھلتے ہیں صرف ایک کے لیے...... آج مجھے راحیل کی محبت کی سچائی کے سامنے سر جھکانا چاہیے، اچھا رہا۔ ہم سب سے اچھا رہا۔ محبت، عشق جنون اور دیوانگی وہ ساری منزلیں پار کر گیا۔ ہم ایک گول چکر میں ایک دوسرے کا پیچھا کر رہے تھے، آپ نے مجھے نکال دیا۔ آپ دونوں بھائی ساتھ رہیں۔ ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے۔''

میرے کانوں میں آج تک ربیعہ آپی کے یہ الفاظ گونجتے ہیں ان کا آنسوؤں بھرا لہجہ اور تکلیف میرا دل محسوس کرتا ہے۔ انہوں نے پین نکال کر دستخط کیے اور کمرے سے کیا ہماری زندگی سے ہمیشہ کے لیے نکل گئیں۔

ہم اسپتال آئے اس حالت میں جیسے قبرستان سے اپنے پیارے کو دفن کر کے نکلتے ہیں۔ ڈاکٹر کو بھائی جان نے صرف اتنا بتایا۔

''واقعی ایک لڑکی اس کی زندگی میں تھی، ہمیں علم نہیں تھا اور آج سے چھ ماہ پہلے اس کی شادی ہو گئی۔ کاش اگر ہمیں پہلے علم ہوتا تو شاید کچھ کر لیتے۔ اب آپ بتائیں کیا ہو سکتا ہے؟''

''زندگی ہمیں بہت کچھ دکھاتی ہے۔ رشتے ٹوٹتے ہیں، لوگ بچھڑتے ہیں، جنہیں ہم بہت پیار کرتے ہیں وہی ہمیں دھوکا دیتے ہیں۔ ناکامیاں، حسرت، حسد، اندیشے، خوف، واہمے، کھونے کا خدشہ، پانے کی خوشی جو لوگ سہہ جاتے ہیں وہ نارمل کہلاتے ہیں اور جو نہیں... مثال آپ کے سامنے ہے ایک خواب، ایک خیال جو یہ پچھلے کئی سالوں سے حقیقت سمجھ رہا تھا، سچ جان رہا تھا... اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ یہ اپنا ہر کام سونا...... جاگنا، تیار ہونا، پڑھنا، محنت کرنا...... صرف اُسے ذہن میں رکھ کر کرتا تھا...... یا سمجھ لیں اس کی خاطر کرتا

کچھ شہد کے بارے میں

☆ کھانا کھانے کے بعد ایک دو چمچ شہد چاٹ لینے سے کھانا ہضم ہونے میں مدد ملتی ہے۔

☆ گرمیوں میں شہد کا شربت بنا کر اس میں لیموں کا رس شامل کر کے پی لیں۔ یہ بدن میں طاقت پیدا کرنے کے علاوہ گرمی کے مضر اثرات سے بھی بچائے گا۔

☆ سردیوں میں چینی کے بجائے دودھ یا چائے میں شہد ملا کر پینے سے بدن میں چستی پیدا ہوتی ہے۔

☆ دو رتی سہاگہ اور ایک تولہ شہد ملا کر منہ میں لگانے سے منہ کے زخم اچھے ہو جاتے ہیں اور اگر منہ سے بدبو آتی ہو تو وہ بھی دور ہو جاتی ہے۔

☆ اگر بچے کے دانت نکلنے میں دقت ہو رہی ہو، مسوڑے سُوجے ہوئے ہوں تو شہد میں سہاگہ ملا کر مسوڑھوں پر ملنے سے ورم اور سوجن ختم ہو جاتی ہے۔

☆ گلے سڑے زخموں پر شہد لگانے سے زخم کا میل کچیل صاف ہو جاتا ہے اور زخم جلدی بھر جاتا ہے۔

فضہ بتول، بہارہ کہو

WWW.PAKSOCIETY.COM

تھا۔ اب وہ منزل سامنے نہیں تو کیا ہوا......؟ اپنا ہر فعل اسے بیکار لگتا ہے، زندگی بے معنی اور بے مقصد سمجھ رہا ہے۔ تین چار مہینے میں نیند کی گولیوں کی زیادہ مقدار نے اس کے ذہن پر برا اثر کیا۔ بظاہر نارمل نظر آنے والا یہ شخص اندر سے تمام احساسات سے عاری ہے۔ بالکل بے حس، پتھر کے مانند محبت، نفرت، بھوک، پیاس، ہر جذبے سے عاری اور بے نیاز...... ایک کٹھن راہ آپ کے سامنے ہے، میرا مشورہ ہے کہ آپ راحیل کو لاہور کے دماغی اسپتال میں بھی دکھا لیں اور معجزے تو آج بھی ہوتے ہیں، میں آپ کو اس کے راستے بھر کے لیے دوائیاں لکھ دوں گا جہاز سے چلے جائیں یا بذریعۂ کار......
راحیل اگلے دو دن میں سفر کے قابل ہو جائے گا آپ مل لیں اور زیادہ وقت اس کے ساتھ گزاریں۔ کل آپ سے ملنے کے بعد وہ کافی پُرسکون رہا تھا اور ہمارا اندازہ ہے کہ وہ آپ کو تلاش بھی کر رہا تھا۔ میرا مطلب ہے وہ سر اِدھر اُدھر گھما کر دیکھتا تھا جو وہ پہلے نہیں کر رہا تھا اور کھانا اور ناشتا بھی کر لیا ہے مگر اس بات کا دھیان رکھیے گا گھر سے باہر نہ جائے واپسی کا راستہ اسے یاد نہیں ہوگا......
اور سہیل صاحب ایک بات اور...... میں ڈاکٹر ہوں مریض سے ناامید کبھی نہیں ہوتا پھر بھی ایک کڑا وقت آپ کو دیکھنا پڑے گا۔ خدا تعالیٰ آپ کو ہمت دے۔'' ہم نے ڈاکٹر صاحب سے ہاتھ ملایا، اس دوران وارڈ بوائے راحیل بھائی کو لے کر آیا تھا آج وہ پہلے دن کی طرح کمزور نہیں لگ رہے تھے مگر آنکھوں میں لاتعلقی بدستور تھی۔ مجھے لگتا تھا وہ ہم سے ناراض ہیں یا شاید ساری دنیا سے بیزار...... اگلے دس پندرہ منٹ میں ہم میس واپس آ گئے۔ بھائی جان کی نئی گاڑی آ چکی تھی۔ ہم نے رات کو نکلنے کا ارادہ کیا یوں دو تین جگہ رُکتے رکاتے ہم اگلے دن لاہور پہنچ گئے، اگلے دن میں ابھی سویا ہی ہوا تھا کہ بھائی جان، راحیل بھائی کو لے کر اسپتال چلے گئے۔ وہاں کیا صورتِ حال رہی مجھے معلوم نہ ہو سکا۔ دن ڈھلے بھائی جان کی واپسی ہوئی تو انہوں نے مجھ سے کہا۔

''فی الحال راحیل کو انہوں نے اسپتال میں روک لیا ہے، میری ڈھائی ہفتے کی چھٹی باقی ہے تم واپس حیدر آباد چلے جاؤ اماں پریشان ہوں گی۔ فی الحال راحیل کے بارے میں کسی سے کچھ نہیں کہنا اور نہ ہی کراچی میں جو ہوا وہ کسی کو بتانے کی ضرورت ہے۔ میں ابھی یہیں لاہور میں رکوں گا اور کوشش کروں گا کہ میرا اسیاچن واپس جانا وہ کچھ عرصے کے لیے ملتوی کر دیں...... بعد میں پورا کروں گا۔''

اس کی نوبت ہی نہیں آئی چھٹی کے بعد وہ اسکردو سے گوما تک گئے تو اُن کی طبیعت خراب ہوئی بلڈ پریشر بڑھ گیا تھا۔ انہیں فوراً بذریعہ ہیلی کاپٹر راول پنڈی سی ایم ایچ بھیج دیا گیا۔ مما دوبارہ حیدر آباد سے راول پنڈی اُن کے پاس آ گیا۔ لمبے، لمبے ٹیسٹ ہوئے معلوم ہوا کہ بھائی جان کو دو ہارٹ اٹیک ہو چکے ہیں جو کم نوعیت کے تھے اس لیے انہیں محسوس نہیں ہوئے اس عمر میں آدمی سمجھتا ہے کہ معمولی muscular pain ہے، میں وہ دو مواقع سمجھ گیا تھا۔ جب پہلی بار بھائی جان نے اسپتال میں راحیل بھائی کو دیکھا تھا وہ خوفناک حد تک زرد ہوئے تھے اور ماتھے پر پسینہ تھا...... اور دوسری وہ رات جب میں اُن کے علم میں آیا تھا کہ ربیعہ آپی ہی وہ لڑکی ہیں جو راحیل بھائی کی اس حالت کی وجہ ہیں۔ ان کا وہ کورس تو ختم ہو گیا میڈیکل گراؤنڈ پر ان کی پوسٹنگ راول پنڈی میں کر دی گئی انہوں نے آرمی کی طرف سے گھر لے لیا اور راحیل بھائی کو اپنے پاس لے آئے، پورے وقت کے لیے ایک نوکر رکھ لیا ساتھ میں ان کا اردلی ہوتا تھا وہ دیکھ بھال کرتا تھا۔ میں واپس حیدر آباد آ گیا۔ میٹرک کا امتحان جوں توں دیا، بھائی جان کا اصرار تھا کہ

پڑھائی توجہ سے کروں اور کالج میں داخلہ لوں، میں سوچتا تھا کہ کیا فائدہ......؟ پڑھائی میں جان مارنے سے کیا حاصل...... راحیل بھائی کو کیا صلہ ملا......؟ بھائی جان کی محنت کہاں گئی؟ اور تقدیر کی ستم ظریفی یہاں ختم نہیں ہو جاتی۔ سہیل بھائی میجر تو ہو گئے مگر آگے پروموشن رک گئی کچھ عرصے کے بعد اُن کے دل کا آپریشن ہوا تھا۔ سی کیٹیگری میں آ گئے لہٰذا انہوں نے آرمی چھوڑ دی۔ حیدر آباد والے گھر میں تھوڑی بہت ردّوبدل کی اٹیچڈ باتھ روم وغیرہ بنوائے پھر راحیل بھائی کو لے کر گھر آئے۔ اماں نے انہیں کافی عرصے کے بعد دیکھا تھا۔ راحیل بھائی تو ویسے ہی پہچانے نہ جاتے تھے لگتا تھا یہ سال انہیں روند کر گزر گئے ہیں اور بھائی جان الگ بہت کمزور ہو گئے تھے۔ اماں کو عجیب طرح کا ڈپریشن ہوا اور وہ ایک دم اندر چلی گئیں کافی دیر کمرے سے باہر نہ آئیں تو مجھے فکر ہوئی۔ میں کمرے میں گیا تو وہ صندوق کھولے بیٹھی تھیں میں نے پوچھا۔

''اماں کیا ڈھونڈ رہی ہیں؟'' کہنے لگیں۔

''سلو اور راحی کے رزلٹ کارڈز رکھے تھے دیکھو ناں دونوں اول آئے ہیں، پتا نہیں کارڈز کہاں گئے؟ وہ آ کر مانگیں گے۔ جاؤ چھوٹو انہیں اندر بلا لاؤ شام ہو گئی ہے گلی میں کھیلنے نکلے تھے۔'' میں زبردستی انہیں ڈاکٹر کے پاس لے گیا۔

''یہ صدمے میں ہیں لگتا ہے ان کی ذہنی حالت انہیں ماضی میں لے گئی ہے انہیں آج کی باتیں یاد نہیں رہیں۔'' اس نے دیکھا اور کہا۔

''ڈاکٹر صاحب میں بھی انہیں یاد نہیں، لگتا ہے مجھے یہ کام کرنے والا لڑکا سمجھ رہی ہیں۔''

''ہاں بیٹا، تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔'' ڈاکٹر صاحب نے مجھے تسلی دی۔

''لگتا ہے اس زمانے میں تمہاری امی نے کوئی لڑکا کام کے لیے رکھا ہوگا...... اور تم شکر کرو

بغاوت

مٹا کے زندگی اپنی
اِک تیری چاہت کی ہے
یوں اس طرح سے ہم نے
خود سے بغاوت کی ہے
بس
تجھی کو چاہا ہے
فقط تجھی سے محبت کی ہے

مرسلہ: فصیحہ آصف خان، ملتان

کہ اس stroke سے صرف ذہن پر ہلکا سا اثر ہوا ہے، جسم کا کوئی حصہ مفلوج نہیں ہوا۔'' ڈاکٹر صاحب نے کچھ دوائیاں اور وٹامنز لکھ کر دیں اور دلاسا دیا کہ ٹھیک ہو جائیں گی وہ کچھ بہتر ہو گئیں مگر پوری طرح سے یادداشت واپس نہیں آئی۔ اس دوران ابا بھی اچانک آ گئے۔ دونوں بیٹوں کا حال دیکھ کر انہیں یقین نہیں آیا۔ ایک بیٹے کو وہ ہمیشہ جنرل کے عہدے پر پہنچا دیکھتے تھے اور دوسرے بیٹے کو ایک مشہور سرجن کے روپ میں، ان کے بھی سارے خواب چکنا چور ہوئے تھے۔ ساری رات وہ جانماز پر بیٹھے بلک بلک کر روتے رہے اور صبح فجر سے پہلے دروازہ کھلا چھوڑ کے کہاں گئے کہ آج تک نہیں لوٹے۔ بھائی جان پرانے وقتوں کی ایک جھولنے والی کرسی پر بیٹھ کر جھولتے رہتے۔ راحیل بھائی کا چہرہ تکتے اور کبھی کبھار ان کا چہرہ ہاتھوں میں لیتے اور دکھ سے کہتے۔

''یار، میرے بھائی مجھے معاف کر دے، جو کچھ ہوا لاعلمی میں ہوا۔ ایک بار کہہ دے تو نے مجھے معاف کیا۔ تیری معافی کے بغیر میں زندہ تو ہوں نہیں مگر مر بھی نہیں سکتا۔'' بھائی جان صبح سویرے راحیل بھائی کو پارک سیر کرانے کے لیے لے کر جاتے واپس آ کر نہلاتے ان کی شیو بناتے، ناشتا کرواتے، کھانا

WWW.PAKSOCIETY.COM

کھلاتے کوئی کتاب پڑھ کر سناتے۔ آہستہ آہستہ راحیل بھائی نے کھانا خود سے کھانا شروع کر دیا تھا۔ تھوڑی سی بات چیت بھی کرتے تھے مگر اُن کی آنکھوں کی ویرانی نے چہرے کی رونق ختم کر دی تھی لگتا تھا ایک سوال اُن کی آنکھوں میں ٹھہر گیا ہے اُنہی کی لکھی ایک نظم کے مصرعے مجھے یاد آتے تھے۔

ویرانی آنکھ کی دیکھو، ہے اُڑتی ریت صحرا کی
ان ہی مدہوش نینوں سے، کبھی مینا چھلکتی تھی
زمانے سے وہ یہ پوچھیں، بنی تصویرِ حسرت کی
محبت ہم سفر بن کر، یوں راہوں میں ہے کیوں بچھڑی

☆☆☆

بھائی جان میرے ساتھ اسٹور کا کام بھی دیکھتے تھے مگر زندگی کی خوشیاں ہمارے گھر سے رخصت ہوگئی تھیں۔ ایک دن صبح سیر سے واپس آکر بھائی جان پچھلے برآمدے میں چلے گئے۔ میں انہیں ناشتے کے لیے بلانے آیا تو وہ خاموشی سے کرسی پر جھول رہے تھے اور کہیں بھی نہیں تھے۔ اپنی تمام حسرتوں کے ساتھ اس دنیا سے ناتا ختم کر گئے تھے اور اس کے ٹھیک دو ماہ بعد اسی طرح اسی حالت میں راحیل بھائی کرسی پر جھول رہے تھے اور اس سے پہلے کہ میں ڈاکٹر کو بلاتا وہ آنکھیں کھولے دنیا سے منہ موڑ گئے، کچھ عرصے پہلے سے انہیں سانس کی تکلیف شروع ہوگئی تھی جو دل کے پوری طرح کام نہ کرنے کی وجہ تھی۔ میں نے ماموں کو فون کیا ایک ہی رشتہ میرے پاس بچا تھا۔ میں نے انہیں آنے کو کہا۔ وہ فوراً پہنچ گئے۔ گھر کی میری اور اماں کی حالت دیکھ کر وہ بہت روئے۔ ممانی بھی ساتھ بیٹھ کر پچھلی باتیں یاد کرتی رہیں۔ انہوں نے بتایا۔

”ربیعہ نے اکنامکس میں ماسٹرز کر لیا تھا پھر وہ پی ایچ ڈی کرنے انگلینڈ چلی گئی، وہیں رہتی ہے شادی نہیں کی، سمیعہ دماغی امراض کی ڈاکٹر بنی شادی کر کے لاہور میں کام کر رہی ہے۔“ میرے ذہن میں ربیعہ آپی کی بات آئی۔

”اوہ...... کچے خواب اسی طرح ٹوٹتے ہیں محبت کسی کو بھی راس نہیں آئی۔“

”تیسری فاطمہ نے بی اے کیا اور اس کی شادی کر دی۔ سمیرا نے پڑھائی ختم کر لی ہے یہ موقع تو نہیں مگر عمران......“ وہ کچھ جھجکتے پھر بولے۔

”اب وقت ہے کہ ہم سب اکٹھے ہو جائیں۔ تم اور سمیرا ہماری آنکھوں کے سامنے رہو۔ ہم بھی بوڑھے ہوگئے ہیں، بیٹے کی کمی محسوس کرتے ہیں تم ہمارا بیٹا بن جاؤ اور سمیرا...... آپا کی بیٹی بن کر اُن کی خدمت کرے گی۔“ اگلے کچھ عرصے میں ماموں کی مدد سے میں نے اپنا گھر اور اسٹور فروحت کر دیا اور کراچی آکر نئے سرے سے کاروبار شروع کیا۔ حیدر آباد میں ہمسائیوں کو سمجھا دیا کہ اگر کبھی ابا واپس آئیں تو انہیں کراچی کا پتا بتا دیں۔ قبرستان میں، میں روزانہ صبح دعا کے لیے جاتا تھا اور حیدر آباد اسی وجہ سے چھوڑنا نہیں چاہتا تھا ماموں نے سمجھایا۔

”بیٹا مرنے والوں کے لیے نہیں جیتے، جو رشتے زندہ ہیں اُن کے لیے جیو۔“ میرا محبت سے اعتبار اٹھ گیا تھا۔ سوچتا تھا اس سے بڑھ کر بیکار جذبہ دنیا میں کوئی نہیں مگر اس کے باوجود میں اپنی بیوی اور دونوں بچوں سے بہت محبت کرتا ہوں اُن کے حوالے سے مستقبل کے خواب دیکھتا ہوں۔ اپنی بوڑھی کمزور ماں سے محبت کرتا ہوں جس کی ہسٹری میں میرا کوئی وجود نہیں اس کی یادداشت میں، میں کہیں نہیں سوائے ایک گھریلو ملازم کے جس سے وہ بچوں والا سلوک کرتی ہیں، ممانی سے ماموں سے اُن کے احسان کی وجہ سے محبت کرتا ہوں اور جو بچھڑ گئے ہیں اُن سے بھی محبت کرتا ہوں...... محبت ہمیں کیا دیتی ہے، کسک، محرومی، کھونے کا غم، اندیشے اور شاید خود فریبی......

ذرا نظریں تو ملاؤ

نشاط خان

عاتکہ خالہ کی آمد اور پھر بعد میں واپسی کا منظر بالکل ایسا ہی ہوتا تھا جیسے کسی طوفانِ بلاخیز کی آمد پر تباہی مچتی ہے اور ٹل جانے کے بعد اس کی پھیلائی ہوئی تباہی کے آثار باقی رہ جاتے ہیں۔ صادقہ بیگم کو کئی دنوں تک بہوؤں کے پھُولے ہوئے منہ، میاں کی ٹیڑھی گردن اور طنز برساتی نظریں، پوتے پوتیوں کا خاموش رویہ اور بیٹوں کی بے چارگی زبردستی سہنا پڑتی۔ وہ تو گھر میں انہوں نے بہوؤں کو بہت پیار

WWW.PAKSOCIETY.COM

اور سلوک سے رکھا ہوا تھا ورنہ تو عاتکہ خالہ کو... مہابھارت چھڑوانے میں مہارت حاصل تھی اگرچہ وہ صادقہ بیگم کی چھوٹی بہن تھیں مگر یہ بے چاری ہمیشہ سے اپنی چھوٹی بہن سے دبتی آئی تھیں۔ گھر میں بھی ابا اماں انہیں سر پر چڑھائے رکھتے اور تو اور ان کی شادی بھی کافی اونچی جگہ ہوئی تھی سو آج تک صادقہ بیگم کے مقابلے میں عاتکہ کی رائے کو اہمیت دی جاتی تھی۔ وہ میکے اور سسرال دونوں پر بلاشرکتِ غیرے حکومت کرتی آرہی تھیں۔ بدقسمتی سے ان کے میاں کا انتقال جلد ہی ہوگیا تھا بچے ابھی چھوٹے ہی تھے مگر روپے پیسے کی کمی نہ تھی۔ جائداد کے بڑے حصے سے کرایہ آتا تھا۔ سو عاتکہ کو مالی اعتبار سے مشکل نہ ہوئی بس چھوٹے بچوں کے ساتھ اکیلے رہنے کا مسئلہ تھا سو عاتکہ اور صادقہ کے بھائی جو لاولد تھے بہنوئی کے انتقال پر بیوی کے ساتھ آئے تھے اور پھر بہن کی التجا پر انہی کے گھر کے ہو رہے۔ یوں عاتکہ سسرالی عزیزوں کی لوٹ کھسوٹ سے بھی بچ گئیں۔

☆☆☆

وقت پر لگا کر اُڑا...... عاتکہ کے بچے بڑے ہوگئے مگر بھائی جان اور بھابی، عاتکہ کے ہاں ہی رہتے رہے اور عاتکہ ہر فکر سے آزاد رہیں۔ صرف ایک فکر تھی جو انہیں مارے ڈالتی تھی وہ تھی جوان بیٹی گلنار کی فکر...... لڑکوں کی شادی تو انہوں نے کردی مگر اللہ کا دیا بہت کچھ ہونے اور اکلوتی بیٹی ہونے کے باوجود کہیں بات نہیں بن پاتی تھی۔ گلنار خاصی خوب صورت تھی اور اپنی خوب صورتی پر نازاں بھی بہت تھی۔ ماں کے لاڈ پیار اور پیسے کی فروانی نے اس کے دماغ ساتویں آسمان پر پہنچا رکھے تھے۔ کوئی لڑکا اس کی نظر میں جچتا ہی نہیں تھا۔

ہاں البتہ صادقہ آپا کا چھوٹا بیٹا زوہیب جو انجینئرنگ کے آخری سال میں تھا دونوں ماں بیٹی کا خاصا منظورِ نظر ہوگیا تھا۔ عاتکہ کا خیال تھا کہ آپا ان کی گلنار کو ہی اپنی بہو بنائیں گی۔

زوہیب کی نوکری لگی تو صادقہ کو اس کی شادی کی فکر ہوئی تو انہوں نے اپنی بڑی بہو سے مشورہ کیا کیونکہ عاتکہ باتوں، باتوں میں صادقہ آپا سے زوہیب اور گلنار کے رشتے کے متعلق اپنی پسندیدگی ظاہر کرچکی تھیں۔ بڑی بہو نے بھی اپنی پسندیدگی گلنار کے سلسلے میں ساس کے سامنے ظاہر کردی تھی مگر زوہیب نے سنا تو صاف انکار کردیا۔

''ہرگز نہیں، میں تو کبھی گلنار کے لیے سوچ بھی نہیں سکتا۔''

صادقہ کو جب پتا چلا تو کلیجا تھام لیا۔ اکلوتی بہن کی ناراضی کا ڈر مارڈالنے لگا۔ کتنی آس لگائے بیٹھی تھی عاتکہ۔ انہوں نے میاں سے کہا تو انہوں نے تیوری چڑھاتے ہوئے جواب دیا۔

''سوچ لیں صادقہ بیگم اولاد پیاری ہے یا بہن ویسے بھی گلنار اس گھر میں بسنے والی نہیں۔ اس گھر کو تو غزالہ جیسی بہو چاہیے۔ اب تم جلدی سے اس جیسی کوئی لڑکی ڈھونڈ کر زوہیب کی شادی کردو۔'' عاتکہ کو کورا جواب دینا بھی صادقہ آپا کے لیے بہت بڑا پہاڑ تھا جو بہ مشکل سر ہوا۔

بہرحال زوہیب کے لیے لڑکی ڈھونڈ لی گئی۔ ثانیہ خاصی پڑھی لکھی لڑکی تھی زوہیب کی ڈیمانڈ بھی یہی تھی۔ گلنار تو شروع سے ہی پڑھائی میں کوری تھی البتہ فیشن میں سب سے آگے...... صادقہ بیگم کے گھر کے خوشگوار ماحول میں ثانیہ نے بھی اپنا حصہ ڈالا اور وہ سمجھدار ساس اور صلح جو جیٹھانی کے ساتھ خاصے سلوک سے رہ رہی تھی۔

عاتکہ کچھ دنوں تو روٹھی روٹھی رہیں مگر انہوں نے دوبارہ بہن کے ہاں آنا جانا شروع کردیا تھا۔ بس فرق یہ آیا تھا کہ گلنار ساتھ نہیں ہوتی تھی۔ وہ ایسی تھی بھی نہیں کہ دل کو زوہیب کی محبت کا روگ لگا بیٹھتی۔ یہ تو عاتکہ تھیں جو دل کو لگا کر بیٹھ گئی تھیں پھر کچھ ہی دنوں میں کسی بڑے بزنس مین کے ہاں سے گلنار کا رشتہ آیا تو خوشی کی یہ خبر سب سے پہلے بہن کے گھر والوں کو سنانے آگئیں۔

''اللہ مبارک کرے۔'' صادقہ آپا نے صدقِ دل سے دعا دی۔

☆☆☆

عاتکہ نے گلنار کی شادی تو اگرچہ اونچے خاندان میں کردی تھی مگر زوہیب کے داماد نہ بننے کا غم اُن کے دل میں تھا سو وہ بڑی بہن کے گھر جاکر زوہیب کی بیوی کے بارے میں ضرور کچھ نہ کچھ تفتیش کرتیں کبھی بڑی بہو غزالہ سے کریدتیں کہ دیورانی کیسی ہے تو کبھی آپا سے اس کے کام کاج اور سلیقے کے بارے میں پوچھتیں اور اگر صادقہ بیگم ذرا ڈھیلے انداز میں بتاتیں تو مزید کُریدتیں۔

اس روز بھی عاتکہ، بہن کے گھر آئیں تو دیکھا وہ اکیلے کمرے میں پڑی ہیں...... پوچھنے پر پتا چلا کہ انہیں بلڈ پریشر ہوگیا تھا۔ دوا کھا کر سو رہی ہیں۔ ان سے رہا نہ گیا جاکر کمرے میں جھانکی ماری تو صادقہ آپا جاگ رہی تھیں اور اپنے ہاتھ سے اپنا سر دبا رہی تھیں۔

''ارے آپا، کیا ہوا ہے آپ کے سر میں درد ہے اور کوئی آپ کا خیال رکھنے والا نہیں تبھی تو میرا دل گھبرایا اور دوڑی، دوڑی چلی آئی۔'' عاتکہ بیگم نے باتیں بنانا شروع کیں۔

''نہیں عاتکہ، میں بالکل ٹھیک ہوں۔ اصل میں جب میں سو رہی ہوتی ہوں تو کوئی میرے کمرے میں نہیں آتا ہے میرے آرام کے خیال سے ورنہ ویسے تو کوئی مجھے اکیلا نہیں چھوڑتا۔'' صادقہ نے رسان سے بات سنبھالنے کی کوشش کی کہ کسی بہو کے کانوں میں یہ بات نہ پڑ جائے۔ سگی بیٹیوں سے بڑھ کر خیال رکھنے والی بہوؤں کے دل کو برا لگے گا مگر عاتکہ کو روکنا مشکل تھا۔ وہ تو جو منہ میں آیا بولتی چلی جاتیں۔ صادقہ کی بہو غزالہ تو اُن کی عادت سے واقف تھی مگر ثانیہ کو ابھی اتنا اندازہ نہیں تھا۔

عاتکہ خالہ کو دیکھتے ہی غزالہ نے ٹرے میں دو گلاس کولڈ ڈرنک کے بھر کر رکھے اور لیے چلی آئی۔ عاتکہ نے کافی معنی خیزی سے دیکھا۔

''ثانیہ کہاں ہے، کیا آرام کر رہی ہے؟'' عاتکہ نے بھویں اُچکا کر پوچھا۔ صادقہ بیگم سمجھ رہی تھیں کہ عاتکہ کیا کہنا چاہ رہی ہیں سو وہ بات سنبھال رہی تھیں۔

صادقہ آپا کے گھر آکر عاتکہ کچھ نہ کچھ سُن گن لینے کی کوشش کرتیں اور کوئی نہ کوئی فسادی بات کرہی جاتیں مگر اپنے گھر کا حال چھپانا اور بھائی بھاوج کے لیے مراعات اور سلوک کی باتیں کرنا ان کا وتیرہ تھا۔

''ارے میرے تو بھائی بھاوج دم بھرتے ہیں ہر وقت میرا اور میں نے بھی تو انہیں عیش میں رکھا ہوا ہے ورنہ اس بڑھاپے میں دونوں نہ جانے کیا، کیا جھیل رہے ہوتے...... یہ تو اللہ نے مجھے نیکی کی راہ دکھائی اور میں نے انہیں اپنے گھر میں جگہ دے دی۔''

بہن کی باتوں پر صادقہ بیگم انگشت بدنداں تھیں کہ ظفر بھائی کوئی ایسے گئے گزرے بھی نہیں تھے صرف چھوٹی بہن کی محبت اور بھانجے، بھانجیوں کے خیال سے اپنی اچھی بھلی نوکری چھوڑ کر عاتکہ کے ہاں رہنے آگئے تھے اور اس پر اکتفا نہیں تھا بھابی حمیدہ نے تو عاتکہ کا گھر سنبھالا ہوا تھا۔ گلنار کی شادی میں جس طرح دونوں نے ذمے داری اور خلوصِ نیت کا مظاہرہ کیا تھا وہ کسی سے ڈھکا چھپا نہیں تھا۔ اس روز بھی وہ اپنے میاں سے بھائی بھاوج کی باتیں کر رہی تھیں۔

''میرا دل بھائی جان اور بھابی کی حالت دیکھ کر بہت دُکھتا ہے مگر عاتکہ تو اپنے آگے کسی کی سنتی کہاں ہے۔ میں نے کل بھی طبیعت پوچھی تو کہہ رہی تھی۔ دونوں مزے کر رہے ہیں۔'' تب ان کے میاں ظفر نے انہیں سمجھاتے ہوئے کہا۔

''صادقہ بیگم اگر آپ کے بھائی جان نے اپنی

WWW.PAKSOCIETY.COM

بہن کی محبت اور ہمدردی میں کوئی غلطی کر بھی دی تھی تو کیا ساری عمر وہ اس کی سزا بھگتے رہیں گے اور عاتکہ بیگم کی چرب زبانی کا نشانہ بنے رہیں گے۔ عاتکہ کیا سمجھتیں ہیں دنیا والے اندھے ہیں انہیں حقیقت نظر نہیں آرہی۔ یہ مانا کہ آپ کے بھائی جان کا اپنا گھر بار نہ تھا چھوٹی موٹی نوکری اور کرایے کے گھر میں گزارہ کررہے تھے اولاد اللہ کی طرف سے ہوئی نہیں ورنہ شاید اولاد کی خاطر وہ اپنے حالات سنوارنے کی کوشش کرتے۔ اب اگر وہ بہن کا ساتھ دے رہے ہیں تو عاتکہ بیگم ان کا احسان ماننے کو تیار ہی نہیں حالانکہ وہ دونوں میاں بیوی اپنی محبت اور خدمت سے عاتکہ کے کتنے کام آرہے ہیں۔ اس کی آپ کی بہن کو پروا ہی نہیں ہے۔ عاتکہ کی تو اپنی اولاد اتنی خود غرض ہے کہ اگر آج عاتکہ کنگال ہوجائیں تو وہ ماں کو بھی نکال باہر کھڑا کریں۔'' ظفر حقیقت بیان کررہے تھے اور صادقہ بیگم خاموشی سے سن رہی تھیں۔

صادقہ کو چند ماہ پہلے کی بات یاد آرہی تھی کہ جب بھائی جان کی آنکھوں کی تکلیف حد سے سوا ہوگئی اور عاتکہ بیگم کو کچھ احساس نہ ہوا تو فرہاد (صادقہ کا بڑا بیٹا) ان کا چیک اپ کروانے لے گیا ڈاکٹر سے آپریشن، وقت اور دن سب طے ہوگیا مگر جب عاتکہ کو پتا چلا تو فوراً غیرت مند بن کر بیچ میں آگئیں۔

''کیا مطلب ہے فرہاد، جب تمام عمر میں نے بھائی جان کا ساتھ دیا ہے تو میں ان کی آنکھوں کا علاج نہیں کرواسکتی۔ تم نے مجھے سمجھا کیا ہے۔ چلے جاؤ یہاں سے...... میں خود بھائی جان کا آپریشن کروالوں گی۔'' نہ جانے عاتکہ کو کیا سوجھی فرہاد کو بے عزت کرکے گھر سے نکال دیا۔ تب صادقہ بیگم کا دل اور دُکھا وہ دن اور آج کا دن بھائی جان کا علاج نہ ہوسکا تھا۔

صادقہ بیگم یہ سب باتیں سوچ کر کڑھتی رہتیں مگر بہن وہ بھی چھوٹی سے کچھ کہنے کی ہمت نہ جتا پاتیں۔

☆☆☆

''ماما اور دادی آپ کو معلوم ہے نیکی کا کام گھر سے شروع کرنا چاہیے۔'' فرہاد اور غزالہ کی بیٹی لائبہ اپنے اسکول کی باتیں آکر دادی اور ماں کو بتاتی تھی، اس کی اسلامیات کی نئی ٹیچر آئی تھیں اور وہ اچھی اچھی باتیں بتاتیں جنہیں لائبہ گھر آکر دُہراتی۔ آج بھی ایسا ہی کوئی سبق سن کر آئی تھی جبھی دونوں سے کہہ رہی تھی۔

''میں نے تو سوچ لیا دادی گھر میں کام کرنے والی ماسی کی خوب مدد کروں گی پھر اپنے گھر میں لگے پودوں کا بھی خیال رکھوں گی اور جو مانو بلی ہے اسے بھی روز دودھ دوں گی۔''

''ارے واہ، ہماری گڑیا کتنی اچھی باتیں سیکھ کر آئی ہے۔'' صادقہ بیگم نے بڑھ کر اسے پیار کیا تو اتنے میں ماسی کی بیٹی روتی ہوئی آئی۔

''اماں گھر چلو ابا پھر گر گیا ہے اور اسے چوٹ لگی ہے۔'' نزدیک ہی کچی بستی سے آنے والی ماسی گھبرا گئی اور گھر والوں سے اجازت لے کر بچی کے ساتھ چل دی۔

''امی اس کے میاں کی آنکھیں خراب ہورہی ہیں اسے بالکل نظر نہیں آتا بے چاری آپریشن کے لیے پریشان ہے مگر ہر ڈاکٹر کی فیس اتنی زیادہ ہے کہ یہ خرچ برداشت نہیں کرسکتی۔'' زوہیب کی بیوی ثانیہ ساس اور جیٹھانی کو بتارہی تھی۔ جبھی غزالہ بولی۔

''امی، فرہاد ماموں جان کے لیے جب آئی اسپیشلسٹ کا پتا کررہے تھے تو کسی نے بتایا تھا کہ ایسے خیراتی اسپتال ہیں جہاں بہترین علاج ہوتا ہے اور کوئی فیس وصول نہیں کی جاتی۔ ہاں کسی کی استطاعت ہو تو عطیہ دے سکتا ہے۔ فرہاد نے تو خیر دوسرے اسپتال میں ماموں جان کے علاج کا بندوبست کروادیا تھا مگر عاتکہ خالہ مانی ہی نہیں۔'' صادقہ بہو کی بات سن کر ٹھنڈی آہ بھر کر رہ گئیں۔ اس روز تو بات ختم ہوگئی مگر چند دنوں بعد ثانیہ اور غزالہ

نے آپس میں مشورہ کرکے ماسی کے شوہر کا علاج کروانے کا فیصلہ کیا اور فرہاد کے ساتھ جاکر اسی خیراتی اسپتال کے بابت معلوم کیا یوں پندرہ دن بعد آپریشن کی تاریخ مل گئی۔ لائبہ بہت خوش تھی کہ نیکی کا یہ کام اپنے گھر سے شروع ہورہا ہے۔

صادقہ بیگم اور ظفر صاحب بھی غریب پرور تھے مگر ننھی لائبہ کے سامنے اب یہ سب کچھ ہوا تو وہ ماں اور چچی کے ساتھ تھی۔ ماسی بھی شکر گزار تھی کہ اتنا مشکل کام اتنی آسانی سے ہوگیا۔

آپریشن والے دن لائبہ بھی ان لوگوں کے ساتھ گئی تھی۔ اسپتال میں مریضوں اور ان کے لواحقین کا ہجوم تھا۔ سب مریضوں کے پاس اُن کے نام و نمبر کے کارڈ تھے۔ وارڈ بوائے اور نرسیں باہر آکر مریض کا نام و نمبر پکارتیں اور وہ اٹھ کر اندر چلا جاتا۔ جن مریضوں کے آپریشن ہوچکے ہوتے انہیں وارڈ بوائے یا نرس لے کر باہر آتے اور مریض کے نام کے ساتھ نمبر پکارتے کہ فلاں صاحب کے اٹینڈنٹ آکر انہیں لے جائیں۔ ماسی اپنے شوہر کو لے کر ایک طرف اپنی باری کے انتظار میں بیٹھ گئی۔ لائبہ اور ثانیہ کو تھوڑے فاصلے پر ایک خالی بینچ پر بیٹھنے کی جگہ مل گئی تھی۔

تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد کوئی نہ کوئی مریض باہر آتا اور اس کے لواحقین آگے بڑھ کر اسے پکڑ لیتے اسی اثنا میں وارڈ بوائے.... ایک بوڑھے آدمی کو لیے نام پکار رہا تھا۔

''بابا مکرم علی سیریل نمبر 25 کے ساتھ کون ہے۔'' اس کے دو دفعہ پکارنے پر کوئی نہ بڑھا تو تیسری مرتبہ مکرم علی کے نام پر لائبہ اور ثانیہ نے ایک ساتھ سر اٹھا کر تھیٹر کی طرف دیکھا۔ ماموں مکرم علی کی ایک آنکھ پر پٹی بندھی ہوئی تھی اور وارڈ بوائے انہیں سہارا دے کر ایک بینچ پر بیٹھنے میں مدد دے رہا تھا اور ساتھ ہی اس سے کچھ کہہ رہے تھے۔ لائبہ کی تو چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی اس نے منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔

''چاچی یہ تو ہمارے دادا ہیں ناں؟''

''ہوسکتا ہے ماموں جان کے ساتھ کوئی ہو۔ اگر ممانی ہوئیں تو بات کرلیں گے اور اگر عاتکہ خالہ کے گھر سے کوئی ہوا تو منہ دوسری طرف پھیر لینا جیسے ہم نے کچھ دیکھا ہی نہیں ہے۔'' ثانیہ نے اس کا ہاتھ دباتے ہوئے کہا مگر وہاں کوئی ہوتا تو آتا۔

وارڈ بوائے جو انہیں پکڑ کر لایا تھا اسے واپس اندر جانے کی جلدی تھی۔ وہ انہیں بٹھا کر اور ہاتھ میں دوا کا لفافہ تھما کر ایک طرف کھڑے اسپتال کے کسی ملازم سے کہنے لگا۔

''سن الیاس، وہ جو بابا جی بینچ پر بیٹھے ہیں ان کے ساتھ کوئی اٹینڈنٹ نہیں ہے تو اُن کے لیے ٹیکسی پکڑ لا اور آرام سے بابا جی کو ٹیکسی میں بٹھا کر پتا سمجھا دینا۔ پتا بابا جی کی جیب میں رکھا ہے۔''

''میرے اللہ! چاچی دادا جان کے ساتھ کوئی بھی نہیں آیا ہے۔'' لائبہ نے وارڈ بوائے کی بات سن لی تھی۔

''وہ اکیلے آپریشن کرواکر گھر کیسے جائیں گے؟''

''وہ اکیلے گھر نہیں جائیں گے۔ میں ابھی زوہیب سے بات کرتی ہوں۔ میرا خیال ہے ہم ماموں جان کو اپنے گھر لے چلتے ہیں۔ تم ایسا کرو کہ ماسی کو یہ دو سو روپے دے آؤ اور اس سے کہنا کہ اپنے میاں کو ٹیکسی میں لے کر گھر جائے۔'' پھر اس نے موبائل پر زوہیب کا نمبر ملایا۔ ثانیہ نے زوہیب کو ساری بات بتائی تو وہ یہ سن کر حیران رہ گیا۔

''ثانیہ میں اگر اس وقت کراچی میں ہوتا تو ماموں جان کو اس حالت میں کبھی عاتکہ خالہ کے یہاں نہ جانے دیتا۔ اب تم اور لائبہ یہ کام کروگی۔''

''لیکن زوہیب ماموں جان، عاتکہ خالہ سے بہت ڈرتے ہیں وہ کبھی ہمارے ساتھ جانے پر رضامند نہیں ہوں گے۔''

''تو انہیں بتانے کی ضرورت بھی کیا ہے۔ اس

WWW.PAKSOCIETY.COM

لڑکے سے کہنا کہ بابا جی کی گاڑی آگئی ہے وہ لے جاکر انہیں گاڑی میں بٹھادے گا بعد کی بعد میں دیکھی جائے گی۔ میں شام تک کراچی پہنچ کر سب سنبھال لوں گا۔'' وہ شدید غصے میں آگیا تھا۔

''بھائی سنو، بابا جی کی گاڑی آگئی ہے۔ تم وہیل چیئر لے کر آجاؤ اور انہیں گاڑی تک چھوڑ آؤ۔ میں تمہارے ساتھ ساتھ چلتی ہوں لیکن تم انہیں یہ مت بتانا کہ گاڑی آگئی ہے۔ کہنا کہ ٹیکسی میں بٹھارہے ہو۔ ابھی تو وہ دواؤں کے اثر میں ہیں۔ کچھ معلوم نہیں ہوگا۔ ہم لوگوں سے ناراض ہوکر آئے تھے۔'' ثانیہ نے اس لڑکے الیاس سے کہا اور ایک سو روپے کا نوٹ اسے پکڑایا تو وہ خوشی خوشی سارا کام کرنے پر تیار ہوگیا۔

''بیٹا تم نے ٹیکسی والے کو پتا سمجھا دیا ہے؟'' گاڑی میں بیٹھتے وقت انہوں نے پوچھا۔

''جی بابا جی! میں نے ٹیکسی والے کو پتا بتادیا ہے۔ یہ آرام سے آپ کو گھر پہنچادے گا۔'' ماموں جان نے اطمینان بھری سانس لی اور گاڑی کی پشت سے ٹیک لگا کر دوسری آنکھ بھی بند کرلی۔ ثانیہ نے گاڑی اسٹارٹ کردی۔ وہ تو ویسے بھی دواؤں کے زیر اثر تھے پھر ایک آنکھ پر تو پٹی بندھی ہوئی تھی۔

ثانیہ نے بھتیجی کی طرف دیکھا وہ ابھی تک رو رہی تھی۔ ثانیہ نے ہاتھ سے اس کا کندھا دباتے ہوئے اسے تسلی دی۔

ثانیہ نے گھر کے ملازم کے ذریعے ماموں جان کو گیسٹ روم میں پہنچوا دیا اور خود ساس کو تمام ماجرا بتانے لگی۔ صادقہ حیران و پریشان کھڑی سن اور دیکھ رہی تھیں کہ کہاں یہ ماسی کے شوہر کا علاج کروانے کہاں گئی تھیں اور کہاں مکرم علی ان کے ساتھ آگئے تھے۔

ماموں جان نے وہاں کے ملازم کو عاتکہ کے ہاں کا ملازم سمجھا ان کی دوسری آنکھ کی بینائی بھی کچھ کمزور تھی۔ کہنے لگے۔

''جاؤ بیٹا جاکر ہماری بیگم کو بلا لاؤ۔ اس گھر میں رہ کر تو وہ بھی ان لوگوں جیسی بے حس ہوگئی ہے۔ معلوم ہے کہ ہم آپریشن کروا کر آئے ہیں مگر کوئی خیال ہی نہیں۔''

''جی میں ابھی کہہ کر آتا ہوں۔''

صادقہ کے لیے یہ سچویشن ناقابلِ برداشت ہورہی تھی مکرم علی دوا کھا کر لیٹ گئے تھے اور سارا واقعہ سننے کے بعد ظفر صاحب نے اپنی بیوی کی اچھی خاصی کھنچائی کر ڈالی۔

''اگر عاتکہ کا اس معاملے میں سارا قصور ہے تو گناہگار آپ بھی ہیں۔ اپنے بھائی کی طرف سے اتنی بے پروائی......؟ دیکھ لیا انجام کہ لاوارثوں کی طرح خیراتی اسپتال میں آپریشن کروادیا اور اکیلے بھیج دیا۔ کم از کم بھابی کو ہی ساتھ بھیج دیا ہوتا۔'' صادقہ چپ چاپ کھڑی سن رہی تھیں وہ میاں کو کیسے بتاتیں کہ آج گلنار کے سسرال والوں کی دعوت تھی اور عاتکہ بیگم نے بڑی بہن کو بھی رسماً دعوت دے ڈالی تھی مگر صادقہ کا جانے کا ارادہ نہیں تھا اس لیے گھر میں کسی سے ذکر نہیں کیا مگر سوچ میں پڑ گئیں کہ بھائی کا آپریشن آج کیسے ہوگیا؟ کیا پتا تاریخ پہلے سے دی ہو اور دعوت بعد میں رکھی گئی ہو انہیں تو بھائی کے آپریشن کی کانوں کان خبر نہ تھی۔

☆☆☆

عاتکہ بیگم کے ہاں خوب رونق تھی۔ اپنی شان دکھانے کے لیے دعوت کی خوب تیاری کر رکھی تھی مگر ساتھ ہی ساتھ عاتکہ بیگم کسی بات کے لیے متفکر بھی تھیں۔ یہ اسپتال کی طرف ڈرائیور کا تیسرا چکر تھا جب اس نے نفی میں گردن ہلاتے ہوئے لاعلمی کا اظہار کیا۔

''بیگم صاحبہ! اب تو آپ ایسا کریں کہ کسی بھائی کو میرے ساتھ بھیج دیں، ہم جاکر پولیس میں رپٹ لکھوا آتے ہیں۔'' مکرم علی کے اسپتال سے نہ آنے پر سب ہی تشویش میں مبتلا تھے۔

''پاگل ہوا ہے کیا...... پولیس میں اس وقت کون جاکر رپورٹ لکھوائے گا۔ گلنار کی پوری سسرال بری ہوئی ہے۔ میری بھی سسرال والے ہیں، آپا بھی ابھی آتی ہوں گی۔ اگر ایک پولیس والا تفتیش کرنے آگیا تو غضب ہوجائے گا۔ بڑی بدنامی ہوگی۔ ہائے بھائی جان ساری زندگی کے احسان جتانے کو آج کا دن ہی منتخب کیا تھا۔'' وہ ہاتھ ملنے لگیں۔ وہ باقاعدہ چپکے چپکے بین کر رہی تھیں۔ بھاوج سے کیا کہتیں کہ انہیں تو گھر کے کاموں میں الجھا رکھا تھا۔

''بیگم صاحبہ، وہاں تو جی کسی کو کچھ معلوم نہیں ہے۔ شام والا عملہ تو کچھ جانتا ہی نہیں ہے۔ وہ کہہ رہے تھے صبح والوں کی ڈیوٹی ختم ہوگئی ہے اب ہمیں کچھ نہیں پتا تم کل آنا۔'' اگر کوئی گھر کا لڑکا جاکر مکمل معلومات کرتا تو یقیناً پتا چل جاتا تھا مگر یہاں فرصت کسے تھی۔

''میرا خیال ہے کوئی ٹیکسی والا انہیں کسی غلط جگہ اتار آیا ہے۔''

''ارے تو وہاں کھڑے ٹیکسی والوں سے تو پوچھا ہوتا۔'' عاتکہ نے امید بھرے لہجے میں کہا۔

''بیگم صاحبہ سب لاعلم ہیں کوئی کہتا تھا ہم تو سواری اتارنے آیا ہے تو کھڑا ہوگیا۔ کوئی کہہ رہا تھا ہم تو پہلی بار ادھر آیا ہے۔ کوئی بول رہا تھا ہم تو صرف شام ادھر آتا ہے۔ صبح کون، کون آتا ہے ہمیں کیا خبر۔ کوئی صحیح بات نہیں بتارہا تھا۔ میں تو کہہ رہا ہوں پولیس میں رپٹ لکھوا دیں۔''

''چپ کر جا منحوس۔ یہ پولیس کیس نہیں ہے۔ جاکر شہر کے بڑے اسپتال دیکھ کر آ۔ وہ جو ایدھی والے ہیں وہ بھی گمشدہ لوگوں کو ڈھونڈتے ہیں ان کو بھی جاکر بتادے شاید وہی ہماری کچھ مدد کریں۔'' عاتکہ نے گھبرائے انداز میں اِدھر اُدھر دیکھا کہ کہیں کوئی دیکھ سن تو نہیں رہا مگر سب اپنے، اپنے کاموں میں مصروف تھے۔ لوگ سمجھ رہے تھے عاتکہ انتظامات کے سلسلے میں مصروف ہیں مگر اصل حقیقت کوئی نہیں جانتا تھا۔ عاتکہ شکر کا کلمہ پڑھ رہی تھیں کہ بہن کے گھر سے کوئی نہیں آیا مگر دوسری طرف یہ بھی دکھ تھا کہ اب ان کی امارت کا رعب داب آپا کی بہوئیں کیسے دیکھ پائیں گی غرضیکہ عاتکہ بیگم اس وقت شدید الجھن کا شکار تھیں۔

دعوت تو کسی نہ کسی طرح تمام ہوئی مہمان جاچکے تھے۔ ڈرائیور پانچویں مرتبہ بھی اسپتال جاکر دیکھ کر آیا تھا۔ اب تو بیٹے بھی پریشان ہوگئے۔ بڑا بیٹا سہیل جس نے آپریشن کا انتظام کروایا اس نے فون کرکے ڈاکٹر سے بھی رابطہ کرنے کی کوشش کی مگر آدھی رات کو رابطہ نہ ہوسکا۔ اگلے دن جاکر پتا چلا تو ڈاکٹر نے بتایا۔

''میں نے مکرم صاحب کا آپریشن کردیا تھا۔'' انہوں نے اپنے وارڈ بوائے کو بلا کر پوچھا۔ ''جو بابا جی اس ڈرائیور کے ساتھ آئے تھے وہ کس کے ساتھ گئے تھے کچھ معلوم ہے؟''

''صاحب بابا جی کو میں نے بینچ پر باہر بٹھادیا تھا۔ ایک وارڈ بوائے سے ٹیکسی لانے کا کہہ کر میں تو اندر چلا گیا تھا مجھے تو اگلی باری والا مریض لے کر جانا تھا۔ بابا جی کہہ رہے تھے گھر میں تقریب ہے ڈرائیور مصروف ہے، وہ نہیں آسکے گا تم مجھے ٹیکسی لادو۔''

''لیکن ماموں جان تو گھر نہیں پہنچے۔'' وہ پریشانی سے بولا۔

''تو جناب اس میں ہماری کیا غلطی ہے۔ اتنے بڑے آدمی ہوکر ایک تو اپنے ماموں کا علاج خیرات پر کرواتے ہوئے شرم نہیں آئی اور جب آپ انہیں میرے پاس لے کر آئے تھے تو میں سمجھا تھا اپنے کسی ملازم کے والد کو لے کر آئے ہیں۔ ایک تو آپ نے

WWW.PAKSOCIETY.COM

کسی ضرورت مند کا حق مارا اوپر سے ہم پر الزام لگا رہے ہیں۔ جائیے جناب، اپنے ماموں جان کو ایدھی ہوم میں تلاش کیجیے وہ آپ لوگوں کے رویے سے ناراض ہو کر وہاں چلے گئے ہوں گے۔'' ڈاکٹر نے جھڑک کر کہا۔

بے تحاشا شرمندگی اٹھانے کے بعد سہیل کے قدم واقعی ایدھی ہوم کی طرف اٹھ گئے۔

''نہیں جناب یہاں کل سے آج تک کوئی ایسا شخص رجسٹر نہیں ہوا ہے اور نہ ہمارے ادارے کی کسی اور برانچ میں کوئی ایسا شخص آیا ہے۔'' انچارج نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''پھر وہ کہاں جا سکتے ہیں؟'' سہیل مایوسی کی حالت میں بڑبڑایا۔ ایسے صاحبِ ثروت لوگوں سے ملنا انچارج کے لیے کوئی نئی بات نہ تھی۔ یہاں تو ایسے کیسز آنا معمول تھا۔

''پہلے تو اپنے بزرگوں کا خیال نہیں کرتے ہیں آپ لوگ پھر جب وہ اکیلے راستہ بھٹک جاتے ہیں تو ڈھونڈتے پھرتے ہیں۔'' انچارج تنگ کر بولا۔

''جناب آپ یہاں سے چلے جائیں۔ میرے پاس اور بھی کرنے والے کام ہیں۔''

ایدھی ہوم آخری امید تھی وہ بھی ختم ہو گئی اب تو پولیس میں رپورٹ لکھوانی پڑے گی مگر اماں کی اجازت کے بغیر ایسا کرنا ممکن نہیں تھا۔ اخبار اور ٹی وی پر اشتہار دینے کی تو وہ کبھی اجازت نہ دیتیں۔

☆☆☆

سہ پہر کو جب مکرم علی کی آنکھ کھلی تو آنکھ میں خاصی تکلیف ہو رہی تھی۔ انہوں نے بستر سے اٹھنے کی کوشش کی تو دو ہاتھوں نے انہیں تھام کر اٹھایا۔

''کون ہے؟'' انہوں نے ہاتھوں کو چھو کر دیکھا۔

''میں ہوں بھائی جان ظفر۔'' ظفر نے انہیں سہارا دے کر اٹھ کر بیٹھنے میں مدد دی۔

''ارے ظفر میاں، کیا آپ آئے ہوئے ہیں؟'' انہوں نے دوسری آنکھ سے دیکھنے کی کوشش کی مگر بے سود۔

''میں آیا ہوا نہیں ہوں بلکہ آپ میرے گھر میں ہی ہیں۔'' انہوں نے خوشگوار لہجے میں کہا۔

''مگر ہم اپنے گھر سے یہاں کیسے آگئے اور کیوں آگئے؟''

''بھائی جان وہاں دعوتوں کا سلسلہ ہے، کیسے کوئی آپ کی خبر گیری کرتا تو عاتکہ نے آپ کو ہمارے یہاں بھجوا دیا ہے۔''

''ارے، وہاں ہماری خبر گیری کرنے کی کسی کو کہاں فرصت ہوتی ہے۔ ہماری بیگم ہی ہمارا خیال نہیں رکھ پاتیں۔ گھر کے کاموں سے جو انہیں فرصت ملے تو اِدھر کبھی دیکھیں۔'' انداز بہت مایوسانہ تھا۔

''میرا خیال ہے آپ کی آنکھ میں درد ہو رہا ہے۔ میں دیکھتا ہوں ڈاکٹر نے درد کے لیے کوئی دوا تو لکھی ہوگی۔'' انہوں نے ڈاکٹر کا لکھا نسخہ پڑھتے ہوئے کہا۔

''لیکن پہلے آپ کچھ کھا لیں۔ میں نے آپ کے لیے دلیا اور سوپ بنوایا ہے جو دل چاہے آپ کھا لیجیے گا۔ میں صادقہ کو بھیجتا ہوں۔'' ظفر صاحب نے دوا نکال کر ایک طرف رکھی اور بیگم کو بلانے چلے گئے۔ مکرم بھی نہ جانے کیا سوچنے لگے۔

صادقہ نے لا کر بھائی کو اپنے ہاتھ سے کھانا کھلایا اور ان سے باتیں کرنے لگیں مگر انہیں زیادہ بولنے سے منع کر دیا خود ہی اِدھر اُدھر کی باتیں کرتی رہیں۔ بارہا انہوں نے اپنی بیگم کے بارے میں پوچھنا چاہا مگر انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے بھائی کو چپ کروا دیا کہ آپ زیادہ بات نہیں کریں اور میں آپ کی ہر ضرورت پوری کرنے کے لیے یہاں بیٹھی ہوں۔

''کمال کرتے ہیں بھائی جان آپ بھی۔ تکلیف کیسی یہ تو ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہمیں اللہ نے موقع دیا... آپ کی خدمت گزاری کا۔'' مکرم علی سوچ رہے تھے کتنا فرق ہے دونوں گھرانوں میں عاتکہ اور اس کے گھر والے انہیں بوجھ سمجھتے ہیں جبکہ یہ دونوں میاں، بیوی جی جان سے ان لوگوں کے کام کرتے ہیں اور انہیں کبھی شکریے کے چند الفاظ ادا نہیں کیے جاتے مگر صادقہ کی طرف سے انہیں ہمیشہ عزت اور محبت ملی لیکن عاتکہ کی سختی تھی کہ صادقہ آپا کو نہ تو کبھی گھر کی کوئی بات بتائی جائے نہ ان کے گھر کبھی اکیلے جایا جائے۔ مکرم علی ایک آہِ سرد بھر کر رہ گئے۔

☆☆☆

شام کو فرہاد آفس سے آیا تو صادقہ بیگم اس کے ساتھ بہن کے ہاں چلی گئیں۔ وہ انہیں خالہ کے ہاں چھوڑ کر واپس آگیا۔ جب صادقہ وہاں پہنچیں تو سب سے پہلے بھابی کو دیکھا جو پریشان صورت لیے باہر برآمدے میں ہی مل گئیں چہرہ اترا ہوا تھا۔

''کیا بات ہے بھابی، آپ ایسے کیوں بیٹھی ہیں، سب کہاں ہیں؟'' بھابی نے اِدھر اُدھر دیکھا کہ کوئی قریب تو نہیں ہے پھر آہستہ سے کہنے لگیں۔

''صادقہ میرا نام مت لینا مگر مجھے لگتا ہے کچھ گڑبڑ ضرور ہے۔ ایک تو تمہارے بھائی جان کو اسپتال والوں نے داخل کر لیا ہے۔ کیا آنکھ کے آپریشن میں مریض کو اسپتال میں داخل کرتے ہیں؟ میں نے عاتکہ سے کہا بھی مجھے اپنے بھائی جان کے پاس اسپتال لے چلو، وہ اکیلے پڑے ہوئے ہیں تو بگڑ کر بولیں ایک تو ہم پہلے ہی پریشان ہیں اور آپ بھی پریشان کر رہی ہیں۔''

''اب کہاں ہے عاتکہ؟'' صادقہ نے پوچھا۔

''کیا پتا کہاں ہے، صبح سے گاڑیاں دوڑ رہی ہیں۔ جمیل اور سہیل نے بھی چھٹی کر لی ہے۔ عاتکہ کبھی ایک بیٹے کے ساتھ جاتی ہیں کبھی دوسرے کے ساتھ کبھی ڈرائیور آکر ان کے پاس کھسر پھسر کرتا ہے لیکن میرے سامنے کوئی بات نہیں ہو رہی۔ میرے

اسے کہنا دسمبر جا رہا ہے

اسے کہنا دسمبر جا رہا ہے
دسمبر کے گزرتے ہی برس اِک اور
ماضی کی فضاؤں میں ڈوب جائے گا
اسے کہنا دسمبر کے گزرنے سے ذرا پہلے
محبت کی کہانی کو کوئی تکمیل دے جانا
اسے کہنا دسمبر کا مہینہ جیسے گزرے گا
امیدیں ڈوب جائیں گی، وہ سپنے ٹوٹ جائیں گے
اسے کہنا دسمبر کے گزرنے سے ذرا پہلے
محبت کو کوئی تعبیر دے جائے
اسے کہنا مقدر کو ہمارے ڈوب جانے سے
بچا لینا
اسے کہنا
دسمبر جا رہا ہے

مرسلہ: امینہ عندلیب، سلانوالی

کان میں صرف ڈرائیور کا ایک جملہ پڑا ہے وہ کہہ رہا تھا اسپتال والے بول رہے ہیں ہمیں نہیں معلوم بابا جی کدھر گئے۔ صادقہ تم معلوم تو کرو کہیں یہ بابا جی تمہارے بھائی جان تو نہیں ہیں۔ میں بہت پریشان ہوں۔'' ان کے بوڑھے ہاتھوں کی لرزش کو صادقہ نے بھی محسوس کیا مگر وہ کیا کر سکتی تھیں صرف بھاوج کو تسلی دے کر رہ گئیں۔

جب بھابی جان یہ باتیں کر رہی تھیں تو صادقہ مسکرا رہی تھیں۔ بھابی جان نے جو انہیں یوں خوش ہوتے دیکھا تو ذرا غصے سے بولیں۔

''صادقہ ہم پریشان ہیں اور تم خوش ہو رہی ہو ایک تم سے امید تھی تم بھی ہماری بات کو مذاق میں لے رہی ہو۔ کیا تمہیں اپنے بھائی جان کی فکر نہیں ہے؟'' صادقہ نے ہنستے ہوئے کہا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

"مجھے کیوں فکر ہوگی جبکہ مجھے معلوم ہے کہ بھائی جان بالکل خیریت سے اور آرام سے ہیں۔ میں ان سے مل کر آرہی ہوں اور آپ بھی اطمینان سے ہو جائیں اور بالکل بھی عاتکہ پر یہ ظاہر نہ کریں کہ آپ کو ان کی خیریت کی اطلاع مل چکی ہے۔"

اتنے میں عاتکہ کی گاڑی اندر آتی نظر آئی۔ وہ تو صادقہ آپا کو دیکھتے ہی گھبرا گئیں۔

"یہ اس وقت کیوں نازل ہو گئیں اور اکیلے میں بھابی جان کے ساتھ بیٹھی جانے کیا، کیا باتیں کر رہی ہیں۔" وہ لپک کر گاڑی سے اتر کر اُدھر ہی آ گئیں۔ نہ سلام نہ دعا دھپ سے کرسی پر بیٹھ گئیں۔

"آپا جان آپ کب آئیں؟" انداز بالکل پولیس والوں کی تفتیش کرنے جیسا تھا۔

"میں تو کب کی آئی ہوئی ہوں تم گھر پر نہیں تھیں تو میں بھابی سے باتیں کرنے لگیں۔ ابھی فرہاد مجھے لینے آئے گا۔" جبھی بھابی نے ان کی بات کاٹی۔

"عاتکہ کیا تم اسپتال سے آرہی ہو۔ تمہارے بھائی جان کو آج بھی ڈاکٹروں نے چھٹی نہیں دی کیا؟" عاتکہ آپا کے سامنے اس انکشاف سے گھبرا گئیں۔ انہوں نے گھور کر بھاوج کی طرف دیکھا لیکن انہوں نے اس گھوری کا نوٹس نہیں لیا۔

"بھائی جان اسپتال میں ہیں۔ کون سے اسپتال میں ہیں، کیا ہوا ہے انہیں اور عاتکہ کل تم مجھ سے جھوٹ بول رہی تھیں کہ بھائی جان ملتان گئے ہوئے ہیں۔" صادقہ نے غصے سے کہا۔

"وہ میں نے اس لیے جھوٹ بولا کہ آپ گھبرا جائیں گی۔" عاتکہ نے چبا چبا کر الفاظ ادا کیے۔

"نہیں، اس لیے جھوٹ بولا کہ خیراتی اسپتال میں آپریشن کروایا ہے اور جب وہ گھر واپس... آئیں گے تو ڈنکے کی چوٹ پر اعلان کریں گی کہ ایک بہت بڑے اسپتال میں آپریشن ہوا ہے۔ کسی کو کیا معلوم ہوگا۔ خوب واہ، واہ ہوگی مگر وہاں تو معاملہ ہی الٹا ہو گیا۔ بابا جی گھر واپس ہی نہیں آئے۔ اب تم اور تمہاری اولادیں انہیں ڈھونڈتے پھر رہے ہو۔ دو دن اور ایک رات گزر چکی ہے عاتکہ اور بھائی جان کا کچھ معلوم نہیں کہ وہ کہاں چلے گئے اور تم نے آپریشن تو آپریشن مجھے ان کی گمشدگی کی اطلاع بھی نہیں دی...... آخر وہ میرے بھی اتنے ہی سگے بھائی ہیں جتنے تمہارے۔" عاتکہ نے صادقہ کی تقریر سن لی تھی یہی بہت کافی تھا۔ ان کے دونوں بیٹے بھی واپس آ کر وہیں کھڑے ہو گئے تھے۔ چہرے کی مایوسی بتا رہی تھی کہ کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔ عاتکہ نے ساری ہمت جمع کرتے ہوئے آخری پتا پھینکا۔

"ساری عمر ہماری اولاد اور ہم نے ان کی خدمت کی اب آخری عمر میں یہی صلہ ملنا تھا سو مل گیا۔ نیکی برباد گناہ لازم۔" وہ مصنوعی آنسو آنکھوں میں لے آئیں۔

"عاتکہ اگر تم نے کوئی سچی نیکی کی ہوتی تو کبھی برباد نہ جاتی۔ تم نے تو بھائی جان اور بھابی کو اپنے مطلب کے لیے رکھا ہوا تھا۔ انہوں نے اپنا گھر بار، نوکری تمہاری اور تمہارے بچوں کی خاطر چھوڑی۔ اچھے خاصے ملتان میں رہ رہے تھے۔ میں نے انہیں اس وقت بھی کتنا سمجھایا تھا کہ بھائی جان یہ بے وقوفی نہ کریں مگر وہ تو بہن کی محبت میں قربان ہو گئے اور تم نے یہ صلہ دیا۔" عاتکہ حیران تھی کہ بھائی جان کی گمشدگی کا آپا کو کیسے پتا چلا وہ سر پکڑ کر رہ گئیں۔

"خالہ جان آپ کو کیا ہو گیا ہے۔ امی تو پہلے ہی پریشان تھیں آپ نے اور پریشان کر دیا۔" دونوں بیٹے ماں کے پاس آ کر بیٹھ گئے۔

"کچھ نہیں ہوا ہے ایسے ہی مکر کر رہی ہے۔ ہمیشہ سے یہ ایسے ہی ڈرامے کرتی آئی ہے مجھے پوچھو میرا تو پورا بچپن، جوانی اس کے ساتھ گزری ہے جب مجھے نیچا دکھانا ہوتا تھا تو ایسی ایسی چالیں چلتی تھی کہ اللہ کی پناہ اور جب خود پر بات آتی تھی

تو رونا شروع کر دیتی تھی۔" اس وقت آپا بہن کے سارے حساب کتاب چکانے کے موڈ میں تھیں۔ اتنے میں فرہاد آ گیا۔

"چلیں امی، ابو انتظار کر رہے ہوں گے۔" اس نے آتے ہی حالات کی سنگینی کو محسوس کر لیا تھا۔

"بیٹا بھائی جان کا آپریشن تھا، وہ آپریشن کے بعد گھر نہیں پہنچے ہیں۔ اب جب تک وہ واپس نہیں آ جاتے میں اپنے گھر نہیں جاؤں گی۔ ہائے میرا بھائی جانے کہاں چلا گیا۔" وہ بھی سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔

"فرہاد بیٹا میں اور تمہارے بھائی کل سے انہیں ڈھونڈ رہے ہیں، آپا جان تو ایسے کہہ رہی ہیں جیسے سارا قصور ہمارا ہی ہے۔ ہم نے انہیں ڈھونڈنے کی کوششیں نہیں کی۔" عاتکہ نے ہمت کر کے بھانجے سے کہا۔

فرہاد بھی ایسے بن گیا جیسے واقعی اسے کچھ خبر ہی نہ ہو مگر اتنے بڑے سانحے کے بعد بھی عاتکہ شکست خوردہ نظر نہیں آ رہی تھیں۔

"جی خالہ جان آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں، کسی نے توجہ تک نہ دی اس تمام واقعے کے دوران بھابی جان چپکے سے وہاں سے کھسک لی تھیں۔

"سنو بیٹا اگر خالہ کی ہاں میں ہاں ملا چکے ہو تو پولیس اسٹیشن جا کر پہلے تو بھائی جان کی گمشدگی کی رپورٹ لکھواؤ پھر اخبار میں اشتہار و انعام کا بھی لکھ دینا اور تصویر جو میرے سرہانے لگی ہوئی ہے وہ دینا۔ بہت ہمت کر کے آئی ہے۔" صادقہ نے بیٹے سے کہا۔

"کیا تم نے رپورٹ بھی نہیں لکھوائی ہے اور اشتہار تو دینا ہی چاہیے تھا۔" فرہاد نے سہیل سے کہا۔ دونوں بیٹوں نے بے بسی سے ماں کی طرف دیکھا۔

"امی نے منع کیا تھا۔" سہیل نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

"ارے یار اپنی عقل بھی کچھ ہوتی ہے کب تک ماں کی انگلی پکڑ کر چلتے رہو گے۔ تمہیں معلوم ہے ایسے معاملات میں پولیس سے حقائق چھپانے کے نتائج کیا ہوتے ہیں۔ پولیس الٹا گھر والوں کو ہی پریشان کرنے لگتی ہے۔"

"کیا، کیا ہوتا ہے فرہاد بیٹے؟" عاتکہ کو تو جیسے کرنٹ لگ گیا۔

"خالہ جان پولیس گھر والوں کو پوچھ گچھ کے لیے روک لیتی ہے۔ تھانے میں بند کر لیتی ہے۔ پہلے گھر والوں ہی پر تو شک کیا جاتا ہے۔"

"ہائے اللہ مجھے کیا معلوم تھا، وہ تو گھر کی بدنامی کا ڈر تھا۔ اخبار میں اشتہار آ گیا تو لوگ پوچھ پوچھ کر ہی مار ڈالیں گے۔ گلنار کی سسرال والے جان کھا جائیں گے۔ بیٹا گلنار تمہاری بھی تو بہن ہے۔ تم ہمارے بچوں کے بڑے بھائی ہو، سمجھدار ہو پولیس میں جان پہچان ہے کوشش کرو کہ یہ بات چھپی رہ جائے ورنہ بڑی بدنامی ہوگی۔" وہ تو فرہاد کے سامنے ہاتھ جوڑے کھڑی تھیں۔

"واہ عاتکہ تمہیں اپنی بدنامی کا خیال ہے میرے بھائی کی کوئی فکر نہیں۔" صادقہ نے طنزیہ انداز اختیار کیا۔ "تمہیں صرف اپنی عزت کا خیال ہے اس شخص کی کوئی فکر نہیں ہے جو نہ جانے کہاں بھٹک رہا ہوگا۔ ہائے اللہ میرے بھائی کو لاوارثوں کی طرح اکیلے بھیج دیا۔ یہ سگی بہن ہے ایسا سلوک تو سوتیلے بھی نہیں کرتے۔" صادقہ اب بھی عاتکہ سے مخاطب ہو کر کھری کھری سنا رہی تھیں۔

عاتکہ کی سمجھ میں آ گیا کہ اب یہ بیل منڈھے نہیں چڑھے گی۔ کہہ تو صادقہ ٹھیک رہی تھیں عاتکہ کا سارا غرور و تکبر خاک میں مل گیا تھا۔ اتنی باتیں سننے کے بعد اُن کے بیٹے بھی شاکی نظروں سے ماں کو دیکھ رہے تھے۔ تبھی بڑے والے نے کچھ ہمت کر کے کہا۔

"اماں! خالہ ٹھیک کہہ رہی ہیں ہمیں پولیس میں رپورٹ کر دینی چاہیے۔ پہلے ہی خاصی دیر ہو چکی ہے۔ بے چارے ماموں جان کہاں بھٹک

WWW.PAKSOCIETY.COM

رہے ہوں گے۔" دوسرے نے بھی بھائی کی ہاں میں ہاں ملائی۔

"اماں، ماموں جان نے بچپن سے ہمارا بہت ساتھ دیا ہے لیکن آپ نے کبھی ان کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا۔ نوکر سے زیادہ حیثیت نہیں تھی ان کی اس گھر میں۔ اماں وہ ہم سے ناراض ہو کر گئے ہیں۔ بھائی میں دبے، دبے لفظوں میں پہلے بھی اماں سے کہتا تھا کہ ماموں اور ممانی کو کم از کم اتنی اہمیت تو دیں جتنی اپنے رشتے دار کو دی جاتی ہے مگر اماں تو میری سنتی نہیں تھیں۔ اب دیکھ لیا انجام۔ خالہ جان، میں اس سلسلے میں بالکل بے قصور ہوں۔ بھائی اور اماں سارے فیصلے کرتے تھے۔" اس نے خود کو اس سارے معاملے سے علیحدہ رکھتے ہوئے خالہ سے کہا۔ دونوں ماں بیٹے نے اس کی طرف دیکھا جو صفِ دشمناں میں کھڑا تھا۔

"میرا کیا قصور ہے۔ بھائی تو وہ اماں کے تھے وہ جو چاہیں سلوک کرتیں۔ میں تو کچھ سلوک کرنا بھی چاہتا تھا تو اماں منع کر دیتی تھیں۔" بڑا بھی چھوٹے بھائی کا حمایتی بن گیا۔

اب عاتکہ کو احساس ہوا کہ واقعی جو کچھ ہوا ہے اس میں سارا قصور اُن کا ہی ہے اب ہتھیار ڈالنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کیونکہ اب وہ اکیلی پڑ گئی تھیں۔

"آپا جان مجھے معاف کر دیں، واقعی مجھ سے غلطیاں ہوئی ہیں۔ ایک بار بھائی جان مل جائیں تو میں اُن سے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگ لوں گی۔ جاؤ تم لوگ جاؤ کسی بھی طرح انہیں ڈھونڈ کر لاؤ۔ رپورٹ لکھواؤ یا اشتہار دو جو جی چاہے کرو۔ میں لوگوں کے سوالات کا سامنا کر لوں گی۔" عاتکہ کسی ہارے ہوئے جواری کی طرح سر تھام کر بیٹھ گئی تھیں۔

"بھابی جان چلیں۔" صادقہ نے دور بیٹھی بھاوج کو آواز دی۔ وہ اپنا چھوٹا سا بیگ اٹھائے چلی آئیں۔

"اب یہ کہاں جا رہی ہیں؟" عاتکہ نے چونک کر پوچھا۔

"یہ میرے ساتھ جا رہی ہیں کیونکہ آج تک کبھی یہ بھائی جان کے بغیر نہیں رہیں اور وہ بھی انہیں یاد کر رہے ہیں۔ جہاں میاں رہتے ہیں وہیں بیوی رہے گی۔ ان کا اکیلے یہاں کیا کام۔"

"چلیں ممانی جان۔" فرہاد نے ان کا بیگ اٹھاتے ہوئے کہا۔ وہ فرہاد کے ساتھ، ساتھ چل دیں۔

عاتکہ اور اُن کے بیٹوں نے غور سے انہیں جاتے دیکھا۔ یہ تو کبھی اپنے کمرے میں بھی عاتکہ کی اجازت کے بغیر نہیں گئی تھیں اور آج فرہاد کے ساتھ سامان اٹھا کر کس تیزی سے چل دیں۔

عاتکہ، بھابی جان، بھابی جان بات تو سنیں۔ کہتی ہی رہ گئیں۔

"آپا جان یہ کیا قصہ ہے، کیا آپ لوگوں کو معلوم ہے کہ بھائی جان کہاں ہیں؟" وہ گڑبڑا گئیں۔ صادقہ کا اطمینان اور ان کی مسکراہٹ بتا رہی تھی کہ معاملہ سیدھا نہیں ہے اندر کچھ ضرور ہے جو اُن سے چھپایا گیا ہے۔

"میرا دل بند ہو جائے گا آپا تم سچ کیوں نہیں بتا رہی ہو؟"

"تم اس قابل نہیں ہو عاتکہ کہ تم کو سچ بتایا جائے۔ وہ تو گلنار بیٹی کی خوشی کا معاملہ تھا۔ جو تمہیں اتنی کم سزا ملی ہے ورنہ تم تو بہت بڑی سزا کی مستحق تھیں۔ بیٹی کی عزت اور خوشی سب کی سانجھی ہوتی ہے۔ اخبار میں بھائی جان کی گمشدگی کا اشتہار لگتا تو دس لوگ ہمدردی کرتے تو بیس باتیں بھی بناتے۔ میں نے تم لوگوں کی عزت کا خیال کیا...... اب سن لو کہ بھائی جان میرے پاس ہیں لیکن اب میں انہیں کبھی تمہارے گھر نہیں بھیجوں گی۔ یہ میرا حتمی فیصلہ ہے۔" صادقہ بیگم بھاوج کو لے کر روانہ ہو گئیں۔ عاتکہ اور دونوں بیٹے منہ تکتے رہ گئے۔

☆☆

سنبلہ کو نہ جانے صفائی کا اتنا جنون کیوں تھا جو وقت کے ساتھ ساتھ کم ہونے کے بجائے بڑھتا ہی چلا جا رہا تھا حالانکہ گھر میں ایک نہیں دو، دو ملازمائیں تھیں جو ہر وقت گھر کے کام کاج میں لگی رہتیں، سنبلہ اُن کے سر پر کھڑی ہو کر صفائی اور ڈسٹنگ کروایا کرتی تھیں، ان کی تنقیدی نظریں گھر کی چھتوں میں اٹکے جالوں سے لے کر بیڈ پر بچھی چادروں کی شکنوں تک میں گڑی رہتیں۔ ایک، ایک ڈیکوریشن پیس وہ اپنی نگرانی میں صاف کرواتی تھیں ان کی باریک بین نظریں کونوں کھدروں میں چھپا کوڑا بھی تاڑ لیتیں جو کبھی کسی ریپر کی صورت ہوتا یا کوئی ایک آدھ فروٹ کا چھلکا اور تب تک انہیں چین نہیں آتا جب تک اسے کونے سے اٹھا کر کوڑے دان میں نہیں ڈال دیتیں۔ ابھی ملازمہ صفائی اور ڈسٹنگ سے فارغ ہوئی تھی اور ہاتھ دھو کر کسی اور کام میں لگ گئی تھی۔ دوسری ملازمہ روبی بھی واش روم دھو کر باہر نکلی اور

جیسے کو تیسا

فوزیہ احسان رانا

WWW.PAKSOCIETY.COM

صاف ستھرے چہرے کے ساتھ وہ اپنے بکھرے بال سمیٹ رہی تھی۔ سنیلہ نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا روبی کی تیزی اور پھرتی سنیلہ کے من کو بہت بھاتی تھی اور اوپر سے اس کا صاف ستھرا رہنا...... کام بھی بہت دل لگا کر کرتی تھی اس کی بغیر کہے بات کو سمجھنے کی صلاحیت سنیلہ کو بہت بھاتی تھی۔ اس کے علاوہ وہ ہر کام سلیقے اور صفائی سے کرتی تھی۔

"روبی گیراج کی بھی صفائی کرنی ہے بیٹا اور گلی کو بھی صاف کرنا ہے۔" سنیلہ نے ڈسٹنگ والا کپڑا اب خود اٹھا رکھا تھا اور گلاس وال پر آہستہ روی سے اسے پھیرتے ہوئے گرد سمیٹ رہی تھیں۔

"جی میں کرتی ہوں۔" روبی نے مستعدی سے جھاڑو اٹھائی اچانک سنیلہ کی نظریں روبی کے بری طرح بھیگے ہوئے پائنچوں میں الجھ کر رہ گئیں جن سے قطرہ قطرہ پانی رس رہا تھا۔ اک ناگواری کی تیز لہر سنیلہ نے اپنے اندر اٹھتی ہوئی محسوس کی مگر وہ بہت معاملہ فہم خاتون تھیں۔ عجلت اور جلد بازی کا مظاہرہ کبھی نہیں کرتی تھیں اسی لیے اپنی ناگواری کو مہربان مسکراہٹ تلے چھپا گئیں۔

"روبی بیٹا گیلے فرش کو خشک کر دو وائپر سے۔" سنیلہ اب چھت پر لگا واحد چھوٹا سا جالا اتارنے کی کوشش کرتے ہوئے روبی سے مخاطب ہوئی تھیں۔ وہ جالا شاید روبی کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا تھا۔

روبی نے دیکھا کہ جہاں جہاں اس کے قدموں کے نشان تھے وہیں وہیں سے فرش گیلا ہو رہا تھا، وہ شرمندہ سی ہو گئی اور جلدی سے پوچا اٹھا کر فرش خشک کرنے لگی۔

"روبی دیکھو فرش خشک رکھنا اس لیے بھی ضروری ہوتا ہے کہ بعض اوقات سنگِ مرمر پر گرا پانی کا ایک قطرہ بھی پھسلن کا باعث بن سکتا ہے۔" سنیلہ یہ کہتے ہوئے بدستور اپنے کام میں جتی ہوئی تھیں۔ ان کی اسی خاصیت کی وجہ سے یہ دونوں ملازمائیں کئی سالوں سے ان کے گھر میں کام کر رہی تھیں اور عام نوکرانیوں کی طرح جلدی نہیں مچاتی تھیں جب تک کام پورا نہ ہو جاتا اور سنیلہ مطمئن نہ ہو جاتی وہ رخصت نہ لیتیں۔

"میں اب گلی کی صفائی کر لوں باجی؟" روبی نظریں جھکائے اجازت طلب کر رہی تھی۔ گلی ہر دوسرے دن صاف کی جاتی تھی۔ بھلا ہو سامنے والی کا کہ اپنے گھر کا سارا کچرا اٹھا کر باہر ہی پھینک دیتی اور وہ سارا دن اُڑتا رہتا اور سنیلہ کے گیٹ کے سامنے جمع ہو جاتا۔

"نہیں، پہلے اپنے پائنچے خشک کرو پھر گلی میں جھاڑو دینا کیونکہ جب گرد اڑے گی تو وہ گیلے پائنچوں سے چپک جائے گی ایک تو تمہارے کپڑے خراب ہو جائیں گے اور تمہارے قدموں کے ساتھ ساتھ مٹی بھی گھر میں آئے گی۔ پائنچے اور چپلیں خشک کر لو پھر باہر گلی میں جھاڑو لگا دینا۔" سنیلہ جالا اتارنے میں کامیاب ہو چکی تھیں حالانکہ یہ دونوں روز آتی تھیں مگر سنیلہ کی صفائی کی فطرت کو کیا کہیے ان کی تسلی نہ ہو پاتی، بالآخر وہ خود غسلخانے کی طرف چل دی تھیں۔

☆☆☆

سنیلہ ایک اسکول ٹیچر تھیں ان کے دو بیٹے ریحان اور صفوان شادی شدہ تھے۔ دونوں ہی اپنے بیوی بچوں کے ساتھ شہر میں رہتے تھے۔ سنیلہ اپنے میاں فرقان صاحب کے ساتھ ان کے آبائی علاقے میں رہتی تھیں۔ ان کا بہت عالیشان گھر تھا۔ زندگی کی تمام آسائشات انہیں میسر تھیں۔ سنیلہ ہائی اسکول کی ہیڈ مسٹریس تھیں اور اب ریٹائرمنٹ کے قریب...... ان کی ماہانہ آمدنی ان دونوں میاں بیوی کے خرچوں سے کہیں بڑھ کر تھی۔ بچے بھی اپنے تئیں ماں، باپ کا بہت خیال رکھتے تھے۔ دونوں نے ان کی بہت اچھی تربیت کی تھی۔ دونوں میاں بیوی مطالعے کے بے حد

WWW.PAKSOCIETY.COM

شوقین تھے۔ فارغ اوقات میں مختلف کتابوں کا مطالعہ کیا کرتے اور کتاب کے اختتام پر وہ دونوں متن پر تبادلۂ خیال کرتے تھے سیر حاصل بحث بھی ہوتی مگر تکرار سے وہ دونوں ہی کتراتے تھے۔ دونوں ہی انتہائی نفیس طبیعت کے حامل تھے کہ کبھی اپنی رائے ایک دوسرے پر ٹھونسنے یا پھر اپنی بات منوانے کے لیے بھی ڈھٹائی یا ہٹ دھرمی کا مظاہرہ نہیں کیا...... یہی وجہ تھی کہ اپنے ماتحت لوگوں سے بھی نہایت شفقت اور محبت سے پیش آتے۔

☆☆☆

موسم بہت کہر آلود تھا بہت دنوں کے بعد ہلکی سی دھوپ افق کے سینے پر نمودار ہوئی تھی مگر وہ کھلی تمازت لیے دھوپ بھی آسمان پر ٹھہر نہیں رہی تھی کبھی اپنی جھلک دکھلا کر روح و بدن کو شانت کرتی مگر اگلے ہی پل اس پر بادلوں کا سایہ ہو جاتا۔ ایسے ہی نم نم موسم میں وہ دونوں... ٹی وی لاؤنج میں بیٹھے مونگ پھلیوں اور چلغوزوں سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ سردیوں میں خشک میوہ جات کی بہاریں اور کافی کے گرما گرم گھونٹ موسم کا لطف دوبالا کر دیتے ہیں۔ آج شدت کی سردی کے باعث سنیلہ اسکول نہیں جا سکی تھیں، آج انہیں اپنے گھٹنوں میں شدید درد بھی محسوس ہو رہا تھا اسی لیے وہ صوفہ کم بیڈ پر کمبل میں دبکی بیٹھی تھیں ورنہ وہ اسکول جانے سے پہلے بھی اور اسکول سے آنے کے بعد بھی مختلف کاموں میں خود کو مشغول کیے رکھتیں مگر آج ملازمہ انہیں وہیں دوبار وقفے وقفے سے چائے دے گئی تھی۔

"باجی، وہ گلی میں آج پھر سامنے والی بشریٰ نے کوڑا کرکٹ اور پھلوں کے چھلکے پھینکے ہوئے ہیں وہ بھی بالکل ہمارے دروازے کے سامنے۔" روبی نے ان کے سامنے آکر بتایا اور اب منتظر نظروں سے سنیلہ کو دیکھنے لگی۔ سنیلہ نے ایک سرد آہ بھری دکھ اور تاسف سے سر ہلایا کچھ دیر سوچتی رہیں پھر ملازمہ کو

محبت یاد آئی ہے

سنو
دسمبر کے آتے ہی
تمہاری یاد گُہر بن کر میری آنکھوں میں
چھائی ہے
میرے دل کے نہاں خانوں میں
تیری تصویر چپکے سے مسکرائی ہے
محبت یاد آئی ہے

شاعرہ: یاسمین گل، لاہور

دیکھ کر بولیں۔

"ایسا کرو تم سارا کوڑا اکٹھا کر لو بیٹا اور گلی کو صاف ستھرا کر دو۔ اب یہ تو ان کا روز کا معمول ہے، کیا کر سکتے ہیں۔" سنیلہ بولیں تو وہ ان کے حکم کی تعمیل کے لیے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے باہر نکل گئی۔

"پتا نہیں یہ بشریٰ بھی کس قسم کی خاتون ہیں گھر کی صفائی کرنے کے بعد سارا گند ہمارے دروازے کے سامنے لگا دیتی ہیں۔" سنیلہ نے تاسف سے سر جھٹکا۔

"تو پھر اُن خاتون کو سمجھاتی کیوں نہیں کہ یوں اپنی ہی گلی کو گندا نہیں کرتے اور صاف ستھرے گھروں کے آگے گند برا لگتا ہے دوسرے پھلوں کے چھلکوں پر مکھیاں بھنبھناتی ہیں حفظانِ صحت کے اصولوں کو بھی مدِنظر رکھنا چاہیے یہ ہمارا اخلاقی فرض ہے۔" جو بات فرقان صاحب کہہ رہے تھے وہ سنیلہ کی سمجھ میں تو اچھی طرح سمائی ہوئی تھی مگر بشریٰ کی سمجھ سے بالاتر تھی۔

"میں نے ہر طرح پیار سے، التجا سے منع کر کے دیکھ لیا مگر وہ باز ہی نہیں آتی۔ الٹا مجھے کہتی ہیں کہ اپنا لیکچر اسکول ہی چھوڑ کر آیا کریں اپنی عالمیت مجھ پر مت جھاڑا کریں وغیرہ وغیرہ...... بھئی بہت بدتمیز اور منہ پھٹ عورت ہے بڑے چھوٹے کا کوئی لحاظ

نہیں ہے۔" سنیلہ کو گھٹنوں میں بہت درد محسوس ہو رہا تھا مگر وہ فرقان صاحب کی پریشانی کے خیال سے برداشت کر رہی تھیں۔ دوا بھی کھا چکی تھیں مگر تا حال افاقہ نہیں ہوا تھا ان کے چہرے پر ہلکا سا تکلیف کا اثر نظر آ رہا تھا۔

"بس ایسے لوگوں کے ساتھ صبر کے سوا کوئی چارہ نہیں بدکلامی کرنے والے کے ساتھ بدکلامی کرنا ہمارے بس کی بات نہیں۔ نہ بابا نہ...... ہم ان کی سطح پر نہیں آ سکتے اسی لیے خاموش ہو جاتے ہیں۔"

"سنیلہ آپ اٹھیں ہم ڈاکٹر کے پاس چلتے ہیں۔" فرقان صاحب اچھی طرح جانتے تھے کہ وہ درد سہنے کے چکر میں ادھ موئی ہوئی جا رہی ہیں۔ فرقان صاحب نے ان کا ہاتھ پکڑ کر زبردستی انہیں اٹھایا وہ کہتی رہیں میں نے دوا لے لی تھی مگر انہوں نے سنیلہ کی ایک نہیں سنی چار و ناچار سنیلہ کو آمادہ ہونا ہی پڑا حالانکہ وہ ڈاکٹر کے ہاں کے چکروں سے بہت گھبراتی تھیں۔

☆☆☆

سردیوں کا ہڈیوں میں سرایت ہوتا موسم اور اس پر بڑھاپے کی جانب گامزن وجود اپنے اندر طاقت، توانائی، قوتِ مدافعت کھوتے جا رہے تھے۔ فرقان صاحب پر بھی موسم نے ایسا اثر کیا کہ وہ شدید بیمار پڑ گئے ان کے دونوں بیٹے اپنی بیویوں سمیت گاؤں آ گئے تھے اور اب سنیلہ کو بستر پر بٹھا کر بہوؤں نے سارا کام سنبھال لیا تھا۔ دونوں ملازمائیں جو تھیں وہ کافی مستعد تھیں۔ ان کے بیٹے شہر کے بہترین ڈاکٹرز سے والدین کا علاج معالجہ کروا رہے تھے گھر میں رونق ہو گئی۔ بچوں کی آوازیں اب گھر میں گونجنے لگی تھیں۔ ہر وقت ماں، باپ کو شہر آ جانے اور وہیں رہنے کا کہتے رہتے مگر وہ لوگ اپنا گاؤں، اپنا گھر چھوڑ نہیں سکتے تھے جہاں ان کی بہت ساری یادیں تھیں۔

☆☆☆

اس روز سنیلہ کی بڑی بہو کھانا بنا رہی تھی جبکہ چھوٹی ملازمہ سے ڈسٹنگ کروا رہی تھی تبھی سنیلہ نے دیکھا کہ روبی نے چھوٹی بہو سے آ کر کچھ کہا ہے اور چھوٹی بہو کا چہرہ تن گیا اور وہ روبی کے پیچھے پیچھے چل پڑی، سنیلہ حیران تھیں کہ روبی نے ایسا کیا کہا جو چھوٹی بہو اتنی عجلت اور اشتعال میں باہر کی جانب لپکی۔ چند ثانیے ٹھہر کر سنیلہ بھی اُن کے پیچھے چل پڑیں۔

"آپ کو شرم آنی چاہیے اپنی گلی کو آلودہ کرتے ہوئے۔" چھوٹی بہو کی آواز سنیلہ کے کانوں تک پہنچی سنیلہ نے دور سے ہی کھلے دروازے سے دیکھا روبی جھاڑو لگا رہی تھی جبکہ بشریٰ اپنے دروازے کی چوکھٹ میں کھڑی تھی۔

"نہیں آتی شرم، کیا کر لوگی؟" بشریٰ شرمندہ ہونے والوں میں سے نہیں تھی، تنک کر دو بدو بولی۔

روبی گلی سے کوڑا اٹھا کر ٹوکری میں ڈال رہی تھی یکایک چھوٹی بہو جوشِ جذبات میں باہر نکلی ٹوکری اٹھائی اور بشریٰ کو دھکیلتی اس کے گھر میں گھس گئی اور سارا کوڑا اندر جا کر اس کے صحن میں بکھیر دیا۔

"لحاظ مروت کا تو زمانہ ہی نہیں، دوبارہ ہمارے دروازے کے سامنے کچرا پھینکا تو سارا اکٹھا کر کے تمہارے سر میں ڈال دوں گی' ہونہہ جگہ گیری کرتی ہے۔" چھوٹی بہو پھنکارتی گھر واپس آ گئی۔ سنیلہ انگشت بدنداں رہ گئیں۔ بشریٰ حیرت کے سمندر میں غوطہ لگا کر ابھری پھر جھاڑو اٹھا کر اپنا صحن صاف کرنے لگی۔ سنیلہ بہو کے واپس پلٹنے سے پہلے ہی اپنی جگہ پر واپس بیٹھ چکی تھیں واقعی جیسے کو تیسا اسی کو کہتے ہیں۔

"امی ذرا ادھر تو آئیے۔" اگلے دن صبح چھوٹی بہو سنیلہ کو اپنے ساتھ لیے باہر گیٹ تک آئی۔ باہر کا منظر سنیلہ کے لیے ناقابلِ یقین تھا۔ بشریٰ کے دروازے پر بڑا سا ڈھکن والا ڈسٹ بن رکھا ہوا تھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

مکمل ناول

پارس

نمرہ احمد

تیسرا حصہ

''شکیل!'' اس کی آواز بہ مشکل نکل پائی۔ سیاہ پینٹ کوٹ اور پیلی شرٹ میں ملبوس، گھنی مونچھوں اور شاطر آنکھوں والا شکیل اسے اندر آتے دیکھ کر مسکراتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

''ہاں، میں ...... کیا اچھا نہیں لگا میرا آنا؟'' پارس نے خالی خالی نظروں سے اسے دیکھا اور پھر فیروزہ مائی کو جو بیٹے کی اچانک آمد پر خوش بھی تھی اور حیران بھی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

''نہیں...... کیسے ہو؟'' وہ دھیمی آواز میں کہتی کھڑے کھڑے ہی پوچھنے لگی۔ ابھی تک وہ سنبھل نہیں پائی تھی۔

''کیسا ہونا ہے؟ پیسے نہیں تھے، سارا کاروبار ٹھپ ہوگیا، سب چھوڑ کر واپس آنا پڑا۔'' الفاظ کے برعکس وہ خوشدلی سے کہہ رہا تھا۔ ''سوچا بہن کے گھر کچھ دن رہ لوں، عیش کرلوں، پھر پنڈی میں کوئی نوکری ڈھونڈتا ہوں، ماں کو بھی ساتھ ہی لے جاؤں گا۔ ساری زندگی تم نے پالا ہے، اب مزید تم پہ کہاں بوجھ بنیں۔'' فیروزہ مائی ہکا بکا سی اسے دیکھ رہی تھی۔ شکیل کیا کہہ رہا تھا، اس کی سمجھ سے باہر تھا، پارس نے... بہ مشکل اثبات میں سرہلایا۔

''جیسے تم چاہو، مجھے ذرا کام ہے پھر ملاقات ہوتی ہے۔'' وہ جانے کے لیے مڑی۔ اسی پل افضل بابا چائے کی ٹرالی دھکیلتا اندر داخل ہوا۔

''ستو بابا، میرے لیے کوئی اچھا سا کمرا سیٹ کرادو اور میرے بیگ سے سارا سامان نکال کر الماریوں میں لگادو، ابھی تو کچھ دن ہوں میں اِدھر۔'' واپس صوفے پر آرام سے ٹیک لگائے اور ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر بیٹھتے ہوئے شکیل بولا تھا۔

پارس بہ مشکل ضبط کرتی باہر آئی پھر پلٹ کر ستون کی اوٹ سے جالی دار پردے کے پار دیکھا۔ وہ ایسے بیٹھا تھا جیسے اس کے باپ کا گھر ہو۔ پردے کی جالی سفید تھی اور اس میں پھولدار سیلف پرنٹ بنا تھا۔ پھول بوٹوں کے درمیان بہت سے خالی سوراخ تھے۔ لمحے بھر کا عمل تھا کہ ان سوراخوں میں رنگ بھرنے لگے۔ بس سیاہ، سفید اور سرمئی رنگ، بلیک اینڈ وائٹ فلم......

''میں اچھی طرح پہچانتا ہوں یہ کوڈ...... یہ انگلینڈ کا نمبر ہے۔ کس نے فون کیا ہے انگلینڈ؟'' وہ کانوں سے نیچے تک آتے بالوں والا لڑکا ایک کاغذ پڑھتے ہوئے غصے سے بول رہا تھا۔

سامنے کھڑی بالیوں والی لڑکی کا رنگ سفید پڑچکا تھا جیسے وہ کوئی مردہ لاش ہو۔ اگر اس وقت کوئی اسے چھوکر دیکھتا تو شاید وہ برف سے زیادہ ٹھنڈی ہوتی۔

''امی نے نہیں کیا، میں نے نہیں کیا...... پھر تو نے ہی کیا ہوگا۔ بول۔ کس کو کیا ہے فون؟'' وہ سرخ بھبھوکا چہرہ لیے غرّایا تھا۔ ساتھ ہی بل پرے پھینکا۔ ہوا نے کاغذ کے ٹکڑے کو چند غوطے دیے اور وہ پارس کے قدموں میں آن گرا۔ پارس اسی طرح ہولے ہولے کانپتی شکیل کو دیکھ رہی تھی۔ الفاظ لبوں سے نکل ہی نہیں رہے تھے۔

''اسی شجاع کو کیا ہوگا اور کسے کرے گی...... ہونہہ۔'' فیروزہ مائی قہر آلود آنکھوں سے اسے دیکھتی بولی۔ ''دیدہ دلیری تو دیکھو۔ گھر کے فون پہ اپنے اس...... سے باتیں کرتی ہے اور سمجھتی ہے کسی کو پتا نہیں چلے گا۔'' فیروزہ مائی نے گھٹیا انداز میں کہا۔

''بتا، کیوں کیا تھا فون؟ کیوں بات کرتی ہے اس سے؟'' شکیل آگے بڑھا اور اس کی پونی سے پکڑ کر بالوں کو جھٹکا دیا۔ سفید برف کے مجسمے کی چیخ نکلی۔

''بس ایک بار کیا تھا، امی مجھے معاف کردو۔ صرف ایک بار......'' وہ کراہنے لگی مگر شکیل تابڑتوڑ اس کے سر، چہرے اور گردن پر تھپڑ مارنے لگا۔ اس کی چیخیں، سسکیاں اور کراہیں بلند ہوتی گئیں۔ وہ وہیں صحن میں گر گئی شکیل کے قدموں میں اور وہ اسے ٹھڈوں اور تھپڑوں سے مار رہا تھا۔ فیروزہ مائی چارپائی پہ بیٹھی تماشا دیکھ رہی تھی۔

''طبیعت صاف کردے آج اس کی۔ بہت برداشت کرلیا ہم نے۔ مجھے تو یقین ہے کہ اس ٹٹ پونجیے کو باہر جانے کے لیے پیسے بھی اسی نے دیے ہوں گے۔'' وہ بولی تو صرف اتنا۔

''نہیں...... امی...... میری بات سنو...... بھائی پلیز......'' شکیل غصے میں چیختا اور زور سے اسے مار رہا تھا، وہ آہوں اور سسکیوں کے درمیان کچھ بولنے کی سعی کرتی رہ گئی مگر وہ نہیں رکا۔ دھندلے ہوتے منظر میں اسے اتنا ضرور نظر آیا تھا کہ صحن کی دیوار کے اوپر سے شجاع کی بہنیں جھانک رہی تھیں...... پھر دھند سی ہر سو چھاتی گئی...... گیلی دھند...... جالی دار دھند......

جالی دار پردے کے پار شکیل جھک کر ٹرالی سے پیسٹری اٹھا رہا تھا۔ پارس نے چبھتی ہوئی نگاہوں سے اسے دیکھا اور بہ مشکل خود کو calm down کرتے ہوئے تلخی سے مسکرائی۔

''رہو کچھ دن ہمارے ساتھ شکیل کیونکہ خدا کی قسم، میں کچھ نہیں بھولی۔'' زیرلب بڑبڑا کر وہ پلٹ گئی۔

☆☆☆

پتھروں کا بنا بڑا سا بنگلا عرصے بعد آباد نظر آرہا تھا۔ مخروطی چھت، اونچے ستونوں کا طویل برآمدہ اور سامنے کھلا سا لان جو ڈھلان کے اوپر بنا تھا۔ برآمدے میں کھڑے ہوکر دیکھو تو دور، دور تک پھیلی پہاڑیاں دکھائی دیتی تھیں۔ وہ گھر بلاشبہ پارس کے گھر سے کہیں بڑا اور خوب صورت تھا۔

سویرا سینے پہ بازو لپیٹے برآمدے میں کھڑی تھیں۔ ان کی چھوٹی، چھوٹی آنکھیں دور کچھ دیکھ رہی تھیں۔ فربہ مائل سراپا، کیچر میں نفاست سے بندھے بال اور چبھتی ہوئی نگاہیں ان کی پوری شخصیت کو بیان کررہی تھیں۔

خاموشی میں ارتعاش پیدا کرنے والی آواز ان کے موبائل کی تھی۔ وہ چونکیں اور پیچھے دیکھا جہاں میز پہ رکھا موبائل بج رہا تھا۔ وہ آگے آئیں، موبائل اٹھایا اور کان سے لگایا۔

''بولو فیضی۔''

''میں راستے میں ہوں، بس دس منٹ تک پہنچ جاؤں گا۔''

''تمہیں یقین ہے کہ ہماری بھابی نے تمہارے پیچھے جاسوس نہیں چھوڑ رکھے؟''

''خواجہ صاحب کو لاہور فون کرکے تصدیق تو کرنے کی کوشش کی ہے محترمہ نے مگر خواجہ صاحب پکے رہے۔ فی الحال میں احتیاط کررہا ہوں، سو ڈونٹ وری۔''

سویرا نے فون بند کردیا اور وہیں کرسی پہ بیٹھ گئیں۔ ذرا دیر بعد ملازمہ چائے کا پوچھنے آئی تو انہوں نے انکار کردیا۔ بار بار کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھتے ہوئے وہ فیضی کا انتظار کررہی تھیں۔ انہیں پارس سے ملنے جانا تھا۔

آگے کا لائحہ عمل ذہن میں بار بار دُہراتی، وہ بے توجہی سے لکڑی کی میز کے گلاس ٹاپ کو دیکھ رہی تھیں جس میں چھت کا عکس جھلک رہا تھا۔ بیل، بوٹے، اسپاٹ لائٹس سب میز کے شیشے کے اوپر چھپ گیا تھا۔ نگاہیں ان پہ مرکوز کیے، وہ ان نقش و نگار کا تعاقب کرنے لگیں۔ بیل کہاں شروع ہوئی، پھول کہاں ختم ہوا، سب بھول بھلیاں بنتا گیا اور وہ خود کو اس میں کھونے لگیں......

رضوان حیات نے خاموشی سے انہیں دیکھا جیسے اُن کے بولنے کے منتظر ہوں، وہ جو اتنی دیر اِدھر اُدھر کی تمہید باندھ رہی تھیں۔ اب بالآخر بات کو منزل تک پہنچتے دیکھ کر ذرا آگے کو ہوئیں۔

''بھائی جی امجد تو منع کررہے تھے کہ رضوان بھائی کے سامنے ہاتھ پھیلاتے اچھے تھوڑی لگیں گے مگر میں نے کہا کہ بھائی جی کو نہیں بتائیں گے تو اور کس کو بتائیں گے۔ آخر برے وقت میں بھائی کام نہیں آئے گا تو کون آئے گا۔''

''سویرا، کیا ہوا ہے؟'' حسبِ توقع بھائی جی کے چہرے پہ تشویش در آئی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

"بس کیا بتاؤں، اسجد کے تو ستارے ہی گردش میں رہتے ہیں۔ ہماری کوٹھی، بینک سے قرضے کے عوض گروی رکھی گئی تھی مگر آپ تو جانتے ہیں کہ اسجد کو کاروبار میں نقصان ہوا ہے، سارا قرضہ بھی غارت گیا اور قرضہ ادا کرنے کا امکان بھی۔"

"اوہو...... کیا بینک سے نوٹس آگیا ہے؟" وہ پریشانی سے آگے کو ہوئے۔

"جی بھائی جی...... اور وہ کوٹھی ضبط کررہے ہیں۔ نہیں نہیں، آپ قرضے کی فکر نہ کریں، وہ تو اسجد کو ہی ادا کرنا ہے، پہلے بھی آپ سے اتنا پیسہ لیا، اب دوبارہ میں ان کو آپ سے کچھ مانگنے تھوڑی دوں گی۔"

"سویرا...... دیکھو...... بات پیسے کی نہیں ہے، میں نے اسجد کو کہا تھا کہ وہ کسی ملٹی نیشنل میں جاب کرلے، شروع میں تنخواہ شاید بہت زیادہ نہ ہو مگر اس کی ڈگری اچھی ہے، کام کرے گا تو تجربہ آئے گا، نائن ٹو فائیو جاب انسان کو disciplined کردیتی ہے۔ مگر وہ اُڑا رہا کہ اپنی مرضی کا کاروبار کرے گا، کاروبار بے شک کرتا مگر کچھ عرصہ نوکری کرکے تجربہ حاصل کرتا، دیکھو دنیا کا کوئی کاروبار آپ کو بٹھا کر نہیں کھلا سکتا۔ صبح آٹھ بجے آپ کو اٹھنا ہی پڑے گا۔ اپنے کاروبار کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ آپ بارہ بجے دفتر جارہے ہیں اور...."

"سب باتیں ٹھیک ہیں آپ کی بھائی جی۔" سویرا آپا بور سی ہوکر ان کی بات کاٹ کر بولیں۔ "مگر اب سارا مسئلہ کوٹھی کا ہے۔ وہ ضبط ہورہی ہے۔ ہم تو سڑک پہ آجائیں گے۔"

"اللہ نہ کرے، میں تمہیں کسی اچھی جگہ کرایے کا گھر دلادوں گا۔"

"وہ تو ٹھیک ہے مگر کرایہ کون دے گا، آپ سے تو نہیں لیں گے۔ دو بچے میرے، ساس کا ساتھ، گھر بھی بڑا چاہیے ہوگا اور اس کا کرایہ بھی زیادہ ہوگا۔" وہ فکر مندی سے کہہ رہی تھیں۔

"کوئی حل نکل آئے گا، میں بینک والوں سے بات کرتا ہوں۔"

"اوہو...... وہ رہنے دیں...... میری بات سنیں۔" وہ جلدی سے بولیں، مبادا وہ فون ہی کرڈالیں۔ "آپ کی ڈیفنس والی کوٹھی جو نئی بنی ہے......"

رضوان حیات کے چہرے پہ سایہ سا لہرایا۔ آنکھوں میں تکلیف ابھری۔

"ہاں، ندا سے شادی کے بعد وہیں رہنا تھا۔ خیر......" انہوں نے گہری سانس لی۔

"وہ گھر مکمل فرنشڈ اور ڈیکوریٹڈ ہے، میں نے تو اسجد سے کہہ دیا ہے کہ بھئی ہم وہیں رہ لیں گے اور مجھے پورا یقین ہے کہ بھائی جی کو کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔"

رضوان حیات لمحے بھر کو چپ ہوگئے۔

"وہ تو ٹھیک ہے سویرا مگر...... ندا سے رشتہ ختم ہوا تو...... میں سوچ رہا تھا کہ جب بھی شادی کروں گا، اس گھر میں......"

"ارے بھائی جی آپ نے کون سا ابھی شادی کرنی ہے اور پھر آپ کر بھی لیں تو آپ کے لیے یہ گھر بھی ٹھیک ہے۔" سویرا آپا نے کہتے ہوئے اطراف میں نگاہ ڈالی۔ "میں تو کہتی ہوں، آپ اُس کوٹھی میں نہ ہی رہیں۔ دیکھیں وہاں ہر چیز آپ نے ندا کے لیے سجائی تھی۔ جب وہ ہی دغا باز نکلی تو کیا آپ ان چیزوں اور دیواروں کے ساتھ رہ سکیں گے؟ میں نے تو اسجد سے کہہ دیا کہ میرے بھائی جی اتنے غیرت مند ہیں کہ کبھی اس کوٹھی کو مڑ کر بھی نہ دیکھیں، کجا یہ کہ اس میں رہیں۔"

رضوان حیات نے خاموشی سے اثبات میں سر ہلایا۔ سویرا آپا کی آنکھوں میں امید کی روشنی چمکی۔

"اور اب تو میں جانتی ہوں وہ کوٹھی اور اس کی

چیزیں آپ پہ حرام ہیں، جب بھی جائیں گے، تکلیف ہی ہوگی، مجھے تو لگتا ہے وہ گھر ہی آپ کے لیے منحوس ثابت ہوا ہے، تبھی تو رشتہ ٹوٹ گیا۔ چلیں اب ہم اُدھر شفٹ ہو ہی رہے ہیں تو آپ اس کے کاغذات بھی مجھے دے دیجیے گا۔ میرا بھی سب پہ رعب پڑے گا اور میرے سسرال والے مزید آپ سے دب جائیں گے کہ بھائی بہن کا اتنا خیال کرتا ہے کہ مشکل وقت میں پوری کوٹھی اسے تحفے میں دے دی۔" وہ خوشی، خوشی بول رہی تھیں۔

"جیسے تم چاہو سویرا۔" رضوان بہن کی خوشی دیکھتے ہوئے اپنا کرب جیسے پسِ پشت ڈال کر دھیرے سے مسکرائے۔

اسپاٹ لائٹس تیز روشنی سے جل اٹھیں۔ سویرا کی آنکھیں چندھیائیں انہوں نے بے اختیار چہرہ پرے کیا اور سوئچ بورڈ کی طرف دیکھا۔

وہاں مسکراتا ہوا فیضان کھڑا تھا۔ سویرا بدقت مسکرائیں۔ چند لمحے قبل سوچی گئی یاد نے اس مسکراہٹ کو مشکل بنا دیا تھا۔ حالانکہ اس میں کچھ قابلِ اعتراض نہ تھا پھر بھی دل کے کسی کونے میں ہوک سی اٹھی تھی۔ ایسی ہوک نہیں جو کسی کو دکھ دینے کے بعد برسوں اٹھتی رہتی ہے بلکہ بس یہ پریشانی کہ ہمارے اپنے دل کو سکون کیوں نہیں آتا۔ اگر آجائے تو یاد سے متعلقہ شخص یاد بھی نہ رہے۔ آخر اس کے ساتھ کیا غلط کیا تھا ہم نے؟

"کیسی ہیں آپا؟" وہ جھک کر اُن سے ملا۔ پھر کرسی کھینچ کر ساتھ ہی بیٹھ گیا۔

"اچھی ہوں۔ تم بتاؤ، آگے کا کیا پلان ہے؟" ان کو کوئی تیسری بات کرنے کی خواہش ہی نہ تھی۔

"آپ پارس کے پاس جائیں گی اور فی الحال صرف اس سے تعزیت کریں گی، ہمارا سرپرائز تب تک سرپرائز رہے گا جب تک ہمارے ہاتھ میں

کورٹ کا آرڈر نہ ہو۔"

"ہوں... سمجھ گئی۔" انہوں نے سر ہلایا۔ "تنویر کی کوئی اپ ڈیٹ؟"

"انہوں نے بہت مایوس کیا ہے مجھے۔ میں نے سب سے زیادہ بھروسا ان پہ کیا بلکہ بھائی جی نے بھی سب سے زیادہ بھروسا ان ہی پہ کیا تھا۔ انہوں نے ہم سب کو دھوکا دیا ہے۔" فیضان کے چہرے پہ تاسف پھیلا اس نے نفی میں گردن ہلائی۔

"میں تو پہلے ہی کہتی تھی اور دیکھو، ہمیں اس کی اور پارس کی ڈیل کا ثبوت بھی مل گیا۔"

"مزید یہ کہ جب میں نے انہیں آپ کی آمد کا بتایا تو وہ اتنے حواس باختہ ہوئے کہ میرے نکلتے ہی پارس کو ساری بات فون پہ بتائی۔ یوں میرے لیے مزید بے اعتبار ہوگئے۔" اس نے افسوس سے سر جھٹکتے ہوئے سامنے پھیلے نیلگوں اندھیرے کو دیکھا۔ شام اتر رہی تھی۔

"یعنی وہ میری آمد کے لیے تیار ہوگی...... تو پھر چلیں؟" انہوں نے فیضی کو دیکھتے ہوئے سوالیہ انداز میں ابرو اٹھائی۔

"جی، چلیں۔" وہ دھیرے سے مسکرایا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

"مگر تم اُدھر...... مطلب تم تو اس کے ملازم ہو؟"

"ڈونٹ وری، مجھے اہم مواقع کے لیے انٹری ٹکٹ خریدنا آتا ہے اور آج کی شام کا شو میں مس نہیں کرنا چاہوں گا۔"

اس کی آنکھوں میں چھایا پختہ عزم، لہجے میں پارس کے لیے سرد سی نفرت اور مسکراہٹ میں فتح کا یقین سویرا کو شانت کرگیا۔ سکون ملا تو یادیں بھول گئیں۔ وہ بھی مسکرادیں اور جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

☆☆☆

WWW.PAKSOCIETY.COM

افضل بابا نے احتیاط سے الماری بند کی پھر خالی بیگز بیڈ کے نیچے رکھے اور ہاتھ جھاڑتے اٹھ کھڑے ہوئے۔ شکیل ستائشی نظروں سے کمرے کا جائزہ لے رہا تھا، فیروزہ مائی ساتھ ہی ذرا خوش، ذرا حیران، ذرا پریشان کھڑی تھی۔

"سب سیٹ کر دیا ہے صاب، کوئی کام ہو تو مجھے آواز دے دیجیے گا یا یہ گھنٹی بجا دیجیے گا۔" انہوں نے سائڈ ٹیبل کے قریب لگے بٹن کی طرف اشارہ کیا۔ شکیل نے "اچھا، اچھا، جان چھوڑو" والے انداز میں سر ہلا کر منہ پھیر لیا۔ افضل بابا سر جھکائے باہر نکل گئے۔

"مجھے صاف صاف بتا شکیل، بات کیا ہے؟" ان کے نکلتے ہی فیروزہ مائی نے تیزی سے دروازہ بند کیا اور گھوم کر بیٹے کے سامنے آئی۔

"گھر تو زبردست ہے امی، ہوٹل اس سے بھی عالیشان ہوگا۔" وہ ابھی تک گھوم پھر کر ایک، ایک چیز کا جائزہ لے رہا تھا۔ فیروزہ مائی کے ماتھے پہ بل پڑے۔

"جہنم میں گیا گھر۔ میں پوچھ رہی ہوں کہ......"

"ناں...... ناں......" اس نے انگلی اٹھا کر مسکراتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔ "گھر کو جہنم میں نہیں بھیجنا ہمیں۔"

"شکیل مجھے سیدھی طرح بتا، تو اچانک بغیر اطلاع کے کیوں آیا ہے اِدھر؟"

"یہی تو بتا رہا ہوں تجھے امی۔ گھر زبردست ہے، ہوٹل اس سے بھی عالیشان ہوگا۔ اور اس گھر کو جہنم میں بھیجنے کی غلطی ہم نے نہیں کرنی۔" وہ مسکرایا تو اس کی آنکھیں پُراسراریت سے چمکیں۔ فیروزہ مائی بالکل ٹھہر کر اسے دیکھنے لگی۔

"تو...... تو گھر اور ہوٹل کے لیے آیا ہے؟ میرے لیے نہیں؟" اسے صدمہ ہوا تھا۔

"لے...... سب تیرے لیے ہی تو کر رہا ہوں، اِدھر تو میرے ساتھ عیش کرے گی، میں اکیلا تھوڑی رہوں گا یہاں۔" وہ بیڈ کے ایک طرف بیٹھا، فیروزہ مائی تیزی سے اس کے ساتھ آ بیٹھی۔

"مگر...... شکیل...... یہ سب پارس کا ہے، وہ ہمیں اب زیادہ دن برداشت نہیں کرے گی۔ ہم اِدھر بھی عیش نہیں کر سکتے۔" کمرے میں اندھیرا تھا اور ٹیبل لیمپ کی زرد روشنی نے ماحول کو عجیب شکل دے رکھی تھی۔ ایسے میں ان دونوں کی دھیمی سرگوشیوں میں کی جانے والی باتیں...... جیسے آدھی رات میں آسمانوں سے ارواحِ خبیثہ بڑبڑاتی ہوئی، اپنے پر پھیلائے زمین پہ اتر رہی ہوں......

"یہ سب بہت جلد ہمارا ہو جائے گا، امی۔ اگر تو میرا ساتھ دے تو......!" وہ بھی دھیمی آواز میں بولا۔ سامنے دیوار پہ زرد روشنی میں دونوں کے سائے نمایاں تھے۔ ماحول کی ہیبت ناکی میں مزید اضافہ ہوا۔

"تجھے لگتا ہے وہ ناگن یہ سب ہمارے نام کرے گی؟ تو پاگل ہے۔ اگر تجھے لگتا ہے کہ اسے ڈرا دھمکا کر، کنپٹی پہ پستول تان کر بھی تو اس سے کاغذات پہ دستخط کروا لے گا تو، تو غلط ہے۔ وہ کبھی ہمیں کچھ نہیں دے گی شکیل۔" فیروزہ کو اس کی احمقانہ سوچ پہ تعجب بھی ہوا اور افسوس بھی۔

"تیری نزدیک کی نظر واقعی کمزور ہے امی۔ تجھے سامنے کی بات کیوں نہیں نظر آتی؟ ہمیں پارو سے کچھ سائن نہیں کرانا۔ ہمیں بس ایک بات یاد رکھنی ہے کہ پارو کے واحد رشتے دار ہم ہیں۔ تو اس کی ماں، میں اس کا بھائی۔" شکیل ابھی تک مسکرا رہا تھا۔

"پر ہم سوتیلے ہیں۔"

"ذرا سے پیسے خرچ کرو تو سوتیلا، سگا بن جاتا ہے۔ سوچ امی، پارو کے پاس کچھ نہیں تھا پھر اچانک سے ایک دن بڈھا حادثے کا شکار ہو کر مر گیا اور پارو کو سب مل گیا۔ ایسے ہی اچانک اگر ایک دن پارو حادثے میں مر جائے تو......؟" وہ مسکرایا۔

"تو امی اس کا سب کچھ ڈائریکٹ اس کے رشتے داروں کو مل جائے گا۔"

"اور اب میں سو سال اس ناگن کے مرنے کا انتظار کروں۔ یہ اتنی جلدی نہیں مرنے والی تو" فیروزہ مائی کے چہرے پہ جھنجلاہٹ ابھری۔

"اوہ میری عقلمند ماں، تجھے لگتا ہے وہ بڈھا ایسے ہی مرا ہوگا؟ تو خود کہتی تھی اسے پارو نے مارا ہوگا۔ بظاہر وہ حادثہ تھا اور حادثہ ہی رہا۔ نہ کیس کھلا، نہ تفتیش ہوئی۔ ایسے ہی اگر ہم پارو کو اپنے راستے سے ہٹا دیں تو ہم اس سب کے مالک ہوں گے۔"

فیروزہ مائی کی آنکھیں حیرت سے پھیلیں اور پھر اُن میں خوف اترا۔ رنگت سفید پڑی۔ وہ دم بخود رہ گئی تھی۔

"شکیل...... تیرا مطلب...... تو پارو کو قتل......" اس سے جملہ ادا نہیں ہوا، بے اختیار وہ قدرے پیچھے ہوئی۔

"میں نہیں، ہم...... ہم دونوں اسے راستے سے ہٹائیں گے۔"

"تو تُو اس لیے اِدھر آیا ہے...... شکیل اللہ کا خوف کر...... مجھے وہ ایک آنکھ نہیں بھاتی، دل کرتا ہے مار مار کر منہ لال کر دوں مگر قتل......؟ نہیں شکیل۔" اس نے نفی میں گردن ہلائی۔ وہ ابھی تک خوفزدہ لگ رہی تھی۔

"دیکھ امی، چند دن میں ہم سڑک پہ آ جائیں گے، بھیک مانگ کر گزارہ کرنا پڑے گا، تو لوگوں کے گھروں میں برتن مانجھے گی اور ان جھوٹے برتنوں میں ہڈیاں دیکھ کر مرغی کھانے کو ترسے گی۔" وہ دبے دبے غصے سے بولا۔

"مگر تیرے پاس کچھ تو ہوگا، اتنے سال تو نے دبئی میں......"

"نہیں ہے، پھوٹی کوڑی نہیں بچی۔ سارا سرمایہ ڈوب گیا۔ اب میرے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ پارو سے اپنا حق چھین لوں۔ دیکھ امی، ساری غلطی اس کی اپنی ہے، اگر اس نے سیدھے طریقے سے ہمیں ہمارا حق دیا ہوتا تو ہم یہ نہ کرتے۔ ساری غلطی اُس کی ہے، تو خود کو الزام نہ دے۔" شکیل کے پاس خود کو صحیح ثابت کرنے کے لیے بہت سے دلائل تھے۔ ہر شخص کے پاس ہوتے ہیں۔

فیروزہ مائی چپ ہو گئی۔ اس کے چہرے پہ فکر کی لکیریں، خوف کے نقطوں میں گڈمڈ ہو رہی تھیں۔ البتہ دیوار پہ گرتے دونوں کے سائے سلیٹ کی طرح صاف اور چپٹے تھے...... اور سیاہ بھی۔

☆☆☆

پارس کے کمرے میں تاریکی تھی۔ بالکونی کی طرف کھلتی فرنچ ونڈو کے آگے پردے لٹکے ہوئے تھے سو چاند کی روشنی چھن کر اندر آ رہی تھی۔ وہ وہیں کرسی ڈالے، فون کان سے لگائے، سر ہلاتی کہہ رہی تھی۔

"میں نے آپ کی پوری بات سنے بغیر فون رکھ دیا تھا، میں سمجھی وہ سو رہا ہوں گی مگر وہ شکیل تھا۔"

"شکیل! وہ دبئی سے کیوں آیا، خیریت؟" انہیں تشویش گزری۔ پارس نے گہری سانس خارج کی۔

"خیریت ہوتی تو نہ آتا۔ اسے پیسے چاہیے

آس

میرے ہر اداس پل میں ساتھ دینا تم
گر ہاتھ چھوٹ جائے تو
اسے پھر تھام لینا تم
ماند پڑتے جذبوں کو
اِک نئی آس دینا تم
تم اِک دن لوٹ آؤ گے
زندہ رہنے کا نیا احساس دینا تم

شاعرہ: غزالہ جلیل راؤ، اوکاڑہ

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہیں۔ مگر یہ واحد وجہ نہیں ہوگی۔ وہ بغیر کسی بڑے مقصد کے سب چھوڑ چھاڑ کر اِدھر نہیں آسکتا۔ خیر، میں جلد معلوم کرلوں گی کہ وہ کیوں آیا ہے۔''

''اور سویرا......؟ ان سے ملاقات کے بارے میں کیا سوچا ہے؟''

''مجھے معلوم ہے مجھے ان سے کیا کہنا ہے، آپ فکر مت کریں، میں نے سویرا اور فیضان کا بہت عرصے انتظار کیا ہے، میں پوری طرح تیار ہوں۔''

دروازے پر دستک ہوئی اور افضل بابا نمودار ہوئے۔ پارس نے مڑ کر انہیں دیکھا اور اندر آنے کا اشارہ کرکے فون میں بولی۔

''اوکے تنویر صاحب، جلد ملاقات ہوتی ہے۔''

فون رکھ کر وہ بابا کی جانب متوجہ ہوئی۔

''ہوٹل سے فائز صاحب آئے ہیں، کچھ کاغذات آپ کو دکھانا ہیں۔''

''اس وقت؟'' وہ حیران ہوئی اور باہر پھیلتی رات کو دیکھا۔ پھر اسے بٹھانے کا کہہ کر تھوڑی دیر بعد لان میں آئی تو کرسی پہ کچھ فائلز دیکھتا فائز احتراماً اٹھ کھڑا ہوا۔

''سوری میم، کافی دیر ہوچکی ہے مگر یہ کچھ اہم فیکس تھے، ابھی موصول ہوئے، مجھے آپ سے ڈسکس کرنا تھا تاکہ صبح ہوتے ہی پہلا کام ان پہ عمل درآمد کا کروں۔'' اس کے بیٹھتے ہی فائز نے کھڑے کھڑے جھک کر سب کاغذ میز پہ پھیلائے۔ لان میں لگے پولز کی روشنی مطالعے کے لیے کافی تھی، وہ دونوں اس کو ڈسکس کرنے لگے۔ پندرہ منٹ ہوئے تھے کہ گیٹ پہ ایک کار رکی۔ دروازے کھلنے بند ہونے کی آواز پہ پارس سر اٹھا کر دیکھنے لگی۔ اٹھی نہیں۔

اس کے عقب میں کھڑے فائز کے چہرے پہ ہلکی سی مسکراہٹ در آئی۔

پہلے تنویر صاحب آتے دکھائی دیے۔ پارس کو دیکھتے ہوئے انہوں نے ہولے سے سر کو جنبش دی، پارس نے سمجھنے والے انداز میں سر ہلایا پھر ان کے پیچھے سویرا نظر آئیں۔

وہی مغرور، نخوت بھرا انداز، گہری چبھتی نگاہیں جن کے متعلق اس نے سن رکھا تھا۔ وہ لمحے بھر میں انہیں پہچان گئی۔ اگر اسے معلوم نہ ہوتا کہ وہ سویرا ہیں تو شاید تب بھی پہچان جاتی، یہ اس کا ذاتی خیال تھا۔ اس نے سویرا کے عقب میں دیکھا۔ فیضان نہیں تھا۔ یقیناً وہ بھی ایسا ہی دکھتا ہوگا۔ اس کو بھی وہ پہچان لے گی۔

تنویر صاحب قریب آئے تو وہ اٹھی۔ ہلکی سی استقبالیہ مسکراہٹ اور آنکھوں میں چھپایا سرد پن لیے، وہ ہمیشہ کی طرح پُرکشش لگ رہی تھی۔ سویرا نے اس کے سامنے آکر اوپر سے نیچے اسے دیکھا۔ سیدھے بال، خوب صورت آنکھیں، شال کندھوں پہ لپیٹ کر آگے بازوؤں پہ ایک شانِ تمکنت سے ڈالے، کانوں میں بڑی بڑی سلور بالیاں پہنے، وہ ویسی ہی تھی جیسی فیضی نے بتایا تھا۔

مگر اس نے یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ خوب صورت تھی۔ سویرا کوئی شاطر صورت اور تیز طرار سے چہرے والی لڑکی کی توقع کررہی تھیں۔ گوکہ یہ بھی بیوقوف نہیں لگتی تھی۔ سمجھدار بلکہ عقلمند لگتی تھی مگر اس کی خوب صورتی نے اس کے چہرے کو منفی تاثر نہیں دینے دیا تھا۔ وہ سحر انگیز تھی۔ وہ بلاشبہ اتنی خوب صورت نہیں تھی جتنی سحر انگیز تھی۔

''مسز پارس رضوان حیات...... مسز سویرا امجد۔'' تنویر صاحب نے آمنے سامنے کھڑی دونوں خواتین کا تعارف کروایا۔ دونوں ان کی طرف متوجہ ہوئے بغیر ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھتی رہیں۔ سویرا کی نگاہوں میں چبھن تھی جبکہ پارس کی آنکھیں سرد مسکراہٹ سے لبریز تھیں۔

''ویلکم مسز امجد، مجھے خوشی ہے کہ ساڑھے چھ ماہ میں آپ کو یہ گھر مل ہی گیا۔'' پارس کے لبوں سے الفاظ نکلے ہی تھے کہ تنویر صاحب نے حیرت اور

WWW.PAKSOCIETY.COM

گڑبڑاہٹ سے اسے دیکھا۔ جیسے انہیں اس کے پہلے ہی فقرے میں سویرا کے اب تک یہاں نہ آنے پہ چوٹ کرنے کی توقع نہیں تھی۔

''جی، آپ نے تو اس گھر کو بہت چھپا کر رکھا تھا مگر ہم نے ڈھونڈ ہی لیا۔'' وہ بھی مسکرائیں۔ ''ویسے گھر اچھا ہے آپ کا، البتہ مجھے سمجھ نہیں آئی کہ مری میں ہمارا گھر ہونے کے باوجود بھائی جی نے آپ کو علیحدہ گھر کیوں لے کر دیا۔''

پارس دھیرے سے ہنسی۔ فائز نے بے اختیار اسے دیکھا۔ وہ بہت کم ہنستی تھی یا شاید چند ایک بار ہی ہنسی تھی۔

''اصل میں رضوان جب بھی اپنے لیے گھر بناتے، اس پہ لوگ قبضہ کرلیتے تھے، سو انہوں نے ''چھپا'' کر گھر لیا تاکہ نہ کسی کو پتا چلے، نہ کوئی اسے نگلنے کی کوشش کرے۔ اور یہ گھر......'' ساتھ ہی پارس نے پلٹ کر گھر کو دیکھا۔ فائز کی طرف اس کا چہرہ ہوا تو اس نے احتراماً سر جھکا دیا مگر پارس بنگلے کو ہی دیکھ رہی تھی۔

''یہ گھر مجھے بہت پسند تھا، انہوں نے شادی کے گفٹ کے طور پر مجھے یہ دیا تھا۔'' وہ گردن موڑے بنگلے کو دیکھ رہی تھی۔ بنگلا تاریکی میں مصنوعی روشنیوں سے جگمگا رہا تھا۔

ایک دم سے اس کی مڑی گردن سیدھی ہوگئی، وہ کھڑی سے بیٹھی نظر آنے لگی، کھلے بال بندھ گئے، تاریکی، روشنی میں بدل گئی۔ بنگلے کے فرنٹ کے بجائے اس کے سامنے بنگلے کی بیک سائڈ آگئی۔

وہ جنگل کے سرے پہ، درختوں کے بیچ، پتھر پہ بیٹھی تھی۔ گھٹنوں کے گرد بازوؤں کا حلقہ بنائے، وہ اس بنگلے کو دیکھ رہی تھی جو سامنے، ذرا دور نظر آرہا تھا۔ یوں جیسے آبادی سے دور، کسی جنت میں ایک خوب صورت سا مسکن ہو۔

''آپ نے بتایا نہیں، آپ کی والدہ نے کیا کہا؟''

عقب میں آتی آواز پہ وہ ڈر کر ایک دم اٹھی۔ پیچھے رضوان کھڑے تھے۔ ہمیشہ کی طرح باوقار، پُراعتماد اور مہربان۔ انہیں دیکھ کر اس کی رکی سانس بحال ہوئی مگر پھر فوراً ہی ان کا رعب چھانے لگا۔

''سوری سر، مجھے پتا نہیں چلا، آپ کب آئے؟''

''جب آپ واک سے تھک کر اُدھر بیٹھ گئی تھیں۔'' انہوں نے ٹریک سوٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑے کھڑے ابرو سے پتھر کی طرف اشارہ کیا۔ یعنی وہ اتنی دیر سے اسے دیکھ رہے تھے۔

''مجھے پتا ہی نہیں چلا۔'' اس نے پھر کہا۔

''وجہ وہ گھر ہے، آپ اس کو بہت توجہ سے دیکھ رہی تھیں۔'' انہوں نے گھر کو دیکھتے ہوئے کہا۔ پارس نے مڑ کر دیکھا پھر سر جھکا دیا۔

''میں روز اس جنگل میں واک کرتی ہوں، مجھے نہیں معلوم تھا کہ اس کے اختتام پہ کسی کا گھر بھی ہوگا۔''

''یہ اس گھر کی بیک ہے، اس کا فرنٹ مین روڈ پہ ہے۔''

''اوہ۔'' اس کے لب سکڑے۔

''آپ کو اچھا لگا؟'' پارس نے نگاہیں اٹھا کر انہیں دیکھا۔

''مجھے گھر بنانے کی خواہش نہیں۔''

''کیوں؟ یہ مایوس کُن رویہ ہماری ریسپشنسٹ پہ سوٹ نہیں کرتا۔'' انہوں نے شاکی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے نفی میں سر ہلایا پھر پتھر پہ بیٹھ گئے۔ ساتھ ہی دوسرے پتھر کی طرف اشارہ کیا۔ پارس نے دیکھا، وہ اس پتھر پہ نہیں بیٹھے تھے جس پہ پہلے وہ بیٹھی تھی، انہوں نے اس کی جگہ اس کے لیے سنبھال کر رکھی تھی۔

''ابھی ڈیوٹی ٹائم نہیں ہے سر، ابھی میں آپ کی ریسپشنسٹ نہیں ہوں۔'' وہ گہری سانس لیتے ہوئے بیٹھی۔

''یہ میری بات کا جواب نہیں ہے۔''

''سر مجھے پتا ہے میری امی میری شادی کبھی نہیں کریں گی۔ میں ان کا کمانے والا بیٹا ہوں۔ وہ مجھے کبھی کھونا نہیں چاہیں گی۔''

''کم از کم ایک ڈیڑھ سال تو آپ اپنی تنخواہ محفوظ کرسکتی ہیں۔ کیا آپ نے ان سے کہا جو میں نے کہنے کو کہا تھا؟'' انہیں وہ سوال یاد آیا جو انہوں نے آتے ساتھ کیا تھا۔

''جی...... اور وہ دھوکا کھا بھی گئیں مگر سر، تنخواہ واحد چیز نہیں جو میری مدد کر سکے دراصل میری مدد کوئی بھی نہیں کرسکتا۔ میں ایک ناکام انسان ہوں...... بزدل اور ناکام۔ اس لیے میں نے خود کو وقت کے دھارے پہ چھوڑ دیا ہے۔'' وہ سامنے درختوں کے سائے میں کھڑے خوب صورت گھر کو دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ سرمئی پتھروں کا گھر، سرسبز درخت، نیلا آسمان۔ قدرت کا بہترین کلر کمبینیشن۔

''ہر exploit ہونے والا شخص یہی کہتا ہے۔ پارس آپ کو لوگ استعمال تب کرتے ہیں جب آپ ان کو اجازت دیں۔ آپ خود ذرا سے مضبوط بن جائیں تو آپ کو کوئی استعمال نہیں کرسکتا۔''

پارس نے اداس مسکراہٹ کے ساتھ چہرہ ان کی طرف موڑا۔ وہ دھیمی اپنائیت بھری مسکراہٹ سے اسے دیکھ رہے تھے۔

''یہ وہ شخص کہہ رہا ہے جو خود روز ایکسپلائٹ ہوتا ہے۔''

''میری عمر گزر چکی ہے، میں آج یا کل مرجاؤں گا مگر آپ کے پاس پوری زندگی پڑی ہے۔''

''سر، آپ مجھے مضبوط بننے کا درس دیتے ہیں مگر جس دن آپ خود مضبوط بنیں گے، اس دن میں بھی بن جاؤں گی۔'' وہ اب قدرے آرام دہ انداز میں بول رہی تھی۔ ''ویسے مجھے ابھی تک یقین نہیں آیا کہ کوئی آپ کا استعمال بھی کرسکتا ہے۔''

وہ ہلکا سا ہنسے۔ وہ ہنستے ہوئے بہت اچھے لگتے تھے۔ دل میں احترام پیدا ہوتا۔ اپنائیت سی ہونے لگتی۔

''میں نے شادی نہیں کی۔ جانتی ہیں کیوں؟''

پارس کی آنکھیں حیرت سے پھیلیں۔

''اوہ...... میں سمجھی آپ کے بچے مجھ سے بھی بڑے ہوں گے۔''

''ابھی آپ میری ریسپشنسٹ نہیں ہیں، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ مجھے بوڑھا کہیں۔'' وہ پُرلطف انداز میں بولے۔ وہ بے ساختہ ہنس دی۔

''میری بہن نے میری شادی کبھی نہیں ہونے دی۔ نوعمری میں ایک منگنی ہوئی تھی کزن سے پھر اچانک ختم ہوگئی۔ جانتا ہوں کہ سویرا نے خاندان میں کچھ باتیں کر کے رشتہ تڑوایا تھا مگر اس وقت میں نوجوان تھا، اسٹرگل کر رہا تھا، مجھے پروا نہیں تھی۔ تیس سے اوپر کا ہوا تو شادی کا سوچا، بہت جگہ رشتے کی کوشش کی مگر ہر دفعہ بات ختم ہوجاتی۔ پھر ایک دوست کی بہن تھی، ندا، بہت اچھی لڑکی تھی، وہ رشتہ ہوگیا، اس لیے کہ دوست سے خود بات کرلی، سویرا پہ چھوڑتا تو کبھی نہ ہو پاتا مگر چند مہینے بعد میرے بہن بھائی نے اس بے چاری پہ الزام لگا کر رشتہ توڑنے کا کہا۔ میں نے رشتہ ختم کر دیا۔''

وہ حق دق سن رہی تھی۔ یہ اس کی امید و توقع سے بڑھ کر تھا۔

''کیوں؟''

''اس لیے نہیں کہ مجھے اس پہ شک تھا، نہیں۔'' انہوں نے دور نظر آتے گھر کو دیکھتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔ چہرے پہ سوگواریت تھی۔ ''بلکہ اس لیے کہ جب میں اتنا مضبوط تھا ہی نہیں کہ ندا کو برملا صحیح اور سویرا کو غلط کہہ سکوں تو مجھے اس لڑکی سے شادی

کر کے اسے سزا دینے کا حق نہیں تھا۔''

''نہیں سر، آپ نے غلط کیا، آپ کو ڈٹ جانا چاہیے تھا۔''

''پارس میں یہ بات آپ کو کیوں بتا رہا ہوں؟ اس لیے نہیں کہ مجھے کتھارسس کرنا ہے۔ بلکہ اس لیے کہ آپ کو یہ سمجھا سکوں کہ ندا کے بعد میں کبھی شادی نہیں کرسکا۔ دس بارہ سال ہوگئے اس بات کو میں نے غلطی کی مجھے اس کے لیے فائٹ کرنا چاہیے تھی۔ مجھے رشتوں میں توازن برقرار رکھنا چاہیے تھا۔ آپ بھی وہی غلطی کر رہی ہیں جو لوگ اپنے بہن بھائیوں کے لیے قربانی دیتے ہوئے شادی نہیں کرتے، وہ غلط کرتے ہیں۔''

''مگر سر......'' اس نے اختلاف کرنا چاہا مگر سارے دلائل بھول گئے۔ دلائل تو شاید کبھی تھے ہی نہیں۔

''وعدہ کریں، مجھ سے نہیں، خود سے کہ آپ مناسب وقت پہ شادی ضرور کریں گی اور اگر آپ نے یہ وعدہ پورا کیا تو یہ گھر......'' انہوں نے سامنے والے گھر کی طرف اشارہ کیا۔ ''یہ میں آپ کو شادی کے گفٹ کے طور پر دے دوں گا۔''

''یہ آپ کا ہے؟'' وہ حیران ہوئی۔

''نہیں...... مگر اس کے فرنٹ پہ برائے فروخت کا اشتہار ضرور لگا ہے۔ بولیں، آپ کو شادی کا گفٹ چاہیے یا نہیں؟'' وہ مسکراتے ہوئے پوچھ رہے تھے۔ پارس اداسی سے مسکراتی، ان کو دیکھے گئی۔ اس کی آنکھوں میں سوگواریت تھی۔ ہلکے سے اثبات میں سر ہلا کر اس نے گھر کی سمت دیکھا...... جو لمحے بھر بعد روشنی سے اندھیرے میں ڈوب گیا۔ بیک کی جگہ فرنٹ سامنے آگئی۔ اس کے اردگرد سے درخت، رضوان غائب ہوگئے، وہ بیٹھے سے سیدھی، نشست سے کھڑی حالت میں آگئی۔

پارس نے گردن واپس موڑی۔ اندھیرے لان میں سویرا اور تنویر صاحب اس کے سامنے کھڑے تھے۔ فائز پیچھے تھا۔

''لگتا ہے بہت مہنگے تحفے وصول کرنے کی عادت ہے آپ کو۔'' اس کی پچھلی بات سویرا کو جھلسا گئی جبھی مسکرا کر طنزیہ بولیں۔

''مہنگے نہیں، قیمتی!'' وہ بھی میٹھا سا مسکرائی۔

''ویسے آپ نے ابھی تک مجھ سے میرے شوہر کے انتقال کی تعزیت نہیں کی۔'' سامنے کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پارس خود بھی بیٹھی۔

''انتقال یا قتل، میں ابھی فیصلہ نہیں کرسکی کہ مجھے افسوس کس کا کرنا ہے۔'' سویرا نشست سنبھالتے ہوئے بولیں اور پارس ویسے ہی مسکراتی رہی۔ تنویر صاحب، سویرا کے عقب میں کھڑے رہے، فائز، پارس کے دائیں ہاتھ کھڑا تھا۔ دونوں خاموش سامع تھے۔

''آپ کو کیا لگتا ہے؟''

''مجھے تو یہ حادثاتی موت نہیں لگتی۔''

''کیا اسی لیے آپ ان کے جنازے میں شریک نہیں ہوئی تھیں؟'' پارس چبھتے ہوئے لہجے میں بولی۔ سویرا کی مسکراہٹ مدھم ہوئی، پیشانی پہ بل پڑا۔

''تنویر بھائی نے بتایا تو ہوگا کہ میرے پیپرز میں مسئلہ ہوگیا تھا، مجھے حال ہی میں آسٹریلین شہریت ملی ہے، اس وقت آنا ناممکن تھا۔''

''ترجیحات کی بات ہے مسز امجد ورنہ بھائی کا جنازہ آسٹریلین شہریت سے زیادہ اہم نہیں ہوتا۔'' پارس اسی طرح مسکرا رہی تھی۔ فائز نے نگاہوں ہی نگاہوں میں سویرا کو ٹھنڈا رہنے کا اشارہ کیا۔ انہوں نے بہ مشکل ضبط کیا۔

''بھائی جی سے میرا خون کا رشتہ ہے پارس صاحبہ، یہ کبھی نہیں ختم ہوسکتا۔ آپ کا تین لفظوں کا رشتہ تھا جو تین لفظوں سے ختم ہوسکتا ہے۔''

WWW.PAKSOCIETY.COM

"آپ امجد صاحب کو نہیں لے کر آئیں؟" ان کی بات ختم ہوئی تو وہ بولی۔

"نہیں، وہ بچوں کے پاس آسٹریلیا میں ہیں۔"

"خیریت ہے، آپ نے انہیں خود سے الگ رہنے دیا، وہ بھی اتنے دنوں کے لیے...... اور اگر انہوں نے تین لفظوں کا رشتہ ختم کر دیا تو؟"

"ہمارا رشتہ اتنا کمزور نہیں ہے۔" فائز کے بار بار تنبیہہ کرنے کے باوجود سویرا ضبط کھو بیٹھیں اور غصے سے بولیں۔ پارس نے ہلکے سے شانے اچکا دیے۔

"اچھا!" اور انداز یوں تھا گویا یقین نہ آیا ہو۔ سویرا نے پھر خود پہ قابو پایا اور گفتگو کا رخ موڑا۔

"آپ نے بھائی جی کی موت کی تفتیش کیوں نہیں کرائی؟"

"وہ میرے سامنے...... سیڑھیوں سے گرے تھے۔" بہت اعتماد سے پارس نے فقرہ ادا کیا۔ مگر دو حصوں میں۔ "میں ہر چیز کی گواہ ہوں، مجھے تفتیش کی کیا ضرورت؟"

"مگر ہمیں ہے اور وہ ہم ضرور کریں گے کیونکہ ہمیں آپ کی اس کہانی کا یقین نہیں ہے۔"

"جی! میں پوچھنے ہی لگی تھی آپ کے اس (ہم) کے متعلق۔" پارس کا چہرہ کھل اٹھا جیسے اس کو کچھ یاد آیا ہو۔ "فیضان نہیں آیا؟"

عقب میں کھڑا فیضان بنا تاثر کے مؤدب سا کھڑا میز کو دیکھتا رہا۔ تنویر صاحب کا چہرہ بھی بے تاثر رہا۔ سویرا نے بھی حتی المقدور کوشش کی کہ فیضی کو دیکھے بغیر جواب دیں۔

"نہیں، وہ نہیں آیا۔"

"اس کے بھی پیپرز کا مسئلہ ہوگا؟" پارس نے جیسے مسکراہٹ چھپائی۔

اندر لاؤنج کی کھڑکی سے وہ دو خواتین آمنے سامنے بیٹھی اور دو مرد ان کے عقب میں کھڑے نظر آرہے تھے۔ وہ دور تھے، ان کی گفتگو کی آواز یہاں تک نہیں آئی تھی۔ شکیل گہری نظروں سے ان کو دیکھ رہا تھا۔

"تو واقعی نہیں جانتی امی کہ یہ عورت کون ہے؟"

"بولا تو ہے، نہیں جانتی۔ یہ لڑکا تو ہوٹل میں کام کرتا ہے اور یہ موٹا والا بڈھا رضوان حیات کا خاص آدمی تھا مگر عورت کا نہیں پتا۔" صوفے پہ بیٹھی فیروزہ مائی جھنجلا اٹھی۔

شکیل جواب دینے کے لیے مڑا تو ٹرالی گھسیٹ کر باہر لے جاتے افضل بابا کو دیکھا۔

"اے...... بابا جی......" اس نے نخوت سے پکارا۔

"جی صاحب!" افضل بابا نے رک کر اسے دیکھا۔

"یہ باہر کون آیا ہے؟"

"رضوان صاحب کی بہن ہیں سویرا بی بی، آسٹریلیا سے آئی ہیں۔" کہہ کر وہ ٹرالی آگے لے گئے۔

شکیل اور فیروزہ نے بے اختیار ایک دوسرے کو دیکھا۔

"بس، تو بیٹھ کر انسانیت کے سبق یاد کرتی رہ اور اس بڈھے کے رشتے دار آکر ہوٹل لے اڑیں گے۔" وہ دبے لفظوں میں غصے سے بڑبڑاتا اس کے ساتھ آکر بیٹھا۔ فیروزہ مائی بالکل گم صم ہوگئی تھی۔

"سوچ لے امی۔ پارو کے ہاتھ کچھ نہیں رہنا۔ اس سے پہلے کہ یہ لوگ مقدمہ وغیرہ کریں، ہمیں پارو کو راستے سے ہٹا کر، سب بیچ باچ کر، سارا پیسہ لے کر ملک سے نکل جانا ہے۔ سمجھ آئی یا نہیں۔" وہ زچ ہو کر بولا تو فیروزہ مائی نے دھیرے سے اثبات میں سر ہلایا، البتہ اس کے انداز میں واضح تامل تھا۔

افضل بابا ٹرالی لے کر مہمان اور میزبان کے قریب آرہے تھے جب انہوں نے پارس کو

کہتے سنا۔

"اس کے بھی پیپرز کا مسئلہ ہوگا؟"

"نہیں، وہ کچھ بیمار تھا۔" وہ سپاٹ لہجے میں بولیں۔ افضل بابا چائے نکالنے لگے۔

"اچھا؟ کیا ہوا اسے؟" وہ مصنوعی، مذاق اڑاتی فکرمندی سے بولی۔ "اور کیا وہ چھ ماہ سے بیمار ہے جو بھائی کے جنازے میں بھی نہیں آیا؟"

سویرا نے بہ مشکل پہلو بدلا۔ وہ ضبط نہیں کر پا رہی تھیں اور فیضان مسلسل ان کو نگاہوں میں چپ رہنے کا اشارہ کر رہا تھا اس حالت میں وہ افضل بابا کا سلام اور چائے نظر انداز کر کے پارس کو جواب دینے لگیں۔

"اس وقت وہ کسی لیگل مسئلے میں پھنسا ہوا تھا، امریکا سے باہر نہیں جا سکتا تھا بلکہ بھائی جی کے انتقال والے دنوں میں تو وہ ویسے بھی نیوجرسی گیا ہوا تھا، اس کو اطلاع دیر سے ملی۔" کہہ کر انہوں نے تنویر صاحب کو دیکھا، جنہوں نے اثبات میں سر ہلا کر گویا تائید کی۔ پارس مسکرائی۔ افضل بابا اب خاموشی سے چیزیں آگے رکھ رہے تھے۔

"اچھا...... تو یہ کہا تھا اس نے آپ سے؟"

"کیا مطلب؟" سویرا کے ابرو حیرت سے اٹھے۔

"مطلب یہ مسز سویرا کہ شاید آپ اپنے دونوں بھائیوں کو اچھے سے نہیں جانتیں۔ جس رات رضوان کے ساتھ یہ حادثہ پیش آیا۔ اس رات فیضان یہیں تھا، اسی شہر میں، انہی گلیوں میں۔"

فائز نے بری طرح چونک کر پارس کو دیکھا مگر سویرا کو دیکھ رہی تھی جو کچھ حیران تھیں، متعجب تھیں، بے یقین تھیں، افضل بابا تک ششدر رہ گئے۔ تنویر صاحب بے تاثر رہے۔

"نہیں، فیضان امریکا میں تھا۔ اس نے مجھے خود بتایا تھا۔" ساتھ ہی سویرا نے پہلے تنویر صاحب کو دیکھا پھر فیضی کو، وہ خود بھی شاکڈ لگ رہا تھا۔ افضل بابا جا چکے تھے۔

"اگر اس کی یادداشت کھو گئی ہو تو اسے بتا دیجیے گا کہ پارس کو اچھی طرح یاد ہے وہ اس رات کہاں تھا۔ یہ بھی کہیے گا کہ پارس اس کا چھ مہینے سے انتظار کر رہی ہے۔ اگر وہ اپنے بھائی جی کے لیے نہیں آیا تو اپنی امانت لینے ضرور آئے جو وہ میرے پاس چھوڑ گیا تھا۔"

فائز اب یک ٹک پارس کے سر کی پشت کو دیکھ رہا تھا جیسے سمجھ نہ آرہا ہو کہ وہ کیا کہہ رہی ہے۔ سویرا کی ساری اکڑ، سارا کروفر، غصہ سب جھاگ کی طرح بیٹھ چکا تھا اور وہ فیضان کا دفاع کرنے کے مزید قابل نہیں رہی تھیں۔

"کیسی امانت؟" بس دو لفظ بول پائیں۔

پارس جواب دیے بنا اٹھی اور اندر چلی گئی۔ لاؤنج میں قدم رکھا تو سر جوڑ کر بیٹھے کھسر پھسر کرتے ماں بیٹا بے اختیار سیدھے ہوئے۔ وہ انہیں دیکھے بنا اوپر چلی گئی۔

اس کے اندر غائب ہوتے ہی، سویرا نے فیضی کو دیکھا۔

"تم اس وقت پاکستان میں تھے؟" وہ تیز لہجے میں بولیں۔

"ہاں مگر...... اس کو کیسے پتا؟" اس نے بے اختیار تنویر صاحب کو دیکھا جنہوں نے گہری سانس لیتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔

"میں خود نہیں جانتا۔" گویا اپنی بے گناہی ثابت کی۔

"اور تم نے مجھے نہیں بتایا۔ تم...... فیضی...... تم نے مجھ سے کیوں چھپایا؟" سویرا آپا کی آنکھوں میں بے یقینی تھی۔ دکھ تھا۔

"نہیں، آپ ابھی تو آئی ہیں، میں سامنے بیٹھ کر بتانے والا تھا، سوچا رات کو بتاؤں گا مگر......"

"اور تم نے اس کو کیا دیا تھا جو وہ لینے گئی ہے؟"

WWW.PAKSOCIETY.COM

"کچھ نہیں، میں تو اس سے ملا بھی نہیں تھا۔ میں نہیں جانتا، میں سچ کہہ رہا ہوں۔" اس نے بے بسی سے ان کو دیکھا۔ وہ مزید احتجاج نہیں کر سکتا تھا ورنہ دور سے دیکھنے والے کو شک پڑ جاتا کہ وہ ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔ تبھی پارس باہر آتی دکھائی دی۔ اس کے ہاتھ میں کچھ تھا۔ فائز نے خود کو کمپوز کیا اور پارس کی طرف دیکھا۔

"میم، میں مزید مداخلت نہیں کرنا چاہوں گا، کیا ہم صبح میں......؟"

"آپ ٹھہریں، مسز اسجد بس جانے والی ہیں۔" ہاتھ اٹھا کر اسے خاموش کرائی، وہ آپا کے سامنے آئی اور بیٹھنے کے بجائے کھڑے کھڑے میز پہ کچھ رکھا۔

لان میں موجود تینوں افراد نے اس چیز کو دیکھا۔

وہ ایک دھندلے شیشے کا ٹکڑا تھا۔

فائز نے نہ سمجھنے والے انداز میں پارس کو دیکھا پھر سویرا کو۔

"یہ کیا ہے؟"

"اپنے بھائی کو دے دیجیے گا، وہ اسے پہچان لے گا اور مجھے یقین ہے کہ وہ بھی جلد ہی تعزیت کرنے آئے گا۔ یہ دیکھنے کے بعد تو شاید مزید تاخیر نہ کرے۔" وہ مسکرا کر یوں کہہ رہی تھی جیسے یہ آخری بات ہو۔ اب مزید وہ ان کو برداشت نہیں کر سکتی۔

سویرا نے متذبذب انداز میں شیشے کا ٹکڑا اٹھایا اور کھڑی ہو گئیں۔ پارس کو بے بسی، غصے، اچنبھے سے بھری نگاہوں سے دیکھ کر وہ مڑ گئیں۔

"جی تو ہم کیا بات کر رہے تھے؟" اس نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے سامنے اشارہ کیا۔ فائز غائب دماغی کے عالم میں اس کے مقابل بیٹھا اور اپنے کاغذات پھیلائے۔ اس کے انداز میں واضح ست روی در آئی تھی۔ وہ یقیناً کچھ اور سوچ رہا تھا۔

☆☆☆

"یعنی تم بھائی جی سے ملے بغیر آ گئے اور تمہیں نہیں معلوم ہوا کہ ان کا انتقال ہو چکا ہے؟" سویرا کمر پر ہاتھ رکھے کھڑی، کڑے تیوروں سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھ رہی تھیں۔ وہ دونوں آمنے سامنے اپنے گھر کے برآمدے میں کھڑے تھے، باہر رات پھیل چکی تھی اور سویرا ساری بات کلیئر کرنے کے لیے صبح تک کا انتظار نہیں کر سکتی تھیں۔ پارس کے سامنے وہ شاکڈ اور الجھی ہوئی تھیں مگر رفتہ رفتہ اس کی جگہ غصے نے لے لی تھی۔

"مسئلہ یہ نہیں ہے آپا۔ میں یہ بات تنویر بھائی کو بھی بتا چکا ہوں، چھپانا ہوتا تو انہیں بھی نہ بتاتا۔" وہ جو گھنٹے سے سامنے کھڑا صفائی دے رہا تھا، اب زچ ہو گیا۔ "مسئلہ یہ ہے کہ پارس کو یہ کیسے پتا چلا؟"

"ظاہر ہے، تنویر نے بتایا ہوگا!"

"تنویر بھائی ایسا کیوں کریں گے؟"

"فیضی، تم نے خود مجھے بتایا ہے کہ تنویر اس کے ساتھ ملا ہوا ہے۔" انہیں کوفت ہوئی۔

"وہ تو ہیں اور اسی لیے اگر انہوں نے یہ بات پارس کو بتائی ہوتی تو اسے ہمارے سامنے نہ دُہرانے کی تنبیہ بھی کرتے...... تاکہ ان پہ شک نہ کیا جائے۔ وہ اس طرح خود کو ایکسپوز نہیں کریں گے۔" وہ صوفے پہ جا بیٹھا اور سر دونوں ہاتھوں میں گرا لیا۔

"اور یہ شیشہ اس کی کیا کہانی ہے؟"

"میں نہیں جانتا...... وہ اس کو کیوں مجھ سے منسوب کر رہی ہے مگر یہ میں نے بھائی جی کی جیکٹ کے اندر دیکھا تھا، اس نے اسے سنبھال رکھا تھا۔ مجھے لگا اس نے اسی سے ان کا قتل کیا ہوگا۔" فیضی نے میز پہ رکھا ٹکڑا اٹھایا اور چہرے کے قریب لا کر الٹ پلٹ کر کے دیکھنے لگا۔

"اگر یہ شیشہ آلۂ قتل ہے تو اس کا تم سے کیا تعلق؟" فیضان نے جواب نہیں دیا، وہ شیشے کو غور سے دیکھ رہا تھا، دفعتاً اس کی آنکھوں میں ایک احساس ابھرا۔ جیسے وہ چونکا تھا۔ جیسے اسے کچھ یاد آیا۔ اس نے سر اٹھایا مگر سویرا کے تاثرات دیکھ کر رکا۔ وہ آنکھیں سکیڑے مشکوک انداز سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

"کیا، آپا؟"

"بھائی جی کو تم نے تو نہیں مارا، فیضی؟"

ان کے الفاظ تھے یا چابک جو فیضان کے چہرے پہ لگے۔ اس کا رنگ سرخ پڑا۔ لب بھینچے، آنکھوں میں بے یقینی ابھری اور پھر غصہ، وہ تیزی سے کھڑا ہوا۔

"نہیں، میرا مطلب تھا، شاید پارس یہ سمجھتی ہو کہ......" اس کے تاثرات پہ سویرا کو اپنی بات کی سنگینی کا احساس ہوا، انہوں نے وضاحت کرنی چاہی مگر......

"آپ نے ایسا سوچ بھی کیسے لیا؟ میں اپنے بھائی جی کا قتل کر سکتا ہوں؟ آپ کو لگتا ہے میں اندر سے اتنا evil ہوں؟" وہ دکھی بھی تھا اور حیران بھی۔ "پچھلے ایک گھنٹے سے آپ مجھے یوں Cross-examine کر رہی ہیں جیسے میں عدالت میں کھڑا ہوں۔ آج پہلی دفعہ آپ پارس سے ملیں اور بیس منٹ کی اس ملاقات میں اس نے ہم دونوں بہن، بھائی کے درمیان پھوٹ ڈلوا دی۔ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئی، مبارک ہو۔"

"میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ اچھا بیٹھو۔" سویرا نے بازو سے تھام کر اسے بٹھانا چاہا مگر اس نے سر جھٹکتے ہوئے بازو چھڑایا۔

"اب مجھ سے ناراض ہو گے تو وہ واقعی کامیاب ہو جائے گی۔"

"اوکے!" فیضی گہری سانس لیتے ہوئے واپس بیٹھ گیا۔

"کیا تم نے یہ شیشہ پہچان لیا؟" انہوں نے اپنے الزام سے قبل اس کی آنکھوں میں ابھرے چونک جانے والے تاثر کی بابت پوچھا۔ فیضی چند لمحے ان کو دیکھتا رہا پھر نفی میں سر ہلایا۔

"یہ میرا نہیں ہے، میں اسے نہیں پہچانتا۔" اس نے ایک ہی فقرے میں دو جھوٹ بولتے ہوئے شیشہ میز پہ رکھ دیا۔ سویرا خاموش ہو گئیں۔

☆☆☆

لابی میں معمول کی روشنی اور رونق تھی۔ دوپہر کا وقت تھا۔ لوگ آگے پیچھے گزر رہے تھے۔ بے فکر، خوش باش چہرے۔ ایسے میں شاید صرف اسی کا چہرہ فکرمند تھا، پُرتشویش تھا جو ریسپشن ڈیسک سے کہنی ٹکائے کھڑا، دور رکھی کانفرنس ٹیبل کی سربراہی کرسی پہ بیٹھی پارس کو دیکھ رہا تھا۔ پارس کی وہ لمبی میز لابی کے بالکل سرے پہ تھی اور اس وقت وہاں ایک آفیشل لنچ چل رہا تھا۔ پارس ریسپشن ڈیسک کے ساتھ خاموش کھڑے فائز کی جانب متوجہ نہیں تھی جو مسلسل اس کو دیکھتا، بس ایک ہی بات سوچ رہا تھا۔

"وہ شیشہ اس کے ہاتھ کیسے لگا؟ اسے کیسے پتا چلا کہ اس کا مالک فیضان ہے؟ وہ اسے جانتی ہے؟ کیا وہ یہ جانتی ہے کہ فائز ہی فیضان ہے؟" گزشتہ دو دنوں سے اس کے ذہن میں بار بار ابھرتے سوال اب سر میں درد کرنے لگے تھے۔

اسے بھائی جی کے قتل کا اور پارس کے قاتلہ ہونے کا ثبوت نہیں مل رہا تھا۔

اس کے پاس ہوٹل کے اہم کاغذ بھی نہیں تھے۔ اس کے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ ناکام ہو رہا تھا۔ سب بہت مشکل لگ رہا تھا اور اس سارے مسئلے کا ایک ہی حل تھا۔ جو کام وہ اس صبح جنگل میں ادھورا چھوڑ آیا تھا، اب پورا کر دے۔ ایک دفعہ پارس مر جائے، وہ سب ہتھیا لے گا۔ بھلا پھر کون اسے اور سویرا آپا کو ہوٹل سے نکالنے کی جرأت کر سکے گا۔ تنویر کو کی جانے والی رقم ٹرانسفر کے ثبوت کو وہ انہیں بلیک میل کرنے کے لیے استعمال کر سکتا ہے۔ یوں ان کا منہ بند ہو جائے گا۔ پارس

WWW.PAKSOCIETY.COM

مر جائے، سب ٹھیک ہو جائے گا۔
وہ اس لنچ پہ پہلے ہی پہنچ چکا تھا۔ آج وہ فیصلہ کر کے آیا تھا۔ اس نے لمبی ٹیبل کی سربراہی کرسی پہ بیٹھی پارس اور اس کے مہمانوں کو دیکھا اور پھر ان کے سامنے خالی برتنوں کو...... کھانا لگنے والا تھا۔ آرڈر دیے بیس منٹ ہو چکے تھے اور کسی بھی وقت سرونگ شروع ہونے والی تھی۔ فیضان مڑا اور تیز تیز قدموں سے ریسٹورنٹ کی طرف بڑھا۔ وہاں سے وہ ہوٹل کے کچن میں آیا۔

اُدھر معمول سے ذرا زیادہ افراتفری پھیلی تھی۔ ہیڈ ویٹر سارے میں بولتا، ڈانٹتا پھر رہا تھا۔ بار بار مسز پارس کی ٹیبل کے آرڈر کو دُہرایا جا رہا تھا سب تیار تھا۔ شیف نے سوپ کا بھرا ہوا پیالہ سجا کر ٹرے میں رکھا۔ جو ویٹر اسے اٹھانے کے لیے آگے آیا، فیضان کو دیکھ کر رکا۔

''پانی نہیں رکھا آپ نے۔'' اس نے برہمی سے ویٹر کو مخاطب کیا۔ وہ فوراً مستعدی سے پلٹا۔ بس پانچ سیکنڈ کے لیے سوپ والی ٹرے کے گرد فائز کے سوا کوئی نہ رہ گیا۔ اس نے تیزی سے جیب سے ایک ننھی شیشی نکالی اور سامنے سب کو دیکھتے ہوئے شیشی سوپ میں الٹی اور واپس جیب میں رکھ دی۔

گرم بھاپ اڑاتے سوپ میں وہ فوراً گھل مل گئی۔ ویٹر پانی لے کر واپس آیا، یہ میڈم پارس کا آرڈر تھا۔ وہ سب جانتے تھے۔

فائز وہاں سے نکل آیا۔ چند ہی لمحوں بعد وہ ریسپشن ڈیسک کے ساتھ کھڑا تھا۔ پارس اسی طرح مسکرا کر رسمی انداز میں اپنے مہمانوں سے بات کر رہی تھی۔ باری باری ویٹرز آ کر ان کے سامنے آرڈر رکھنے لگے۔ فائز کی نگاہیں ہر ایک ٹرے کو دیکھتیں پھر ان میں نفی کا تاثر ابھرتا۔ پارس کے خاص، سبزی کے سوپ کی ٹرے ابھی تک نہیں آئی تھی۔

فائز کے چہرے پہ بے چینی در آئی۔ دل دھڑک رہا تھا۔ کامیابی سے چند قدم دور یا کسی بڑی تباہی سے چند گز قریب، وہ کہاں کھڑا تھا، وہ نہیں جانتا تھا۔

''میں بھائی جی کی موت کا بدلہ لے رہا ہوں۔'' وہ خود کو کہہ رہا تھا مگر اس کا دل عجیب سے احساس میں گھرا تھا۔ دفعتاً اس نے ویٹر کو اس ہرے سوپ کی ٹرے لاتے دیکھا۔ وہ بالکل ساکن ہو گیا۔ جیسے کوئی مرا ہوا آدمی سیدھا کھڑا ہو۔

ویٹر نے ٹرے سے سوپ کا پیالہ سرونگ ڈش کے ہمراہ پارس کے سامنے رکھا۔ پارس نے نیپکن گود میں بچھاتے ہوئے ہلکا سا تھینکس کہا۔ لنچ شروع ہو چکا تھا۔ سب اپنے چھری کانٹے سنبھال رہے تھے، البتہ وہ اس وقت صرف سوپ لیا کرتی تھی۔

اس نے سویا ساس اٹھائی اور سوپ میں چند قطرے ٹپکائے۔ پھر چند ایک دوسری ساسز ڈالیں۔ سوپ کی سطح پر مختلف رنگوں کے قطرے اور دھاریں بکھری تھیں۔ اس نے سوپ کا چمچ دھیرے سے اندر ہلایا۔ سارے رنگ مکس ہوتے گئے۔ ہرا مائع ہلکے سے گہرے رنگ کا ہو گیا۔

پارس سر جھکائے، اس سرمئی ہرے مائع کو دیکھتے ہوئے ذرا سا مسکرائی۔ یہ مدھم مسکراہٹ اپنے مہمانوں کو دی جانے والی ہمیشہ والی مسکراہٹ سے قطعاً مختلف تھی۔ اس میں اداسی بھی تھی، امید بھی، دکھ بھی، ڈر بھی اور کوئی خوب صورت یاد بھی......

وہ دھیرے دھیرے چمچ ہلا رہی تھی۔ سارے رنگ اندر گھل مل گئے۔ سوپ میں تیرتے ٹکڑے گول گول گھوم رہے تھے۔ درمیان میں منجدھار سا بن رہا تھا...... گول گول گھومتا منجدھار......

رضوان حیات اس لمبی ٹیبل کی سربراہی کرسی پہ اکیلے بیٹھے تھے۔ ان کے مہمان لنچ کے بعد ابھی ابھی اٹھ کر گئے تھے۔ وہ سبزی کا سوپ کب کا ختم کر چکے تھے اور اب نیپکن سے لب تھپتھپا رہے تھے۔

ویٹرز آگے پیچھے پھرتے برتن اٹھا رہے تھے۔ باقی لوگوں نے جی بھر کر کھایا تھا البتہ رضوان کے سامنے صرف سوپ کا خالی پیالہ تھا۔ وہ دوپہر میں صرف سوپ لیتے تھے۔

نیپکن رکھ کر انہوں نے سر اٹھایا تو ریسپشن پہ کھڑی وہ...... بالیوں والی لڑکی انہی کو دیکھ رہی تھی۔ ان کو دیکھتا پا کر وہ جھینپ کر نیچے جھک گئی۔ پھر سیدھی ہوئی تو ہاتھ میں ایک پیکٹ تھا۔ اب وہ کاؤنٹر کے ایک طرف سے نکل کر اُن کی سمت آ رہی تھی۔

رضوان ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھے گئے۔ سیاہ کوٹ اور اندر بھورے گرم سویٹر میں وہ ہمیشہ کی طرح باوقار لگ رہے تھے۔ ریسپشنسٹ مدھم مسکراہٹ کے ساتھ چلتی ان تک آئی اور جھک کر پیکٹ ان کے سامنے رکھا۔

''سر! تنویر صاحب صبح میں دے کر گئے تھے، ان کو شہر سے باہر جانا تھا۔ آپ دیکھ لیں۔''

''تھینکس، پارس۔'' رضوان حیات نے پیکٹ اٹھا کر کھولا۔ پارس کا چہرہ چمکنے لگا۔ کوئی کچھ نہ کہے، بس آپ کا نام پکار کر ایک لفظ بھی بول دے تو کتنا اچھا لگتا ہے......

وہ عینک لگا کر اندر موجود کاغذ پڑھنے لگے۔

''بیٹھ جائیں، کھڑی کیوں ہیں؟'' پڑھتے ہوئے انہوں نے کہا۔

''تھینک یو، سر! مگر اچھا نہیں لگے گا۔''

''کس کو؟'' انہوں نے عینک کے اوپر سے اسے دیکھا جو ہاتھ باندھے کھڑی تھی۔

''میرے ساتھی ریسپشنسٹ کو۔ اسے لگے گا، باس کے ساتھ بیٹھ کر مجھے ترقی مل رہی ہے اور اپنے پڑوسی کی ترقی کسی کو اچھی نہیں لگتی سر! بادشاہ، بادشاہ سے جلتا ہے اور فقیر، فقیر سے۔'' وہ جیسے بے بسی سے مسکرائی۔ رضوان نے مسکرا کر سر جھٹکا۔

''جب آپ ہماری ریسپشنسٹ ہوتی ہیں تو بہت اچھی باتیں کرتی ہیں اور جب نہیں ہوتیں تو صرف باتیں کرتی ہیں اور وہ اچھی نہیں ہوتیں۔'' وہ کاغذ پہ نگاہیں دوڑاتے کہہ رہے تھے۔

''میں نے فیصلہ کر لیا ہے سر۔'' وہ بولی تو اس کا پورا چہرہ glow کرنے لگا۔ ''میں بدلنا چاہتی ہوں، میں لوگوں کے ہاتھوں مزید ایکسپلائٹ نہیں ہونا چاہتی۔ میں مضبوط بننا چاہتی ہوں۔''

''تاکہ آپ شادی کر لیں اور وہ گھر آپ کو مل جائے؟'' وہ طنز نہیں کر رہے تھے، پوچھ رہے تھے۔

پارس نے مسکرا کر نچلا لب دانتوں سے دبایا۔

''سر! مجھے اس گھر سے بڑھ کر آپ سے کچھ اور چاہیے۔ وہ اعتماد جو آپ میں ہے، مجھے وہی مضبوطی چاہیے۔''

''مگر آپ تو کہتی ہیں کہ میں خود کو نہیں بدل سکتا تو آپ کو کیسے بدلوں گا؟''

''آپ بھی بدل جائیں گے کیونکہ کوئی پینٹر ایسا نہیں ہوتا جو کسی تصویر میں رنگ بھرے اور اس کے اپنے ہاتھوں پہ رنگوں کے نشان نہ پڑیں اور ایسا کبھی نہیں ہو سکتا کہ آپ کسی کے اوپر عطر کی پوری بوتل انڈیل دیں اور آپ کے اپنے ہاتھ نہ مہکیں۔''

''اچھا واقعی!'' رضوان حیات نے دلچسپی سے اسے دیکھا۔ ''اگر آپ بدلنا چاہتی ہیں تو ڈرنا چھوڑ دیں۔''

''چلیں، چھوڑ دیا۔''

''پھر اپنے ساتھی ریسپشنسٹ کی پروا نہ کرتے ہوئے بیٹھ جائیں۔'' انہوں نے قریبی کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ پارس کے چہرے پر مسکراہٹ سمٹی، اس کی جگہ ہیجان نے لے لی۔ اس نے ایک متذبذب نگاہ ریسپشن پر ڈالی جہاں ساتھی لڑکا کوئی فون اٹینڈ کرتے ہوئے مسلسل ان دونوں کو دیکھ رہا تھا۔

''اگر آپ نہیں بیٹھیں گی تو میں اس کو بلا کر پوچھ لیتا ہوں کہ اس کو کوئی مسئلہ تو نہیں ہے اس بات سے؟''

WWW.PAKSOCIETY.COM

"اٹس اوکے سر!" وہ تیزی سے دائیں ہاتھ کی قطار کی پہلی کرسی پہ بیٹھ گئی پھر ہمت کر کے مسکرائی۔

"آپ جتنا ڈریں گی، لوگ آپ کو مزید ڈرائیں گے۔ جب ڈرنا چھوڑیں گی تو لوگ آپ سے ڈرنے لگیں گے۔ غلط بات پہ خاموش رہنا چھوڑ دیں، آپ سے کوئی غلط بات کرنے کی ہمت نہیں کر سکے گا۔ بس اب آپ جا سکتی ہیں۔ آخر آپ کو اپنے ساتھی کا غصہ بھی تو سہنا ہے۔"

"میں اس سے نہیں ڈرتی۔" وہ گردن سیدھی اٹھا کر مجبوراً خود پہ طاری کردہ فخر سے بولی اور کھڑی ہو گئی۔

"وہ تو میں دیکھ رہا ہوں۔" وہ واپس کاغذات کی جانب متوجہ ہو گئے۔ پارس دھڑکتے دل کے ساتھ واپس اپنی جگہ پہ آئی تو ساتھی لڑکا جواب کی بورڈ پہ کچھ ٹائپ کر رہا تھا، تیزی سے اس کی طرف مڑا۔

"رضوان صاحب تم سے کیا کہہ رہے تھے؟"

"کچھ نہیں۔" پارس سر جھکائے اپنے پرس کو کھنگالتے ہوئے بولی۔

"مگر تم اُن کے ساتھ بیٹھی تھیں۔"

پارس نے آنکھیں بند کیں گہری سانس اندر اتاری پھر آنکھیں کھول کر گردن اٹھا کر اسے دیکھا۔

"وہ تمہیں جاب سے نکال کر کسی اور کو ریسپشن پہ رکھنا چاہتے ہیں۔ مجھ سے پوچھ رہے تھے کہ ایسا کریں یا نہیں۔ میں نے کہا، نہ کریں، یہ لڑکا بہت اچھا کام کر رہا ہے۔ بس یہی بات تھی۔" وہ سنجیدگی سے کہہ کر اپنے کمپیوٹر پہ جھک گئی۔ وہ ہکا بکا اسے دیکھ رہا تھا۔

گول، گول گھومتا منجدھار اب ساکن ہو رہا تھا۔ پارس نے سوپ کو ہلانا ترک کر دیا تھا۔ اس کی مسکراہٹ اب سمٹ کر محض آزردگی کا نشان رہ گئی تھی۔ آنکھوں میں، دل میں، بس ایک تکلیف۔ اس نے بے اختیار سر اٹھا کر ریسپشن ڈیسک کو دیکھا۔ وہاں پہ وہی لڑکا آج بھی کوئی فون اٹینڈ کر رہا تھا۔

ساتھ کاؤنٹر پہ کہنی رکھے فائز کھڑا تھا۔

پارس ہلکا سا مسکرائی۔ فائز جواباً بدقت تھکان سے مسکرایا جیسے وہ مضطرب اور ناخوش ہو۔ پارس اپنے سوپ کی طرف متوجہ ہوئی۔

لوگ خود چلے جائیں، تب بھی اپنے اثرات، اپنی عادات ہمارے اردگرد ثبت کر جاتے ہیں۔ یہ سوپ بھی اس کے روڈ میپ کا ایک سائن بورڈ تھا۔

فائز نے دھڑکتے دل سے اسے دیکھا۔ اس کے لب اضطرابی انداز میں بھنچے ہوئے تھے۔ اس نے کہنی کاؤنٹر سے ہٹا دی تھی۔ وہ اب کسی اور طرف نہیں دیکھ پا رہا تھا۔

پارس نے چمچ بھرا اور لبوں کے قریب لے کر آئی۔ کن انکھیوں سے اسے کاؤنٹر پہ حرکت کا احساس ہوا۔ اس نے فائز کو اپنی جانب آتے دیکھا۔ چمچ نے ابھی اس کے لبوں کو چھوا ہی تھا کہ......

"اسٹاپ۔" وہ تیزی سے اس کے سر پہ پہنچا اور اس کا چمچ والا ہاتھ پکڑ کر پرے کیا۔ پارس کا ہاتھ مڑا، سوپ چھلک گیا، وہ شاکڈ رہ گئی باقی لوگ بھی اسے دیکھنے لگے۔

"میم، آئی ایم سوری مگر......" وہ اس کا ہاتھ چھوڑ کر ہانپتے ہوئے بول رہا تھا۔ "مگر جب ویٹر لا رہا تھا تو میں نے...... دیکھا اس میں کوئی کیڑا گرا اور پھر باہر نکل گیا۔ آئی ایم سوری......" اس نے دونوں ہاتھ اٹھا کر سب سے معذرت کی۔ "مت پئیں، یہ خراب ہو چکا ہے سوری۔" اس نے سوپ کا پیالہ اٹھا لیا پھر سب سے معذرت کی اور تیزی سے وہاں سے چلا گیا۔ البتہ اب اس کے چہرے پر ذرا سکون تھا۔

پارس حق دق بیٹھی تھی۔ دماغ ذرا کام کرنے کے قابل ہوا تو اس نے بدقت مسکرا کر تمام لوگوں کو دیکھا جو کھانا چھوڑ کر بیٹھے تھے۔ اس نے معذرت کی اور کوئی اور ذکر چھیڑ دیا۔ چند لمحوں میں ماحول نارمل ہونے لگا۔

...ے وہ خود گا ہے بہ گاہے پریشانی سے ریسپشن پہ نظر ...ال لیتی تھی۔ فائز اب وہاں کہیں نہیں تھا۔

☆☆☆

شکیل لاؤنج کے صوفے پہ ٹانگیں لمبی کیے بیٹھا ...ٹی وی دیکھ رہا تھا۔ ساتھ میں وہ ایک خوب صورت ...کرسٹل پلیٹ..... میں رکھے خشک میووں سے بھی ...انصاف کر رہا تھا۔ فیروزہ مائی کچن سے نکلی تو اسے ...دیکھ کر فکر مند نظر آنے لگی۔ وہیں اس کے سامنے آ کر بیٹھ گئی اور بولی۔

"شکیل! تو نے آگے کا کیا سوچا؟"

"سوچنا کیا ہے، جو ذہن میں تھا بتا دیا۔ بتانے ...سے یاد آیا، ہزار دو ہزار ہوں گے تیرے پاس؟" ...اس نے اس پلیٹ...... کے بادام کے خانے میں ...سے مٹھی بھری اور منہ میں رکھتے ہوئے پوچھا۔

"میرے پاس کچھ نہیں ہے وہ کچھ دیتی ہی ...ب ہے؟" فیروزہ مائی کی جان جل گئی۔

"پہلے بھی تو نہیں دیتی تھی تو خود لے لیتی تھی۔ ...ب کیا ہو گیا ہے؟"

"پہلے وہ رضوان حیات کی بیوی نہیں تھی۔"

"بیوہ۔" اس نے اب دو انگلیوں سے کشمش ...اٹھاتے ہوئے تصحیح کی۔

"اب میں اس کے منہ نہیں لگنا چاہتی۔"

"مگر اس کے تالوں میں چابی تو اب بھی تُو لگا ...سکتی ہے امی۔" شکیل سیدھا ہو کر بیٹھا اور سنجیدگی سے ...اسے دیکھا۔

"چپ کر۔" فیروزہ مائی نے گھبرا کر اِدھر اُدھر ...دیکھا اور پھر شکیل کو......

"...لے کھا اور سوچ، اس کے لاکرز کدھر ہوتے ...ہیں۔" شکیل نے کرسٹل کی ڈرائی فروٹ پلیٹ اس ...طرف بڑھائی۔ فیروزہ مائی نے تشویش زدہ ...نظروں سے اسے دیکھا۔ گول پلیٹ میں کر اس لگا ...کر خانے بنے تھے۔ ہر خانے میں میوے تھے۔

بادام، اخروٹ، کشمش اور کاجو۔ تمام خشک میوہ جات آدھے، آدھے بچے تھے۔ ان کے خانوں میں کرسٹل کی زمین نظر آ رہی تھی، دھندلا کرسٹل جو منعکس بھی کرتا اور آر پار بھی دکھاتا۔

فیروزہ مائی کی نگاہیں کرسٹل کی سطح پہ جم گئیں۔ اَن مٹ کہانیاں ایک دفعہ پھر ابھرنے لگی تھیں۔

کمرے کا دروازہ آدھا کھلا تھا۔ شکیل نے آواز دینے کا سوچا۔ پھر ارادہ ترک کر کے اندر جھانکا۔ سامنے کا منظر دیکھتے ہی اس کی آنکھیں اچنبھے سے پھیلیں۔

فیروزہ مائی زمین پہ بیٹھی، الماری کے نچلے خانے سے کچھ تلاش کر رہی تھی۔ تلاش کافی دیر سے جاری تھی کیونکہ ساری الماری کا سامان باہر بکھرا تھا۔

"امی!" فیروزہ مائی ڈر کر پلٹی۔ اسے دیکھتے ہی اس کی اُڑی رنگت بحال ہوئی جیسے سانس میں سانس آئی۔

"تو نے تو مجھے ڈرا ہی دیا تھا۔" وہ سونے کے جھمکوں والے کانوں کے پیچھے دوپٹا اُڑس کر دوبارہ الماری کی طرف متوجہ ہوئی۔ شکیل نے حیرت سے سارے میں نظر دوڑائی۔

"تو کیا کر رہی ہے پارو کی الماری میں؟ اور پارو کدھر ہے؟" ساتھ ہی آس پاس دیکھا۔

"وہ ٹیوشن سینٹر گئی ہے۔ موقع اچھا ہے اس کے آنے تک میں اس کے صندوق کی چابی ڈھونڈ لوں گی۔" فیروزہ مائی کے ہاتھ اور زبان مسلسل چل رہی تھی۔ شکیل نے الجھن سے اسے دیکھا تبھی چارپائی پہ رکھا چھوٹا سا صندوق نظر آیا جس کو ننھا سا تالا لگا تھا۔

"اس میں کیا ہے؟"

"پارو کی ماں کا زیور ہے۔ اس نے اپنی بہن کے پاس رکھوایا تھا۔ کل وہ ایبٹ آباد سے آئی تھی تو پارو کو دے گئی ہے۔"

"اچھا، وہ پارو کی خالہ اس لیے آئی تھی؟"

WWW.PAKSOCIETY.COM

شکیل نے ساتھ ہی صندوق اٹھایا۔ چھوٹا سا جیولری باکس۔ اس نے ہلایا۔ اندر چیزیں چھن چھن بجیں۔

"مل گئی۔" فیروزہ مائی کی فاتحانہ پکار بلند ہوئی۔ تھکاوٹ مگر خوشی سے معمور پکار۔ وہ ننھی سی چابیوں کا رِنگ لیے پلٹی اور صندوق شکیل کے ہاتھ سے جھپٹا۔

"تو زیور کا کیا کرے گی؟"

"چپ تو کر۔" اس نے تالا کھولا اور ڈھکن اٹھایا۔ اندر سونے کی چمک نے آنکھیں خیرہ کر دیں۔ گو کہ ایک ہار، دو بندے اور دو کڑے ہی تھے اور بہت بھاری بھی نہ تھے مگر پیلے رنگ کی اس دھات کی شکل ہی دل باندھ دیا کرتی ہے۔

"تو باہر دیکھ، وہ آ نہ جائے۔" اس کو دروازے پہ پہرہ دینے کا کہہ کر فیروزہ مائی جلدی جلدی زیور نکال کر اپنے دوپٹے پر رکھنے لگی۔ پھر اس نے دوپٹے کے پلّو کے کونے پر باندھ کر پوٹلی بنائی، آخری گرہ دی اور......

"لے کھاناں......" شکیل کی آواز پر وہ چونکی۔ پھر بددلی سے نفی میں سر ہلایا۔

"مجھے نہیں پتا وہ پیسے کدھر رکھتی ہے۔ کمرے میں شاید کوئی لاکر ہو اور......"

شکیل اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ جانتی تھی وہ کیا کرنے جا رہا ہے، سو بات ادھوری چھوڑ دی اور خود بھی اس کے پیچھے چلی آئی۔ پریشانی، تجسس۔ لالچ سب گڈمڈ ہو گیا۔

پارس کے کمرے میں خاموشی اور نیم تاریکی تھی۔ شکیل نے بتی جلائی اور پھر الماری کے ایک، ایک کر کے سارے پٹ کھولے۔ نفاست سے ٹنگے کپڑے، تہ لگی شالز، جوتے۔ صرف ایک نظر میں ہی ساری الماری سامنے آ گئی۔ شاید آدھا منٹ بھی نہیں ہوا جب شکیل کو نچلے، جوتوں کے خانے میں سیف نظر آیا۔ وہ پنجوں کے بل جھکا اور سیف کو باہر نکالنا چاہا مگر وہ وہاں نصب تھا۔ اس نے جھکے، جھکے اس کے دروازے پر ہاتھ پھیرا۔

وہاں صفر سے نو تک دس ہندسے بنے تھے اور ساتھ چھوٹی سی اسکرین۔

"یہ کیسے کھلے گا؟" فیروزہ مائی اس کی پشت پر جھکی تشویش سے دیکھ رہی تھی۔

"اس کا پاس ورڈ لگانا پڑے گا، تجھے پتا ہے پاس ورڈ کیا ہے؟" شکیل نے نمبرز پر ہاتھ پھیرتے ہوئے پوچھا۔

"میں بتاؤں پاس ورڈ؟"

وہ دونوں کرنٹ کھا کر پلٹے۔

دروازے میں پارس کھڑی تھی۔ سینے پہ بازو لپیٹے، کندھے پر پرس، چہرے پر سکون اور آنکھوں میں سرد مہری۔ شکیل تھوک نگلتے بہ مشکل اٹھا۔ فیروزہ مائی کا چہرہ فق ہو چکا تھا۔

"وہ......" فیروزہ مائی نے کچھ کہنا چاہا، پارس نے ہاتھ اٹھا کر روکا۔

"کسی جھوٹ کی ضرورت نہیں ہے، یہ میری خالہ کے صندوق کا تالا نہیں ہے جسے تم دونوں کھول لو گے۔" وہ اندر آئی اور پرس اتار کر سنگار میز پر رکھتے ہوئے بولی۔ "اس لیے میرا تم دونوں کے لیے ایک مشورہ ہے۔" گلاسز میز پر رکھ کر وہ پلٹی اور شکیل کے سامنے آ کر اس کی آنکھوں میں دیکھ کر سختی سے بولی۔

"یہ میرا گھر ہے، اگر ادھر رہنا ہے تو انسانوں کی طرح رہو، ورنہ تمہارا سامان اٹھا کر باہر پھینکنے میں مجھے پانچ منٹ بھی نہیں لگیں گے، سمجھے تم؟"

"تم سیدھے طریقے سے پیسے دے دو، تو مجھے انگلیاں ٹیڑھی نہیں کرنی پڑیں گی۔" وہ سنبھل چکا تھا اس لیے خباثت سے مسکرا کر بولا۔

"ایک پیسہ نہیں دوں گی، جو کرنا ہے کر لو، ناؤ گیٹ آؤٹ۔" اس نے انگلی سے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ شکیل نے کالر جھٹکا، منہ ہی منہ میں

WWW.PAKSOCIETY.COM

مسکرا کر کچھ بولا اور باہر نکل گیا۔ فیروزہ مائی پارس سے نگاہ ملائے بغیر جانے کے لیے مڑی تو اس نے اسے کہنی سے تھام کر روکا۔

"اپنے بیٹے کو سمجھا دو، ورنہ تم نے ہی کہا تھا کہ پارس نے رضوان حیات کو مارا ہے تو یاد رکھو، اگر میں رضوان حیات کو مار سکتی ہوں تو تمہارا بیٹا کیا چیز ہے؟" انگلی اٹھا کر تنبیہہ کرتے ہوئے وہ بولی تو بیک وقت فیروزہ مائی کے چہرے پر کئی رنگ آ کر گزر رے مگر وہ کچھ کہے بِنا باہر نکل گئی۔

شکیل اپنے کمرے میں بیڈ کے سرے پر بیٹھا تھا۔ فیروزہ مائی نے اندر قدم رکھا تو اس نے سر اٹھایا۔

"یہ تو واک کے لیے گئی تھی، اتنی جلدی کیسے آ گئی؟" فیروزہ مائی جواب دیے بِنا قریب آئی اور شکیل کا چہرہ سوگواریت سے دیکھا۔

"تو ٹھیک کہتا تھا اگر یہ زندہ رہی تو رضوان حیات کی طرح تجھے بھی مار دے گی، ناگن۔"

"یعنی تو میرے ساتھ ہے امی؟" بالآخر شکیل کے چہرے پر سکون آمیز مسکراہٹ ابھری۔

فیروزہ مائی نے سر ہلا دیا۔ نفی میں نہیں۔ اثبات میں......

☆☆☆

وہ بیڈ پر چت لیٹا تھا۔ بیڈ کور سینے تک ڈلا تھا اور ویران آنکھوں سے وہ چھت کو تک رہا تھا۔ کمرے میں اندھیرا سا تھا۔ چوکھٹ پہ کھڑے شخص کا پہلے ہیولا نمودار ہوا پھر اس نے لائٹ جلائی تو بستر پر لیٹا فیضان چونکا۔

"فیضی! ایسے کیوں لیٹے ہو؟ طبیعت تو ٹھیک ہے؟" سویرا آپا آگے آئیں اور اس کی پیشانی چھوئی۔

"ٹھیک ہوں۔ بس تھک گیا تھا۔" وہ سیدھا ہو کر اٹھ بیٹھا اور دونوں آنکھیں ملیں بہت دیر اندھیرے میں رہنے کے بعد ایک دم ڈھیر ساری روشنی یونہی چند لمحے کے لیے بصارت کو چندھیا دیتی ہے...... مگر پھر جیسے جیسے آنکھیں عادی ہوتی ہیں ہر شے واضح نظر آنے لگتی ہے، اور...... دل مزید بوجھل ہو جاتا ہے۔

"آپ اِدھر کیسے؟ کسی نے دیکھ لیا تو؟" اس نے پلکیں سکیڑے سویرا آپا کو دیکھا، جو اَب سامنے کرسی پہ بیٹھ گئی تھیں۔

"پارس آفس میں ہے اور مجھے باقی کسی کا خوف نہیں مگر تم اتنے بجھے بجھے کیوں لگ رہے ہو؟"

"یونہی۔" فیضان نے پھر سر جھکا دیا۔ وہ رات سے یونہی لیٹا تھا اور اب صبح ہو چکی تھی۔ اس کے جوگرز ابھی تک پیروں میں تھے۔ گزشتہ روز والا اضطراب بھی چہرے پہ تھا۔

"تنویر بھائی کا فون آیا تھا، بتا رہے تھے کل تم نے پارس کا سوپ اُلٹ دیا۔ اس کا اتنا خیال کب سے ہونے لگا تمہیں؟" وہ خفا تھیں اور مشکوک بھی۔

فیضان نے تھکی تھکی نگاہوں سے سویرا آپا کو دیکھا۔

"کیونکہ میں بہت کچھ ہو سکتا ہوں مگر قاتل نہیں۔ میں اسے قتل کرنا چاہتا تھا مگر نہیں کر سکا۔"

"فیضی!" وہ مزید کچھ نہ بول سکیں۔

"ہاں اس نے بھائی جی کو قتل کیا ہے، ہاں اس نے ہم سے بھائی جی کو چھینا ہے مگر میں اسے قتل نہیں کر سکتا۔ مجھ سے یہ نہیں ہوا۔" وہ سر دونوں ہاتھوں میں گرائے تھکاوٹ سے کہہ رہا تھا۔

"تم اپنے مقصد سے ہٹ رہے ہو۔ یاد ہے تم نے یہاں آنے سے قبل مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ جب تم یہاں سے جاؤ گے تو پارس اِدھر نہیں ہو گی۔" وہ بے چینی سے تیز تیز بول رہی تھیں جیسے پٹڑی کے آگے سے ہٹ جانے والے بچے کی انگلی پکڑ کر اسے جلدی، جلدی ٹرین کے سامنے لانے کی کوشش کر رہی ہوں۔

"مگر میں کیا کروں؟ میں اس کو مار نہیں سکتا۔

مجھے اب بھی شک ہے کہ وہی بھائی جی کی قاتل ہے مگر میں اس کے ساتھ وہ نہیں کر سکتا جو اس نے بھائی جی کے ساتھ کیا۔ میں کسی سے یوں جینے کا حق نہیں چھین سکتا۔ ہم قانونی کارروائی کر رہے ہیں ناں، کیا وہ بہت نہیں ہے؟"

سویرا آپا نے افسوس سے اسے دیکھا۔

"ہو تو تم بھائی جی کے بھائی۔ اس کے حُسن نے تمہیں بھی ان کی طرح مسحور کر دیا ہے مگر یاد رکھنا، میں تمہیں بھائی جی والی غلطی نہیں کرنے دوں گی۔"

"آپ بات کو کس طرف لے کر جا رہی ہیں؟ مجھے اس کی شکل سے کوئی لینا دینا نہیں ہے۔" وہ برا مان کر بولا مگر سویرا آپا نفی میں سر ہلاتی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"تم بزدل ہو گئے ہو فیضی۔" حسبِ توقع اس کا چہرہ سرخ ہوا۔

"میں بزدل نہیں ہوں، میں صرف......"

"اور کسے کہتے ہیں بزدلی؟ تم اگر اپنے باپ جیسے بھائی کے قتل کا بدلہ نہیں لے سکتے تو تم اپنے مرد ہونے پر لعنت کرنا۔" وہ غصے میں کہہ کر تیزی سے باہر نکل گئیں۔ فیضی لب کاٹتا ان کو دیکھتا رہ گیا پھر بے اختیار بے بسی و غصے سے بیڈ پہ زور سے مکا مارا۔

"ڈیم اٹ......!"

پھر کھڑکی میں آ کھڑا ہوا تو دیکھا دور جنگل میں پارس چلتی جا رہی تھی۔ وہ خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔

☆☆☆

کینوس شوز پہنے تیز تیز چلتی وہ درختوں کے بیچ سے گزر رہی تھی۔ بال ڈھیلے جوڑے کی شکل میں بندھے تھے اور چہرے پہ مدھم سی مسکراہٹ تھی۔ صبح کی ہوا یہاں پھولوں کے اوپر سے بہہ کر اس کے نتھنوں میں گر رہی تھی۔ خوب صورتی در خوب صورتی۔

اس نے ہلکا سا سویٹر پہن رکھا تھا جس کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے وہ مگن سی قدم اٹھا رہی تھی۔ درخت، ہر پتے پہ ایک یاد رقم تھی۔ وہ جب بھی تنہا ہوتی، یادوں کا روڈ میپ پھر سے کھلنے لگتا۔

ایک درخت کے سامنے وہ بے اختیار رکی۔ پھر اس کے تنے پہ ہاتھ پھیرا۔ وہاں چاقو سے ایک تاریخ کُھدی تھی۔ سات ماہ قبل دسمبر کی تاریخ۔

پارس کی آنکھیں گلابی پانی میں ڈوبنے لگیں، اس نے انگلیوں سے ان ہندسوں کو چھوا۔ ہر عدد صاف تھا۔ ہر لکیر، ہر دائرہ، سب واضح تھا۔ پھر بھی اس کی آنکھوں کی دھندلاہٹ میں وہ دھندلا پڑتا گیا۔ اس نے جھپک کر پلکیں کھولیں تو درخت کا تنا صاف تھا۔ اس پر کچھ نہ لکھا تھا اور وہ اسی طرح اس کے سامنے کھڑی تھی اور اس نے گھٹنوں تک آتا اوورکوٹ پہن رکھا تھا اور بال کھلے تھے۔ ہاتھ میں چاقو تھا جس کی نوک کو تنے پہ رکھے وہ کچھ لکھنے کا سوچ رہی تھی۔ یک دم چونک کر پلٹی۔

پیچھے رضوان کھڑے تھے۔ جیبوں میں ہاتھ ڈالے، ہڈ والا جیکٹ پہنے مسکراتے ہوئے، درخت سے ٹیک لگا کر اسے دیکھتے ہوئے۔

"آپ میرا پیچھا کر رہے تھے؟" وہ مسکراہٹ دبا کر خفگی سے بولی۔

"نہیں، میں یہ دیکھنا چاہ رہا تھا کہ آپ لکھنا جانتی ہیں یا نہیں۔"

"اور کس نتیجے پر پہنچے آپ؟"

"یہی کہ آپ نہیں جانتیں، ورنہ اتنی دیر چاقو پکڑے بیکار نہ کھڑی رہتیں۔" پارس نے بہ مشکل مسکراہٹ روکی۔

"میں سوچ رہی تھی کہ کیا لکھوں مگر ابھی فیصلہ نہیں کر پائی۔ ویسے مجھے پتا تھا آپ ضرور آئیں گے۔" وہ دونوں آمنے سامنے درختوں کے بیچ کھڑے تھے۔

"پچھلے چار دن سے ہم اکٹھے واک کر رہے ہیں، اس لیے مجھے بھی معلوم تھا کہ آپ میرا انتظار کریں گی۔"

WWW.PAKSOCIETY.COM

"مجھے واک کی عادت نہیں ہے مگر میں ہر دفعہ وہ گھر دیکھنے آتی ہوں جو آپ مجھے گفٹ کرنے جا رہے ہیں۔" اب کے وہ شرارت سے مسکرادی تھی۔ رضوان نے جیبوں میں ہاتھ ڈالے، کندھے اچکائے۔

"کل میں نے وہ گھر خرید لیا ہے، اب بتائیں، کب ہے آپ کی شادی؟"

"نہیں...... سر...... وہ تو...... وہ تو محض ایک مذاق تھا۔" پارس کی مسکراہٹ غائب ہوئی، آنکھوں میں حیرت اتری اور پھر پریشانی۔

"میں مذاق نہیں کر رہا تھا اور میں اس طرح کے مذاق نہیں کرتا۔"

"مگر سر...... اوہ گاڈ...... آپ نے وہ گھر خرید لیا؟ میرے لیے؟" اس کی تو جیسے سانس رک گئی تھی۔ رضوان نے مسکرا کر سر کو خم دیا۔

"میں نے آپ سے وعدہ کیا تھا مگر اس وعدے کی ایک شرط بھی تھی۔ آپ شادی ضرور کریں گی۔"

پارس لب کاٹتی انہیں دیکھنے لگی۔ بھویں بھینچے وہ پریشان نظر آرہی تھی۔

"سر! میں یہ گھر...... اتنا بڑا گفٹ...... میں نہیں لے سکتی۔"

وہ چلتے ہوئے اس کے قریب آئے اور بالکل سامنے آرکے۔

"کل آپ نے کہا تھا کہ جب سے آپ میرے ساتھ واک کرنے لگی ہیں، آپ میں اعتماد آرہا ہے، آپ اچھا محسوس کرتی ہیں۔ پارس وہ اعتماد اگر میرا دیا تحفہ ہے اور آپ وہ قبول کرتی ہیں تو وہ اس گھر سے بڑا تحفہ ہے کیونکہ خود پہ اعتماد ایک ایسی چیز ہے جو آپ پیسے سے نہیں خرید سکتیں۔"

پارس کی آنکھوں میں اداسی اتری۔ اس نے پلکیں جھکا دیں۔

"میں نے آپ سے وعدہ کیا تھا کہ میں شادی کروں گی مگر شاید میں شادی کرنا ہی نہیں چاہتی۔"

"کوئی چھوڑ کر چلا گیا تھا جس کا انتظار کر رہی ہیں؟" انہوں نے آنکھیں سکیڑے بغور اس کے جھکے سر کو دیکھا۔

"نہیں، ایسا نہیں ہے۔" پارس نے چونک کر چہرہ اوپر کیا۔ البتہ اس کے چہرے پر کئی رنگ آکر گزرے تھے۔

"تو پھر زندگی کا فیصلہ کرلیں، ورنہ بہت دیر ہو جائے گی۔"

"آپ میرے بارے میں اتنے فکرمند کیوں رہتے ہیں؟" اس نے پوچھا تو اس کی آواز میں زمانوں کی اداسی تھی۔

"مجھے آپ میں اپنا آپ نظر آتا ہے۔ اپنی جوانی اور مجھے افسوس ہوتا ہے کہ اس وقت میں نے شادی کیوں نہیں کی، اس لیے چاہتا ہوں کہ میری غلطی آپ نہ دُہرائیں۔"

"تو آپ اب کرلیں شادی۔" اس کے لبوں سے بے اختیار پھسلا۔

"اس عمر میں مجھ سے کون کرے گا شادی؟" وہ ہلکے سے مسکرائے۔

"ارے۔" اس کی آنکھیں حیرت سے پھیلیں۔ "آپ رضوان حیات ہیں، آپ سے تو ہزاروں لڑکیاں شادی کرنے پر راضی ہوں گی۔"

"مگر ان ہزاروں میں سے ایک بھی میری دولت کے بجائے میری ذات سے محبت نہیں کرتی ہوگی۔ مجھے کوئی ایسی بیوی نہیں چاہیے جو میرے مرنے کا انتظار کرے تاکہ تب وہ ساری دولت سمیٹ کر اپنے کسی چاہنے والے کے ساتھ چلی جائے۔ مجھے ایسی بیوی چاہیے جو میری ساتھی ہو۔ وہ جیسے عیسائی شادی کے وقت عہد لیتے ہیں ناں کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھی رہیں گے۔
"in sickness and in health"
بالکل ویسی ہی صحت اور بیماری میں ساتھ رہنے والی چاہیے مجھے۔"

"کوئی تو ملی ہوگی ایسی؟" وہ چند لمحے خاموشی سے دیکھتے رہے پھر دوبارہ مسکرائے مگر اداسی سے۔

"ہاں، ملی مگر بہت دیر سے۔"

"کیا مطلب؟" اس نے بھویں سکیڑیں۔

"ایسا کریں، یہاں آج کی تاریخ لکھ لیں۔" انہوں نے درخت کی طرف اشارہ کیا۔ "کیونکہ آج کے دن ہی مجھے احساس ہوا کہ وہ مجھے کتنی دیر سے ملی۔"

"مگر...... پہلے آپ بتائیں اگر ایک عورت آپ کے ساتھ مخلص ہے تو اس کو پروپوز کرنے سے کیا چیز آپ کو روک رہی ہے؟" وہ ناراضی سے بولی جبکہ دماغ وہیں اٹکا تھا۔ رضوان حیات کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔ اداسی بڑھی۔

"اس کے ہاتھ میں پکڑا چاقو۔" وہ دھیرے سے بولے۔

اور چاقو بنا آواز کے زمین پہ جا گرا۔ پارس کی سانس رکی، آنکھوں میں بے یقینی اتری۔ وہ بالکل ساکت ہوگئی تھی۔

"آئی ایم سوری، مجھے آپ کو یہ کبھی نہیں بتانا چاہیے تھا۔" وہ مزید اس کی طرف دیکھے بنا پلٹ گئے۔ وہ ہکا بکا انہیں جاتا دیکھتی رہی۔ دل و دماغ سُن ہوکر رہ گئے تھے۔ وہ درختوں کے بیچ دور جاتے نظر آرہے تھے۔ ان کے جیکٹ کی ہڈ ہوا سے ہولے ہولے جھول رہی تھی، پارس نے انہیں آواز دینی چاہی مگر حلق میں کانٹے اُگ آئے۔ وہ سردی میں کسی برف کا بت بنی کھڑی رہی۔

پھر کتنی ہی دیر بعد اس نے جھک کر چاقو اٹھایا اور پلٹ کر تنے پہ ہندسے کھودنے لگی۔ جو بھی تھا، وہ اس شخص کی بات نہیں ٹال سکتی تھی۔

"کیا یہ کوئی خاص تاریخ ہے؟" آواز پر پارس ڈر کر پلٹی۔ ماضی کا فسوں لمحے بھر میں غائب ہوگیا تھا۔ اس کے پیچھے شجاع کھڑا تھا۔

وہ پرانی یاد میں اتنی الجھی ہوئی تھی کہ ٹھیک سے ردِعمل بھی نہ ظاہر کرسکی۔ شجاع کو دیکھا، اردگرد درختوں کو اور واپس کھُدے ہوئے تنے کو۔

"تم رو رہی ہو، پارس؟" شجاع کے دوسرے فقرے نے اسے مکمل طور پہ ماضی سے کھینچ کر باہر نکالا...... اس نے بے اختیار ہتھیلی کی پشت سے آنکھیں صاف کیں۔

"ہاں، دراصل، یہ تاریخ...... یہ وہ دن تھا جب رضوان نے مجھے پروپوز کیا تھا۔" جواب دیتے ہوئے وہ خود کو سنبھال چکی تھی۔ شجاع نے سر کو ہلکا سا خم دیا اور خاموش ہوگیا۔

"تم اِدھر کیسے......؟" پارس نے اطراف میں نگاہ دوڑائی...... سب سنسان پڑا تھا۔ "اور پلیز یہ مت کہنا کہ تم اتفاق سے مجھ سے ٹکرائے ہو۔"

"افضل بابا نے بتایا تھا کہ تم واک کے لیے گئی ہو...... اس لیے تمہیں ڈھونڈنے آیا۔"

"اب تو میں واپس آنے والی تھی، تمہیں مجھے ڈھونڈنے کا خیال اتنی دیر سے کیوں آتا ہے شجاع......؟" وہ اسی درخت کے تنے سے ٹیک لگائے سینے پر بازو لپیٹے کھڑی سنجیدگی سے پوچھنے لگی۔

"اور تم مجھ سے ہمیشہ ناراض کیوں رہتی ہو؟"

"ناراض اُن سے ہوا جاتا ہے جن پر مان ہوتا ہے کہ وہ منالیں گے اور ہم مان جائیں گے اور جس پر سے سارا اعتبار اٹھ جاتا ہے اس سے کوئی ناراض نہیں ہوتا۔"

"میں نے تمہارا اعتماد توڑا یا تم نے میرا......؟" وہ برہمی سے پوچھنے لگا۔ "میں تو تمہیں فون بھی کرتا تھا، خط بھی لکھتا تھا مگر تم نے منع کردیا، تم مجھ پر چیختی چلاتی تھیں کہ میں یہ سب نہیں کیا کروں۔"

پارس ایک لمحے کو بالکل چپ ہوگئی البتہ اس کی آنکھوں میں دکھ ابھرا تھا۔

"ٹھیک ہے اگر تم پرانے کھاتے کھلوانا ہی چاہتے ہو تو سنو۔" وہ بولی تو اس کی آنکھوں میں دکھ

WWW.PAKSOCIETY.COM

کے ساتھ ساتھ انگارے جلنے لگے۔ ''میں کہتی تھی چھت پہ نہ ملو، تم کہتے تھے، تم مجھ سے ملنا نہیں چاہتیں، کیا تم اتنے بچے تھے شجاع کہ تمہیں احساس نہ ہوا کہ یوں چھت پر ملنا، یوں خط، فون، یہ سب میری بدنامی کا باعث بن سکتا تھا، میں ایک کمزور اور غریب لڑکی تھی، تم نے......''

''تم مجھ پر اعتبار تو کرتیں، میں تمہیں بدنام نہ ہونے دیتا، ساری دنیا سے لڑتا تمہارے لیے اگر تم ساتھ ہوتیں۔'' وہ بات کاٹ کر اسی مضبوطی سے بولا۔

''میری دنیا بھائی اور امی، رافعہ اور تمہاری ماں بہنوں پہ ختم ہو جاتی تھی، شجاع تم ان سے لڑ نہیں سکے، اُن کے سامنے مجھے بے عزت و رسوا ہونے سے نہیں روک سکے اور تم دنیا سے میرے لیے لڑتے؟'' بولتے بولتے اس کی گردن کی نسیں ابھر آئی تھیں، آنکھوں سے چنگاریاں نکل رہی تھیں مگر وہ خائف نہیں ہوا تھا۔

''تم میرے ساتھ کھڑی تو ہوتیں، مجھے کبھی کہا تو ہوتا کہ میرا انتظار کرو گی، کیا میں اتنا بے اعتبار تھا تمہارے لیے؟''

''انتظار؟'' اس کے منہ پہ تو گویا طمانچہ پڑا۔ ''تم لوگوں نے اپنا وہ گھر بیچ دیا اور کسی دوسرے محلے میں شفٹ ہو گئے، بتایا بھی نہیں کہ کدھر جا رہے ہو، میں نے تو کوئی دعویٰ نہیں کیا تھا مگر تم نے دعوے کیے تھے، تم واپس کیوں نہیں آئے؟ ان آٹھ سالوں میں ایک دفعہ بھی تم پاکستان نہیں آئے کیا؟''

''آیا تھا مگر تم لوگ بھی تب وہ گھر چھوڑ کر جا چکے تھے۔''

''ہمارے نئے گھر کا پتا خاندان میں سب کو معلوم تھا، کیا تم نے کسی سے پوچھا؟''

''امی نے کہا تھا کہ تم لوگوں نے پتا کسی کو نہیں......''

''تم اپنی امی کو جانتے تھے شجاع، تو تم نے ان کے علاوہ کسی اور سے کیوں نہیں پوچھا؟'' شجاع لمحے بھر کو بالکل خاموش ہو گیا، وہ سلگتی آنکھیں لیے اس کے سامنے کھڑی سارے حساب مانگ رہی تھی۔

''سچ تو یہ ہے کہ میں تائی کو بھی جانتا تھا، اسی لیے کچھ بن کر آنا چاہتا تھا تاکہ تائی مجھے انکار نہ کر سکے۔''

''یہ تو وہ ہے جو تم نے اپنی تائی کے لیے کیا، تم نے میرے لیے کیا کیا، مجھے وہ بتاؤ؟''

''پارس...... پارس......'' وہ چکرا گیا تھا۔ ''میں آیا تھا، جب مجھے لگا میں کسی قابل ہو گیا ہوں تو میں تم سے ملنے مری آیا تھا، میں نے تمہارا مری کا پتا تک ڈھونڈ لیا تھا مگر جب میں آیا تو تم شادی کر چکی تھیں، وہ بھی ایک امیر بوڑھے سے...... میں نے تمہارے لیے یہ کیا کہ تمہاری زندگی ڈسٹرب کیے بغیر اپنے دل پر پتھر رکھ کر واپس چلا گیا۔''

''تم تب آئے جب امی نے تمہاری خالہ کو فون کر کے بتایا کہ پارس نے رائل ہوٹل کے مالک سے شادی کر لی ہے...... تب تمہاری خالہ نے بتایا کہ شجاع تین دن بعد پاکستان آ رہا ہے، اگر تم نے میرے لیے کچھ کرنا ہوتا تو یہ خبر اپنی خالہ سے سن کر خاموشی سے بیٹھ جاتے یا کہ پاکستان آنے کے تیسرے روز ہی مری آ جاتے؟'' شجاع کے لبوں پر تلخ مسکراہٹ ابھری۔

''تو تم جانتی تھیں میں آیا تھا؟''

''ہاں...... تمہاری خالہ سے فیروزہ مانی کا رابطہ اس شادی کے بعد شروع ہوا تھا مگر قائم ابھی تک ہے ان سے ہر خبر ہمیں مل جاتی ہے، ہمیں نہ کچھ پوچھنا پڑتا ہے، نہ پوچھنے کی خواہش ہے۔'' وہ چبا چبا کر بولی۔ آنکھیں ابھی تک جل رہی تھیں اور جلا رہی تھیں۔

''میں یہ دیکھنے آیا تھا کہ خالہ نے جھوٹ کیوں بولا کیونکہ مجھے یقین نہیں آیا تھا کہ تم یوں کسی اور سے

شادی کر سکتی ہو۔''

''بلکہ یوں کہو کہ تم مجھ سے حساب مانگنے آئے تھے مگر میرے شوہر کی دولت اور مرتبہ دیکھ کر مرعوب ہو کر خاموشی سے چلے گئے۔'' وہ استہزائیہ مسکرائی۔ شجاع کی پیشانی پر بل پڑے۔

''پارس تم ہر کسی کو دولت کا لالچی کیوں سمجھتی ہو؟''

''جاؤ شجاع، میرے پاس تمہارے لیے کچھ نہیں ہے۔'' اس نے جواب دینے کے بجائے اکتاہٹ سے رخ پھیر لیا، وہ چند ساعتیں وہیں کھڑا رہا پھر خاموشی سے واپس پلٹ گیا۔

پارس اپنے سامنے درخت پر کندہ تاریخ کو دیکھتی رہی...... آنکھوں میں جلتی سلگتی چنگاریاں اب کرچیوں میں تبدیل ہو گئی تھیں۔

☆☆☆

فائز نے پارس کے آفس کے گلاس ڈور کے پار جھانکا...... وہ سر جھکائے تیز تیز کاغذ پر قلم چلا رہی تھی۔ صبح وہ جس طرح پژمردہ سی واک سے واپس آ رہی تھی، اب اس پژمردگی کا شائبہ تک اس کے وجود پہ نہ تھا۔ وہ پُرسکون، بے تاثر اور سنجیدہ لگ رہی تھی۔

فائز نے ہولے سے دروازہ کھٹکھٹایا، پارس نے سر اٹھایا...... اسے دیکھ کر وہ نرمی سے مسکرائی۔ یہ پہلی دفعہ تھا جب وہ اسے دیکھ کر یوں مسکرائی تھی۔

''یہ فائلز آپ نے منگوائی تھیں؟'' اس نے چند فائلیں پارس کے سامنے رکھیں، اس کی آنکھیں ابھی تک سرخ اور ویران تھیں۔

''شکریہ......'' پارس نے فائلز کو نہیں، اس کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''اٹس او کے میم...... یہ سامنے ہی رکھی تھیں، مجھے کوئی محنت نہیں کرنی پڑی۔''

''میں کل والی بات کا ذکر کر رہی ہوں، میرا اتنا خیال کرنے کا شکریہ۔'' فائز کے چہرے پر سایہ سا لہرایا...... اس نے سر جھکایا۔ اٹھانے کی ہمت نہیں

ساتواں بھائی

عوام دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک غریب اور دوسرے وہ جو امیر نہیں ہوتے۔ غریب، امیروں کی ملکیت ہوتے ہیں کیونکہ انہیں خدا نے نہیں، امیروں نے بنایا ہوتا ہے۔ اسکول میں ایک بار ٹیچر نے ہم سے پوچھا۔ ''رابن ہڈ صرف امیروں کو ہی کیوں لوٹتا تھا؟'' تو ہم نے کہا۔ ''غریبوں کے پاس ہوتا ہی کیا ہے جسے وہ لوٹتا۔'' غریبوں کے قدرتی وسائل اور مسائل بچے ہی ہوتے ہیں۔ بنگلہ دیش میں ڈبلیو ایچ او کے ایک عہدیدار نے ایک شخص سے پوچھا۔ ''آپ کی کوالیفکیشن کیا ہے؟'' کہا۔ ''ایف ایس سی۔'' بیٹے سے پوچھا اس نے کہا۔ ''بی ایس سی۔'' ماں سے پوچھا۔ اس نے کہا۔ ''ایم ایس سی۔'' وہ خوش ہوا کہ یہاں خواندگی کی شرح اتنی ہے۔ بعد میں پتا چلا کہ اس سے مراد تھا...... فادر آف سیون چلڈرن، برادر آف سیون چلڈرن اور مدر آف سیون چلڈرن۔ سات بھائیوں والے ایک امریکی مزاح نگار کا واقعہ ہے۔ ایک صحافی نے کہا۔ ''وہ صاحب کہتے ہیں تو ان کا سگا بھائی ہے، تم کہتے ہو تمہارا اس کا دور کا رشتہ ہے؟'' کہا۔ ''ہاں دور کا رشتہ ہے کیونکہ یہ میرا ساتواں بھائی ہے۔''

اقتباس: از مزاحیات
تحریر: ڈاکٹر یونس بٹ
انتخاب: نفیسہ آرا، یو اے ای

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہوئی، وہ مسکرا بھی نہیں سکا۔

”پتا نہیں، شاید میں نے آپ کا لنچ خراب کردیا۔“ اس کی آواز بھاری ہورہی تھی۔

”نہیں بلکہ مجھے اچھا لگا۔“ پارس نے گہری سانس لی۔ ”بہت سارے دشمنوں کے درمیان اگر کوئی ایک خیال رکھنے والا ہوتو بہت اچھا لگتا ہے۔“

فائز نے سر اٹھایا، اس کی آنکھوں میں تکلیف تھی، وہ ابھی تک کھڑا تھا۔ ”مگر آپ کے اتنے دشمن کیوں ہوں گے؟“

”جن کو لگتا ہے میں نے ان سے کچھ چھینا ہے، وہ اس سب کو واپس لینے کے لیے کوشش کررہے ہیں اور اس کوشش میں وہ ہر حد تک جائیں گے۔“ وہ سوگواریت سے مسکرائی۔

”کیا آپ نے واقعی ان سے کچھ چھینا ہے؟“

پارس نے فائز کا چہرہ دیکھا...... اس کے چہرے پر سوال تھے۔ اس نے جواب دینے کے لیے لب کھولنے چاہے مگر لمحے بھر میں سب کچھ دھندلا گیا۔ وقت کا رولر کوسٹر ایک دفعہ پھر اسے پیچھے لے جانے لگا۔

”کیا میں اندر آسکتی ہوں، سر؟“ اس نے دھیرے سے ادھ کھلا دروازہ بجایا...... دوسری طرف رخ کیے کھڑے رضوان حیات جو بک شیلف سے کچھ نکال رہے تھے، چونک کر پلٹے، اسے دیکھ کر لمحے بھر کو چپ سے رہ گئے پھر خاموشی سے کرسی کی جانب اشارہ کیا۔

پارس چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی اندر آئی۔ بیٹھی نہیں، ان کے مقابل جا کھڑی ہوئی اور آنکھیں اٹھا کر انہیں دیکھا۔

”مجھے آپ سے کچھ پوچھنا ہے؟“ وہ سنجیدگی سے بولی۔ رضوان خاموشی سے منتظر رہے۔

”کل آپ نے جو کچھ کہا، وہ...... وہ کیوں کہا؟“

”میں معذرت کرچکا ہوں، مجھے واقعی ایسا نہیں کہنا چاہیے تھا۔“

”میں آپ کی بہت عزت کرتی ہوں سر، آپ کو واقعی میرے ساتھ اس قسم کا مذاق نہیں کرنا چاہیے تھا۔“ اس کے چہرے پر دکھ تھا، احساسِ توہین تھا۔

”پچھلے کچھ دنوں سے صبح واک پہ میں نے آپ کو بہت سی باتیں بتائیں، اپنی امی کی، بھائی کی، ان کی بے حسی کی، آپ نے بھی بتائیں، اپنی بہن اور بھائی کی بے حسی کی......“

”میرا بھائی بے حس نہیں ہے، وہ مجھ سے واقعی بہت محبت کرتا ہے۔“ انہوں نے بے اختیار دھیرے سے ٹوکا مگر وہ نہیں سن رہی تھی۔

”مگر سر...... اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ آپ مجھ سے یوں مذاق کرتے......؟“

”مگر میں مذاق نہیں کررہا تھا۔“ رضوان کے چہرے پر حیرت ابھری۔

”آف کورس آپ مذاق کررہے تھے، میں جانتی ہوں۔“ پارس نے چونک کر انہیں دیکھا۔

”میں اس طرح کا مذاق کرنے والا آدمی لگتا ہوں آپ کو؟ اگر آپ واقعی مجھے پندرہ بیس سال پہلے ملی ہوتیں تو میں آپ کو پروپوز کرتا، اب بھی کرنا چاہتا تھا مگر یہ بات آپ کو ہرٹ کرے گی، اسی لیے......“ انہوں نے سر جھٹکا جیسے مزید اس موضوع پر بات نہ کرنا چاہتے ہوں۔

”کیوں؟ آپ کو تو ہزاروں لڑکیاں مل جائیں گی، میں تو کچھ بھی نہیں ہوں آپ کے سامنے۔“ پارس حیرانی سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

”نہیں، آپ کے سامنے شاید میں کچھ نہیں ہوں، آپ جوان ہیں، خوب صورت ہیں، مجھ جیسے بوڑھے سے۔“ انہوں نے پھر سر جھٹکا۔

”آپ مجھے خود سے بہتر سمجھتے ہیں؟“ وہ دم بخود تھی۔

”بالکل......“ انہوں نے اثبات میں سر ہلایا۔ ”مگر میں آپ کو پروپوز نہیں کروں گا کیونکہ میں جانتا ہوں آپ کسی اور کا انتظار کررہی ہیں۔“ ”آج

اس بات پر اس کے چہرے پر کوئی رنگ نہیں اترا۔

”مجھے کسی کا انتظار نہیں ہے۔“

”کیا آپ نے اس پر اعتبار کرنا چھوڑ دیا ہے؟“ وہ جانچتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے۔

”نہیں، میں نے کبھی اس پر اعتبار کیا ہی نہیں تھا۔“ وہ خاموشی سے جا کر کرسی پر بیٹھ گئی اور سر جھکا دیا۔ رضوان اسی طرح کھڑے رہے۔

”وہ میرے چچا کا بیٹا ہے، شجاع...... بچپن ہمارا ساتھ گزرا، وہ ہمسائے میں رہتا تھا۔ جب میں چھوٹی تھی اور ابا زندہ تھا تو چاچی کے منہ سے سنتی تھی کہ شجاع میرا منگیتر ہے۔ بچپن سے یہ بات ذہن میں بیٹھ گئی تھی کہ میری شادی اسی سے ہونی ہے پھر ابا مر گیا۔ تب بھی چاچی اس بات کو دُہراتی رہتی تھی۔ امی کو یہ رشتہ پسند نہ تھا، وہ شجاع کو گھر میں نہیں داخل ہونے دیتی تھی، مجھے بھی ڈانٹتی تھی۔“ وہ جو ایک سانس میں بولتی جارہی تھی، ذرا دیر کو رکی۔

”مجھے وہ برا نہیں لگتا تھا مگر میں اس سے چڑ جاتی تھی، اس سے دور رہتی اور پھر وہ واقعی دور چلا گیا۔ انگلینڈ جانے سے پہلے اس نے بہت سے وعدے کیے تھے مگر ہر وعدہ میری رسوائی بن گیا۔ خط، فون...... امی نے ہر چیز پر پابندی لگادی۔ میں نے پھر بھی انتظار نہیں چھوڑا۔ اس کے گھر والوں نے مکان بدل لیا، ہم سے رابطہ ختم کردیا، میں پھر بھی انتظار کرتی رہی، ہم مری آگئے، میں اِدھر نوکری کرنے لگی، اتنے سال گزر گئے، وہ مڑ کر نہیں آیا، مجھے پھر بھی انتظار رہا اور کل جب آپ نے وہ سب کہا تو...... تو میں نے اس کی خالہ کو فون کیا......“ اس نے پہلی دفعہ نگاہیں اٹھائیں، اس کی آنکھیں جھلملا رہی تھیں۔ ”میں نے اس کی خالہ سے اس کا انگلینڈ کا نمبر لیا اور اسے فون کیا۔ اگر وہ منگنی ہی تھی تو مجھے اس سے آزادی چاہیے تھی یا اس کی مضبوطی چاہیے تھی۔ مجھے کوئی فیصلہ کرنا تھا۔ میں نے اسے فون کیا۔“

آفس میں چند ثانیے کو بالکل خاموشی چھا گئی، رضوان مکمل توجہ اور دھیان سے اسے سن رہے تھے۔

”اس نے فون اٹھایا، ہیلو، بولا اور...... اور پوچھا کون بات کررہا ہے، میں نے کہا پارو...... اس نے کہا کون پارو......؟ اس کی آواز نیند میں ڈوبی ہوئی تھی مگر میں تو کبھی نیند میں بھی نہیں بھولی کہ کون شجاع پھر وہ کیسے بھول گیا کہ کون پارو...... مجھے میرا جواب مل گیا تھا، میں نے فون بند کردیا...... مجھے اب اس آدمی کو یاد بھی نہیں رکھنا۔“ ایک آنسو ٹوٹا اور گال پر لڑھک گیا۔ پارس نے ہتھیلی کی پشت سے اسے صاف کیا، دوسرا آنسو نہیں گرا...... ایک قطرے کی بارش......

”کیا آپ مجھ سے شادی کریں گی؟“ وہ بولے تو بس یہی۔

”آپ مجھ سے کیوں شادی کرنا چاہتے ہیں؟“ اس نے بھیگی نگاہوں سے ان کو دیکھا۔

”کیونکہ میں آپ کے ساتھ خوش رہوں گا، کیا آپ کو لگتا ہے آپ میرے ساتھ خوش رہیں گی؟“ وہ پُراعتماد تھے، مضبوط تھے، اٹل تھے اور بہادر بھی۔

”مجھے نہیں پتا، آپ...... میری امی......“

”اپنی بات کریں، پارس، آپ میرے ساتھ رہنا چاہیں گی؟“

”مجھے بس اتنا پتا ہے کہ مجھے آپ کا میرا یوں نام لینا اچھا لگتا ہے۔“ پارس ہلکا سا مسکرائی...... وہ پہلی دفعہ مسکرائے...... مہربان مسکراہٹ۔

”کیا آپ نے واقعی کچھ چھینا میم؟“ بعض آوازیں ہمیں کسی یاد میں دھکا دے دیتی ہیں تو بعض ہاتھ پکڑ کر کسی یاد سے کھینچ نکالتی ہیں...... وہ فائز کی آواز پر چونک کر واپس آئی۔

”نہیں۔“ اس نے تکان سے نفی میں سر ہلایا۔ وہ جیسے بہت دور سے واپس آئی تھی۔

”تو پھر انہیں کیوں لگتا ہے کہ آپ نے ان

WWW.PAKSOCIETY.COM

سے کچھ چھینا؟"

"کیونکہ وہ خود بے حس، لالچی اور خود غرض لوگ ہیں۔" وہ بولی تو اس کی آنکھوں میں نفرت ابھرنے لگی تھی۔ فیضان کے جبڑے کی رگیں تن گئیں، لب بھینچ گئے۔

"تم بزدل ہو، اگر تم اپنے باپ جیسے بھائی کے قتل کا بدلہ نہ لے سکے تو اپنے مرد ہونے پر لعنت کرنا۔"

"کیا آپ رضوان صاحب کے رشتے داروں کی بات کر رہی ہیں؟" بولتے ہوئے اس نے آہستہ سے میز پر رکھے پیپر نائف پہ اپنا ہاتھ رکھا۔ "میں پرسنل نہیں ہونا چاہتا مگر اس دن آپ نے مجھے جانے سے روکا تھا...... کیا وہ لوگ...... کیا رضوان صاحب بھی اتنی ہی نفرت کرتے تھے۔ فیضان صاحب سے جتنی آپ کرتی ہیں؟" اس نے پیپر نائف اپنی انگلیوں کے بیچ گھماتے ہوئے پوچھا۔ پارس کے لبوں پر تلخ مسکراہٹ اتر آئی۔

"وہ دل کے بہت سچے انسان تھے فائز...... وہ ساری دنیا کو غلط کہہ سکتے تھے، اپنے بھائی کو نہیں...... سویرا سے بھی انہیں شکایات تھیں مگر فیضان میں ان کی جان تھی، وہ اسے غلط مان ہی نہیں سکتے تھے۔" وہ افسوس سے کہہ رہی تھی۔ "وہ لڑکا ساری عمر اُن سے صرف بٹورتا رہا، اُن کو جلی کٹی سنا کر چلا جاتا، وہ دل مسوس کر رہ جاتے، اس کی باتوں پہ کئی دن تک اداس رہتے، ہرٹ ہوتے، وہ صرف اُن کے پیسے سے محبت کرتا تھا مگر وہ نہیں مانتے...... آسمان سے فرشتے اتر کر بھی کہتے کہ فیضی لالچی، خود غرض... اور بے حس ہے تو وہ کہتے، وہ لالچی اور خود غرض ہو سکتا ہے وہ مگر بے حس نہیں ہے، وہ مجھ سے بہت محبت کرتا ہے۔" اس نے تلخی سے سر جھٹکا۔

پیپر نائف پہ اس کی گرفت مضبوط ہو گئی...... آنکھوں کی سرخی بڑھ گئی، تنی ہوئی رگیں مزید تن گئیں۔ پارس اپنے قلم کو انگلیوں میں گھماتی، اپنے دھیان میں بولے جا رہی تھی، فیضان کا ضبط بس ختم ہونے کے قریب تھا۔

"آپ کو کیا لگتا ہے، فیضان صاحب کس قسم کے انسان ہیں؟"

"گھٹیا اور بے حس...... جسے اپنے مفادات کے آگے کچھ عزیز نہیں...... دولت کے پیچھے وہ کسی کی بھی جان لے سکتا ہے۔ چاہے وہ اس کا اپنا بھائی ہو یا میں۔"

پیپر نائف کو پکڑے فیضی کے ہاتھوں میں پسینہ آ گیا...... اس نے دھیرے سے نائف چھوڑ دیا...... وہ بنا آواز واپس میز پر گر گئی۔ وہ تنی ہوئی رگوں سے پارس کو دیکھتے ہوئے گہری سانس لے رہا تھا۔

"آپ نے کہا کہ اس رات فیضان صاحب مری میں تھے جبکہ مسز سویرا اس بات کی نفی کر رہی تھیں۔ میم، آپ کو کیسے پتا چلا کہ وہ اس رات وہیں تھے؟"

"کیونکہ اس رات میں نے خود اسے یہاں دیکھا تھا...... وہ یہیں تھا اور آج جو کچھ بھی ہوا ہے۔ اس کا ذمے دار وہی ہے۔" پارس نے قلم گھمانا روک کر فائز کو سنجیدگی سے دیکھا اور بولی۔

فائز کی سانس رک گئی، وہ یک ٹک اسے دیکھے گیا...... کون کس کے ساتھ کھیل رہا تھا، سمجھنا مشکل تھا۔

"کیا آپ اُن سے مل چکی ہیں پہلے؟ میرا خیال تھا آپ فیضان صاحب سے پہلے کبھی نہیں ملیں۔"

"کسی اور موضوع پر بات کریں فائز، میں اس آدمی کا ذکر بھی نہیں کرنا چاہتی۔" اس نے اکتاہٹ سے سر جھٹکتے ہوئے فائل کھول لی۔ فیضان اسی طرح اسے دیکھتا رہا اس کی رنگت ہر رنگ کھو کر سفید سی ہو گئی تھی۔

☆☆☆

تنویر صاحب نے کافی کا گھونٹ بھر کر کپ واپس میز پر رکھا پھر ایک نظر سامنے بیٹھے فیضان اور سویرا پر ڈالی۔

"آپ نے کہا تھا کہ آپ جلد قانونی کارروائی کریں گے تو کیا بنا اس کا؟" سویرا نے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے مگر فیضان پہلے بول پڑا۔

"ہم کوئی قانونی کارروائی نہیں کریں گے۔" سویرا نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"فیضی تم نے ہی تو کہا تھا کہ ایف آئی آر اور لاش کا پوسٹ مارٹم......" انہوں نے اسے ٹہوکا دینا چاہا۔

"میں نے کہا ناں ہم کوئی قانونی کارروائی نہیں کریں گے۔" وہ سخت لہجے میں بولا۔ "میں اپنے طور پر ثبوت ڈھونڈنے کی کوشش کروں گا اور جو بھی قاتل ثابت ہوا اُسے ہم پولیس کے حوالے کر دیں گے۔"

"جو بھی......؟" سویرا نے دبے دبے غصے سے دُہرایا۔ "قاتل پارس ہے۔"

"نہیں، اس نے قتل نہیں کیا......" وہ سپاٹ انداز میں کہتا سامنے تنویر صاحب کو دیکھ رہا تھا جو خاموشی سے دونوں کی جھڑپ سن رہے تھے۔

"تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ تم یہاں پارس کے خلاف ثبوت ڈھونڈنے آئے تھے اور اب تم اسی کے وکیل بن رہے ہو۔"

"میں نے کہا ناں پارس نے قتل نہیں کیا۔" فیضان کی آواز اونچی ہوئی، سویرا آپا ذرا خائف ہوئیں۔

"تو پھر کس نے کیا ہے؟" وہ خاموش رہا...... تنویر صاحب نے باری باری دونوں کو دیکھا۔

"سویرا کا سوال درست ہے فیضی، پارس کے علاوہ کون ہے ایسا جس کے پاس رضوان بھائی کو قتل کرنے کا کوئی معقول motive ہو؟"

"motive تو ہم تینوں کے پاس بھی ہے، بھائی جی کی موت سے ہم تینوں کو فائدہ پہنچ سکتا ہے تو کیا ہم میں سے بھی کوئی قاتل ہے؟" وہ تیز لہجے میں بولا۔ سویرا اور تنویر صاحب کو سانپ سونگھ گیا۔

"کیا تم اس لیے قانونی کارروائی روکنا چاہتے ہو کہ قاتل ہم میں موجود ہے؟" تنویر صاحب نے احتیاط سے پوچھا۔

"نہیں بلکہ ہم چاروں میں سے کسی نے قتل نہیں کیا، قاتل کوئی اور ہے اور ہمیں اس کو ڈھونڈنا ہے، ہر حال میں۔" اس کا لہجہ اٹل تھا۔

تبھی لان میں کوئی آتا دکھائی دیا...... آہٹ پر سب نے اس جانب دیکھا افضل بابا ڈھیلی چال چلتے چلے آرہے تھے۔

"کہیے، بابا، خیریت؟" سویرا نے تیکھی نگاہوں سے انہیں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"وہ...... تنویر صاحب، مجھے آپ سے بات کرنی تھی۔" وہ ان دونوں کو دیکھ کر ہچکچائے...... یہ تنویر صاحب کا گھر تھا اور وہ قطعاً وہاں سویرا اور فیضان کی توقع نہیں کر رہے تھے۔

"تو ہمارے سامنے کر لیں بات، ہم بھی تو جانیں، ایسا کیا ہے جو اتنا اہم ہے؟" سویرا اٹنک کر بولیں۔ فیضی کا سارا غصہ بابا پر نکلنے کو بے تاب تھا۔

"جی جی افضل بابا، آپ بتائیں۔" تنویر صاحب فوراً اُن کی طرف متوجہ ہوئے۔

"وہ جی...... اس روز جب پارس بی بی واک پر گئیں تو......" پارس کے نام پر فیضان آگے کو ہوا اس کے اعصاب تن گئے۔ سویرا نے بغور اس کا یہ انداز دیکھا۔

"تو ان کے بھائی اور والدہ ان کے لاکر میں چوری کا منصوبہ بنا رہے تھے، میں نے انہیں اُدھر آتے جاتے دیکھا تو پارس بی بی کو فون کر دیا۔ وہ آئیں اور ان کو اپنے کمرے سے نکال دیا...... پھر...... بی بی نے مجھے کہا کہ میں ان پر نظر رکھوں......

WWW.PAKSOCIETY.COM

میں فوراً ان کے پیچھے گیا تو وہ دونوں شکیل بابو کے کمرے میں تھے اور غصے اور عجلت میں وہ دروازہ بند کرنا بھول گئے تھے۔ میں نے ان کی باتیں سنیں، وہ...... وہ دونوں پارس بی بی کو قتل کر کے ساری دولت ہتھیانے کا پروگرام بنا رہے تھے۔"

افضل بابا روانی سے بتاتے چلے گئے...... سویرا کے لبوں پر بے اختیار مسکراہٹ ابھری، فاتحانہ مسکراہٹ...... اور انہوں نے فوراً فیضی کو دیکھا جو حق دق سا سن رہا تھا۔

"مگر...... وہ کیوں اسے قتل کرنا چاہتے ہیں؟" وہ بدقت کہہ پایا۔

"بات صاف ہے پارس کے مرنے کے بعد اس کی ساری جائداد اس کی ماں اور بھائی کو چلی جائے گی۔" تنویر صاحب نے جیسے تبصرہ کیا البتہ وہ کوئی خاص فکر مند نہیں نظر آ رہے تھے۔ فیضان نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

"مگر...... اب ہم کیا کر سکتے ہیں؟" وہ واقعتاً پریشان ہو گیا تھا۔

"یہ پارس کا ذاتی مسئلہ ہے، افضل بابا، آپ اس کی خبر اپنی بی بی کو دیں۔ تنویر صاحب کو کیوں دے رہے ہیں؟" سویرا آپا جانے کیوں مسرور و مطمئن نظر آ رہی تھیں۔

"میں نے بی بی کو یہ بات نہیں بتائی، میں نے بی بی کو یہ بھی نہیں بتایا کہ فیضان بابو، فائز صاحب ہیں' میں بی بی سے پہلے......" انہوں نے تنویر صاحب کو دیکھا...... "ہر بات تنویر صاحب کو بتاتا ہوں کیونکہ بڑے صاحب ان پر بھروسا کرتے تھے۔"

"ٹھیک ہے بابا، آپ جائیں، ہم مسئلہ حل کر لیں گے۔" تنویر صاحب نے جیسے انہیں وہاں سے ٹالنا چاہا، وہ خاموشی سے غمزدہ سے واپس پلٹ گئے۔

فیضان مضطرب سا جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا، وہ جیسے بے بس تھا، دل و دماغ کے بیچ چھڑی جنگ میں پس سا گیا تھا مگر خاموش رہنے کے سوا اس کے پاس کوئی چارہ نہیں تھا۔

☆☆☆

ڈائننگ ہال میں نیم روشنی سی بکھری تھی، کمرے کی صرف ایک زرد بتی روشن تھی البتہ میز پر رکھے کینڈل اسٹینڈ کی دو...... لمبی لمبی موم بتیاں جل رہی تھیں۔ فیروزہ مائی نے ڈونگا شکیل کی طرف بڑھایا، جس نے ہاتھ کے اشارے سے منع کر دیا، وہ پہلے ہی سیخ کباب سے پلیٹ بھر چکا تھا۔ فیروزہ نے ڈونگا واپس رکھ دیا، میز پر وہ دونوں ہی تھے۔

"پھر...... کیا سوچا تو نے؟" وہ دھیرے سے گویا ہوئی...... ساتھ ہی پلیٹ میں شوربہ نکالا۔

"موقع دیکھ کر پارو کو اس کے شوہر کے پاس پہنچانا ہے، اس کا لاکر اپنے قبضے میں کرنا ہے، کسی نہ کسی طرح تو وہ کھل ہی جائے گا اور پھر قانونی کارروائی کر کے سارے ہوٹلز ہتھیانے ہیں۔" وہ دانتوں سے کباب کاٹتا بول رہا تھا۔

"تجھے لگتا ہے اتنی آسانی سے وہ بڈھے کی بہن ہمیں سب ہتھیانے دے گی؟ وہ اسی دولت کے پیچھے تو آئی ہے۔" فیروزہ مائی کے چہرے پہ تنی لکیریں موم بتی کے ٹمٹماتے شعلے میں مزید گہری لگ رہی تھیں...... وہ فکر مند تھی، غیر مطمئن بھی......

"دیکھ امی، بڈھے کے پاس بہت مال تھا، صرف حق مہر میں اس نے پورا ہوٹل لکھ دیا، منہ دکھائی میں یہ گھر دے دیا، اب دولت کے اس صحرا میں سے ہم مٹھی بھر لیں، تب بھی اگلے بیس سال اچھے گزر جائیں گے۔"

اس کے انداز پر بے اختیار فیروزہ مائی نے اطراف پہ نگاہ ڈالی، سجا سجایا خوب صورت گھر، فانوس، انگیٹھیوں کے کارنس پر رکھے قیمتی ڈیکوریشن پیس، مخملیں پردے، چمکتے فرش لمحے بھر کو ان مادی

چیزوں کی چکا چوند نے اس کی آنکھیں چندھیا دیں، جب یہ چمکتی ہوئی روشنی کی بارش مدھم ہوئی تو ایک نیا منظر دکھائی دینے لگا۔

چھوٹے سے لونگ روم کی ساری بتیاں روشن تھیں، آتش دان میں لگا ہیٹر بھی سرخ دہک رہا تھا۔ کمرے میں موجود تینوں نفوس خاموش تھے، پارس لب کالتی چپ بیٹھی تھی، رضوان حیات کی خاموشی تمہید کے مترادف تھی اور فیروزہ مائی کی خاموشی میں کنفیوژن تھا۔

"بڑے صاحب، ایسی کیا بات تھی جو آپ خود چل کر آئے؟ مطلب...... ہمیں بلا لیا ہوتا۔" اس نے گفتگو کا آغاز کرنے کی سعی کی...... چہرے پر پریشانی تھی، پارس اس کی وجہ سمجھ رہی تھی مگر خاموش رہی۔

"بات اہم تھی، مجھے خود آنا چاہیے تھا۔" وہ نرمی سے گویا ہوئے، سوٹ میں ملبوس، گریس فل شخصیت اور چند روز قبل کا احسان، فیروزہ مائی سخت مرعوب ہو چکی تھی۔

"کیا وہ قرضہ ہمیں جلد واپس کرنا ہوگا؟" اس نے خود سے پوچھ لیا، اب مزید صبر نہیں ہو رہا تھا، پریشانی حلق تک پہنچ چکی تھی۔

"ارے نہیں، اس کی آپ فکر نہ کریں، مجھے پارس کے حوالے سے بات کرنی تھی۔" پارس کے لبوں پر ایک مسکراہٹ ابھر کر معدوم ہوئی وہ دل سے راضی تھی یا نہیں، اسے ان کا یوں اپنا نام پکارنا بہت اچھا لگتا تھا۔

"جی...... بتائیں، کوئی غلطی ہو گئی ہے کیا اس سے؟"

"دیکھیں مسز فیروزہ، میں لمبی بات نہیں کیا کرتا...... میری درخواست صاف اور واضح ہے، میں پارس سے شادی کرنا چاہتا ہوں، پارس کو کوئی اعتراض نہیں...... کیا آپ اس... بات کی اجازت دیں گی؟"

فیروزہ مائی کے لب آدھے کھل گئے، پہلے تو وہ

مردوں کا زیور پہننا

حضرت عمرانؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے ایک آدمی کے بازو میں پیتل (یا تانبے) کا ایک کڑا دیکھا تو نبی کریم ﷺ نے (اس سے) فرمایا۔ "ارے بھئی یہ کیا ہے؟"

اس نے بتایا یہ ایک بیماری کی وجہ سے پہن رکھا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ "اس سے تمہاری کمزوری (بیماری) میں مزید اضافہ ہی ہوگا اسے اتار پھینکو اگر تم اس حال میں مر گئے کہ یہ تمہارے ہاتھ میں ہو تو تم کبھی کامیاب نہیں ہو گے۔

مسند احمد بن حنبل

مرسلہ: تسنیم ماہ پارہ، کراچی

قابلِ غور

ایک نوجوان عورت نے ایک ماہرِ نفسیات کے پاس جا کر شکایت کی کہ وہ چھ بچوں کی ماں بن چکی ہے لیکن اب بھی اس کا شوہر اس سے محبت نہیں کرتا۔ یہ سن کر ماہرِ نفسیات نے جواب دیا۔ "شکر کرو کہ وہ تم سے محبت نہیں کرتا ذرا سوچو اگر وہ تم سے محبت کرتا تو تمہارے بچوں کی تعداد کیا ہوتی؟"

انعام

ایک نو بیاہتا دلہن نے اپنے ہاتھوں کا پکا ہوا کھانا شوہر کو کھلاتے ہوئے پوچھا۔ "اگر میں آپ کو اسی طرح کھانا کھلاتی رہی تو بتائیں مجھے کیا انعام ملے گا؟"

"میرے انشورنس کے پچاس ہزار روپے۔" شوہر نے نہایت سنجیدگی سے جواب دیا۔

مرسلہ: ارم کمال، فیصل آباد

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہکا بکا رہ گئی پھر یہ بے یقینی مدھم ہوئی، دماغ نے کام کرنا شروع کیا تو اس نے پارس کو دیکھا۔ وہ پورے اعتماد سے اسے دیکھ رہی تھی، البتہ اب بھی اس اعتماد میں واضح کمزوری تھی، کچھ دن سے بدلی بدلی لگ رہی تھی مگر اب بھی وہ ماں سے ڈرتی تھی، فیروزہ مائی نے واپس رضوان صاحب کی طرف دیکھا۔

''نہیں...... مجھے کوئی اعتراض نہیں...... یہ تو خوشی کی بات ہے......'' وہ پریشانی اور خوشی سے مسکرائی۔ ''مگر...... آپ کو پارس میں......''

''وہ ہمارا ذاتی معاملہ ہے۔'' وہ مسکرا کر بولے مگر انداز میں قطعیت تھی جیسے وہ کسی کو اس پر تبصرہ کرنے کی اجازت نہیں دیں گے، فیروزہ مائی فوراً پیچھے ہٹی۔

''جی...... وہ تو ٹھیک ہے مگر...... آپ کے خاندان والے؟''

''مجھے کسی کی اجازت نہیں چاہیے، میں کچھ عرصے بعد اس شادی کو اوپن کروں گا، خاندان والوں کو ابھی نہیں بتایا۔'' انہوں نے اور کچھ والے انداز میں اسے دیکھا۔

''مگر...... اس کی کیا گارنٹی ہے کہ آپ چھٹیاں ختم ہونے کے بعد پارس کو چھوڑ کر نہیں چلے جائیں گے؟'' فیروزہ مائی کا اعتماد واپس آرہا تھا، پارس نے برہمی سے اسے دیکھا مگر وہ دونوں اس کی طرف متوجہ نہ تھے۔

''آپ کو کس قسم کی گارنٹی چاہیے؟''

''آپ پارس کے نام کچھ کر دیں، کوئی پلاٹ، مکان، کچھ بھی، جس سے ہمیں پتا چلے کہ آپ......''

''میں مری والا ہوٹل حق مہر میں پارس کے نام لکھ رہا ہوں، ٹھیک؟'' انہوں نے سوالیہ ابرو اٹھائی، فیروزہ مائی کا منہ کھلا سو کھلا، پارس بھی سناٹے میں رہ گئی۔

''سر......'' اس نے ان کو روکنا چاہا مگر ان کی بات ختم نہیں ہوئی تھی۔

''اس کے علاوہ میں نے ہوٹل کے قریب ایک بنگلا بھی پارس کے لیے خریدا ہے۔''

''تو پھر شادی کے بعد میں بھی وہیں رہوں گی۔'' فیروزہ مائی تیزی سے بولی۔

''مجھے اعتراض نہیں ہے، البتہ ایک بات میں واضح کر دوں، یہ میری طرف سے پہلا اور آخری فیور ہوگا جو آپ کو ملے گا، ہوٹل، بنگلا، میں سب کچھ پارس کے نام کروں گا اور مجھے امید ہے کہ آپ مجھ سے مزید کوئی ڈیمانڈ نہیں کریں گی۔''

اور فیروزہ مائی کو اب لگا کہ وہ دنیا کی سب سے بے وقوف عورت ہے، اسے خوشی اور جوش میں ''ہاں'' کرنے کے بجائے پہلے اپنی ڈیمانڈ سامنے رکھنی چاہیے تھیں۔ پھر گارنٹی مانگتی، پھر ہاں کرتی مگر اس نے ترتیب الٹ دی اور اب اس کی قسمت الٹ گئی تھی، پارس مالکن تھی اور وہ ایک ہاؤس کیپر، کل کو پارس اس کو گھر سے نکال دیتی تو اس کے ہاتھ کچھ نہ آتا۔

''امی...... سن نہیں رہی؟'' شکیل نے اس کی کہنی ہلائی تو وہ جیسے ہوش میں آئی۔

''ہاں، کیا......؟''

''سنا نہیں؟'' شکیل نے معنی خیز انداز میں سامنے کھڑی ملازمہ کی جانب اشارہ کیا جو کوئی پیغام لے کر آئی تھی۔ فیروزہ مائی نے الجھی نگاہوں سے اسے دیکھا۔

''سویرا صاحبہ آئی ہیں، ہم سے ملنے۔'' وہ کرسی دھکیل کر کھڑے ہوتے ہوئے بولا۔ فیروزہ مائی چونک کر ساتھ ہی اٹھی۔

لان میں ایک کرسی پر سویرا براجمان تنقیدی نگاہوں سے اطراف کا جائزہ لے رہی تھیں، ان کو آتے دیکھ کر نخوت سے مسکرائیں، اٹھی نہیں۔

''جی میڈم، ہم سے کیا کام آگیا آپ کو؟'' شکیل نے ڈھیلے ڈھالے مگر خوشگوار انداز میں کہتے ہوئے کرسی سنبھالی۔ سویرا کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔

''مجھے علم ہوا ہے کہ تم دونوں پارس کو قتل کر کے اس کی جائداد ہتھیانے کا سوچ رہے ہو؟''

شکیل کی مسکراہٹ اُڑنچھو ہوئی، اس نے بے اختیار ماں کو دیکھا، جس کا رنگ فق ہو گیا تھا۔

''دیکھو انکار مت کرنا کیونکہ میں سب جانتی ہوں اور ابھی میں نے اس بات کا پارس کو نہیں علم ہونے دیا مگر جلد یا بدیر مجھے اس کو خبر تو کرنی ہوگی۔'' شکیل نے بے اختیار تھوک نگلا پھر چہرے پر سختی لا کر بولا۔

''دیکھیں میڈم جی، آپ کو کوئی غلط فہمی......''

''میں نے کہا...... انکار مت کرنا۔'' وہ ایک دم آگے ہو کر شعلہ بار انداز میں بولیں تو شکیل کی زبان بند ہو گئی، سویرا نے گہری سانس لی، مسکرائیں اور واپس پیچھے ہوئیں۔

''مسئلہ یہ ہے کہ میں تمہاری دشمن نہیں ہوں، اس لیے تمہیں ایک بات واضح کرنے آئی ہوں، پارس کے نام موجود ساری جائداد بہت جلد ہمارے نام ہو جائے گی، تم لوگ ویسے ہی اس کے سوتیلے رشتے دار ہو اور شکیل، تمہارا تو اس سے خون کا رشتہ تک نہیں، تم لوگوں کے ہاتھ کچھ نہیں آنے والا۔''

''تو پھر آپ ہمارے پاس کیوں آئی ہیں؟'' شکیل آنکھیں سکیڑ کر انہیں بغور دیکھتے ہوئے بولا۔ سویرا کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔

''کیونکہ پارس میری اور تمہاری مشترکہ دشمن ہے اور جب دشمن ایک ہو تو ہمیں بھی ایک ہو جانا چاہیے۔''

''مطلب؟'' فیروزہ اور شکیل نے الجھے ہوئے انداز میں سویرا کو دیکھا۔

''میں تمہیں دو کروڑ دوں گی، تم پارس کو قتل کرو مگر ایسے کہ وہ ایک ایکسیڈنٹ لگے...... اگر تم انکار کرو گے تو میں پارس کو تمہاری اصلیت بتا دوں گی اور اگر تم اپنے طور پر اسے قتل کرو گے، تب بھی ساری جائداد میرے پاس آئے گی، تمہارے ہاتھ کچھ نہیں آئے گا، اس لیے بہتر ہے کہ تم مجھ سے پیسے لے لو، بدلے میں، میں تمہاری مدد کروں گی اور تمہیں protect بھی کروں گی۔''

''اور اگر میں یہ سب، آپ کا آنا اور آپ کی آفر، پارس کو بتا دوں، تو؟'' اس کی بات پہ سویرا نے مسکرا کر سر جھٹکا۔

''مجھے بلیک میل کرنے کی کوشش میں تم کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے کیونکہ وہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتی، وہ آل ریڈی جانتی ہے کہ میں اس کی دشمن ہوں، اس لیے اسے شاک نہیں لگے گا، البتہ تم لوگ اس کے رشتے دار ہو، آگے تم خود سوچ سکتے ہو۔''

''ٹھیک ہے، مگر میں تین کروڑ لوں گا۔'' شکیل جبراً مسکرایا گو کہ اندر باہر طوفان سا مچا تھا۔

''دو کروڑ، اور بس...... میں سودے بازی کرنے نہیں آئی، منظور ہے تو بتاؤ ورنہ میں اسے پیسے دیے بغیر کسی سے بھی ختم کروا سکتی ہوں۔'' وہ تیز نگاہوں سے اسے گھور کر بولتی اٹھ کھڑی ہوئیں۔ شکیل جلدی سے ساتھ کھڑا ہوا۔ فیروزہ مائی تو اب تک بیٹھی ہی نہیں تھی۔

''ٹھیک ہے مگر یہ کام کب کرنا ہے؟'' سویرا کی تیز نگاہیں پھر سے میٹھی مسکراہٹ میں بدل گئیں۔

''تین دن بعد ہوٹل میں ایک پارٹی ہے، اس ہوٹل کی بارھویں سالگرہ، اس رات تمہیں پارس کو قتل کرنے کے بہت سے مواقع ملیں گے اور جیسا کہ میں نے کہا، میں تمہاری ہر ممکن مدد کروں گی۔'' شکیل پہلی دفعہ مطمئن انداز میں مسکرایا۔

''بس تین دن......'' اس نے بے اختیار سوچا تھا۔

☆☆☆

''میں آپ کی بہت شکر گزار ہوں احسان صاحب کہ آپ بطورِ خاص اتنے شارٹ نوٹس پر آئے۔'' کاریڈور کے سرے پر پارس بہت تشکر سے مسکراتی ساتھ کھڑے صاحب سے کہہ رہی تھی،

WWW.PAKSOCIETY.COM

شال کندھوں کے گرد، پرس کہنی پہ، سیدھے بال اور خوب صورت مسکراہٹ، احسان صاحب پہ اس کے رعب میں مزید اضافہ ہوا، انہوں نے سر کو خم دے کر جیسے شکریہ قبول کیا۔

”مسز رضوان، یہ میرا فرض تھا، میں آپ کے کسی کام آؤں، اس سے بڑھ کر اور کیا ہوسکتا ہے میرے لیے؟ رضوان صاحب کے بہت احسان ہیں مجھ پر۔“

”بہت اچھا لگتا ہے جب ایک شخص کی آپ ہر ایک سے تعریف سنیں اور وہ آپ کا بہت اپنا بھی ہو، اسی لیے میں ہر سال کی طرح اس پارٹی کو ویسے ہی ارینج کرنا چاہتی ہوں جیسا کہ ان کے وقت ہوا کرتی تھی، مجھے یہ چیز بہت خوشی دے گی۔“ پارس نرمی سے مسکرائی۔

”آپ بے فکر رہیں...... میری ٹیم ہر ممکن کوشش کرے گی کہ آپ کی توقعات پر پوری اترے...... ویسے کوئی خاص تھیم ہے آپ کی نظروں میں؟“ وہ دونوں کاریڈور کے سرے پر کھڑے باتیں کررہے تھے جہاں کاریڈور ختم ہوتا، وہاں شیشے کا دروازہ تھا اس کے پار چند آفس کیبن بنے نظر آرہے تھے، وہاں چہل پہل جاری تھی، مصروفیت اپنے عروج پر تھی۔

”نہیں، میں اتنی کریٹو... ہوتی تو آپ کو کیوں بلواتی؟“ وہ جھینپ کر مسکرائی۔ ”بس میں چاہتی ہوں کہ آپ ہر چیز پچھلی دفعہ کی طرح ارینج کریں۔“

”مگر میرا یہ مشورہ ہوگا کہ ہم پچھلی دفعہ سے بڑھ کر سب کچھ کریں، انسان کو امپروومنٹ کی گنجائش ہمیشہ رکھنی چاہیے۔“ احسان صاحب بہت خوش نظر آرہے تھے، اسی خوشگوار موڈ میں انہوں نے یونہی دائیں طرف دیکھا؟ جہاں شیشے کے دروازے کے پار کیبن تھے اور ستائش سے مسکرائے۔

”مجھے اس بات کی بے حد خوشی ہے کہ فیضان صاحب آپ کے ساتھ بہت کوآپریٹ کررہے ہیں اور ہوٹل کے لیے مل کر کام کررہے ہیں، ویسے کب آئے وہ مری؟“

پارس کی مسکراہٹ معدوم ہوئی، آنکھیں اچنبھے سے سکڑیں، اس نے ان کی نگاہوں کے تعاقب میں دیکھا، جہاں ایک کیبن کے باہر ہاتھ میں فائل پکڑے فائز فون پر کسی سے بات کررہا تھا۔

”جی......؟“ پارس نے الجھی ہوئی نگاہوں سے احسان صاحب کو دیکھا۔

”وہ فیضان صاحب ہیں ناں، رضوان صاحب کے بھائی، ان کی بات کررہا ہوں، وہ گرے کوٹ میں، ابھی آتے ہوئے انہیں دیکھا، مصروف نظر آرہے تھے، مل نہیں سکا، واپسی پر مل لوں گا، مجھے پتا تو چلا تھا کہ وہ لاہور آئے تھے پچھلے ماہ مگر یہ نہیں علم تھا کہ وہ آپ کے ساتھ ادھر کام کررہے ہیں۔“

پارس بالکل ٹھہری ہوئی کبھی ان کو دیکھتی، کبھی دور فون پر مصروف نظر آتے فائز کو۔

”وہ ...... گرے کوٹ والے جو فون پر بات کررہے ہیں؟“ اس نے ٹھہر ٹھہر کر پوچھا۔ ”آر یو شیور وہ رضوان کا بھائی ہے؟“

”جی! بالکل......“ وہ حیران ہوئے۔ ”اتنے سالوں سے دیکھ رہا ہوں ان کو، کیوں نہیں پہچانوں گا۔“

پارس نے دور نظر آتے فائز... کو دیکھا، فیضان حیات...... فائز حسن؟ اس کے چہرے پر سختی در آئی، آنکھوں میں انگارے دہکنے لگے، لب بھینچ گئے، اتنے زور سے کہ گردن کی رگیں ابھرنے لگیں۔

”تو یہ ہے فیضان......!“ وہ زیر لب بڑبڑائی۔

سویرا، فیضان اور شکیل...... پارس کے دشمنوں کی بنی اس مثلث کا کون سا کونا بودا ثابت ہوا......؟ رضوان حیات کے قتل کا معما کیسے حل ہوا...... ؟ یہ سب جاننے کے لیے پڑھیں آخری حصہ مگر اگلے ماہ۔

وہ آئے بزم میں ......

نزہت اصغر

کتاب ”ذکرِ صالحین“ کی مصنفہ

روزا

پاکیزہ کی دیرینہ ساتھی محترمہ اختر شجاعت سے بھرپور ملاقات

ہر دلعزیز پاکیزہ کے بے حد پیارے اور موسم گرما سے لطف اندوز ہوتے گرم جوش قارئین کے لیے آج ایک اور مشاق رائٹر سے پُرفکر اور معلومات افزا گفتگو حاضرِ خدمت ہے۔ قارئین کرام! اختر شجاعت صاحبہ اگرچہ پاکیزہ میں آج کل نہیں لکھ رہیں مگر دس سال پہلے کے قارئین ان کی تحریروں سے بخوبی واقف ہیں سو ان سے اس دوری کی اصل وجہ اور بہت کچھ مزید جاننے کے لیے وہ آج اس بزم

WWW.PAKSOCIETY.COM

میں تشریف فرما ہیں۔ امید ہے ہمارے تمام پڑھنے والے اختر صاحبہ کے خیالات وافکار سے ضرور استفادہ کریں گے۔ اس سلسلے میں ایک بات کی وضاحت کرتی چلوں کہ ان صفحات پر آپ اختر شجاعت صاحبہ سے تصویری ملاقات ہرگز نہیں کر پائیں گی اس کی وجہ آپ کو انٹرویو پڑھتے ہوئے معلوم ہوجائے گی۔ تو آیئے قارئین اپنی مہمان شخصیت سے گفتگو کا آغاز کرتے ہیں۔

پاکیزہ ✧......اختر شجاعت صاحبہ سب سے پہلے تو اپنی اس بزم میں آپ کو خوش آمدید کہتے ہیں، آپ بتائیں آپ کو کیسا لگ رہا ہے؟

اختر شجاعت ✧......جی پہلے تو اپنی اس بزم میں بلانے کے لیے جزاک اللہ، بے حد شکریہ۔ اپنے جذبات واحساسات کا اظہار اس طرح ہے کہ جب کوئی لڑکی شادی کے بعد اپنے میکے آتی ہے...... اپنے بے حد چاہنے والوں کے درمیان تو وہی خوشی وہی سکون اور ویسی طمانیت آج میں محسوس کر رہی ہوں۔

پاکیزہ ✧......اپنے نام کے بارے میں بتائیں کس نے رکھا، ویسے کہتے ہیں چاند، ستاروں پر نام نہیں رکھنے چاہئیں، آپ کی کیا رائے ہے؟

اختر شجاعت ✧......اپنا نام...... بس جی کیا کہیں یہ نام میری والدہ نے رکھا تھا اور ان کو بے حد پسند تھا...... میں نے اکثر امی سے اس بات پر گلہ بھی کیا کہ آپ نے بھلا یہ کیا نام رکھا ہے میرا، مجھے قطعاً پسند نہیں۔ کاش میرے اپنے اختیار میں ہوتا تو یقین کیجیے کہ یہ نام نہ ہوتا...... بہرحال کیا کر سکتے ہیں، مجبوری ہے۔

پاکیزہ ✧......اچھا مختصراً اپنی فیملی کا بھی تعارف کراتی چلیے؟

اختر شجاعت ✧......میرے شوہر سید افتخار احمد سعید صاحب ایک مقامی بینک میں جاب کرتے ہیں۔ میری بیٹی ردا افتخار جو BBA کر رہی ہے۔

پاکیزہ ✧......اگر پندرہ سال پہلے کے شمارے اٹھا کر دیکھے جائیں تو آپ کی تحریریں تواتر سے پاکیزہ صفحات کی زینت بنتی رہی ہیں پھر یکایک یہ سلسلہ کب اور کیسے منقطع ہوا؟ اس کا سبب کیا تھا؟

اختر شجاعت ✧......بے شک ماہنامہ پاکیزہ میں، میں نے بہت تواتر سے لکھا دوسرے میگزین میں بہت کم کم لکھا۔ پہلی ترجیح ہمیشہ پاکیزہ ہی رہی۔ ان دنوں میں ایک مقامی بینک میں جاب کر رہی تھی اور یہ جانیے کہ بے حد Career oriented woman تھی۔ زندگی بس یونہی دوڑ بھاگ رہی تھی۔ اپنی گھریلو مصروفیات، بینک کی مصروفیات نے کبھی اتنی فرصت نہ دی کہ کچھ اور سوچتی جھٹکا اس لمحے لگا جب اپنی عزیز ترین شے (اس لمحے میری جاب تھی) وہ چھوڑنا پڑی تو یہ صدمہ میرے لیے بہت زیادہ تھا۔ (اُس وقت مجھے ایسا ہی لگا) مگر آج الحمد للہ، مجھے اپنے رب کے اس فیصلے پر بے حد پیار آتا ہے کہ ہمارا خالق ہمارا مالک اپنے بندوں سے کتنی محبت کرتا ہے اسی لیے تو وہ ہماری بہتری کے لیے فیصلے کرتا ہے۔ اس نے مجھے گھر میں فراغت اسی لیے فراہم کی کہ میں سوچوں اپنی ذات کے بارے میں۔ اپنے ربِ کائنات کے بارے میں اور اس تنہائی نے مجھے وہ موقع فراہم کیا اور جب 2003ء میں، میں نے پہلا عمرہ ادا کیا تو پھر وہاں سے واپسی پر سب کچھ بدل چکا تھا۔ میرا سراپا، میرا مزاج اور میرا اندازِ تحریر پھر میں تصوف کی موٹی موٹی کتابوں کے مطالعے میں مصروف ہوگئی اور افسانے کہانیاں لکھنا چھوڑ دیے سچ جانیے پھر میرا دل اچاٹ ہوگیا تھا ان تمام چیزوں سے کیونکہ ان بے حد قابلِ احترام بزرگ ہستیوں کی کتب کے مطالعے کے بعد بہت شدت سے مجھے اپنی کم علمی، کم فہمی اور اپنی ذات کے حقیر ہونے کا احساس جاگا۔ دنیاوی علم تو حاصل کرلیا تھا مگر دینی علم......؟ اس سے غافل ہی رہی خیر...... کافی

عرصے کے بعد دوبارہ لکھنا شروع کیا مگر اس بار دینی مضامین لکھے اور شکر ہے پروردگار کا کہ اس نے ان مضامین کو لکھنے کی توفیق عطا کی اور لوگوں نے پسند کیا۔ مولائے کائنات حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول ہے کہ "میں نے اپنے ارادوں کے ٹوٹنے سے اپنے رب کو پہچانا۔"

پاکیزہ ✧......ابتدائی زمانے کی اگر بات کریں تو بتائیں لکھنے کا آغاز کب کیا؟ اور پہلے کیا لکھا؟

اختر شجاعت ✧......لکھنے کا آغاز میں نے طالب علمی کے زمانے میں کیا، سب سے پہلی جو تحریر تھی وہ ایک بچی کہانی تھی کھلونا جو ماہنامہ پاکیزہ میں شائع ہوئی تھی پھر اپنی تعلیم مکمل ہونے کے بعد دوبارہ باقاعدگی سے 86-85ء میں لکھا۔

پاکیزہ ✧......آپ کیا سمجھتی ہیں لکھنے کی صلاحیت سیکھی جاسکتی ہے، پیدا کی جاسکتی ہے، اختیار کی جاسکتی یا صرف تراش خراش کی ضرورت ہوتی ہے؟

اختر شجاعت ✧......اللہ رب العزت نے ہر شخص کو مختلف صلاحیتوں سے نوازا ہے اور یہ چیزیں گاڈ گفٹڈ ہوتی ہیں مگر کوئی حد درجہ لکھنے کا شوق رکھتا ہو تو اس کے لیے وسیع مطالعہ، گہرا مشاہدہ اور تھوڑی سی رہنمائی سے وہ یقیناً ایک اچھا لکھاری بن سکتا ہے۔ (یعنی ٹیلنٹ کے ساتھ اس کی تراش خراش بھی ضروری ہے۔ ہے ناں قارئین!)

پاکیزہ ✧......اپنی نوجوانی کے دنوں کو یاد کیجیے کہ کیا سوچا کرتی تھیں، کیا ترجیحات تھیں؟

اختر شجاعت ✧......میں نے اپنی نوجوانی کے دور میں عام لڑکیوں کی طرح خواب نہیں دیکھے۔ میں خوابوں سے زیادہ حقیقت پر یقین رکھتی تھی یہی وجہ تھی کہ میں نے اپنی تحریروں میں بھی لڑکیوں کو خواب نہیں دکھائے۔ زندگی کی تلخ حقیقتوں سے روشناس کروایا کیونکہ جب خواب ٹوٹتے ہیں تو بے حد تکلیف ہوتی ہے اور خواہش ہمیشہ یہی رہی کہ اپنے والدین کے، اپنے لوگوں کے کام آسکوں۔ اپنی تحریروں کے ذریعے خاص طور پر لڑکیوں کو عزتِ نفس، وقار، قوتِ برداشت اور خودداری کا سبق دے سکوں بس یہی سوچ تھی میری۔

پاکیزہ ✧......ادب کی دنیا، رسائل اور جرائد میں کن ناموں سے آگاہی تھی۔ پسندیدہ رائٹر کون رہا؟

اختر شجاعت ✧......میرے والد چونکہ بے حد مطالعے کے شوقین تھے اسی لیے ہمارے گھر بہت سارے اردو، جاسوسی ناولز اور مختلف رسائل کا انبار تھا۔ ایک زمانے میں مجھے جاسوسی ادب بہت زیادہ پسند تھا اس وقت ابنِ صفی، نجمہ صفی، ایم اے راحت اور دوسرے رائٹرز...... اردو ناول کی طرف آئے تو اے آر خاتون، رضیہ بٹ، بشریٰ رحمٰن پھر قدرت اللہ شہاب، کرشن چندر، سعادت حسن منٹو، خلیل جبران، شفیق الرحمٰن، عصمت چغتائی ہر ایک کا اپنا، اپنا منفرد انداز ہے اور سب لاجواب ہیں۔ سب ہی بہت پسند ہیں پھر بہت سارے ڈائجسٹ جن میں پرانے اور نئے سب ہی شامل تھے۔ ہاں ادبی رسائل میں سخنور، افق اور نقوش وغیرہ بھی شامل ہیں۔

پاکیزہ ✧......آپ کی تعلیم اور کیرئیر قدرے مختلف اور مضبوط تھا پھر آپ نے اس لکھنے لکھانے کی کٹھن راہ میں کیوں قدم رنجہ فرمایا؟

اختر شجاعت ✧......ہاں یہ بات خود میرے لیے بھی تھوڑی عجیب سی اور حیران کُن ہے کہ میری ہر فیلڈ مختلف رہی۔ جیسے پہلے میں نے سائنس لی تھی تو بی ایس سی کیا پھر ایم اے کیا پولیٹکل سائنس میں (سیکنڈ پوزیشن رہی) پھر بینک جوائن کیا یہاں کے اسٹاف کالج میں پہلی پوزیشن حاصل کی اور پھر جناب لکھنے لکھانے کا شوق...... جیسا کہ میں نے پہلے بتایا میرے والد کے ذوقِ مطالعہ کے باعث ہمارے گھر کافی نادر کتب کا خزانہ موجود تھا۔ فرصت کے لمحات

WWW.PAKSOCIETY.COM

میں، میں بھی ان کا مطالعہ بہت شوق سے کرتی تھی۔ لکھنے کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ ایک عورت پر ہونے والے ظلم نے میرے حساس دل کو چھولیا تھا میں اس کے دکھ کا اظہار کرنا چاہ رہی تھی کچھ شیئر کرنا چاہ رہی تھی تب میں نے پہلی کہانی ''کھلونا'' تحریر کی۔ تو اس دکھ کا اظہار بذریعہ قلم ہو گیا اور یوں میرے لکھنے کی ابتدا بھی ہو گئی۔ میری بے حد خوش قسمتی کہ میری پہلی ہی تحریر ماہنامہ پاکیزہ میں شائع ہوئی اور یہاں لکھنے کے حوالے سے بہت بھرپور موقع دیا گیا یعنی اپنی بات کہنے کا اور جب آپ کے ساتھ بہت تعاون کرنے والے لوگ ہوں تو بہت کٹھن راہیں بھی آسان ہو جاتی ہیں۔

پاکیزہ ✧......کہانیاں لکھتے وقت کیا موضوعات ذہن میں ہوتے تھے؟

اختر شجاعت ✧......میں نے کوشش تو کی کہ جو بھی کہانی یا افسانہ لکھوں زندگی سے قریب تر ہو۔ کئی کہانیوں میں بہت سے کردار حقیقی تھے۔ دولت کی ہوس، رشتوں کا احترام، تعلیم کی کمی غرض یہ کہ معاشی اور سماجی مسائل، معاشرے میں ہونے والی برائیاں، محبت اور دوستی پر بھی لکھا......مگر وہ محبت جو عطیۂ خداوندی ہے......خود غرض محبت نہیں کہ محبت در حقیقت دینا جانتی ہے لینا نہیں۔

پاکیزہ ✧......اچھا اب ذرا عورت کے کیریئر کے حوالے سے بات ہو جائے، آپ کی نظر میں ورکنگ وومن ہونا ٹھیک ہے یا عورت کو صرف گھر داری سنبھالنا چاہیے؟

اختر شجاعت ✧......میں خواتین کی جاب کے قطعاً خلاف نہیں ہوں اگر وہ سمجھتی ہیں کہ ان میں اتنی قوت اور صلاحیت ہے کہ اپنی Job کے ساتھ ساتھ اپنے گھر کو پورا ٹائم دے رہی ہیں اور دونوں کے درمیان کوئی ٹکراؤ نہیں ہو رہا، تمام معاملات خوش اسلوبی سے ادا ہو رہے ہیں تو بہت اچھا ہے......مگر عورت کی پہلی ترجیح اور ذمے داری اس کا گھر اور بچے ہیں اور یہ کسی بھی صورت میں نظر انداز نہیں ہونے چاہیے۔

پاکیزہ ✧......ہم دیکھتے ہیں کہ اکثر ورکنگ لیڈیز تمام گھریلو اور سماجی میدانوں میں بھرپور توازن سے کام کرتی ہیں، آپ کا کیا خیال ہے؟

اختر شجاعت ✧......میں نے ورکنگ ویمن کے حوالے سے اوپر ذکر کیا ہے......مزید یہ کہ اگر ان خواتین نے گھریلو اور سماجی میدان میں توازن برقرار رکھا ہے اور خود اپنی شخصیت کو ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہونے سے بچا لیا ہے تو پھر یقیناً یہ ان کی کامیابی ہے۔ (ویسے اختر ہمارا مشاہدہ اور تجربہ ہے کہ ورکنگ لیڈی، بہترین منتظم ہوتی ہے۔ قارئین آپ کا کیا خیال ہے؟)

پاکیزہ ✧......مرد و زن کے حقوق و فرائض کی بحث میں کیا ہم خالصتاً غیر جانبداری سے بات کرتے ہیں؟ یا اپنی، اپنی صنف کا دفاع کرتے ہیں؟

اختر شجاعت ✧......میں سمجھتی ہوں کہ مرد و زن کی بحث ہی انتہائی بے معنی ہے یہ تمام باتیں وہاں پیدا ہوتی ہیں جہاں ہم اپنے دین سے دوری کے باعث الجھ جاتے ہیں ورنہ تو مرد اور عورت کے حقوق اور فرائض اسلام نے بہت منصفانہ انداز میں بتا دیے ہیں اگر ہم ان پر عمل کریں تو پھر کسی بھی قسم کی بحث کی گنجائش نہ رہے اور بات ہمیشہ غیر جانب داری سے ہی کرنا چاہیے محض اپنی صنف کا غلط دفاع نہیں کرنا چاہیے ورنہ آپ کبھی کسی صنف کے ساتھ انصاف نہیں کر سکیں گے۔

پاکیزہ ✧......میرا مطلب ہے، عمومی مسائل تو دونوں کے ساتھ یکساں ہوتے ہیں پھر عورت صرف اپنے آپ کو ہی مظلوم کہلوانا کیوں پسند کرتی ہے؟

اختر شجاعت ✧......بالکل درست کہا آپ نے نزہت۔ دونوں کے ساتھ مسائل ہوتے ہیں مگر زیادہ تر خواتین ہی اس عادت میں مبتلا ہیں سب تو

نہیں مگر اکثر خواتین اپنے مسائل کا رونا روتی نظر آتی ہیں مگر افسوس تو اس بات پر ہے کہ جب، جب وہ جس رشتے میں بااختیار ہوتی ہیں تو وہاں وہ اختیار صحیح طور پر استعمال نہیں کرتیں بلکہ احساس تک نہیں ہوتا کہ خود وہ کہاں، کہاں دوسروں کو تکلیف دے رہی ہوتی ہیں۔ بہر حال عموماً یہ وہ خواتین ہوتی ہیں جو ذہنی، تعلیمی اور مالی طور پر بہت کمزور ہوتی ہیں مگر فی زمانہ اپنے اردگرد دیکھیں تو ایسی بہت سی سمجھدار، بردبار، تعلیم یافتہ خواتین نظر آئیں گی جو نہایت صبر و شکر کے ساتھ اپنے کٹھن حالات کا مقابلہ کر رہی ہیں اور منہ سے اُف تک نہیں کرتیں تو بس ہر حالت میں اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ شکر سے نعمتوں میں اضافہ ہوتا ہے۔ (بے شک)

پاکیزہ ✧......آپ کی نظر میں اسلامی معاشرہ کیا ہوتا ہے اور ہمارے ہاں کیسا ہے؟

اختر شجاعت ✧......آہ نزہت......بس کیا پوچھ لیا یقین کیجیے اس وقت سب سے زیادہ تکلیف دہ یہی سوال ہے جس کا جواب دیتے ہوئے میرے اپنے اندر اتنا دکھ بھرا ہوا ہے کہ صفحات بہت کم پڑ جائیں گے اور ایک طویل مضمون تیار ہو جائے گا۔ آج ہم نے اسلامی اُصولوں کی دھجیاں اُڑا دی ہیں (معذرت کے ساتھ) کیسا اسلام اور کہاں ہے اسلام؟ اسلام جو ہمیں سب سے پہلے انسانیت کا درس دیتا ہے، محبت، حسنِ سلوک، رواداری سکھاتا ہے آج یہاں انسانیت سسک رہی ہے۔ ہم اخلاقی پستیوں میں گر چکے ہیں۔ دورِ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خلفائے راشدینؓ اسلامی معاشرے کا بہترین نمونہ ہیں مگر آج ہم مختلف مسلکوں (فرقوں) میں قید ہو کر رہ گئے ہیں۔ علمی اختلاف رائے آپ کے علمی اجتہاد کو جلا بخشتا ہے کیونکہ اس اختلافِ رائے کے سلسلے میں ابھرنے والے سوالات آپ کے علم کو بڑھانے کا ذریعہ بنتے ہیں لیکن یہی اختلافات اگر ذاتیات کی طرف چلے جائیں تو دلوں میں کدورت آجاتی ہے اور انسان فرقہ بندی میں گھر جاتا ہے اور اسی سے شدت پسندی بھی ابھرتی ہے جو سخت ناپسندیدہ ہے۔ یاد رکھیے کہ اسلام میں اس قدر احتیاط ہے کہ ہم کسی کے جھوٹے خدا کو جھوٹا نہیں کہہ سکتے تاکہ وہ ہمارے سچے خدا کو نعوذ باللہ جھوٹا نہ کہے۔ ہمیں تو غیر مسلموں کی عبادت گاہوں کے احترام کی تلقین کی جاتی ہے تاکہ آج ہم اپنے مسلمان بھائیوں کے عقائد پر تنقید کریں اور اس شدت پسندی کا شکار ہو کر خون کے دریا بہا دیں۔ ہم نے تو آج اسلام کے مفہوم کو ہی بدل دیا۔ محض پانچ وقت نماز پڑھنا اور روزے رکھنا ہی اسلام نہیں ہے۔ اسلام تو ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے کاش کہ ہم قرآن پاک کے اصل مفہوم کو سمجھ کر سنتِ نبوی کو اپنا لیں تو ان گمراہیوں سے بچ کر زندگی بسر کرنے کا سلیقہ سیکھ جائیں گے۔

پاکیزہ ✧......آپ کے خیالات صرف بحث و مباحثے کی حد تک ہیں یا عملی اقدامات بھی کرتی ہیں یا کرنا چاہتی ہیں؟

اختر شجاعت ✧......یہاں صرف اتنا ہی کہنا چاہوں گی کہ اپنی بساط بھر تو کوشش کر رہی ہوں اور آج بھی قلم کا ساتھ نہیں چھوڑا باقی اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہے۔

پاکیزہ ✧......اچھی زندگی گزارنا کسے کہتے ہیں؟ کیا مالی وسائل کی فراوانی اچھی زندگی کی ضمانت ہے؟

اختر شجاعت ✧......اچھی زندگی گزارنے کے سلسلے میں ہر شخص مختلف رائے رکھتا ہے مگر عموماً لوگوں نے اچھی زندگی کا معیار اپنی حد درجہ نفسانی خواہشات کی تکمیل کو بنا لیا ہے اچھا گھر، اچھی گاڑی اور روپے پیسے کی ریل پیل......اچھی زندگی گزارنے کا وہ طریقہ وہ سلیقہ جو آپ کی دنیا اور آخرت دونوں سنوار دے یہی کامیابی ہے۔ میں نہیں سمجھتی کہ مالی وسائل کی فراوانی اچھی زندگی کی ضمانت ہے۔ کبھی

WWW.PAKSOCIETY.COM

کبھی زندگی میں کچھ ایسی پریشانیاں، ایسی تکالیف آجاتی ہیں کہ مالی مسائل ہونے کے باوجود ہم قطعاً بے بس ہوتے ہیں۔

پاکیزہ ✧......اب آپ اپنے کام سے مطمئن ہیں؟

اختر شجاعت ✧......قطعاً مطمئن نہیں......ابھی تو بہت کچھ کرنا باقی ہے بلکہ دکھ تو اسی بات کا ہے کہ ہم کچھ کر ہی نہ سکے بس زندگی یونہی ضائع ہوگئی اللہ تعالیٰ سے دعا گو ضرور ہوں کہ وہ مجھ سے کچھ بہتر کام لے لے، آمین۔

پاکیزہ ✧......آج کل کیا لکھ رہی ہیں اور مزید کیا لکھنا چاہتی ہیں؟

اختر شجاعت ✧......آج کل تو مطالعہ کر رہی ہوں کہ لکھنے کے سلسلے میں کچھ مواد جمع ہو سکے مزید لکھنے کے سلسلے میں خواہش تو میری یہ ہے کہ تصوف کے اسرار و رموز پر تھوڑا بہت لکھنے کی کوشش کروں کیونکہ میں خود کچھ سیکھنے کی کوشش کر رہی ہوں اور اس طرح کی بات کہنا یعنی سبق دینا بے حد کڑوی گولی ہے مگر ان بے حد مشکل باتوں کو آسان اور سہل انداز میں پیش کیا جائے تو عام قاری اسے پڑھ کر یقیناً اپنے رب سے اپنا تعلق مضبوط کر سکتا ہے اپنے رب کی قربت حاصل کر سکتا ہے بس ایسی باتیں لکھنا چاہتی ہوں باقی جو مرضیٔ معبود۔

پاکیزہ ✧......یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ جیسے جیسے اسلام کی تعلیمات سے آگاہی ہوتی جاتی ہے لوگ انتہا پسندی کی طرف چلے جاتے ہیں، صرف ثواب و عذاب کی باتیں رہ جاتی ہیں، ایسا کیوں ہے؟

اختر شجاعت ✧......بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ، ایسا ہی ہو رہا ہے دین کے معاملے میں شدت پسندی بڑھتی جا رہی ہے مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ اسلام کی کن تعلیمات کی بات کر رہے ہیں۔ اسلام کی تعلیمات ہمیں نظر کہاں آرہی ہیں؟ زندگی کے کون سے شعبے میں؟ آج کل والدین میں اس بات کا رجحان بہت بڑھ گیا ہے کہ اپنے بچوں کو حافظِ قرآن بنائیں۔ بہت اچھی بات ہے مگر حفظ کرنے کا مطلب یہ تو ہرگز نہیں کہ آپ رٹو طوطے کی طرح یاد کرلیں اور جو اس کی روح ہے اس کو ہی نہ سمجھیں آپ کا رب آپ سے کیا کہہ رہا ہے اس سے غافل رہیں۔ سب سے پہلے تو آپ دین کی بنیادی تعلیمات کی آگاہی دیں۔ آج لوگوں نے اس شدت پسندی کو اختیار کرکے اسلام کو اتنا مشکل اور سخت بنا دیا ہے کہ لوگ خوف زدہ ہو کر دور بھاگنے لگے ہیں حالانکہ ہمارا دینِ اسلام تو بہت پیارا دین ہے، دینِ فطرت ہے اور یہی دین سب سے زیادہ انسانیت کا درس دیتا ہے۔ اخلاقیات پر زور دیتا ہے۔ نرم روی، خوش گفتاری، پیار و محبت، ادب و احترام یہی تو اسلام کی بنیادی تعلیمات ہیں مگر اب نہ جانے کیوں سختی، انتہا پسندی، حقارت کا رویہ، اپنے علم کا زعم، اپنے ہی مسلمان بہن بھائیوں پر شرک و بدعت کے الزام، بدگمانیاں، فروعی معاملات میں بحث و مباحثے، حسد، تعصب، کم علمی کا غرور......ان تمام منفی رویوں نے ایک عام آدمی کو الجھا کر رکھ دیا ہے۔ آپ کی زندگی کا مقصد تو اپنے رب کو راضی کرنا ہے۔ اس کا فرمانبردار بننا ہے اس کی پسند میں ڈھلنا ہے اور اللہ رب العزت کو جو پسند ہے وہ یہ ہے کہ آپ اس نیکی پر کاربند رہیں کہ اپنے حقوق، تمنائیں، خواہشات اور اپنا آرام بھول کر دوسروں کی ضروریات، خواہشات کو ترجیح دیں۔ رب تک پہنچنے کا راستہ اس کی مخلوق کے ساتھ حسنِ سلوک ہے مگر افسوس آج بھائی بھائی کو قتل کر رہا ہے۔ انسانی جان جس کی حرمت کعبے سے زیادہ ہے۔ تو بس جی اللہ تعالیٰ جن کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرتا ہے تو اسے دین کا علم عطا کرتا ہے تاکہ اس علم سے اسے خود شناسی عطا ہو اور یہی خود شناسی اسے حق شناسی یعنی اپنے ربّ تک لے جائے، یہ اسلام ہے۔

پاکیزہ ✧......آج کی نوجوان نسل کو کیا پیغام دینا چاہتی ہیں؟

اختر شجاعت ✧......آج کی نوجوان نسل سے مجھے قطعاً کوئی شکوہ نہیں۔ یہ تو خودرو پودوں کی طرح بڑھ رہے ہیں۔ افسوس تو اس باغبان پر ہے جس کے پھول ہیں البتہ میں موجودہ نسل کی ماؤں سے اور مستقبل کی ہونے والی ماؤں سے بہت ادب سے گزارش کرنا چاہوں گی کہ خدارا اپنا بہت سارا وقت اپنی اولاد کو دیجیے۔ ان سے سختی کی جگہ پیار و محبت سے پیش آئیں۔ دوستی کی فضا قائم کریں اور ان کی اچھی دوست بن جائیں۔ ان کی شخصیت میں اپنے مذہب اپنی ثقافت، اپنی تہذیب اور اپنی اقدار کی اہمیت اجاگر کریں۔ انہیں احساس دلائیں کہ ان کی اپنی شناخت کیا ہے اور ان کا اصل کیا ہے؟ یہ تمام ذمے داری ماں کی ہے مگر آج کل ماؤں نے بچے کو موبائل، نیٹ، کمپیوٹر کے حوالے کر دیا ہے۔ مذہب سے دوری نے ان کی شخصیت میں بہت بڑا خلا چھوڑ دیا ہے۔ اس خلا کو پُر کرنے کی ضرورت ہے ورنہ بچے تو سارے ہی ماشاءاللہ ہمارے بہت پیارے ہیں بس تھوڑی سی راہنمائی چاہیے اور ماں سے بہتر اولاد کے لیے کوئی راہنما نہیں۔

پاکیزہ ✧......اچھا اختر صاحبہ سنجیدہ باتیں بھی ہوتی رہیں گی، ذرا اپنی ذاتی پسند اور ناپسند بھی بتا دیجیے، کون سا رنگ پسند ہے، لباس کیسا پسند کرتی ہیں، کھانوں میں کیا اچھا لگتا ہے، پسندیدہ موسم اور خوشبو وغیرہ؟

اختر شجاعت ✧......رنگ مجھے کالا اور سفید پسند ہے۔ لباس وہ جس میں آپ باوقار نظر آئیں۔ شلوار قمیص اچھی لگتی ہے۔ کھانوں میں سب کچھ کھا لیتی ہوں سادہ کھانا زیادہ پسند ہے البتہ دال چاول اور آم کا اچار بے حد پسند ہے۔ ہاں خوشبو مجھے سب سے زیادہ مٹی کی پسند ہے۔ جب بارش کی بوندیں زمین پر پڑتی ہیں تو جو مہک اس مٹی سے اٹھتی ہے وہ مجھے بہت زیادہ پسند ہے۔

پاکیزہ ✧......نثر تو آپ نے بہت لکھی، شعر و شاعری سے بھی دلچسپی رہی؟

اختر شجاعت ✧......شعر و شاعری سے پڑھنے کی حد تک تو بہت دلچسپی ہے اپنے کچھ افسانوں میں اپنے پسندیدہ اشعار بھی استعمال کیے۔

پاکیزہ ✧......پسندیدہ شاعر یا کوئی شعر؟

اختر شجاعت ✧......پسندیدہ شاعر فیض احمد فیضؔ، احمد فرازؔ، ابنِ انشا مگر سب سے زیادہ علامہ اقبالؔ۔ علامہ اقبال کے جوابِ شکوہ کے چند اشعار جو بہت پسند ہیں کہ......

منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبی، دین بھی، ایمان بھی ایک
حرم پاک بھی اللہ بھی قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک
فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں
قلب میں سوز نہیں روح میں احساس نہیں
کچھ بھی پیغامِ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کا تمہیں پاس نہیں
شور ہے ہوگئے دنیا سے مسلماں نابود
ہم یہ کہتے ہیں کہ تھے بھی کہیں مسلم موجود
وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود
یوں تو سیّد بھی ہو، مرزا بھی ہو افغان بھی ہو
تم سب ہی کچھ ہو بتاؤ تو مسلماں بھی ہو

پاکیزہ ✧......اب تو خیر آپ موسیقی نہیں سنتی ہوں گی مگر کبھی کوئی من پسند گلوکارہ گلوکار یا گیت رہا ہو؟

اختر شجاعت ✧......ہاں پرانے گیت پاکستانی اور انڈین سنا کرتی تھی۔ مکیش، کشور کمار، لتا، مہدی حسن، نور جہاں اور نیرہ نور پسندیدہ ہیں۔

پاکیزہ ✧......ٹی وی کس حد تک دیکھتی ہیں؟ اور کیا دیکھتی ہیں؟

WWW.PAKSOCIETY.COM

اختر شجاعت ✧......ٹی وی بھی بہت کم دیکھتی ہوں البتہ نیوز اور ٹاک شوز افتخار کے اصرار پر دیکھ لیتی ہوں۔

پاکیزہ ✧......چینلز کی اس بھر مار میں اپنے پسندیدہ پروگرام کا تعین مشکل ہے، آپ کا کیا خیال ہے؟

اختر شجاعت ✧......بالکل درست کہا آپ نے مگر لوگ کسی نہ کسی طرح ایڈجسٹ کر ہی لیتے ہوں گے۔

پاکیزہ ✧......کیا ذرائع ابلاغ، معاشرے کی سوچ، رویے اور افکار میں تبدیلی......بہتری یا تنزلی کی صورت لاتے ہیں؟

اختر شجاعت ✧......آج کا دور ذرائع ابلاغ کا ہے اور اس وقت الیکٹرانک میڈیا بہت زیادہ پاور فُل ہے اور ان کا معاشرے میں بہت اہم کردار ہے ان کے مثبت اور منفی دونوں رویوں سے ہمارا معاشرہ بہت حد تک متاثر ہوتا ہے مگر مجھے ذاتی طور پر اپنے میڈیا سے ایک گلہ ہے کہ ہم مادیت پرستی کا اس قدر شکار ہو چکے ہیں کہ صرف پیسے کے علاوہ ہمیں کچھ نظر ہی نہیں آتا۔ ہمارا میڈیا بہر حال ایک اسلامی ملک پاکستان کا میڈیا ہے۔ ہم خواتین کی بات کرتے ہیں ان میں خواتین اینکرز' نیوز ریڈرز کو لے لیجیے' ماڈرن ہونے کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ آپ اپنے لباس کے وقار سے غافل ہو جائیں۔ آج دوپٹے کا استعمال باعثِ ندامت ہے اور اگر غلطی سے لے لیا تو اس کا مقصد ختم کر دیا ہے۔ بعض مذہبی مواقع پر تو بہت شدت سے دوپٹے کی کمی کا احساس ہوتا ہے تو میرا مطلب ہے کہ آپ جو پیش کر رہے ہیں کیا وہ ایک مسلمان خاتون کا سراپا ہے؟ کم از کم دوپٹے کے تقدس کا خیال رکھ لیا جائے۔ ہمارا مذہب، ہماری تہذیب، ہمارا کلچر اور ویلیوز کیا ہیں؟ ہم نے سب کچھ بھلا دیا آپ سعودی عرب اور ایران کو دیکھیے (دیگر مسلم ممالک بھی) وہاں کی خواتین بہترین برانڈڈ چیزیں استعمال کرتی ہیں مگر اپنا کلچر نہیں بھولتیں اور یہ سمجھ لیں کہ دوپٹے کا انتخاب کسی مولوی ملّا نے نہیں کیا ہے یہ ہمیں ہمارا رب سورۂ نور اور سورۂ احزاب میں ہدایت دے رہا ہے۔ تو کم از کم حیا کا تھوڑا سا پاس ہو جائے۔ یہاں چھوٹی سی بات کا تذکرہ کرنا چاہوں گی کہ پچھلے دنوں میرے دیور امریکا سے پاکستان آئے ہوئے تھے۔ ایسے میں یہاں میڈیا اور فیشن پر بات چل نکلی تو انہوں نے انتہائی تمسخرانہ انداز میں کہا کہ ہاں بھابی ہمارے ملک کے میڈیا نے بہت ترقی کر لی ہے۔ ماشاءاللہ سے آپ کی خواتین جب ریمپ پر چلتی ہیں تو دیکھ کر اندازہ ہو رہا ہے کہ فیشن کی اس دوڑ میں تو آپ نے پڑوسی ملک کو بھی پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ ہم ملک سے باہر جب یہ حال دیکھتے ہیں سر شرم سے جھک جاتے ہیں تو اگر چند چیزوں کو درست طریقے سے پیش کر لیں تو بھی آپ کسی سے کم نظر نہیں آئیں گے۔ پیسے کے علاوہ اپنی اقدار اپنی ویلیوز سب سے پہلے ہیں اور میڈیا پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اس کا خیال رکھیں۔ بہر حال میں پہلے بھی کہہ چکی ہوں قارئین! یہ میری ذاتی رائے ہے۔

پاکیزہ ✧......اب آپ کی زندگی کی نمایاں ترجیحات کیا ہیں؟

اختر شجاعت ✧......سب سے پہلے تو یہی خواہش اور کوشش ہے کہ اپنے لوگوں کے لیے کچھ کر جاؤں۔ وہ کام کرنے کی کوشش کروں جو ہمارے لیے صدقۂ جاریہ ہوں۔ اپنی خواتین کو دینی و دنیاوی شعور و آگہی (بذریعۂ قلم) دے سکوں۔ زیادہ سے زیادہ علم کے لیے کام کر سکوں۔

پاکیزہ ✧......ہر انسان کے نزدیک ذہنی و قلبی سکون کے معنی و مطالب مختلف ہیں مگر عام طور پر ایک عام انسان کب، کب سکون محسوس کرتا ہے یا کر سکتا ہے؟

اختر شجاعت ✧......یہاں تو میں یہی کہوں گی کہ اگر آپ مثبت سوچ کے ساتھ اپنے تمام

معاملات طے کر رہے ہیں۔ کسی کی حق تلفی نہیں کر رہے، کسی کے ساتھ ناانصافی نہیں کر رہے، کسی کو دکھ نہیں پہنچا رہے تو پھر یقیناً انتہائی ذہنی اور قلبی سکون محسوس کریں گے۔

پاکیزہ ✧......لوگوں کے تلخ رویے اور ناروا سلوک آپ کے اندر کیسے خیالات اور جذبات پیدا کرتے ہیں؟

اختر شجاعت ✧......آپ کے اس سوال کا کیا جواب دوں بہت مشکل ہے۔ درحقیقت لوگوں کے تلخ رویے اور ناروا سلوک میرے حساس دل کو بہت تکلیف پہنچاتے ہیں۔ میں بھی ایک بے حد عام بشر ہوں میرے اندر بھی ایک حساس دل موجود ہے جو ٹوٹتا بھی ہے جس پر بہت سے آنسو بھی گرتے ہیں۔ اس لمحے غم، غصہ، بے بسی اور بہت سارے جذبات کی یلغار ہو جاتی ہے مگر......مگر اس لمحے میرا رب مجھے سنبھال لیتا ہے۔ اس کے سامنے تمام تر غصہ، دکھ، غم سب کچھ آنسوؤں میں بہہ جاتا ہے اور پھر اُس شخص کے دیے ہوئے دکھ کو اپنے رب کے حوالے کر کے تمام تر تلخیوں کو بھلا کر نارمل ہو جاتی ہوں مگر یہ بہت مشکل ہوتا ہے لیکن میرا رب اس مشکل کو آسان کر دیتا ہے۔

پاکیزہ ✧......ایک عورت کی حیثیت سے کیا سمجھتی ہیں کہ آپ نے اپنی ذمے داریاں بھرپور طریقے سے انجام دیں؟

اختر شجاعت ✧......آپ کے اس سوال کا جواب تو میرے قریبی رشتے، اردگرد کے لوگ اور خاص طور سے میرے شوہر بتا سکیں گے۔ (چلیں کبھی ان سے بھی ضرور پوچھیں گے)

پاکیزہ ✧......خواتین کی ترقی میں معاشرہ تو رکاوٹیں ڈالتا ہی ہے، خود عورت اپنی ہی ترقی میں کیسے حائل ہوتی ہے؟

اختر شجاعت ✧......عورت کی اپنی راہ میں رکاوٹ خود عورت کی اپنی منفی سوچ اور منفی طرزِ عمل ہے۔ اپنے ماحول کی منفی سوچوں میں الجھ کر مثبت باتوں سے دور ہو جاتی ہیں۔ اگر عورت صرف اپنی سوچ اور اپنا اندازِ فکر مثبت کر لے تو کوئی رکاوٹ ہی نہ رہے کیونکہ منفی طرزِ عمل آپ کو اندھیروں میں لے جاتا ہے جبکہ مثبت رویہ آپ کو روشنیوں میں لے آتا ہے۔

پاکیزہ ✧......اپنے قارئینِ پاکیزہ سے کیا کہنا چاہیں گی؟

اختر شجاعت ✧......اپنے قارئین سے صرف یہ کہنا چاہوں گی کہ ایک دوسرے سے محبت کریں۔ محبتیں پھیلائیں، محبتیں بانٹیں، دلوں سے حسد' نفرتیں' کدورتیں نکال کر ایک دوسرے کے کام آئیں۔ محنت کریں' دینِ اسلام کے لیے اپنے ملک کے لیے۔ دنیا کتنی ہی رنگین سہی مگر چند روزہ ہے۔ موت کتنی ہی تلخ سہی مگر ضرور آنی ہے اس سے بچاؤ ممکن نہیں۔ ہمیں اپنے رب کے سامنے جواب دہ ہونا ہے۔ اس کی فکر کریں اپنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی آل پاک سے ٹوٹ کر محبت کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شب و روز کی صبر آزما زندگی کو مشعلِ راہ بنا لیں جو غمِ امت میں بسر ہوئی بس ایک تڑپ کہ انسان ہدایت پا جائے۔ اپنے ملک کے لیے بہت دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اسے نفرتوں سے پاک کر کے امن کا گہوارہ بنا دے، آمین۔

پاکیزہ ✧......مصنفات کے لیے کیا پیغام ہے؟

اختر شجاعت ✧......میں تو ایک بہت چھوٹی سی قلم کار ہوں۔ تمام تر مصنفات اپنی اپنی جگہ اچھا کام کر رہی ہیں اور وہ بخوبی جانتی اور سمجھتی ہیں کہ ان کا قلم ان کی سب سے بڑی ذمے داری ہے اور اسے کس طرح ادا کرنا ہے ان سے بہتر کون سمجھ سکتا ہے۔ میں تو بس صرف اتنا ہی کہہ سکتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے قلم کی صورت میں بہت بڑا ہتھیار عطا کیا ہے اور قلم روشنی ہے، اپنے معاشرے میں اس

WWW.PAKSOCIETY.COM

سے جہالت کے اندھیرے دور کیجیے، محبت کا درس دیجیے، نفرتوں کو مٹائیں۔

پاکیزہ ✧...... پاکیزہ سے اپنے تعلق کو کیسا پاتی ہیں یہ سفر کس حد تک خوشگوار گزرا؟

اختر شجاعت ✧...... پاکیزہ کے ساتھ اپنا تعلق تو نہیں کہوں گی بلکہ اس کے ساتھ تو میرا بہت اٹوٹ بندھن ہے اور یہ بندھن بہت سالوں پر محیط ہے۔ یہاں مجھے بہت پیار بہت محبت اور بھرپور تعاون ملا تو پھر سفر بھی بہت خوشگوار گزرا۔

پاکیزہ ✧...... اختر شجاعت صاحبہ دل تو بالکل نہیں چاہ رہا ہے کہ سوالات کا سلسلہ موقوف کیا جائے مگر صفحات کا مخصوص کوٹا آڑے آرہا ہے، بس چلتے چلتے پاکیزہ کے حوالے سے اپنی رائے دیجیے کہ اس میں مزید کیا بہتری کی گنجائش ہے؟ کیا ہوسکتا ہے؟

اختر شجاعت ✧...... ماہنامہ پاکیزہ اپنے طور پر بے حد مکمل ہے۔ تمام سلسلے ہی بہت اچھے ہیں۔ آپ اس میں مزید بہتری کے لیے اگر کچھ مجھ سے جاننا چاہ رہی ہیں تو مجھے اس میں .... دین کی باتیں جو آپ کا سلسلہ ہے جس میں کسی سورۃ کو لے کر اس کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔ اس میں تھوڑی سی تشنگی سی محسوس ہوتی ہے۔ کچھ اس طرح کے مضامین جیسے آپ نے ایک ٹاپک توبہ لیا۔ اسے قرآن اور سنّت کی روشنی میں بتائیں پھر اس کے ساتھ ساتھ توبہ پر بہت اثرانگیز واقعات ہیں پھر ہمارے اسلاف میں سے کسی کی سیرت پیش کریں۔ لوگ پڑھنا چاہتے ہیں، جاننا چاہتے ہیں۔ دینی کتب بہت مشکل زبان میں ہیں اسے سہل زبان میں پیش کریں لوگ بہت دلچسپی سے پڑھیں گے اور یہ آپ کی بہت بڑی علمی و دینی کاوش ہوگی اور ہمارے قارئین میں سے کوئی ایک بھی ہدایت پاگیا تو یہ آپ کے ادارے کے لیے صدقۂ جاریہ ہوگا (آپ کی کیا رائے ہے قارئین؟) باقی تو ماشاءاللہ تمام سلسلے ہی بہترین ہیں۔ اللہ تعالیٰ مزید ترقی عطا فرمائے، آمین۔ ان تمام باتوں کے دوران اگر کوئی غلطی، کوئی کوتاہی یا کوئی دل دُکھانے والی بات کہہ دی ہو تو اس کے لیے بہت بہت معذرت۔ دعاؤں میں یاد رکھیے گا جو بھی میں نے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے وہ میری اپنی ذاتی رائے ہے آپ اختلاف کا حق رکھتی ہیں۔

پاکیزہ ✧...... آخر میں اختر صاحبہ آپ کا بہت شکریہ کہ پاکیزہ کے باذوق قارئین کے لیے اپنا قیمتی وقت ہمیں دیا اور بے حد سودمند اور قابلِ غور نکات سے ہمیں نوازا۔ انشاء اللہ آپ کی یہ پُرفکر گفتگو اور نیک نیتی پر مبنی افکار ہم سب کے لیے مشعلِ راہ ثابت ہوں گے۔

اختر شجاعت ✧...... میں بھی خاص طور سے شکریہ ادا کرنا چاہوں گی محترمہ عذرا رسول صاحبہ کی پُرخلوص باتوں اور مہمان نوازی کا جو دل میں گھر کر گئیں۔ نزہت اصغر کی پُرکشش چمکتی آنکھوں کے والہانہ انداز کا، محبتوں بھرے لہجے کی مالک انجم انصار کا اور اپنی پیاری قاری بہنوں کا...... اللہ تعالیٰ آپ سب کو دنیا اور آخرت کی بھلائیاں عطا فرمائے اور بے تحاشا خوشیاں عطا فرمائے، آمین۔

☆☆☆

عزیز قارئین! ہمیں امید ہے آج کی اس بزم سے بھی آپ یقینی طور پر محظوظ اور مستفیض ہوئے ہوں گے۔ ہمیں آپ کی قیمتی رائے کا انتظار رہے گا۔ اب اجازت دیجیے خوش رہنا اور خوش رکھنا سیکھیں۔ اللہ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔

جنوں کے راستے یوں تو کٹھن سے لگتے ہیں
مگر یہ راستے منزل تلک نکلتے ہیں
زمانہ ہر قدم پہ راہ روکنے والا
عزائم پختہ ہوں جن کے وہ کب بھٹکتے ہیں

☆☆☆

شادی کے لیے لڑکے والوں کے لڑکی دیکھنے کے معاملات

شائستہ زریں

صفیہ کہہ رہی تھی لڑکی کو دیکھنے کے لیے آنے والی فیملی اسے جس طرح دیکھتی ہے اس کی وجہ سے اچھی خاصی پڑھی لکھی اور پُراعتماد لڑکی بھی اس وقت اپنے آپ کو ایک کٹھہرے میں اور مصیبت زدہ سی محسوس کرتی ہے۔ فرحت کا کہنا تھا اس سے نہ صرف لڑکیوں کی عزتِ نفس کو ٹھیس پہنچتی ہے بلکہ اُن کی شخصیت اور خوداعتمادی بھی متاثر ہوتی ہے۔ ایمن کو اعتراض تھا کہ شادی کے لیے لڑکیوں کی نمائش کا یہ سلسلہ نہایت نامناسب ہے۔ شاہانہ کو ملال تھا کہ ایسا لگتا ہے لڑکی نے کوئی ناکردہ جرم کردیا ہے، جس کی سزا اسے اور اس کے والدین کو مل رہی ہے، دسترخوان سجائے جارہے ہیں تو اس میں بھی لڑکی کا سلیقہ دیکھا جاتا ہے۔ دُرِ شہوار برہم ہو رہی تھی کہ روایتی طریقے میں لڑکیوں کو جس طرح پیش کیا جاتا ہے دیکھ کے ایسا لگتا ہے کہ بکرامنڈی میں قربانی کے جانور کو پسند کیا جارہا ہے۔ نجمہ کا تجزیہ تھا کہ اس طرح دیکھنے سے لڑکی نفسیاتی طور پر گھبرا جاتی ہے، پریشان ہو جاتی ہے اس کے چہرے کے تاثرات بدل جاتے ہیں لڑکے والوں کے تاثرات سے پتا چل جاتا ہے کہ انہیں لڑکی پسند آئی کہ نہیں...... اس سے بھی لڑکی پر نفسیاتی طور پر برے اثرات پڑتے ہیں۔ عذرا کو گلہ تھا کہ کسی لڑکی کو دیکھنے جانا اور اس کے طور طریقوں پر نظر رکھنا بہت معیوب لگتا ہے، ایسا لگتا ہے کہ آپ کے سامنے کوئی فلم پیش کی جارہی ہے۔ آصفہ ماضی کے حوالے سے کہہ رہی تھیں کہ وہ رواج اچھا تھا جس میں کسی تقریب میں یا خاموشی کے ساتھ لڑکی پسند کرلی جاتی اور اس کے بعد رشتہ دیا جاتا نہ پیرینٹس کی دلآزاری ہوتی اور نہ لڑکی کی عزتِ نفس مجروح ہوتی۔

یہ تبصرہ تھا ان لڑکیوں اور خواتین کا جن کا موضوعِ گفتگو رشتے کے لیے لڑکیوں کو دیکھنے کا مروجّہ طریقہ تھا۔ اپنی جگہ سب کا اعتراض درست ہے اور آج ہمارا موضوع بھی یہی ہے ہم نے چند لڑکیوں سے معلوم کیا کہ رشتے کے لیے لڑکی کو دیکھنے کے مروجّہ طریقے میں کیا قباحت ہے؟ اور درست کیا ہے؟

حمیرا محمود

سچ تو یہ ہے کہ مروجّہ طریقے میں قباحت ہی قباحت ہے۔ آج کل لڑکی پسند کرنے کا مرحلہ شاپنگ کرنے کی طرح بن گیا ہے۔ جیسے اکثر خواتین کو سارا بازار کھوجنے کے بعد بھی کوئی چیز پسند نہیں آتی اسی طرح ڈھیروں لڑکیاں دیکھنے کے بعد بھی انہیں اپنی پسند کی لڑکی نہیں ملتی۔ ان کے اس طرزِ عمل سے لڑکی اور اس کے گھر والوں کو جو ذہنی کوفت اٹھانی پڑتی ہے اس کا تو شاید لڑکے والوں کو احساس تک نہیں ہوتا ہوگا سو بہتر یہی ہے کہ جس بھی ذریعے سے لڑکی کو دیکھنے جائیں تو پہلے ہی سے لڑکی کے متعلق تمام تفصیلات معلوم کرلیں اس کی تصویر دیکھ لیں اگر

WWW.PAKSOCIETY.COM

حمیرا محمود

وہ ان کے مطلوبہ معیار اور پسند پر پوری اترتی ہے تو اس کے گھر دیکھنے ضرور جائیں۔

شائستہ الیاس

لڑکی دیکھنے کے روایتی طریقے کو ایک ڈرامے میں کیٹ واک کہا گیا ہے، میرے خیال میں کوئی ایک بات حتمی نہیں ہے اگر کا استعمال دو تین جگہ آتا ہے مثال کے طور پر اگر لڑکی والے لڑکے والوں کے پہلے سے رشتے دار ہیں تو یہ روایتی طریقہ اتنا مناسب یا ضروری نہیں ہے، رشتے دار عموماً ایک دوسرے کے طور طریقوں سے واقف ہوتے ہیں تو انہیں لڑکی کی کیٹ واک دیکھنے نہیں بلکہ اگر رشتہ کرنا مقصود ہو تو براہِ راست طے کرنے آنا چاہیے۔
اب بات کرتے ہیں ان کی جو رشتے دار نہیں اس میں بھی دو تین صورتیں ہوتی ہیں جیسے صرف لڑکے نے دیکھا اور پسند کرلیا...... ماں نے دیکھا اور سوچا میرے بیٹے کے لیے کیسی رہے گی؟ یا کسی تیسرے فریق کے ذریعے بات آگے بڑھائی گئی ہو اگر لڑکے یا ماں نے صرف پسند کی بنیاد پر کیٹ واک دیکھنے کا سوچا ہے تو اس کا بھی ایسا طریقہ اپنانا چاہیے جو اس لڑکی اور اس کے گھر والوں کو معیوب نہ لگے اور نہ ہی وہ لوگ بے جا توقعات کا شکار ہوں جو پوری نہ ہو سکیں۔ بہتر طریقہ یہ ہے کہ لڑکے والے، لڑکی والوں کے پڑوس اور ان کے قریبی رشتے داروں، دوستوں اور ملنے جلنے والوں سے بھی اُن کے متعلق رائے معلوم کریں، ان ہی میں سے کسی کے ساتھ لڑکی والوں کے گھر ملنے جائیں اور باتوں ہی باتوں میں غیر محسوس طریقے سے جو باتیں جاننا مقصود ہوں وہ معلوم کرلیں لیکن خالصتاً یہ بات لڑکی والوں کو نہ معلوم ہونے دیں کہ ہم لڑکی دیکھنے آئے ہیں۔ ایسا

شائستہ الیاس

لگتا ہے جیسے قربانی کے دن کے لیے گائے، بکری اپنے معیار کے مطابق تلاش کرنے آئے ہیں، میں اسی لیے اس روایتی طریقے کے خلاف ہوں۔ خدانخواستہ پھر اس کیٹ واک کو دیکھنے کے بعد آپ نے جیسے بھی انکار کیا تو آپ اس لڑکی اور اس کے گھر والوں کی نہ صرف توہین کریں گے بلکہ اس روایتی طریقے سے لڑکی اور اس کے گھر والوں کے اندر کی توقعات ٹوٹ جائیں گی اس لیے کوشش کریں کہ اگر چھان بین کی بہت ضرورت ہے تو ایک غیر

محسوس اور غیر رسمی مہذب طریقہ اختیار کریں اور کیٹ واک دیکھنے کے شوق یعنی روایتی طریقے کو ترک کردیں۔

عظمیٰ اقبال

مروجہ طریقہ نئے تقاضوں سے ہم آہنگ نہیں۔ آج کل کی بیشتر لڑکیاں تعلیم یافتہ اور باشعور ہیں، اس مروجہ طریقے کے تحت کسی کے سامنے خود کو شوپیس کی طرح پیش کرتے ہوئے اپنی تذلیل محسوس ہوتی ہے۔ دیکھنے آنے والوں کے سوالات اس قدر کنفیوز کردیتے ہیں کہ لڑکی کی شخصیت کھل کر سامنے نہیں آتی بلکہ دب جاتی ہے۔ بہت سی باتیں اور کام اس کے مزاج کے خلاف ہوتے ہیں...اور دیکھنے آنے والے اپنی باتوں اور اطوار سے یہ محسوس کرواتے ہیں کہ جسے وہ دیکھنے آئے ہیں وہ دنیا کی سب سے حقیر مخلوق ہے اور یہ رویہ زیادہ تر لوگوں کا ہوتا ہے کہ تنقیدی نظروں کے وار کرکے معمولی سی بات پر اسے ناپسند کردیتے ہیں، بغیر اس کی عادات، اطوار اور سوچ سمجھ جانے۔ اب ہمیں اس فرسودہ طریقے سے نکلنا ہوگا کیونکہ اب کوئی لڑکی خود کو اس

عظمیٰ اقبال

طرح پیش کرنا پسند نہیں کرتی کہ اب نظریات بدل چکے ہیں۔ کسی بھی رشتے کو جوڑنے کے لیے سازگار ماحول، دوستانہ یا ایسی گیدرنگ ہو جہاں کھل کر لڑکی کی عادات و اطوار، ادب آداب اور شخصیت ابھر کر سامنے آئے۔ اس طرح لڑکے والوں کو فیصلہ کرنے میں مدد ملے گی۔

طاہرہ انعام

شادی کے سلسلے میں لڑکی کو دیکھنے کی نیت سے لڑکے والوں کا لڑکی کے گھر جانا اور اس کو اس اندازِ نظر سے دیکھنا جیسے وہ اس دنیا کی عجوبہ سی کسی چیز کے مانند ہو میرے خیال میں مناسب طریقہ نہیں ہے۔ کیونکہ لڑکے والوں کی طرف سے انکار

طاہرہ انعام

کی صورت میں لڑکی اور اس کے گھر والوں کو تکلیف سے دوچار ہونا پڑتا ہے لہٰذا رشتے کے سلسلے میں دونوں گھرانوں کی ملاقات اس طرح ہو کہ وہ ایک دوسرے کی فیملی کو نہ صرف جان سکیں بلکہ اگر مناسب سمجھیں تو بات آگے بڑھائیں ورنہ انکار کی صورت میں مناسب جواز پیش کرکے جس سے لڑکی اور اس کے گھر والوں کی دلآزاری نہ ہو

WWW.PAKSOCIETY.COM

معاملات وہیں روک دیں۔

سارہ جاوید

روایتی طریقہ درست نہیں ہے اگر یہی بات لڑکے سے کہی جائے کہ لڑکی والے تمہیں دیکھنے آئیں گے اور وہ لڑکی کی طرح شوپیس بن کر بیٹھ جائے یا اس سے بھی بے تکے سوالات پوچھے جائیں بلاوجہ اٹھا بٹھا کر دیکھا جائے تو وہ بھی ہرٹ ہوگا اس کی بھی عزتِ نفس مجروح ہوگی بالکل اس طرح جیسے یہ سب کرتے ہوئے لڑکی کی ہوتی ہے اگر

سارہ جاوید

لڑکی دیکھنی ضروری ہے تو تصویر دیکھ لیں یا کسی پارٹی میں دیکھ لیں اس طرح نہ دیکھیں کہ وہ پریشان ہو جائے کہ مجھ سے کیا غلطی ہوگئی؟ کیا لڑکا اس طرح اپنی نمائش کے لیے راضی ہو جائے گا؟ تو سوچیے لڑکی کیسے راضی ہو سکتی ہے؟ لڑکی دیکھنے جائیں تو اس سے نارمل لہجے اور انداز میں بات کریں اس سے غیر ضروری سوال نہ کریں۔ وہ تو پہلے ہی خوفزدہ رہتی ہے کہ مجھے ریجیکٹ نہ کر دیا جائے یا میری کوئی بات لڑکے والوں کو بری نہ لگ جائے اس لیے بہتر یہی ہے کہ اس طرح دیکھیں کہ لڑکی کو معلوم نہ ہو کہ اسے کس نظر اور نیت سے دیکھا جا رہا ہے۔

ماہ نور خان

میری نظر میں مروجہ طریقہ انتہائی نامناسب ہے جو کبھی کبھی بہت تکلیف دہ بھی ہو جاتا ہے۔ خاص

ماہ نور خان

کر اس وقت جب لوگ سر سے لے کر پاؤں تک لڑکی کا ایسے جائزہ لے رہے ہوتے ہیں گویا وہ کسی کی بیٹی نہیں بکنے والی شے ہے جسے بہت دیکھ بھال کر خریدنا ہے اور جب وہ لڑکی ان کی پسند اور معیار پر پوری نہیں اترتی تو بہت آرام سے اسے مسترد کر دیتے ہیں۔

اگر یہ ایک سے زیادہ بار ہو تو بعض لڑکیاں اس صورتِ حال سے گھبرا کر نہ صرف پریشان بلکہ نفسیاتی دباؤ کا شکار ہو جاتی ہیں۔ درست طریقہ تو یہی ہے کہ کسی تقریب میں یا کسی کے گھر لڑکی کو پسند کر کے لڑکے والے لڑکی کا رشتہ بھیجیں۔

☆☆☆

قارئین: سروے کی تمام شرکا نے مروجہ طریقے کی مذمت کی ہے۔ بلاشبہ بیٹی رحمت ہے، والدین کے لیے ایک اعزاز ہے لیکن ہمارے ہی رویوں نے رحمت کو زحمت اور اعزاز کو آزار بنا دیا۔ بلاشبہ بیٹی کی شادی کا مرحلہ والدین کے لیے خوشی کا ہوتا ہے کہ اب وہ اپنے فرض سے سبکدوش ہو جائیں گے لیکن شادی کے سلسلے میں پہلا مرحلہ ہی بسا اوقات بیٹی اور اس کے والدین کے لیے بہت کڑی آزمائش بن جاتا ہے کہ جب لڑکے والے لڑکی کو دیکھنے آتے ہیں۔ اس طریقے کے تحت لڑکی پسند کرنے والے اگر سمجھدار ہوں تو لڑکی کی آزمائش اتنی سخت نہیں ہوتی لیکن جب مختلف زاویوں سے اسے دیکھا اور جانچا جاتا ہے تو وہ خود کو تماشا گاہ میں کھڑا محسوس کرتی ہے۔ لڑکی جب بیک وقت کئی لوگوں کی توجہ کا مرکز بنتی ہے تو فطری طور پر کنفیوز ہو جاتی ہے اور بدحواسی کی کیفیت نہ صرف اس کے چہرے بلکہ... حرکات افعال سے بھی عیاں ہوتی ہے اور پھر یوں ہوتا ہے کہ اگر وہ شرم کی وجہ سے خاموشی یا کم گوئی کا مظاہرہ کرتی ہے تو گھنی اور مغرور کہلاتی ہے اور اگر مطلوبہ سوالوں کے جواب دے دیتی ہے تو بے حجاب اور بے باک قرار پاتی ہے۔

تیرے مجبور بندوں کی نہ یہ دنیا نہ وہ دنیا

اگر لڑکی کے باطنی اوصاف کی بنیاد پر اسے پسند کرنا ہے تو بہتر یہی ہے کہ کسی کے گھر کسی تقریب یا کسی بھی مقام پر غیر محسوس طریقے سے لڑکی دیکھ لی جائے، آپ کی پسند پر پوری اترتی ہے تو بسم اللہ اور اگر آپ مطمئن نہیں ہیں تو اپنے رویے سے اس کا اظہار نہ کریں تاکہ لڑکی خود کو خطاوار نہ سمجھے جو کہ وہ حقیقت نہیں ہوتی۔ بے شک لڑکی کی تلاش اور پسند کا حق لڑکے والوں کو حاصل ہے لیکن اپنا یہ حق شغل کے طور پر اختیار کرنے کا انہیں کوئی حق نہیں کہ ان کا شغل ایک بے بس لڑکی کی عزتِ نفس پر تازیانہ بن سکتا ہے۔

☆☆☆

دعا

دعاؤں میں بسے لوگوں سنو
یہ رابطوں کی دنیا ہے
رابطوں سے رشتے ہیں
چاہتوں کے یہ سنگم
خوشیوں کے یہ آہنگ
دوستی کے یہ بندھن
ہم کو یاد آئیں گے
آنے والے سالوں میں
کس کے سنگ ہنسنا ہے
کس سے مل کے رونا ہے
کب یہ اپنے بس میں ہے
مگر......
آسمان کی جانب، پھیلے ہاتھ یہ کہتے ہیں
دل سے دل کا ہر تعلق
معتبر دعا سے ہے
دعا میں بسے اے لوگوں
جہاں رہو سدا رہو، شاد رہو آباد رہو

شاعرہ: صائمہ قیصر، راول پنڈی

پیاری بات

ایک مسجد کے دروازے پر لکھا تھا۔ "اللہ کے پاس تمہیں دینے کے لیے بہت کچھ ہے لیکن کیا تمہارے پاس مانگنے کے لیے کچھ وقت ہے۔"

مرسلہ: دعا فوزیہ، لاہور

WWW.PAKSOCIETY.COM

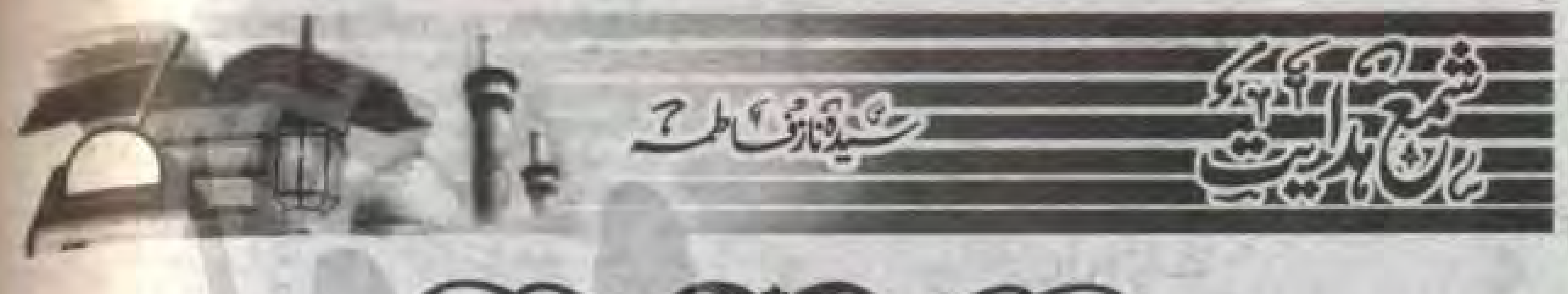

واقعہ کربلا میں خواتین کا کردار

مقام مستور

کوئی ذی شعور اس حقیقت سے انکار نہیں کرسکتا کہ خواتین نے نسلِ انسانی کی تربیت ونشوونما اور کردار سازی میں ہر دور میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ یہ صنف جسمانی طور پر نرم ونازک وضعیف ضرور ہے مگر محبت، خلوص، وفا، ایثار اور ہمدردی کے جذبات سے پُر ہے، مرد بے شک قوی جیسا کہ قرآن پاک میں آیا ہے (الرجال قوامون علی النساء) ہے لیکن عورت کی عصمت، طہارت، عفت، ہنر اور شعور کی مثالیں بھی جگہ جگہ موجود ہیں۔

قرآن پاک میں ارشادِ رب العزت ہوتا ہے جو ایمان والا نیک اور صالح اعمال کرے خواہ وہ مرد ہو یا عورت وہ یقیناً اللہ کے انعام کا حقدار ہے، اس میں (ذکر وانثیٰ) کی تخصیص نہیں، برتری صرف تقویٰ اور پرہیزگاری کو حاصل ہے۔ اگر ہم تاریخ کے اوراق پلٹیں تو حضرت مریمؑ بنتِ عمران اور حضرت آسیہ زوجۂ فرعون جیسی پاکباز خواتین نظر آتی ہیں اگر ایک طرف حضرت نوحؑ کی بے صبر اور بے شکر زوجہ ہے تو دوسری طرف حضرت ایوبؑ کی بے حد خدمت گزار اور صابرہ زوجہ کی مثال بھی ہے۔

معروف شاعر نسیم امروہوی نے اس شعر میں عورت کی عظمت کو سمو دیا۔

کھلے کا زن کا شرف حشر کے قیام کے ساتھ
پکارے جائیں گے جب لوگ ماں کے نام کے ساتھ

مقام زن اور اسلامی معاشرہ

بعثتِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ہمیں اسلامی معاشرے میں ایک سے بڑھ کر ایک خاتون کی مثال ملتی ہے، جس میں سب سے بڑھ کر خدمت وایثار وفداکاری کا اعلیٰ نمونہ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کی ذاتِ اقدس ہے۔ حضرت آمنہ طاہرہؓ اور حضرت فاطمہ بنتِ اسد کی گود کے پروردہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ہمسر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یعنی بی بی خدیجۃ الکبریٰؓ کی تربیت اور پرداخت کے مظاہرے ہمیں واقعۂ کربلا میں نظر آتے ہیں۔ جن میں سرِفہرست ثانی زہراؓ، شریکۃ الحسینؓ حضرت زینب کبریٰؓ بنت علی مرتضیٰؓ ابن ابی طالب ہیں۔ جس طرح رسولِ پاکؐ...... کے زمانے میں صحابیاتؓ نے جنگی معرکوں میں کچھ اس طرح حصہ لیا کہ کھانا، پانی پہنچاتیں...... کبھی زخمیوں کی مرہم پٹی اور دلجوئی کرتیں اور کبھی درس وتدریس کے فرائض انجام دیتیں کہ یہی اسلامی شعار اور اسلامی تربیت ہے۔

واقعۂ کربلا میں شریک خواتین

واقعۂ کربلا تاریخ کا ایک المناک واقعہ ہے۔ یہ حق وباطل کے درمیان واضح لکیر ہے...... اس میں خانوادۂ رسول ﷺ کی خواتین تو پیش پیش تھیں ہی...... اس میں انصار اور اصحابؓ کی ازواج اور آل اولاد بھی شامل ہے کہیں صحابی وہب کلبی کی ماں اپنے بیٹے کو زبردستی میدانِ جنگ میں بھیجتی نظر آتی ہیں تو کبھی ان کی زوجہ خود انہیں آمادہ کر کے جنگ کے لیے بھیجتی ہیں۔

ایک طرف جناب حبیب ابنِ مظاہر کی زوجہ نامۂ امام حسینؓ پانے کے بعد حبیبؓ کو زبردستی سوئے کربلا روانہ کرتی ہیں۔

حضرت مسلم ابن عقیلؓ تو امام مظلومؓ کے سفیر کی حیثیت سے پہلے ہی روانہ ہو چکے تھے مگر امام حسینؓ کے قافلے کے ساتھ حضرت مسلمؓ کی زوجہ ودختران بھی شامل ہیں...... اسی طرح آل محمدؐ کے دیگر اعزا کے ساتھ ساتھ انصار کے اہلِ خانہ بھی اسی جوش وجذبے اور قوتِ ایمانی کے ساتھ اس معرکۂ حق وباطل میں ڈٹے رہے۔

کربلا کی شیر دل خاتون

یوں تو خانوادۂ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی تمام خواتین ہی بے پناہ جرأت، شجاعت اور عفت وحمیت کی مالک ہیں مگر جو ایثار وقربانی حضرت زینب کبریٰؓ نے پیش کی اس کی مثال نہیں...... اگرچہ حضرت اُمِ کلثومؓ بھی دخترِ حضرت علیؓ وفاطمہؓ ہیں وہ بھی بڑی بہن کے ساتھ پیش پیش تھیں اور انصار کی بیواؤں اور یتیموں کے لیے تسلی کا باعث تھیں مگر حضرت زینب بنتِ علیؓ کے خطبوں کی بدولت مظالم یزید پوری دنیا میں آشکار ہوئے۔

حضرت زینبؓ بنتِ علیؓ امام حسینؓ کی چھوٹی ہمشیرہ ہیں، جب آپ کی ولادت ہوئی تو سرورِ کائناتؐ مدینہ منورہ سے باہر تھے دو دن بعد جب وہ تشریف لائے اور نواسی کی پیدائش کی خبر سنی تو آپؐ خانۂ بی بی سیدہ طاہرہؓ میں تشریف لے گئے اور نومولود نواسی کو آغوش میں لے کر فرمایا۔

"برضائے ربی اس بچی کا نام زینب رکھو......"

یعنی زینِ اب یعنی باپ کی زینت...... اور بے شک حضرت زینبؓ ہمیشہ باپ کی زینت کا باعث ہی بنی رہیں۔ یعنی اپنے بابا کے اوصاف سے متصف تھیں جبھی تو شام کے دربار میں سات سو سے زائد کرسی نشین جن میں مختلف ملکوں کے سفرا، امرا اور وزرا بھی تھے اور ساتھ ساتھ اصحابِ رسولؐ تھے اور حضرت علیؓ کے دور کے افراد بھی تھے، سبھی بول اٹھے۔ "بے شک...... یہ لہجہ علیؓ ہے۔"

آپؓ کو عالمہ غیر معلمہ، فاضلہ، عاقلہ، عابدہ، محدثہ اور مظلومہ کے القاب سے نوازا گیا۔

حضرت زینبؓ نے باوجود قدرت واختیار کے رضائے الٰہی کو اپنی خواہشات، اپنی آل اولاد اور اپنے گھربار پر ترجیح دی۔

جس طرح حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ نے دینِ اسلام کے قیام کے لیے اپنا سب مال ومتاع قربان کر دیا اسی طرح بقائے دین کے لیے خدیجۃ الکبریٰؓ کی نواسی زینبِ کبریٰؓ نے بھی کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔

جہادِ کربلا کائنات کا وہ جہاد ہے جس میں انتہائے...... ظلم کا تو اندازہ ہوتا ہی ہے مگر انتہائے صبر کا تعین کرنا آج بھی دشوار ہے اور حضرت زینبِ کبریٰؓ کے ساتھ ساتھ حضرت اُمِ کلثومؓ، امام حسینؓ کی ازواج یہاں تک کہ امام حسنؓ اور حضرت عباسؓ کی زوجہ بھی صبر واستقامت کا پیکر بنی رہیں۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

حضرت زینبؓ کو جن مصائب و شدائد سے دوچار ہونا پڑا ان کی مثال تاریخ کے صفحات میں آج تک نہیں ملتی۔ بعدِ قتلِ حسینؓ کاروانِ حسینیؑ کی سپہ سالاری حضرت زینبؓ کے حصے میں آئی...... یہ صرف کربلا کی شیر دل خاتون کا ہی جگر تھا جس نے اسوۂ رسولؐ کی حفاظت اور کارِ امامت کو دلدوزیِ حالات میں بھی بڑی حوصلہ مندی سے انجام دیا۔

زینبِ کبریٰؓ جیسی بہن جب حسینؓ جیسے بھائی کے کٹے ہوئے سر کو نوکِ نیزہ پر دیکھتی ہیں تو دونوں ہاتھوں کو بارگاہِ خداوندِ بزرگ و برتر میں بلند کر کے فرماتی ہیں۔ ''بارِ الٰہا یہ آلِ محمدؐ کی قربانی قبول فرما۔''

نورِ تطہیر کا زینبؓ کی ہر اک بات میں ہے
جلوۂ پنجتنِ پاک اب اس ذات میں ہے

حضرت زینبؓ قدم قدم پر اپنے نانا رسول اکرمؐ کی زبانی سنے تمام واقعات دُہراتیں کبھی اپنے بھتیجے کو پُرہمت الفاظ کہتیں تو کبھی دیگر اہلِ حرم کی دلجوئی کرتیں۔ ایسے ہولناک ماحول میں جہاں بڑے بڑے جوانمردوں کے قدموں میں لغزش آنے لگے وہاں حوصلہ مندی اور ثابت قدمی دکھانا صرف آپ کا ہی کمال تھا۔

سفرِ کوفہ و شام

بعد واقعۂ کربلا جب آلِ رسولؐ کے حرم کو قیدی بنا کر لے جایا جا رہا تھا تو حضرت زینبؓ ایک ایک بچے اور بڑے کو جمع کر رہی تھیں، جن راہوں سے قافلہ گزرتا وہاں منادی کرادی جاتی کہ یہ حاکمِ وقت کے باغی جا رہے ہیں مگر حضرت زینبؓ بنتِ علیؓ اپنے خطبات سے ان ملعونوں کی منادی کی نفی کرتی جاتیں۔ کوفے کے دربار میں جب ابنِ زیاد نے علی ابن الحسینؓ سے بدکلامی کی گستاخی کی تو آپ اپنے بھتیجے کی ڈھال بن کر سامنے آگئیں۔

دربارِ یزید اور بی بی زینبِ کبریٰؓ

ظلمتِ شام پہ یوں نورِ مدینہ چھایا
آئینہ دیکھ کے باطل کو پسینہ آیا

خطبہ در دربارِ شام حضرت زینبِ کبریٰؓ کی فصاحت و بلاغت، جرأت مندی اور حمیت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ علی مرتضیٰؓ کی بیٹی نے جب حاملِ منبرِ سلونی کا لہجہ اختیار کیا تو خود بدمست یزید بھی انگشت بدنداں رہ گیا۔ تمام عالم سے آئے ہوئے سفرا وزرا، امرا اس قدر پُرروح خطاب پر لرز اٹھے، دربار میں سناٹا چھا گیا۔ گویا طائران شرکا کے سروں پر بیٹھے ہوں کہ وہ گردن ہلانے کے قابل بھی نہ رہے۔ شیرِ خدا کی بیٹی اور رسولِ خدا کی نواسی کا خطبہ کیا تھا، حق و صداقت کا ٹھاٹیں مارتا سمندر اور عالمِ معرفت کا بیش بہا خزانہ تھا۔

غرضیکہ اس شیر دل خاتون سمیت دیگر خواتین بھی عزم و ہمت کا پیکر بنی تمام صعوبتیں برداشت کرتی رہیں، صرف دینِ خدا کی بقا کی سربلندی کے لیے قید و بند کی مشکلات اور آلام سے نبرد آزما ہوتی رہیں اور جب شاید سال بھر بعد قید سے رہائی ہوئی تو حضرت زینبؓ کی سربراہی میں یہ لُٹا پٹا قافلہ...... کربلا ہوتا ہوا واپس مدینہ پہنچا اور روایات میں ہے کہ بی بی زینبؓ کا یہ صبر ماں کے مرقد اور ناناؐ کے روضے پر تمام ہوا جب آپ نے اتنے عرصے کا روکا ہوا اپنا گریہ و بکا جاری کیا۔

شریکِ صبرِ شہ مشرقین ہیں زینبؓ
کہ عینِ فاطمہؓ کی نورِ عین ہیں زینبؓ
دلِ محمدؐ و حیدرؓ کا چین ہیں زینبؓ
خدا کی راہ میں بالکل حسینؓ ہیں زینبؓ
حسینؓ مردِ رہِ انقلاب ہیں گویا
یہ عورتوں میں عمل کی کتاب ہیں گویا

☆☆☆

بہنوں کی محفل

مدیرہ

✻ عزیز از جان بہنو! السلام علیکم رحمتہ اللہ و برکاتہ

✻ حمد و ستائش اس ذات کے لیے جس نے کارخانۂ عالم کو وجود بخشا اور درود و سلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر جنہوں نے دنیا میں حق کا بول بالا کیا۔

✻ لیجیے دسمبر بھی آگیا۔ 2013ء کا آخری مہینہ...... یہ سال کس برق رفتاری سے گزرا ہے کہ حیرت ہوتی ہے اور اسی طرح زینہ بہ زینہ طے کرتی ہوئی زندگی گزر جائے گی اور اس وقت بھی ہمیں یہی لگے گا کہ ابھی تو آئے تھے کہ جانے کا بھی وقت آگیا کہ بے شک موت کا ذائقہ ہر نفس نے چکھنا ہے مگر آگے جانے کی کوئی تیاری بھی ہے یا نہیں... نہیں ناں مگر کیوں نہیں ہم کسی شادی میں جاتے ہیں تو پہلے سے ہی الرٹ ہو جاتے ہیں کہ مہندی میں کیا پہنیں گے، شادی میں کون سا جوڑا اچھا لگے گا اور ولیمے میں کون سا۔ اس کے حساب سے میچنگ جیولری تو کیا پرس اور جوتے تک کا حساب کتاب رکھا جاتا ہے مگر جہاں ہم سب کو ہمیشہ کے لیے جانا ہے اس کے لیے زیادہ نہ سہی تھوڑی سی تیاری تو کر کے رکھنی چاہیے۔ یوں بھی ہم لوگ آج کے مقابلے میں کل کا زیادہ سوچتے ہیں تو پلیز تھوڑا سا زادِ راہ تو اکٹھا کر لیں۔ جو ہم سب کے کام آئے مثلاً صرف 70 ہزار پہلا کلمہ، سوا لاکھ تیسرا کلمہ، 41 بار سورۂ بقرہ پڑھ کر اسے اپنے لیے قبر میں محفوظ کر دیں اور جو زیادہ پڑھیں اسے مرحومین کو بخش دیں۔ مجھے اکثر لڑکیاں فون کر کے کہتی ہیں کہ پانچوں وقت کی نماز پڑھنی ان کے لیے مشکل ہوتی ہے۔ ایسی تمام لڑکیوں سے میں اتنا کہوں گی کہ شروع میں آپ یہ کوشش کیجیے کہ آپ کا کوئی دن بھی نماز کے بغیر نہ گزرے۔ آپ کسی بھی ایک وقت کی نماز لازمی پڑھیں مثلاً اگر آپ نے صرف مغرب کی نماز پڑھنے سے ابتدا کی تو میں یہ بات شرطیہ کہتی ہوں کہ آپ کچھ ہی دنوں کے بعد ایک سے دو اور پھر دو سے تین پر آجائیں گی اور بعد میں آپ کو نماز پڑھنے کا اتنا لطف آنے لگے گا کہ نماز پڑھے بغیر بے چین ہو جائیں گی۔ مجھے تاسف ہوتا ہے ان ماؤں پر جو اپنے بچوں کو نماز پڑھنے کی تلقین نہیں کرتیں۔ مجھے ایک صاحب نے یہ واقعہ بطور لطیفے کے سنایا کہ ان کا بیٹا ان سے پوچھ رہا تھا کہ امی جب نماز میں مرغا بنتے ہیں (استغفر اللہ) تو کیا پڑھتے ہیں اور مجھے انتہائی تکلیف ہوئی یہ سب سن کر کہ مسلمانوں کی اولاد رکوع و سجود کے بارے میں اس طرح کی باتیں کرتی ہے کہ جیسے وہ غیر مسلموں میں سے ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو معاف کرے اور ہم سب کو اور ہماری اولادوں کو نماز پڑھنے اور نیک کام کرنے کی توفیق دے۔ بے شک میرا رب ہر چیز پر قادر ہے۔

✻ اس سے قبل کہ آپ بہنوں کی محفل میں خطوط کا پلندہ کھولیں آیئے پہلے ایک بار درودِ ابراہیمی پڑھتے ہیں جو نماز میں پڑھا جاتا ہے اور اس کے بعد صرف تین بار آیتِ کریمہ پڑھ کر اپنے لیے، اپنے ملک کے لیے اور عالمِ اسلام کی پریشانیوں کو رفع کرنے کے لیے ضرور دعا مانگیں۔ آیتِ کریمہ یہ ہے۔

لاالہ الا انت سبحانك انی کنت من الظالمین

ترجمہ: تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور تو ہر عیب اور کمزوری سے پاک ہے، میں قصورواروں میں سے ہوں۔

نوٹ: یہ حضرت یونسؑ کی مشہور دعا ہے جو انہوں نے مچھلی کے پیٹ میں اللہ سے کی تھی۔ یہ آیت، آیتِ کریمہ کہلاتی ہے اور اس کے پڑھنے کے فوائد کثرت سے ہیں اور اب آپ اپنی مصنفات، شاعرات اور قارئینِ پاکیزہ

WWW.PAKSOCIETY.COM

بہنوں کی تازہ بہ تازہ سرگرمیوں پر ایک نظر تو ڈالیں کہ کیا کچھ ہو رہا ہے۔

❀ ❀ ❀

مصنفات، شاعرات اور پاکیزہ بہنوں کی تازہ بہ تازہ سرگرمیاں

❀ ہماری مایہ ناز مصنفہ، شاعرہ ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی کے ہاتھ سے لکھے ہوئے قرآن پاک (جن کی تعداد سات ہے) کی نمائش پہلے ہمدرد سینٹر ناظم آباد میں ہوئی اور اب وہ مدینۃ الحکمت میں رکھے جا چکے ہیں اور دورِ حاضر کی مسلم خاتون کا عظیم کارنامہ کے بینرز کے ساتھ نمائش کے لیے موجود ہیں۔ (ماشاء اللہ، سبحان اللہ) واضح رہے کہ ہماری یہ پیاری دوست اب تک چودہ قرآن پاک کی کتابت کر چکی ہیں جو مختلف جگہ رکھے ہوئے ہیں۔ پاکستان میں بھی اور پاکستان سے باہر بھی۔ (بے حد مبارکاں)

❀ آپ کی باجی انجم انصار کا نیا ٹی وی سوپ محبت ہم سفر میری ہر جمعرات سے اتوار تک شام ساڑھے سات بجے ٹی وی ون پر دکھایا جا رہا ہے۔ یاد رہے کہ یہ ناول محبت ہم سفر میری پاکیزہ میں قسط وار شائع ہوا تھا اور اس ناول نے اپنے قارئین سے پسندیدگی کی سند پائی تھی۔ (بفضلِ اللہ تعالیٰ)

❀ پاکیزہ کی مستقل تبصرہ نگار اور معروف شاعرہ شگفتہ شفیق ان دنوں اپنے عزیز و اقارب سے ملنے کے لیے امریکا گئی ہوئی ہیں۔ (ماشاء اللہ)

❀ پاکیزہ کی مستقل تبصرہ نگار انجم گلزار، کراچی قرآن پاک کے اب تک بیس سپارے کتابت کر چکی ہیں۔ (ماشاء اللہ، سبحان اللہ)

❀ پاکیزہ کی شاعرہ اور مستقل تبصرہ نگار یاسمین کنول، پسرور نے پبلک سروس کمیشن کے تحت سی ایس ایس کا امتحان پاس کر لیا ہے۔ (بے حد مبارک باد)

❀ پاکیزہ کے مستقل قاری محمد صفدر مصطفیٰ، ماموں کانجن، فیصل آباد میں ان کے بھائی محمد انور مصطفیٰ اور بہن ناہید مصطفیٰ کی شادیاں نومبر میں ہوئیں۔ (مبارکاں)

❀ پاکیزہ کی معروف شاعرہ فریدہ خانم، لاہور نے پی ٹی وی کے پروگرام بزمِ طارق عزیز میں شرکت کر کے انعامی مقابلے میں انعام حاصل کیا۔ (مبارک باد)

❀ پاکیزہ کی مستقل تبصرہ نگار ڈاکٹر شہلا عامر خاں کے بیٹے رافع العباد خاں نے او لیول میں گیارہ اے لے کر گولڈ میڈل حاصل کیا ہے۔ (مبارک باد)

❀ پاکیزہ کی شاعرہ اور مستقل تبصرہ نگار صاعقہ ریاض، حیدر آباد حج کی سعادت حاصل کر کے آ گئی ہیں۔ (ماشاء اللہ)

❀ پاکیزہ کی مستقل قاری ثنا حسن، امریکا کے ہاں بیٹا تولد ہوا ہے جس کا نام محمد حمزہ رکھا گیا ہے۔ (مبارک باد)

❀ پاکیزہ کی مستقل قاری شاہانہ کی منگنی سندھ میں ہو گئی ہے۔ (مبارک باد)

❀ پاکیزہ کی مستقل تبصرہ نگار اور شاعرہ نجمہ ناز اصغر، کراچی بسترِ علالت پر ہیں ان کی کلی صحت کے لیے دعا کریں۔

❀ ہماری بہت سی بہنوں نے امینہ عندلیب، سلانوالی کی طبیعت پوچھی ہے ابھی وہ ٹھیک نہیں ہیں مگر وہ بہادر لڑکی اسکول پڑھانے جا رہی ہے۔ اسے بہترین ٹیچر کا اعزاز بھی ملا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے صحت اور زندگی دے ابھی اسے بہت دعاؤں کی ضرورت ہے۔

❀ ہماری ایک مستقل تبصرہ نگار کی بیٹی حمنہ نور کے لیے دعا کے لیے التماس ہے۔ اس کی عمر پونے نو سال

ہے۔ اس کا ذہن اپنی عمر کے لحاظ سے کم ہے اور وہ اسپیشل اسکول میں پڑھتی ہے۔ دعا کریں کہ اللہ اس بچی کو جسمانی اور ذہنی صحت سے نوازے، آمین۔

❀ پاکیزہ کی مستقل قاری، تبصرہ نگار مسز وقار، راولپنڈی ان دنوں علیل ہے۔ ان کی کلی صحت کے لیے دعا کریں۔

❀ ❀ ❀

انتقالِ پُرملال

☆ سندھ گورنمنٹ چلڈرن اسپتال کے ایم ایس ڈاکٹر آصف زمان کی ہمشیرہ فرزانہ داؤد برضائے الٰہی انتقال کر گئیں۔

☆ پاکیزہ کی مصنفہ نزہت جبیں ضیا، کراچی کی ساس انتقال کر گئیں۔

☆ پاکستان کی مایہ ناز گلوکارہ زبیدہ خانم، لاہور میں انتقال کر گئیں۔

☆ ڈاکٹر مرزا اختیار بیگ اور مرزا اشتیاق بیگ کی والدہ قدسیہ بیگ برضائے الٰہی انتقال کر گئیں۔

نوٹ: تمام مرحومین کے لیے تین بار سورۂ اخلاص پڑھ کر ان کی مغفرت کی دعا کریں اور اللہ تعالیٰ ان سب کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، آمین۔

❀ ❀ ❀

پروفیسر شیریں سلیم، لاہور سے۔ ”نومبر کا پاکیزہ اچھا لگا۔ سادہ سی فہرست نے اچھا تاثر چھوڑا۔ تینوں ناولوں کی اقساط بھرپور رہیں اور افسانے بھی خاصے بہتر تھے مگر میں سب سے پہلے اداریہ پڑھتی ہوں جو آج کے وقت کی آواز ہے۔ بہنوں کی محفل بھی اچھی لگی اور بعض خط پڑھ کر مسکراتی بھی رہی۔ عید ملن کا احوال بھی ہمیں وہاں لے گیا اور سب سے مل کر مزہ آیا تصاویر واقعی بے حد دھندلی تھیں کچھ علاج اس کا بھی کریں۔“ (ہاں اس کا ایک علاج تو یہ بھی ہے کہ ہم آئندہ تصاویر کو بڑی کر کے لگائیں گے، پسندیدگی کا شکریہ)

مسز یاسمین عبدالرزاق، کراچی سے۔ ”میں آپ سے یہ تو نہیں کہوں گی کہ میں پاکیزہ برسوں سے پڑھ رہی ہوں۔ ہاں چند سالوں سے ضرور پڑھ رہی ہوں اور اس میں شمولیت کی وجہ اس کی بہنوں کی محفل ہے اور اس میں خط اور آپ کے دیے گئے جوابات پڑھ کر مجھے یوں لگا کہ ہم بھی بے تکلفی سے اسی طرح باتیں کیا کرتے ہیں۔ اس لیے اس میں بے حد اپنائیت سی محسوس ہوئی۔ عید ملن کی رپورٹنگ آپ نے جس انداز میں کی ہے واقعی ہمیں اس محفل میں پہنچا دیا ہے اور ہمیں عذرا رسول کی یہ بات بہت اچھی لگی ہے کہ جب بھی وہ اپنے بیٹے کی شادی کریں گی تو کسی سے کوئی گفٹ یا پیسے نہیں لیں گی۔“ (پیاری یاسمین اس محفل میں خوش آمدید۔ ہمیں اچھی باتوں کی حرص کرنی چاہیے اگر کوئی اس جانب اپنا پہلا قدم بڑھاتا ہے تو یقیناً اس راہ پر دوسرے لوگ بھی چلیں گے)

تسنیم ماہ پارہ، کراچی سے۔ ”نومبر کا شمارہ خصوصی طور پر پسند آیا۔ عید ملن کی منظر نگاری بہت خوب صورتی سے کی گئی ہے کہ پڑھ کر مزہ آ گیا۔ رضوانہ پرنس کے ناول کی پہلی قسط نے بہت متاثر کیا ہے یقیناً آگے کی کہانی بے حد جاندار ہوگی۔ سلو پوائزن اور یوٹرن جیسی کہانیاں بے حد شاندار رہی ہیں۔ نگہت اعظمی تو ہمیشہ اچھا لکھتی ہیں مگر افتخار شوق جو غالباً نئی افسانہ نگار ہیں مگر ان کا افسانہ اچھا لگا۔ سعدیہ رئیس، رفاقت جاوید اور شیریں حیدر نے بھی اچھا لکھا ہے۔ رفعت سراج، عنیزہ سید اور قیصرہ کے ناولوں کی اقساط بھرپور ہیں۔“ (پسندیدگی کا شکریہ)

نجمہ ناز اصغر، کراچی سے۔ ”طبیعت خرابی کی وجہ سے میں پاکیزہ بے قاعدگی سے پڑھ رہی ہوں مگر جب بھی پڑھتی ہوں بے حد لطف آتا ہے۔ بہنوں کی محفل تو بار بار پڑھتی ہوں ہر دفعہ نیا مزہ آتا ہے۔ دین کی باتیں اچھی لگتی ہیں اور باجی آپ کے سمجھانے کا طریقہ بھی دل پر اثر کرتا ہے۔“ (پیاری نجمہ اللہ تمہیں کلی صحت دے۔ ہاں پہلے کی

WWW.PAKSOCIETY.COM

طرح اپنی شاعری بھیجوناں)

سمیرا حمید فاروق، کراچی سے۔ ”انجم باجی آج کل کے حالات پر آپ کا اداریہ بہترین ہے۔ ہم نے جو بویا ہے وہی کاٹ رہے ہیں۔ عید ملن کی روداد جب آپ کے قلم سے ہو تو کیسے مزہ نہ آتا۔ میں نے اس کا احوال کئی مرتبہ پڑھا اور بہت اچھا لگا۔ رفعت سراج کے ناول کی قسط اچھی تھی۔ معذرت کے ساتھ نہ تو مجھے عنیزہ سید کے ناول میں مزہ آ رہا ہے اور نہ ہی قیصرہ حیات کے ناول میں جبکہ دونوں مصنفات میری فیورٹ ہیں۔ اس ماہ ٹاپ کی تحریر شیریں حیدر کی رہی بہت اچھا لکھا بے حد مبارک باد پہنچا دیں۔ اس ماہ کی بور ترین تحریر شبانہ شوکت کی رہی پلیز آپ نئی رائٹرز کو بے شک جگہ دیں مگر ان کے مختصر ترین افسانے شائع کریں، طویل ہرگز نہیں۔ افتخار شوق نیا نام ہے افسانہ بھی شاید پہلی مرتبہ لگا ہے مختصر مگر بھرپور افسانہ تھا، اچھا لگا۔“ (آپ کی رائے پہنچاتے ہوئے صرف اتنا کہیں گے کہ ہر قاری کی پسند ناپسند مختلف ہوتی ہے)

فیروزہ بیگم، کراچی سے۔ ”رفعت سراج نے ناول میں نیا موڑ لیا ہے۔ عنیزہ سید اور قیصرہ حیات بھی ٹھیک جا رہی ہیں بلکہ قیصرہ حیات کا ناول تو اختتام سے قریب ترین نظر آ رہا ہے۔ مصنفات کی تمام تصاویر بے حد دھندلی تھیں مگر پھر بھی بار بار اُن کو دیکھا کہ ہم آپ سب سے بے حد محبت جو کرتے ہیں۔ رضوانہ پرنس نے سنجیدہ موضوع پر قلم اٹھایا ہے ابھی ایک قسط پڑھ کر حتمی رائے نہیں دی جا سکتی، دو تین اقساط پڑھ کر رائے دوں گی۔ اداریہ وقت کی آواز ہے سنجیدہ مسائل پر بھی آپ بہت اچھا لکھتی ہیں اس دفعہ کا جلترنگ پان کے نقصانات پر، میں کی کراں بہت عمدہ لکھا ہے۔ شیریں حیدر کے ناولٹ کو میں اے ون کہہ سکتی ہوں۔ افتخار شوق کی انٹری زبردست ہوئی ہے۔ نگہت اعظمی، رفاقت جاوید اور شہناز وسیم کے افسانے پسند آئے۔ شبانہ شوکت اور سعدیہ رئیس نے بس ٹھیک ہی لکھا، ہاں شائستہ زریں کا سروے پسند آیا اور روحانی مشورے بھی۔“ (بھرپور تبصرے کا شکریہ)

شائستہ عزیز، کراچی سے۔ ”دلہن کی تصویر اور اجلے دانت دیکھتے ہی اندازہ ہو گیا کہ ضرور دلہن کا تعلق دانتوں کی ہائی جین سے ہوگا جو آگے چل کر سچ ثابت ہو گیا۔ آپ کے گھرانے کی ساری دلہنوں کی تصاویر مجھے ازبر ہیں، خواہ وہ عظمیٰ آفاق کی دلہن کے روپ میں سجی تصویر ہو یا ڈاکٹر آرزو عظیم (ندرت) ہوں یا پھر ثمینہ عمیر، سب ایک سے بڑھ کر ایک رہیں، ماشاء اللہ۔ عظمیٰ تمہیں رواں تبصرہ لکھنے میں کمال حاصل ہوتا جا رہا ہے۔ تم ضرور بڑی ہو کر انجم انصار بنو گی، انشاء اللہ...... مبارک ہو کہ تمہارے تینوں بھائی کم عمری میں ہی دولہا بن گئے اب دیکھتے ہیں اجیہ کی شادی کا احوال تم لکھتی ہو یا اس کی نانی...... سائرہ رضا تم اب تک کہاں تھیں؟ یا میری نظروں کا دھوکا ہے کہ تمہیں بہت دیر سے تلاشا...... جب جب لکھتی ہو چونکا دیتی ہو اگر تمہارا قلم اسی طرح رواں رہا تو انشاء اللہ تمہارا شمار جلد پاکستان کی بہترین لکھاریوں میں ہوگا۔ (ہو چکا ہے بھئی) انجم آپ کو ایک قاری نے مشورہ دیا ہے کہ آپ ہر ماہ ایک نئے اور ایک پرانے رائٹر کا انٹرویو دیا کریں تو یہ بہت اچھی تجویز ہے جیسا کہ میں سائرہ رضا کے بارے میں جاننا چاہتی ہوں تو اسی طرح اور بہت سی بہنیں اپنی پسندیدہ رائٹرز کے بارے میں جاننا چاہتی ہیں۔ (تم بھی تیار ہو جاؤ) پاکیزہ میں کچھ لکھاری بہنیں اپنے قلم سے جہاد کا کام بخوبی لے رہی ہیں جیسے کہ عطیہ عمر، قانتہ رابعہ، نوشین ناز اختر اور دیگر...... اللہ انہیں جزائے خیر عطا کرے، آمین۔ اس مرتبہ شیریں حیدر کا انداز بھی جہاد بالقلم جیسا تھا۔ نئی رائٹرز نے بھی بہت خوب لکھا۔ پیاری دوست عنیزہ سید کو میرا اسلام دیجیے کہ ان کا ناول میں تسلسل سے پڑھ نہیں پا رہی ہوں، اپنی علالت کے باعث پچھلے ڈیڑھ برس سے میرا ناتا کاغذ قلم سے چھوٹا ہوا ہے کہ جس کا ثبوت میری یہ ٹوٹی پھوٹی لکھائی اور کا ناپینی ہے۔ ایمنہ عندلیب کے لیے دل سے دعا نکلتی ہے کہ بہت باہمت لڑکی ہے۔ اللہ اس پر رحم خاص فرمائے، آمین۔“ (شائستہ خیریت تو ہے ناں...... نگہت اعظمی کے ہاں تقریب میں تم سے ملاقات ہوئی تھی۔ تم ٹھیک ٹھاک لگی تھیں۔ ہاں اس محفل میں ہر ماہ آؤ طبیعت میں افاقہ خود محسوس کرو گی)

✉ غزل ہاشمی، اٹک۔ پیاری بیٹی تمہاری دعاؤں اور نیک خواہشات کے لیے ممنون ہوں۔ پاکیزہ کی پسندیدگی کے لیے بے حد مشکور ہوں۔ اللہ تعالیٰ تمہیں بھی ہمیشہ خوش رکھے، آمین۔

✉ عمانوئیل مشاہد، راولپنڈی۔ برادرم آپ کا تفصیلی خط ملا۔ پاکیزہ کی تحریریں پسند کرنے کا شکریہ مگر یہ محفل صرف خواتین کے لیے مخصوص ہے۔ ہمیں افسوس ہے کہ ہم اس میں آپ کا خط شائع نہیں کر سکتے۔ آپ کی دعاؤں کے لیے احسان مند ہوں۔

مسز ممتاز عارف، کراچی سے۔ ”پاکیزہ پسند ہے خاموش قاری ہوں۔ عظمیٰ آفاق کے اصرار پر ہمت باندھی ہے۔ لڑکیوں کی شخصیت کی تعمیر کو اہم سمجھتی ہوں۔ پاکیزہ کی کہانیاں لڑکیوں کو آگاہی دے رہی ہیں۔ میں بھی اپنے گھر میں بیٹھ کر بزنس کرتی ہوں اور میرا پیغام اپنی بہنوں اور بیٹیوں کے لیے یہی ہے کہ ناساعد حالات میں کبھی گھبرانا نہیں۔ اللہ کا نام لے کر اور اس پر مکمل یقین کے ساتھ اپنا کاروبار بے شک چھوٹے پیمانے پر شروع کریں۔ اس میں کامیابی ضرور ہوگی۔“ (اس محفل میں خوش آمدید، آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں ہمیں کسی بھی کام میں مایوس نہیں ہونا چاہیے)

صفیہ بیگم، لالہ موسیٰ سے۔ ”اس مرتبہ کا شمارہ ذوق شوق سے پڑھا گیا کہ بہنوں کی محفل میں ہم بھی شامل تھے۔ باجی میری پوری فیملی پاکیزہ کی اور آپ کی فین ہے۔ ناہید سلطانہ اختر، ذکیہ بلگرامی، شیریں حیدر اور صائمہ اکرم میری پسندیدہ مصنفات ہیں۔ عظمیٰ نے شادی کا احوال اتنا دلچسپ لکھا ہے کہ ان سے اب یہ کہنا ہے کہ وہ کوئی دلچسپ سی تحریر لے کر حاضر ہو جائیں۔“ (آپ کی رائے مصنفات کو پہنچائی جا رہی ہے اور وہ شکریہ کہتی ہیں)

نازگل، حیدرآباد سے۔ ”آپ کا فون نمبر میرے پاس سے کھو گیا ہے۔ اس لیے آپ سے کافی دنوں سے بات بھی نہیں کر سکی ہوں۔ اکتوبر کا پاکیزہ شاندار تھا۔ ٹائٹل سے لے کر سطر سطر پسند آیا ہے۔ نمرہ احمد میری پسندیدہ رائٹر ہیں۔ ان سے کہیں کہ وہ باقاعدگی سے لکھا کریں۔ ہاں عظمیٰ نے شادی کی رپورٹنگ تو اتنے مزے کی، کی ہے مجھے ایسا لگا کہ اس میں میری شرکت ہو گئی ہے۔ رائٹرز کے بچوں کی شادیوں کی تفصیل ضرور شائع ہونی چاہیے۔“ (جی ہاں، آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ ہم نے نزہت جبیں ضیا کی بیٹی کی شادی کا احوال شائع کیا تھا۔ شیریں حیدر نے اپنی بیٹی کی شادی کی تفصیل بے حد عمدگی کے ساتھ خود لکھی تھی۔ نگہت اعظمی کے بیٹے کی شادی کی کوریج بھی شائع ہوئی تھی اس کے علاوہ دلہن نمبر میں بھی شادیوں کے احوال لگتے رہے ہیں۔ اب دیکھتے ہیں کس کے ہاں خوشی کی کوئی تقریب ہوتی ہے)

عذرا بی بی، راولپنڈی سے۔ ”اس ماہ کا شمارہ بھی بے حد پسند آیا۔ مجھے ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی کی تحریریں اور ان کی شخصیت بے حد پسند ہے۔ پلیز آپ ان کی تحریریں ضرور لگائیں اور ان کا بے حد تفصیلی انٹرویو بھی پڑھنے کے لیے دیں۔“ (آپ کی فرمائش نوٹ کر لی گئی ہے بھئی ذکیہ جلدی سے تیار ہو جائیں)

✉ پروین علی، کراچی سے پوچھتی ہیں کہ کولیسٹرول کم کرنے کا کوئی آسان اور آزمودہ نسخہ بتا دیں، (بہنیں توجہ دیں)

✉ شاعرہ ثمینہ ناز، کراچی۔ گڑیا آپ کو مطالعے کی بے حد ضرورت ہے۔ ہم آپ کی حوصلہ افزائی ضرور کریں گے۔ آپ نثر میں کچھ بھیجیں۔

ذکیہ ایوب، کراچی سے۔ ”فہرست اسکیچ کے بغیر بہت اچھی لگی۔ رفعت سراج کی یہ قسط ایک ہی نشست میں پڑھنے والی تھی۔ شبانہ شوکت، شہناز وسیم کی تحریریں مناسب ہی رہیں۔ شیریں حیدر نے بہت صحیح عکاسی کی ہے، ایسے فراڈیے لوگ ہر جگہ ہیں۔ سلو پوائزن بھی اچھا تھا۔ رفاقت جاوید کی ادھوری تصویر بہت اچھی اس لیے لگی کہ میں بھی بیٹی کی ترسی ہوئی ہوں۔ مجھے بارہا ایسا لگا جیسے رفاقت جاوید نے میری کہانی لکھی ہے۔ عنیزہ سید کا ناول بھی آگے بڑھ رہا ہے اور دلچسپی بڑھا رہا ہے۔ قیصرہ حیات کا ناولٹ سو سو رہا۔ رضوانہ پرنس کے

WWW.PAKSOCIETY.COM

عطیۂ خداوندی

پروردگارِ عالم نے انسان کو بہترین حواسِ خمسہ عطا کیے ہیں جو بلاشبہ نعمتِ عظیم ہے۔ قوتِ سماعت کی حفاظت آپ کی بہتر زندگی کے لیے ازحد ضروری ہے۔ آپ نے کبھی اس بات پر غور کیا کہ فی زمانہ حسِ سماعت ابتدائی عمر سے ہی کمزوری کا شکار ہوتی جارہی ہے۔ یہ خلل ان لوگوں پر تیزی سے حملہ کرتا ہے جو اپنی نوجوانی شوروغل والے ماحول میں گزارتے ہیں یا آج ہیڈ فون، ائرفون کے بکثرت استعمال سے یہ عارضہ تیزی سے لاحق ہورہا ہے۔ یہاں ہم اپنے قارئین کو اس عطیۂ خداوندی کو محفوظ رکھنے کے چند سادہ اور قدرتی طریقے بتانے کی سعی کریں گے۔

☆ پُرسکون مقام پر ورزش کریں کیونکہ خاموشی قوتِ ارتکاز میں اضافہ کرتی ہے۔ قدرتی نظاروں سے لطف اندوز ہونے والے افراد بہ خوبی جانتے ہوں گے کہ ایک وادی میں کھڑے ہوتے ہوئے آپ کو ہلکی سے ہلکی آواز بھی اسی قوت کے باعث سنائی دے جاتی ہے اس لیے کہ وہاں بے ہنگم شور نہیں ہوتا۔

☆ کیفین اور نمک کا استعمال کم کریں۔ ڈاکٹرز ویسے بھی کھانوں کے اوپر اضافی نمک چھڑک کر کھانے سے منع کرتے ہیں۔ کیفین کان تک خون کے بہاؤ میں رکاوٹ پیدا کرتی ہے۔ اسی طرح نمک بھی سیّال مادّوں کی آمدورفت متاثر کرتا ہے۔

☆ تمباکو اور سگریٹ نوشی سے بچیں جو تقریباً ہر مرض کا سبب ہے۔

☆ ائرپلگ پہنیے یا روئی کے پھائے...... خیال رہے اتنے چھوٹے نہ ہوں کہ کان کے اندر جا گھسیں۔ شوروغل کے ماحول میں یہ آپ کے مددگار ثابت ہوسکتے ہیں، جس طرح ائرٹریولنگ کے وقت دیے جاتے ہیں۔

☆ دانت ومنہ کی صفائی خاطر خواہ طریقے سے رکھیں۔ جن لوگوں کے بڑھاپے تک ان کے اصلی دانت زیادہ ہوں ان کی قوتِ سماعت جلدی متاثر نہیں ہوتی۔

☆ سالم اناج اور چھان سمیت آٹا استعمال کریں۔ ان میں وٹامن ہوتے ہیں جو اندرونِ کان میں واقع چھوٹی سی ہڈی حلزونہ (cochlea) کے عصبوں اور خون کی نالیوں کو صحت مند رکھتے ہیں۔ وٹامن بی اور فولیٹ کی کمی بھی سماعت کو متاثر کرسکتی ہے۔

☆ دودھ، شکرقندی، مونگ پھلی کا بکثرت استعمال اور سبزیوں کا روزانہ استعمال اس حسِ سماعت کو قائم رکھنے میں موثر کردار ادا کرتا ہے۔

☆ اگر ایسا ہی ہر وقت کچھ نہ کچھ سننے کا شوق ہے تو قرآن پاک باترجمہ سنیے جو آپ کے تمام حواسِ خمسہ کو تحفظ بخشنے کا ضامن ہے۔

مرسلہ: ثمین عباس، کراچی

ناول کی پہلی قسط ہی زبردست رہی۔ سعدیہ رئیس نے لڑکیوں کی آنکھیں کھولنے کی کوشش کی ہے۔ پاکیزہ رائٹرز کی تقریب میں سب سے ملاقات اچھی لگی۔ بغیر ٹکٹ کے نہیں کہ اگر ہم پاکیزہ نہ خریدتے تو اتنی اچھی محفل کا حال کیسے پڑھتے۔ اللہ معراج بھائی اور عذرا کو ان کے بیٹے کی خوشیاں دکھائے، آمین۔ انجم تم مجھے اپنی تازہ تصویر میں کچھ کمزور سی لگی ہو۔ عظمیٰ کی ڈائری میں ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی کی حمد اور شبنم شکیل کی نعت بے حد پسند آئی۔ جلترنگ میں 'میں کی کراں' بہت اچھا تھا اور اسے پڑھ کر ایک پرانی کہاوت یاد آ گئی۔ ہائے میں کی کراں، کتھے جاواں تے کتھے ڈھاواں۔ روحانی مشورے میں میری فرمائش بھی پوری کردیں اور جلترنگ کے میرے پسندیدہ خاکے بھی دوبارہ شائع کردیں۔'' (جی ضرور)

☜ مسز نزہت اشفاق، کراچی سے۔ ''اس دفعہ فہرست بہت اچھی لگی۔ ایک تصویر بھی لگانے کی ضرورت نہیں ہے اور اگر لگانی ہے تو ہر ماہ کسی نہ کسی رائٹر کی لگا دیا کریں۔ اس ماہ شیریں حیدر کا افسانہ بہت اچھا لگا۔ نمرہ احمد کا اُن ہی کے انداز کا تھا۔ رضوانہ پرنس کے منی ناول کی پہلی قسط تو بہت اچھی ہے۔ رفاقت جاوید، نگہت اعظمی، افتخار شوق کی کہانیاں بہت اچھی لگیں۔ شبانہ شوکت اور سیما بنت عاصم کی بس گوارا تھیں یا ان موضوعات پر بے حد لکھا جاچکا ہے۔ رائٹرز کی عیدملن کی کوریج بہت پسند آئی۔ واقعی آپ نے تو تصویر کھینچ دی مگر انجم آپ تصویروں میں بے حد دبلی لگ رہی ہیں۔'' (ہاں بغیر میک اپ کی تصویر ہے تو ظاہر ہے دو چار پونڈ وزن کم لگ رہا ہوگا۔ پاکیزہ کی تحریریں پسند کرنے کا شکریہ)

☜ فرحت احمد، کراچی سے۔ ''سرورق نہایت معصوم اور دل نشین۔ امانت اور شامِ شہر یاراں شاندار، کہیں دیپ جلے کہیں دل بہت اچھا مگر اسے ختم ہوجانا چاہیے۔ پارس تجسس سے بھرپور ایک اچھی کاوش جو سسپنس اور

جاسوسی کے رسالے میں مناسب رہتی۔ تمام افسانوں میں ریت گھروندا اور میرا نام حنا ہے بہت پسند آئے۔ باقی بھی اچھے ہیں۔ رضوانہ پرنس کے منی ناول پر تبصرہ مکمل ہونے پر کریں گے۔ اس کے علاوہ تمام سلسلے حسب معمول اچھے ہی لگے ہیں اور سب سے اچھی تو ہمیں بہنوں کی محفل کے بعد عیدملن لگی۔ عیدملن آپ کے اندازِ تحریر کی وجہ سے واقعی ہم سب کو سب سے ملوا گئی۔ پڑھتے ہوئے ایسا محسوس ہورہا تھا کہ آنکھوں کے سامنے ہی سب کچھ ہورہا ہے۔ مانو ہم نے بھی تقریب میں شرکت کرلی۔'' (شکریہ)

☜ ڈاکٹر ممتاز ضیا، کراچی سے۔ ''تم نے بالکل صحیح لکھا انسانی جان اس قدر ارزاں ہوچکی ہے اور دہشت گردی کی تو انتہا ہی نہیں...... پاس سے کوئی موٹر سائیکل گزرنے لگے تو جان نکلنے لگتی ہے کوئی بھی شور بم کا دھماکا لگتا ہے۔ امانت کی یہ قسط اچھی لگی شاید اس وجہ سے کہ اس میں مہرجان اور ان کی فیملی کا ذکر کم تھا۔ ہم کچھ اور سمجھے تھے گوارا تحریر ہے مگر ماں اور بہن کو اس طرح چھپانا اور اکیلے چھوڑ دینا عجیب سا لگا۔ کہیں دیپ جلے کہیں دل میں حاتم اور عاصم کا بھابی کے اوپر اتنا یقین اس کی مکاریوں سے کافی حد تک آگاہ ہونے کے باوجود عجیب سا ہے، ردا کی خودکشی کی کوشش سے لگتا ہے کہ اب یہ اختتام پر پہنچنے والی ہے۔ ناولٹ گوارا ہے مگر اب ختم ہوجانا چاہیے۔ سعدیہ رئیس کا ریت گھروندا اچھی سبق آموز تحریر ہے۔ عنیزہ سید اچھا لکھ رہی ہیں۔ موضوع بھی اچھا لکھا ہے کہانی رکی ہوئی نہیں لگتی۔ ادھوری تصویر آج کی اولاد کی پوری تصویر ہے اچھی لگی۔ شیریں حیدر کی کہانی بھی اچھی اور حالاتِ حاضرہ کا صحیح عکس ہے، واقعی آج کل نیکی کرتے بھی ڈر لگتا ہے۔ سلو پوائزن میں بے چاری بشریٰ کو جان بوجھ کر ایسی جگہ بیاہا گیا جہاں اپنا آپ کھونا پڑتا ہے ورنہ دلوں کو تسخیر کرنے کے اور بھی راستے ہیں۔ ایک نئے موڑ پر کی پہلی قسط اچھی لگی مگر زنیرا سمیت تمام خاندان کا اس نئے موڑ پر اتنی خوشی اور آسانی سے راضی ہوجانا عجیب سا تھا اور یہ تو زنیرا کو سمجھنا چاہیے تھا کہ اب

WWW.PAKSOCIETY.COM

شوہر سے دوری ہوگی جب شوٹنگ لاہور میں اور رہائش کراچی میں ہوگی، اگلی قسط کا انتظار ہے۔ یوٹرن، جلتے رہے ہم کتنا اور دوسرا رخ بھی بامقصد اچھی تحریریں ہیں۔ پارس پر تبصرہ کچھ اور اقساط کے بعد۔ عذرا کی عید ملن پارٹی کے لیے سب سے پہلے تو میں ان کا شکریہ ادا کرتی ہوں کہ رائٹرز کے درمیان مجھے یاد رکھتی ہیں۔ ان کی انجم اور پاکیزہ سے وابستہ تمام افراد کی یہ محبتیں میں ہمیشہ یاد رکھوں گی۔ انجم تم نے بہت اچھی کوریج کی ہے یار تمہاری یادداشت کی داد نہ دینا زیادتی ہوگی۔ بہنوں کی محفل میں تم نے بہت ہی اچھی اور سچی باتوں سے ابتدا کی کاش لوگ اسے سمجھیں اور اس پر عمل کریں۔ تمام بیماروں کے لیے خاص کر امینہ عندلیب کی صحت یابی کے لیے دلی دعائیں اللہ تعالیٰ ان سب کو صحتِ کاملہ عطا فرمائے، آمین۔" (تبصرے کا شکریہ)

٭ دو بہنیں، فیصل آباد سے۔ "آنٹی آپ نے صبا نور، لیہ کو پرائیویٹ میٹرک کرنے کا مشورہ دیا تھا اور وہ اس میں کامیاب بھی ہوئی۔ پاکیزہ ڈائجسٹ کو پڑھتے ہوئے تو کئی سال ہوگئے اور بہنوں کی محفل کو پڑھتے ہوئے ہمیں بھی آگے پڑھنے کا شوق ہے مگر گائیڈ کرنے والا کوئی نہیں۔ مڈل پاس کیے ہوئے پندرہ سال ہوگئے باپ بھائی نے کہا کہ شادی تو کر دینی ہے آگے کیوں پڑھنا، سلائی کڑھائی بھی کی مگر نظر کمزور ہوگئی اگر کسی سے پوچھو تو کوئی کہتا ہے کہ یہ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی سے یا پنجاب یونیورسٹی سے کرلو آنٹی آپ بتایئے کہ کون سی یونیورسٹی کا سلیبس آسان ہے تاکہ جلدی کور ہو سکے اور آپ ہماری رہنمائی بھی کریں۔" (پیاری بچیوں! اپنا نام اگر نہیں لکھ سکی تھیں تو کوئی فرضی نام لکھ دیتیں۔ میرے خیال سے آپ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی سے میٹرک کا امتحان دے دیں۔ پنجاب یونیورسٹی سے میٹرک کا امتحان نہیں دیا جاتا۔ میٹرک کے امتحان بورڈ کے لیول کے ہوا کرتے ہیں۔ علامہ اقبال یونیورسٹی کے سلسلے میں کوئی بہن فون نمبر کے ساتھ مکمل معلومات ہمیں ارسال کریں تاکہ ہم اپنی بہنوں کو پہنچا سکیں کہ سب نے تعلیم حاصل کرنی ہے)

٭ اُم ایمان قاضی، کوٹ چھٹہ سے۔ "امینہ عندلیب اب بہتر ہیں پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اس بہادر لڑکی کو انشاء اللہ جلد ہی صحتِ کاملہ عطا فرمائے گا۔ ہم سب کی دعائیں ان کے ساتھ ہیں۔ حرے حرے کے خطوط اور تبصروں کے بعد شامِ شہر یاراں تک کا سفر طے کیا۔ کئی ایک کہانیوں اور بہت سے کرداروں کے ہمراہ عنیزہ ہمیں بھی دلچسپی اور تجسس سے بھگائے جارہی ہیں۔ رفعت سراج میری فیورٹ رائٹر ہیں لیکن پتا نہیں کیوں ان کے اس ناول میں ویسا مزہ نہیں آرہا جیسا ان کے دیگر ناولز پڑھ کر آیا تھا۔ ہاں اس قسط میں ستارہ کا نڈر انداز کہانی میں دلچسپ موڑ لے آیا ہے۔ کہیں دیپ جلے کہیں دل بے جا طوالت اختیار کر رہا ہے، شمیلہ کو اس کے کیے کی سزا مل جانی چاہیے اب۔ اس کی مکاریاں پڑھ کر عجیب سی ٹینشن ہونے لگتی ہے۔ شیریں حیدر ہمیشہ کی طرح اس بار بھی ہمارے معاشرے کی ایک تلخ حقیقت کو سامنے لے آئیں کہ واقعی آج کل روایات و اقدار اس قدر تیزی سے بدل رہی ہیں کہ ان کی جگہ منفی رویوں اور غلط کاریوں نے لے لی ہے۔ کوئی بھی شریف انسان کسی کی مدد کرتے ہوئے سو بار سوچتا ہے۔ سلو پوائزن اچھی تحریر تھی۔ زندگی اور رشتوں کے آغاز سے ہی رویوں کی اس جنگ نے کتنی زندگیوں میں یہ زہر آہستگی سے انڈیل دیا کہ جس سے دل اور روحیں زخمی ہوتی ہیں اور پتا بھی نہیں چلتا۔ رضوانہ پرنس کے ناول پر رائے مکمل ہونے کے بعد ہی دوں گی۔ یوٹرن میں ہر چمکتی چیز کو سونا سمجھنے والوں کے لیے ایک تلخ سبق تھا۔ ماں باپ کی عزت کو پاؤں تلے روند کر وقتی جذبات کے تحت بڑے بڑے فیصلے ایسے ہی تلخ واقعات کو جنم دیتے ہیں۔ نمرہ احمد ہنوز تجسس کا عنصر برقرار رکھے ہوئے ہیں مجھے لگتا ہے پارس کو اس کے ہسبینڈ نے اپنے بہن بھائیوں کی خودغرضی کی داستان سنا رکھی ہوگی ساتھ وہ ان کی شکلوں سے بھی واقف ہے بس خاموش رہ کر ان کی اگلی چال دیکھ رہی ہے۔ پاکیزہ رائٹرز کی عید ملن پارٹی پڑھ کر مزہ ہی آگیا۔ کاش کہ ایسے خوب صورت دل اور چہروں والے اہلِ قلم کے درمیان ہم بھی کبھی موجود ہوں۔ ویسے آپا! عذرا رسول صاحبہ سے آپ کی رشتے داری بھی ہے؟ پاکیزہ ڈائری کو عظمیٰ صاحبہ نے بہت محنت سے سجایا۔ جلترنگ میں، میں کی کراں؟ لبوں پر مسکراہٹ لے آیا۔" (پسندیدگی کا شکریہ...... ہاں بھئی عذرا رسول سے میری رشتے داری بھی ہے کہ 25 سال

سے ان کے ادارے سے وابستہ ہوں۔ اس لحاظ سے آپ کہہ سکتی ہیں عزیز داری اب رشتے داری جیسی ہے)

٭ مسز اقصیٰ عمران، لاہور سے۔ "مجھے کچھ کہنا ہے میں آپ نے معاشرے کے سب سے اہم موضوع پر قلم اٹھایا لیکن سچ تو یہ ہے کہ ہم سوائے جلنے کڑھنے یا افسوس کرنے کے علاوہ کچھ نہیں کر سکتے۔ پارس ابھی تک کسی جاسوسی کہانی کی طرح لگ رہا ہے لہٰذا اس پر تبصرہ آخری قسط پڑھنے کے بعد ہی کیا جاسکتا ہے۔ ہم کچھ اور سمجھے تھے، شبانہ شوکت کا افسانہ کچھ غیر حقیقی لگا۔ ریت گھروندا، سعدیہ رئیس کا سبق آموز افسانہ تھا۔ یوٹرن ایک اچھی کاوش تھی۔ آج کل کی نئی نسل ہر اچھے برے کی تمیز بھلا کر بہت سے غلط کاموں میں پڑ چکی ہے۔ رضوانہ پرنس اور شیریں حیدر اس بار سبقت لے گئیں۔ شیریں حیدر ہمیشہ سے ہی معاشرے میں ہونے والے عام مگر خطرناک پہلوؤں پر روشنی ڈالتی ہیں۔ رضوانہ پرنس کے نئے ناول کی پہلی قسط پڑھ کر بہت مزہ آیا کیونکہ دولت کی چکاچوند اور انڈسٹری کا ماحول کس طرح گھریلو زندگی پر اثر انداز ہوتا ہے یہ ہمیں پتا چلے گا۔ باقی سارے سلسلے اچھے تھے۔ تمام بہنوں کے حرے حرے کے خطوط پڑھ کر اچھا لگا۔" (شکریہ)

٭ تسنیم رضا ذوالفقار، فیصل آباد سے۔ "عظمیٰ کی اپنے بھائی کی شادی کا انوکھا عنوان دلچسپ لگا یعنی یہ تو ہونا ہی تھا۔ آخر بیٹی کس کی ہے جنھوں نے برسا برس گزرنے پر ہمیں اپنے مزاح اور محبت کی زنجیر سے کس کر باندھا ہوا ہے۔ مہندی، مایوں، شادی، بھبی، ولیمہ سب میں شرکت کے باوجود ذرا تھکن کا احساس نہیں ہوا۔ نانی امی کی شمولیت سے سب کام بخیر و خوبی انجام پا گیا۔ نانی امی جان کو میرے اور میرے بچوں تحریم اور اویس کے لیے دعاؤں کا ضرور کہیں، ایڈوانس شکریہ۔ اپنوں کی شادیوں میں جہاں جوش و خروش ہو پلیبر تو بنتا ہی پڑتا ہی ہے یہ بات پڑھ کر مزہ آیا۔ اللہ آپ کے تمام بچوں کو ہمیشہ اسی طرح ہنستا بستا رکھے، آمین۔ صائمہ کی گمشدہ جنت میں پروفیسر آفاق کو شرزمہ کی صورت میں گمشدہ جنت کا نعم البدل تو مل گیا خواہ کافی ایج ڈیفرنس ہی سہی اور ہانیہ کے ساتھ صائمہ نے درست کیا کم از کم اس طرح اسے اپنی خودغرضی کا احساس تو ہوگا دوسری صورت میں وہ اپنی خامی دور ہی نہ کر سکتی۔ مختصر یہ کہ بہت اچھا رہا۔ شیریں حیدر کی تحفے کا اختتام جو اچھا ہوا وہ صرف ہماری مقدس کتاب قرآن پاک کے ترجمے کی وجہ سے ہوا اس سے مجھے اور تمام پڑھنے والوں کو سبق سیکھنا چاہیے کہ اس کتاب کو سمجھ کر پڑھنے سے ہمارے کتنے الجھے مسائل سلجھ سکتے ہیں۔ راحت وفا کا عیب اچھا تھا۔ سعدیہ کا عیب تو کوئی خاص نہ تھا مگر اس کی باتوں سے سرفیروز قائل ہوئے اور ان کی کزن کے عیب پر پردہ پڑ گیا اس طرح لاعلمی میں ہی سعدیہ کے ہاتھوں نیکی سرزد ہو گئی مگر سعدیہ کی امیدوں پر پانی پڑ گیا۔ رفاقت جاوید کی سحر عید قرباں میں وہی روایتی منظر وہی خواتین کی ضد کی وجہ سے شوہر کی پریشانیاں مگر ایک بات ہے کہ خواتین کو صحیح سمت دکھانے میں جو وہ بھول چکی ہوتی ہیں اس کہانی نے دوبارہ سوچنے پر مجبور ضرور کیا ہوگا خاص طور پر آج کل کی لڑکیاں جو بہت ہی جذباتی ہوتی ہیں اور دماغ کے بجائے اپنے دل کی مانتی ہیں اور اپنے گھر اجاڑ بیٹھتی ہیں۔ عطیہ عمر کی بات تو ٹھیک ہے میں واقعی بات تو ٹھیک ہے۔ جس طرح ماریہ کے خیالات تھے اسی طرح ہم مادہ پرست لوگوں کے خیالات ہیں۔ اس میں، میں خود شامل ہوں۔ بالکل حقیقت پر مبنی کہانی پیش کی ہے۔ نبیلہ ابر راجا کی جان گئے جاناں واہ کیا مار دھاڑ پر مبنی کہانی تھی پہلے تو بڑی بوڑھیوں سے سنتے آئے ہیں کہ شوہر کے دل میں اترنے کا راستہ معدے سے ہو کر جاتا ہے مگر اب کچھ اصول شاید بدل گئے ہیں۔" (تبصرے کا شکریہ)

٭ کوثر اعجاز چوہدری، قصور سے۔ "آپی اپنا نام اور خط بہنوں کی محفل میں دیکھ کر جو خوشی ہوئی وہ اب آپ سے مل کر حقیقت میں آپ کے گلے لگ کر ظاہر کر کے بیان کروں گی۔ مجھے کچھ کہنا ہے میں آپ نے ہمیشہ کی طرح اہم موضوع پر قلم اٹھایا ہے۔ انسانی جانیں واقعی جتنی آج ارزاں ہیں کبھی نہ تھیں۔ امانت ہر ماہ کی طرح اس ماہ بھی مزہ دے گیا۔ تسلسل اور تجسس کو یکجا کرنا بلاشبہ رفعت جی کا کمال ہے۔ انہوں نے جس طرح ہمیں اپنے سحر میں جکڑ رکھا ہے اس پر وہ مبارک باد کی مستحق ہیں۔ شبانہ شوکت کا موضوع عام تھا مگر دل میں اتر گیا...... کہیں دیپ جلے کہیں دل میں قیصرہ حیات سے کہیں شمیلہ کی مکاریاں بھلے جاری رہیں مگر ردا کو اب آزمائشوں سے نجات دلا دیں۔ سعدیہ رئیس نے خوب

WWW.PAKSOCIETY.COM

لکھا کہ کم شناس لوگ دولت پر مر جاتے ہیں۔ شامِ شہر یاراں بھی بہت خوب صورتی سے آگے بڑھ رہا ہے۔ اس قسط میں زوئی کی اپنی ساس سے ملاقات بڑی دلچسپ لگی۔ رفاقت جاوید اور شمع سید نے بھی بہت اچھا لکھا ہے۔ شیریں حیدر نے بڑی خوب صورتی سے عورت کے جذبات کو قلم بند کیا ہے۔ رضوانہ پرنس کے منی ناول نے اپنی پہلی قسط میں اپنی دلچسپی کا ریکارڈ قائم کیا ہے۔ اچھوتا موضوع، اچھوتا انداز رضوانہ جی بقیہ کا شدت سے انتظار ہے مگر خداوندا زنیرا اور بچوں کے ساتھ برامت کیجیے گا اور نمرہ جی پارس لاجواب ناول ہے مگر طوالت بے معنی لگ رہی ہے اب پلیز اینڈ کر دیں اس کا۔ شہناز وسیم سے میں متفق ہوں انہوں نے ٹھیک کیا مگر خدارا لڑکیاں ہمیشہ غلطی کیوں کر جاتی ہیں۔ نگہت جی نے بھی بہت اچھا لکھا ہے کہ انسان کیوں بھول جاتا ہے کہ ہم جو کچھ دوسروں کو دیتے ہیں وہ لوٹ کر بھی آتا ہے۔ جلترنگ کی تعریف کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔ بس اتنی تعریف کافی ہے کہ میں اسے پڑھتے ہوئے اتنا ہنستی ہوں کہ ہر غم بھول جاتی ہوں۔ عظمیٰ اپنی ڈائری اتنی خوب صورتی سے سجانے پر تعریف کی مستحق ہیں۔'' (کوثر اصل تعریف کی تو آپ مستحق ہیں کہ ہم سب کی اتنی زیادہ تعریف کر دی ہے کہ سب کا ویٹ پانچ، پانچ کلو تو بڑھ ہی گیا ہوگا، خوش رہیں)

☜ کوثر خالد، جڑانوالہ سے۔ ''میرے شاگرد بلال کی والدہ اور میری دوست عرصہ دراز سے پاکیزہ پڑھ رہی ہیں۔ بچپن میں چند آپ بیتیاں چھپی تھیں ایک غزل لکھی۔ شادی کے بعد پابندی لگی تو نعتوں کے شوق میں مگن ہو گئے۔ میں تبصرہ بھی ضرور کرنا چاہوں گی۔ صائمہ اکرم، فائزہ افتخار، عمیرہ، عنیزہ سید، انجم انصار بہت اچھا لکھتی ہیں۔ عطیہ کا انٹرویو بہت پسند آیا تھا شہناز صدیق میری سہیلی ہوا کرتی تھی۔ آپ کے رسالے میں نام پڑھا بے چین ہو گئی۔ وہی تو نہیں ذرا حدود اربعہ بتائیں اگر جواب نہ دیا تو مجبوراً آپ کو فون پر تنگ کروں گی۔ آپ کی سب سے اچھی بات وہ میری نادانی تھی۔ یہ خدا کی مہربانی ہے۔ بہت گناہ گار ہوں پہل نہیں کرتی مگر دوج میں بہت بولتی ہوں۔ عطیہ جیسی شرافت جانے ماضی میں کہاں کھو گئی۔ اب تو دبنگ اولیا قسم کی ہوں۔ آخر میں ان ماؤں کو مشورہ جن کے بچے تیرہ سال میں شادی کرنا چاہ رہے ہیں۔ علاج روحانی، مائیں ذہن خالی اور صاف کر لیں۔ خیالاتِ فاسدہ سے اجتناب برتیں، لغویات کوئی نہ کریں۔ ہر گھڑی دوسروں کو دعا دینا چاہے دشمن ہو، اپنا وتیرہ بنا لیں اور کثرت سے دن رات اللہ کے پاک نام المہیمن کا ورد کرتی رہیں اور حسبِ توفیق صدقہ ضرورت مند کو دیں اور نتیجہ دیکھیں۔'' (خوش آمدید اور پیاری باتیں بتانے پر جزاک اللہ)

☜ یاسمین کنول، پسرور سے۔ ''اکتوبر کا سرورق حنا کی خوب صورت تصویر سے سج گیا ہے اللہ نظرِ بد سے بچائے۔ جوڑی بڑی پیاری ہے اللہ تعالیٰ ان کو ہمیشہ خوش و خرم رکھے اور آپ کو ان کی خوشیاں دیکھنا نصیب فرمائے، آمین۔ مجھے کچھ کہنا ہے اداریہ بہت اچھا لگا واقعی الفاظ اور مثبت الفاظ کا ہماری زندگی میں کافی عمل دخل ہوتا ہے۔ افسانوں میں گردشِ لیل و نہار پسند آیا۔ قیصرہ حیات کی تحریر دل میں گھر کر گئی۔ جلترنگ پسند آیا، تتلی شیریں حیدر کی بہترین تحریروں میں سے ایک ہے۔ عید کے حوالے سے سحر عید قرباں اچھی تحریر تھی۔ پارس دلچسپ تحریر ہے آئندہ قسط کا انتظار ہے۔ ہم جان گئے جاناں بڑی ہی دلچسپ اور مزیدار کہانی تھی۔ مصنفہ مبارک باد کی مستحق ہیں کہ پاکیزہ کو ہاتھ میں پکڑنے پر مجبور کر دیا جب تک کہانی مکمل نہیں ہوئی ہم نے پاکیزہ نہیں رکھا۔ صائمہ اکرم کی گمشدہ جنت کی آخری قسط اچھی لگی، شکر ہے پروفیسر صاحب کو اپنی گمشدہ جنت مل گئی۔'' (پسندیدگی کا شکریہ)

☜ صائمہ سجاد بنگش، کوہاٹ سے۔ ''عظمیٰ کی زبانی ضیا کی شادی کا احوال پڑھ کر مزہ آیا۔ ہم تو نیٹ پر پکچرز دیکھ ہی چکے تھے پڑھ کر اور بھی مزہ آیا۔ رشتے سمجھ میں نہیں آ رہے تھے وہ عظمیٰ نے بھرپور تبصرہ کر کے ہماری مشکل آسان کر دی۔ بہن بھائی کی نوک جھونک اچھی لگی، اللہ سے دعا ہے کہ آپ کو اپنے بچوں کی تمام تر خوشیاں دیکھنی نصیب ہوں آمین۔ ربیعہ حسن کا خط چائلڈ ابیوز کے اوپر قلم اٹھانا آواز اٹھانا بہت مشکل ہوتا ہے۔ اب تو میڈیا ہر قسم کی خبر دکھا رہا ہے لیکن پھر بھی کوئی خاطر خواہ اثر نہیں ہو رہا۔ نمرہ احمد ہمیشہ اچھا لکھتی ہیں مگر اس بار پارس ایک منفرد اسٹوری

لگ رہی ہے۔ سسپنس چھوڑ دیا ہے کہ اب اینڈ کیا ہوگا۔ شیریں حیدر کی تتلی کا اینڈ اچھا تھا۔ قیصرہ حیات کا ناول اچھا جا رہا ہے۔ فمیلہ کو سدھر جانا چاہیے۔ جلترنگ میں ٹیچرز کو بہت اچھا دھویا ہے انجم باجی ایسا ہی ہوتا ہے۔ ٹیچرز بے چاریاں ایسے ہی تپی تلی زندگی گزارتی ہیں اور کسی کھاتے میں بھی نہیں ہوتیں۔ اس ماہ میرے ساس سسر فریضۂ حج کی ادائیگی سے سبکدوش ہو کر آ جائیں گے اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں بھی اپنے گھر بلا لے۔'' (تبصرے کا شکریہ، اللہ تعالیٰ ہم سب کو حج اور عمرہ کرنے کی سعادت عطا فرمائے، آمین)

☜ ظلِ شاہین، رحیم یار خان سے۔ ''عظمیٰ نے اپنے مخصوص انداز میں شادی کی تقریب کو شادی احوال کی صورت صفحات کی زینت بنایا گویا ہم سب بھی وہاں پر موجود ہیں نہایت توجہ سے ساری تفصیل پڑھی بہت اچھا لگا دل سے دعائیں نکلتی ہیں۔ تصاویر کم مگر اچھی تھیں کلرڈ ہوتیں تو زیادہ مزہ آتا۔ دلہن حنا تو پیاری ہے ہی ہمارے ضیا بھائی بہت معصوم اور کم عمر لگ رہے تھے اللہ پاک دولہا، دلہن دونوں کو سلامتی دے اور ڈھیروں خوشیاں بھی، آمین۔ صائمہ اکرم کی گمشدہ جنت کی آخری قسط کا انتظار تھا چار ماہ سے تبصرہ محفوظ تھا۔ پہلی دو اقساط خاص تاثر بیدار نہ کر سکیں کیونکہ ان میں ڈائیلاگ کم اور کرداروں کے ایکسپریشن زیادہ محسوس ہوئے کوئی بھی کردار جملہ ادا کرتا تو دس سطروں میں اردگرد کی منظر کشی کے ساتھ ساتھ فیس ایکسپریشن بہت ڈیٹیل سے بیان کیے گئے۔ ویسے تو ناول میں جزئیات نگاری، منظر نگاری اور کردار نگاری بہت اہمیت رکھتی ہے مگر بعض اوقات یہ گراں بھی گزرتی ہے۔ بہر حال آخری دو اقساط میں ایسا کم، کم رہا اور آخری قسط تو زبردست تھی بھرپور تجسس لیے ہوئے اختتام بھی اچھا رہا ویسے پہلی قسط سے ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ دونوں لڑکیاں ارجمند والا سے کہیں نہ کہیں وابستہ ہیں۔ ہانیہ کا اینڈ بھی اچھا ہونا چاہیے تھا بالآخر وہ شرزمہ کی خالہ تھی اور اس کا ساتھ بھی بہت دیا مگر محبت کے معاملے میں آ کر وہ خود غرض ہو گئی تھی مگر وہ کیا کہ محبت اور جنگ میں سب جائز ہے۔ مستقل سلسلوں میں روحانی مشوروں میں شکر کے بارے میں بہت پُراثر مضمون دیا گیا ہے۔ پاکیزہ ڈائری میں سلام، حمد، نعت شاعری اچھی لگی۔ میرا انتخاب آپ نے غائب کر دیا۔ جلترنگ کے دونوں خاکے اچھے لگے۔'' (تبصرے کا شکریہ، صائمہ اکرم شکریہ کہتی ہیں، میرا انتخاب بھی وقتاً فوقتاً لگتا رہے گا)

☜ افسانہ آفتاب کاوش، کراچی سے۔ ''آپی پاکیزہ میں دوسری مرتبہ شامل ہو رہی ہوں۔ مجھے امید نہیں تھی کہ آپ اتنی جلدی میرا حوصلہ بڑھائیں گی۔ آپی اگست نمبر میں میری نظم کو آپ نے پاکیزہ کی زینت بنا دیا۔ جس کے لیے میں دل سے آپ کا شکریہ ادا کرنا چاہوں گی۔ آپی شاعری کا مجھے جنون کی حد تک شوق ہے۔ شاعری اپنے جذبوں کے اظہار کا بہت خوب صورت طریقہ ہے۔ آپی آپ نے میرے اندر جو امید کے دیے روشن کیے ہیں، انہیں پروان چڑھانے میں میری مدد ضرور کیجیے گا۔ اسی امید، آس پر میں اپنی چند نظمیں پاکیزہ کے لیے ارسال کر رہی ہوں۔ امید کرتی ہوں جس طرح آپ نے پہلے میرا حوصلہ بڑھایا تھا آگے بھی بڑھاتی رہیں گی۔'' (پیاری گڑیا! پاکیزہ میں آپ کی حوصلہ افزائی اس لیے ہوگی کہ آپ واقعی بہت اچھی شاعرہ ہیں۔ آپ کی نظمیں اس ماہ ہمیں تاخیر سے ملی ہیں مگر پریشان مت ہوں وہ پاکیزہ میں ضرور شامل ہوں گی)

☜ سیدہ علیشا، بہاول پور سے۔ ''یہ تو ہونا ہی تھا عظمیٰ آپی نے شادی کا احوال اتنا زبردست لکھا کہ ایسا لگا جیسے ہم ہر تقریب اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہوں ہاں تصاویر کی کچھ کمی لگی مگر پاکیزہ کی رائٹرز کو کافی عرصے بعد ایک ساتھ دیکھنا بہت اچھا لگا۔ ایک بات کہوں آپ سے آنٹی آپ کی پرسنالٹی بہت ہی گریس فل ہے۔ اس ماہ کا پاکیزہ ہاتھ میں آتے ہی پہلی نگاہ نمرہ احمد کے نام پر پڑی، میں نے تو خوشی سے بھنگڑا ڈالنا شروع کر دیا۔ مما نے کہا کیا ہوا تم پر پاگل پن کا دورہ پھر سے کیوں پڑ گیا؟ دیکھ لیں آنٹی کیا قدر ہے ہماری۔ خیر جانے دیں ہم کون سا ان کی باتوں کی پروا کرنے والے ہیں، ہی ہی ہی۔ صائمہ آپی کا گمشدہ جنت اختتام کو پہنچا پہلی اینڈنگ کے ساتھ شرزمہ کے بولنے پر شاید وہ خود

WWW.PAKSOCIETY.COM

بھی حیران تھی ایسا ہی لگا اور ہاں شیریں ظفر، ملتان صائمہ آپی کو نئی رائٹر سمجھ رہی ہیں انہیں شاید پتا ہی نہیں صائمہ آپی اب ایک بڑا نام بن چکی ہیں، ہیں ناں آنٹی؟ (بالکل) کہیں دیپ جلے کہیں دل ببل گم کی طرح بس چباتے جاؤ غیر ضروری طوالت تحریر کا حسن ماند کردیتی ہے۔ امانت بس گزارے لائق ہے مگر شامِ شہریاراں اب ٹھہر رہا ہے۔ افسانوں میں بات تو ٹھیک ہے مگر عطیہ عمر صاحبہ نے اچھا لکھا آج کل سب کا یہی حال ہے۔ خیانت میں مصباح نوشین کا مسیج خواتین کے لیے وہ ہر حال میں اسٹرونگ رہیں ویری نائس۔ گردشِ لیل ونہار لائٹ رومینٹک اسٹوری تھی۔ پڑھ کر مزہ آیا۔ سحر عید قرباں یوں تو اچھی اسٹوری تھی لیکن شبینہ کے اوور ری ایکٹ کرنے کا تعلیم نسواں سے کیا تعلق تھوڑی حیرانی ضرور ہوئی۔ عیب راحت وفا نے خوب لکھا۔ ہمارے معاشرے میں نہ جانے کیوں چھوٹی چھوٹی پرابلمز کو بڑا ایشو بنا دیا جاتا ہے ویری سیڈ۔ سچ میں بہت افسوس ہوتا ہے یہ جان کر کہ کسی کی سانولی رنگت یا گلاسز کی وجہ سے کوئی لڑکی ریجیکٹ ہو اب بات کروں گی شیریں حیدر آنٹی کی میں تو ویسے بھی ان کی اسپلٹ اے سی ہوں کہ فین ہونا چھوٹا لگتا ہے۔ تسلی اُف کیا کہوں لاجواب یا بے مثال الفاظ کم لگتے ہیں۔ ویل ڈن شیریں آنٹی اینڈ نمرہ احمد بھی دلوں کو تیز تیز دھڑ کانے کا ہنر خوب جانتی ہیں اور میرے جیسے تھرل اور سسپنس کے شوقین قاری کو پارس جیسی تحریر کا نصیب ہونا اس کے لیے ویری ویری تھینکس نمرہ آپی۔ مجھے کچھ کہنا ہے آنٹی آپ کے لفظ ہیرے موتیوں جیسے قیمتی ہوتے ہیں ہمیشہ۔ دین کی باتیں زبردست۔ میں اکثر گنگناتی ہوں شکر ہے واپس دو صفحوں پر نظر آیا۔ جلترنگ میں مختلف پڑھ کر بہت ہنسی آئی...... ہی ہی ہی۔" (گڑیا! اب جواب میں مجھے بھی ہو ہو ہو ہی کرنا چاہیے ناں یا بابا بلیک شیپ نظم پڑھوں)

کوثر پروین، میلسی سے۔ "نمرہ احمد کا نام دیکھ کر میں اپنی خوشی کا حساب نہیں لگا پائی۔ بے اندازہ، بے پایاں خوشی کتنے مہینوں بعد ان کا نام فہرست میں دیکھا۔ ہمارا تو دل چاہتا ہے ہر ماہ نمرہ احمد کا نام فہرست میں جگمگا رہا ہو۔ پلیز ان سے کوئی سلسلے وار ناول لکھوائیں ناں۔ پارس کی تلاش میں صفحے پلٹے تو اچانک آپ کی کیوٹ سی بہو نے اپنی دلکش مسکراہٹ سے ہمیں مقناطیس کی طرح اپنی جانب کھینچ لیا۔ دلہن کے روپ میں بہت بہت پیاری لگ رہی تھی۔ عظمیٰ آپی نے شادی کا احوال بہت اچھا لکھا۔ عظمیٰ آپی آپ کو بھائی کی شادی مبارک ہو آپ یونہی ہنسی مسکراتی رہیں۔ انجم آپی آپ کو بھی بیٹے کی شادی بہت مبارک ہو۔ دولھا بھائی شکل صورت میں بالکل آپ پر گئے ہیں، ہیں ناں؟ اس کے بعد پارس پڑھی کرداروں کا حال میں بیٹھے بیٹھے ماضی میں پہنچ جانا۔ نمرہ احمد کا انداز ہر دفعہ بہت زبردست ہوتا ہے۔ بہت ہی انٹرسٹنگ لگی کہانی مگر اتنی چھٹی منی سی قسط اگلے ماہ کا انتظار اُف بے چینی، بے تابی کیا بتائیں بہرحال رضوان حیات کا قتل پارس نے نہیں کیا اور قتل ہی ہوئے یا نہیں اس کا پتا اگلے ماہ چلے گا۔" (آپ اس محفل میں شامل ہیں۔ خوش آمدید آئندہ بھرپور تبصرے کی منتظر رہوں گی)

مصباح رضا سعید، فیصل آباد سے۔ "قیصرہ حیات صاحبہ نے اچھا نہیں کیا۔ حسنہ اتنی نیک لڑکی کو ایسی موت کیوں دی جو بھی ہے اسے دوبارہ زندہ کیا جائے مجھے ذرا پسند نہیں آیا کہ ساری زندگی اتنی اچھی زندگی گزاری اور پھر خودکشی کرلی۔ میری حساس طبیعت کتنے دن بے چین رہی۔ ناول پڑھ کر دو دن مسلسل آپ کو فون کرتی رہی کہ تھوڑا غم کم ہو آپ بزی تھیں اب آہستہ آہستہ صبر آتا جا رہا ہے لیکن جب اگلا پاکیزہ آئے گا پھر دکھ ہرا ہو جائے گا آپی جی عظمیٰ آفاق اور اپنا مزے دار سا انٹرویو دیں نوازش ہوگی۔ مزے مزے کی باتیں کریں اور اپنے بارے میں تفصیل سے بتائیں۔ آپی جی یہ صائمہ اکرم نے ہنی کا پول کیوں نہیں کھولا کہ اس نے شرزمہ کے بارے میں اسود سے غلط بیانی کی...... پاکیزہ ہاتھ میں آتے ہی سب سے پہلے عظمیٰ کے بھائی کی شادی میں شرکت کی بہت مزہ آیا۔ آپ نے کبھی بھول کر بھی کسی موقع پر یاد نہیں کیا، یاد کرلیا کریں۔" (دلچسپ تبصرے کا شکریہ۔ گڑیا میں تمہیں بھولی کب تھی۔ یقین نہ آئے تو فون کر کے دیکھ لو۔ تم آدھا نام ہی بتاؤ گی تو میں تمہارے شہر کا اور تمہاری بہنوں کے نام بتا دوں گی)

فصیحہ آصف خان، ملتان سے۔ "رفعت سراج کی تعریف میں کچھ کہنا مشکل نظر آرہا ہے۔ ان کے تیکھے اور

برجستہ جملوں نے ستارہ اور وارث کی پہلی رات کو مزاحیہ انداز میں بدل دیا۔ سچ میں ان کے اس سین نے بہت لطف دیا۔ کہانی اب دلچسپ موڑ پر آگئی ہے مگر کچھ کردار ہنوز چھپے اور الجھے ہوئے ہیں۔ شبانہ شوکت کی تحریر کچھ خاص پسند نہیں آئی۔ کہیں دیپ جلے کہیں دل میں شمیلہ کب بڑی ہوگی؟ ردا پر رحم کریں۔ سعدیہ رئیس نے ریت کا گھروندا خوب بنایا۔ بیرونِ ملک رہنے والے نہ صرف اسلام کو بھول جاتے ہیں بلکہ معتبر رشتے بھی فراموش کردیتے ہیں۔ شامِ شہریاراں کی کیا بات ہے۔ تجسس تو یہ ہے کہ آخر میرال یہاں پھنسی کیسے؟ اکثر کردار میرال کے گرد ہی گھوم رہے ہیں۔ ادھوری تصویر دل پر ہاتھ رکھ کر پڑھی۔ بے حد دلگداز تھی۔ اولاد کو سکھ دینے والے خود کس قدر دکھی ہو جاتے ہیں بلکہ بے بس، اپنی چیز پر بھی ہاتھ نہیں رکھ سکتے۔ قربانی ٹھیک رہی۔ شیریں حیدر نے دل دہلا کے رکھ دیا۔ کیسے کیسے چھپے رستم ہیں دنیا میں۔ سلو پوائزن غیبتوں سے پُر تحریر تھی۔ عورتوں کو فرصت میں اِدھر اُدھر جھانکنے، تیرے میرے کی خبر گیری اور دوسروں کے معاملات میں ٹانگ اڑانے سے گریز کرنا چاہیے، تحریر سبق آموز رہی۔ اک نئے موڑ پر زنیرا کے لیے پریشانیوں کے در کھلے فاران یقیناً بدل جائے گا اور یہ چمکتی دنیا زنیرا کی زندگی میں اندھیرا نہ بن جائے یہ تو رضوانہ اگلے ماہ ہی بتائیں گی۔ دوسرا رخ درد و غم میں ڈوبی تحریر تھی اور ہزاروں لڑکیاں اس کا شکار ہیں، اللہ سب کے نصیب کھولے، آمین۔ پارس میں کہانی ابھی تک وہیں ہے دیکھنا ہے فیضان کس کس کو قابو کرتا ہے، معاملہ الجھا ہوا ہے۔ افتخار شوق نے لاکھوں مردوں کو مرنے کے بعد بے نقاب کیا مگر کیا فائدہ اذیت تو عورت کو بھگتنی پڑے گی۔ واللہ آپ کی عید ملن پارٹی کتنی مزے دار رہی پلیز تصاویر رنگین دیا کریں، ویسے تو بھی پیاری لگیں۔ شگفتہ شفیق پہلے سے بہتر لگیں۔" (تبصرے کا شکریہ۔ رنگین تصاویر بھی لگائیں گے، انشاء اللہ)

عمارہ خان، کراچی۔ گڑیا صرف ایک کہانی نہ شائع ہونے پر ہاتھ پیر چھوڑ کر بیٹھ گئیں۔ تم میں ٹیلنٹ ہے، تم لکھ سکتی ہو، کسی بھی معاشرتی موضوع پر مختصر کہانی ہمیں ضرور بھیجو۔

دسمبر 2013ء...... جاتے ہوئے
سال کے سرد موسم کی سوغات

دھوپ چھاؤں
خوابوں میں جب اچانک بن موسم پھول کھل جائے...... اور کڑکتی دھوپ میں برسات ہو جائے تو اسے مقدر کی مہربانی کہتے ہیں...... آخری صفحات پر **ڈاکٹر ساجد امجد** کے قلم کی پھوار

لذتِ آشنائی
مہاراجا رنجیت سنگھ...... جس کی کوئی کل سیدھی نہ تھی مگر اس نے جب عشق کیا تو ہر ایک وار کو دل پہ سہہ لیا...... تاریخ کا ایک انوکھا کردار **الیاس سیتاپوری** کے قلم کی روانی

کشکول
قدم قدم پر خطرات سے کھیلتے ہوئے منزلِ مقصود کی جانب رواں دواں......
انوار صدیقی کے قلم سے ایک پُراسرار سلسلے کا احوال

تحفہ
عہدِ حاضر کی ستم ظریفیاں...... رشتوں کے ایسے بندھن جو رفتہ رفتہ بیڑیوں کی زنجیر بن کر مقید ہو جانے کا احساس دلاتے ہیں...... محبوب قلم کار **طاہر جاوید مغل** کا دلچسپ انداز

ماروی
دلربا انداز، رنگین و سنگین لمحات اور حالات کی کشمکش کی روداد......
محی الدین نواب کے قلم سے نئی طویل داستان کا آغاز

اس کے علاوہ
منظر امام، تنویر ریاض، امجد رئیس، سلیم انور کی تحاریر

✉ مہک فاطمہ، بورے والہ۔ گڑیا میں معذرت خواہ ہوں۔ آپ کو میرے جواب سے تکلیف پہنچی مگر آپ یہ بھی تو سوچ لیا کریں کہ میرے گھر کا فون ہر منٹ پر بجتا ہے اور میں ہر وقت بات نہیں کر سکتی۔ کبھی میری طبیعت بھی خراب ہو سکتی ہے خیر اب آپ کوئی دوسری کہانی بھیجیں اور اسے آپ کس طرح لکھیں گی یہ میں آپ کو فون پر بتادوں گی۔ اب تو ناراض نہیں ہونا ں مجھ سے!

✉ سنبل ملک اعوان، لاہور۔ آپ کا پیغام صائمہ اکرم تک پہنچایا جارہا ہے کہ آپ اسلام آباد کی شہزادی ہیں اور امینہ عندلیب تک یہ کہ اگر وہ شوکت خانم اسپتال میں علاج کے لیے آئیں تو لاہور ان کے گھر پر قیام کر سکتی ہیں۔ ماشاءاللہ ..... میں ایسی ہی محبت آپ سب بہنوں میں دیکھنا چاہتی ہوں۔

✉ نفیسہ آرا، راس الخیمہ یو اے ای سے۔ ''باجی اکتوبر اور نومبر کے شمارے ساتھ ساتھ پڑھے اس لیے تبصرہ بھی دونوں پر ہے...... ماشاء اللہ آپ کی بہو حنا بہت پیاری ہے۔ دونوں شماروں میں پہلے شادی پھر عیدملن کا احوال مزہ دے گیا۔ ہم وطن سے دور ایسی تقریبات کے لیے تڑپتے رہتے ہیں۔ نمرہ احمد کی تحریر پارس نے کافی متاثر کیا مگر اس میں بڑھتا ہوا تجسس اب ہضم نہیں ہورہا۔ اس کے علاوہ قیصرہ حیات کے ناولٹ کا اختتام بھی نزدیک نظر آرہا ہے۔ میری فرمائش ہے قیصرہ حیات کا انٹرویو ضرور کریں اور اس ناولٹ پر بھی ان سے بات کریں۔ اس کے علاوہ شیریں حیدر اور نگہت اعظمی کی کہانیاں اچھی لگیں۔ مجھے (حریسہ) ایک ڈش ہے اس کی ترکیب چاہیے ہے اگر آپ خوش ذائقہ میں دے دیں تو اور باجی ایک اور فرمائش ہے کہ گھریلو نسخے اور ٹوٹکے بھی ضرور شامل کیا کریں جس سے سب پڑھنے والوں کو فائدہ ہوگا۔'' (آپ کی فرمائش نوٹ کرلی گئی ہے، تبصرے کا شکریہ، جلد آپ کو ڈش کی ترکیب بھی بتادیں گے)

✉ غزالہ شاہد، کراچی سے۔ ''باجی آج کسی طرح فون ملا تو آپ سے بات ہوئی۔ بہت شکریہ کہ کبھی کبھی کے اشعار یا مراسلے جگہ پا جاتے ہیں۔ ایک بات پوچھنا تھی کہ دو سال کی اکٹھا ممبر شپ حاصل کر سکتے ہیں (جی بالکل) اس کے علاوہ پاکیزہ میں اگر تجسس سے بھرپور مطلب ماورائی کہانیاں بھی کبھی کبھی لگائیں تو کیسا ہے مگر جو حقیقت کے قریب بھی ہوں۔ گاؤں وغیرہ میں اس طرح کے واقعات کا ہونا عام بات ہے۔ ستمبر کے پاکیزہ میں یوم آزادی کے حساب سے اچھی تحریریں تھیں، آپ رائٹرز اپنی تحریروں سے اپنے ملک کے لیے محبت کا جذبہ ابھار سکتے ہیں جو اَب کم سے کم ہوتا جارہا ہے۔ میں اکثر گنگناتی ہوں کے لیے ایک تجویز ہے اگر اشعار کے ساتھ شاعر کا نام بھی آجائے تو کافی معلومات میں اضافہ ہوگا بعض مشہور اشعار معلوم ہی نہیں ہوتا کس شاعر کے ہیں...... سب سے آخر میں بہنوں کی محفل کی بات کروں گی۔ تمام بہنیں ایک فیملی کے جیسے لگتی ہیں مگر ایک شکایت ہے کچھ مخصوص نام ہر دفعہ ہی چھپتے ہیں کیا اتنی باقاعدگی سے اور اتنی جلدی ان کے خطوط پہنچ جاتے ہیں۔'' (جی گڑیا! بالکل خطوط مل جاتے ہیں آپ بھی تحریر کرکے دیکھ لیں، تبصرے کا شکریہ)

خطوط کی یہ محفل آپ کو کیسی لگی ہمیں ضرور بتایئے گا اب آیئے ہم سب مل کر دعا مانگتے ہیں۔ یااللہ یارحمٰن یارحیم میرے جسم کو شفا، دل کو اپنی ذات کا یقینِ کامل اور آنکھوں کو نورِ بصیرت عطا فرما اور جب تک میں زندہ رہوں اپنے ذکر کو صبح شام میری زبان پر جاری فرمادے اور ایسی جگہ سے مجھے رزق دے جو بلا رکاوٹ ملتا ہی رہے۔ یارب العالمین تو مجھ سے، میری آل اولاد سے ہمیشہ، ہمیشہ راضی رہنا اور دونوں جہانوں میں مجھے خیر عطا فرمانا۔ بے شک میرا رب ہر چیز پر قادر ہے اور میرا رب برکت اور بلندی والا ہے، آمین ثم آمین۔

یا مجیب یا مجیب یا مجیب

دعا گو

آپ کی اپنی باجی

انجم انصار

پاکیزہ ڈائری

عظمیٰ آفاق سعید

حمدِ باری تعالیٰ

کیونکر نہ زباں پر ہو تحمید و ثنا تیری
دل محو نوا تیرا جاں مدح سرا تیری
آواز انا الحق سے غافل ہوں تو کیونکر ہوں
ہر ایک بُنِ مُو سے آتی ہے صدا تیری
کہسار و بیاباں میں گلشن میں خیاباں میں
خوشبو لیے پھرتی ہے ہر صبح صبا تیری
یہ پردے میں چھپنے کے انداز نرالے ہیں
ہر ذرّے کے دامن میں رقصاں ہے ضیا تیری
ہم سے بھی گنہگاروں کو تیرا سہارا ہے
چھوڑے تو کرم تیرا پکڑے تو رضا تیری

کلام: صوفی غلام مصطفیٰ تبسم

پسند: بنین عباس، کراچی

نعتِ رسولِ مقبول ﷺ

بنی آدم کے لیے مایۂ توقیر ہیں آپؐ
جس سے آفاق فروزاں ہیں وہ تنویر ہیں آپؐ
دل بیدار ہے آئینۂ لوحِ محفوظ
محرم سیر سرا پرزۂ تقدیر ہیں آپؐ
آپؐ کی ذات ہے نقاشِ ازل کا شاہکار
جس پہ نازاں ہے مصور بھی وہ تصویر ہیں آپؐ
آپؐ کی ذات ہے مانند کتابِ روشن
زندگی جس سے عبارت ہے وہ تحریر ہیں آپؐ
سلسلہ نیند کا ٹوٹے تو ملوں آپؐ سے میں
زندگی خواب ہے اس خواب کی تعبیر ہیں آپؐ

کلام: شبنم شکیل

مرسلہ: صبا نور، لیہ

اللہ تعالیٰ بھی ذاکر کا ذکر کرتا ہے

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ سرکارِ مدینہ ﷺ نے فرمایا۔ ''اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے، میرے متعلق میرا بندہ جو گمان رکھتا ہے میں اس کے لیے ایسا ہی ہوتا ہوں اور میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ مجھے یاد کرتا ہے۔ اگر وہ مجھے جی میں یاد کرتا ہے تو میں اسے اپنے جی میں یاد کرتا ہوں اگر وہ مجھے کسی جماعت میں یاد کرے تو میں اسے ایسی جماعت میں یاد کرتا ہوں جو اس سے بہتر ہے۔''

(بخاری)

ثرید کھانا سنت ہے

ثرید پیارے نبیؐ کو بے حد پسند تھا۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں سرکارِ مدینہ کی خدمت میں ایک مرتبہ ثرید پیش کیا گیا ارشاد فرمایا۔ کناروں سے کھاؤ بیچ میں سے نہ کھاؤ کہ بیچ میں سے برکت اُترتی ہے۔

(ابن ماجہ)

(ثرید ایک قسم کا کھانا ہے۔ روٹی توڑ کر شوربے میں ملا دیتے ہیں۔ آپؐ کو یہ کھانا بہت پسند تھا)

مرسلہ: تسنیم رضا ذوالفقار، فیصل آباد

تمنا

کیسے کروں بیاں دل کی یہ تمنا یارب
کعبہ ہو سامنے اور میں سجدے میں یارب
پہنچوں کسی طرح میں بھی وہاں یارب
رہتا نہیں جہاں کوئی بھی تہی داماں یارب
آجائے بلاوا میرا بھی حرم سے
کردے تو یہ کرم مجھ پر اگر یارب

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہوجائے منور اندر تک میری روح
سنور جائے میری دنیا تیرے نور سے یارب
کرجائے سرایت جو بخشش کا یقیں دل میں
پروا نہیں آجائے پھر موت بھی یارب

کلام: عالیہ ضیا

مرسلہ: زریں زبیر کوٹھاری، کراچی

دوست اور تنہائی

ایک دانش ور کا قول ہے کہ اگر تمہیں اپنی طبیعت، حیثیت، شخصیت، قابلیت اور مزاج کے مطابق دوست نہ مل سکے تو زندگی کا سفر تنہا کاٹو۔ اس لیے کہ بے وقوف، ناپسند اور مطلب پرست ساتھی سے تنہائی بہتر ہے۔ ایسا شخص جس سے ملنے کے بعد تم ضبط کی آخری حدوں کو چھونے لگو۔ تمہارے اندر زہر اور کڑواہٹ ہی دوڑ رہی ہو جو کبھی تمہاری پسند اور سوچ کے معیار پر پورا نہ اترا ہو۔ وہ شخص کبھی دوست کہلانے کے قابل نہیں۔ اس سے تنہائی ہزار درجے بہتر ہے۔

مرسلہ: عنبر وسیم، گوجرانوالہ

سزا

شطرنج کی بساط سی
یہ زندگی ہماری تھی
فیل، گھوڑے اور غلام
پٹ گئے مہرے تمام
اک چال بس غلط ہوئی
شہ، شاہ کو اس طرح ملی
ہمت رہی نہ حوصلہ
ہتھیار ڈالتے بنی
بچا سکی نہ ہار سے
منہ دیکھتی ملکہ رہی
جینے کی آرزو جو کی
موت کی سزا ملی

از: خالدہ تبسم، یوکے

غزل

سازِ ہستی کا بے صدا ہونا
کتنا آساں ہے بے وفا ہونا
تیرے جانے سے جان جاتی ہے
وائے حسرت تیرا جدا ہونا
میں کہ مہکوں گلاب کے مانند
میری قسمت تیرا صبا ہونا
تیرا شہر اور کرم کی تلاش
گلی گلی پھرنا کبھی گدا ہونا
تجھے پڑھنا نماز کی صورت
پھر تو ناممکن تیرا قضا ہونا

کلام: عالیہ بشیر، کراچی

ماہِ دسمبر

میں آج بھی تنہا ہوں
اس راہِ محبت میں
بس سرد سے موسم میں
کچھ سرد سے آنسو ہیں
کچھ سرد سے لمحے ہیں
کچھ سرد سی آہیں ہیں
تاریک سا کمرا ہے
اور سرد دیواروں پہ
یہ نقش عبارت ہے
یادوں میں ٹھٹھرتا سا
یہ ماہ ہے دسمبر کا

شاعرہ: سیدہ علیشاہ، بہاول پور

قابلِ غور

☆ اکیلے ہو تو اپنے خیالات پر قابو رکھو اور محفل میں ہو تو اپنی زبان پر قابو رکھو۔
☆ عذاب کا زہر گناہ کی مٹھاس پر بھاری پڑتا ہے۔
☆ جو بات سینے میں ہے تمہاری کنیز ہے اور جو کلمہ زبان پر آگیا وہ تمہارا آقا ہے۔

☆ علم کی ضد تکبر، عقل کی غصہ، صبر کی لالچ ہے۔
☆ نوجوانی کی بے وقوفی بڑھاپے میں توبہ کی خوراک بن جاتی ہے۔
☆ عورت نہ ہوتی تو ہر مرد ولی ہوتا۔
☆ ذلت کی ان گنت شکلیں ہیں لیکن سب سے مکروہ شکل قرض ہے۔
☆ ماں کے پیروں تلے جنت ہے لیکن ہر منصب کے کچھ تقاضے ہوتے ہیں جو عورت چار بچے لاوارث چھوڑ کر آشنا کے ساتھ فرار ہوجائے وہ اپنا منصب کھو دیتی ہے۔
☆ میں اپنی دنیا رنگین کرنے کے لیے بلیک اینڈ وائٹ فلمیں دیکھتا ہوں۔

اقوال: حسن نثار

مرسلہ: پروین افضل شاہین، بہاول نگر

وھمی

سب مجھے وہمی کہتے ہیں
لیکن کوئی بھی اس کی وجہ
نہیں جان پایا
کیسے انہیں بتاؤں میں کہ
جب سے اس نے چھوڑا ہے
ہر چیز، ہر رشتہ
بے وفا سا لگتا ہے
اور
جب بھی کوئی محبت کا احساس دلائے تو
اس کے بچھڑ جانے کا
دھڑکا سا لگتا ہے
سو اس دکھ سے بچنے کے لیے
خود ہی پیچھے ہٹ جاتی ہوں
اور لوگوں سے اپنے لیے
وہمی لڑکی کہلاتی ہوں

شاعرہ: فریدہ خانم، لاہور

جدائی

ایسا ہے تیرے میرے پیار کا سنگم
کبھی ملے خوشی، کبھی ملے غم
اداسیوں کا سبب کیا پوچھتے ہو
اب تو رہتی ہیں اکثر پلکیں میری نم
شبِ ہجر کا کیا حال سناؤں
دل میں پنہاں ہے ہجر کا موسم
گر ہوتی ملنے کی تمنا
بانٹ لیتے ہیں سارے درد و غم

از: تمنا مشعل

آئینہ

☆ چھوٹے غم واویلا کرتے ہیں، بڑے غم ہمیشہ خاموش رہتے ہیں۔ (کوپر)
☆ اللہ تعالیٰ خوش حالی بخشے تو اپنی آرزوؤں کو بھی وسیع نہ کرتے جاؤ۔ (براؤن)
☆ بڑھاپا زندگی کی حسرتوں کو کم لیکن زندگی کی ہوس کو زیادہ کرتا ہے۔ (گولڈاسمتھ)
☆ خوب صورتی کو اپنے اندر تلاش کرو۔ یہ تمہیں اور کہیں نہیں ملے گی۔ (ایمرسن)
☆ کوئی آئینہ انسان کی اتنی حقیقی تصویر پیش نہیں کرسکتا جتنی اس کی گفتگو۔ (بین جونس)

پسند: سامعہ تبسم ملتان

دوسرا اعتراف

روشنی میرا استعارہ نہیں
میں تو
اِک عمر کی مسافت سے
اس کی چاہت کا ایک بھی جگنو
اپنی مٹھی میں قید کر نہ سکی

کلام: نوشی گیلانی

پسند: ڈاکٹر کومل عبدالستار، جامشورو

☆☆☆

WWW.PAKSOCIETY.COM

جلترنگ

انجم انصار

پتے کی باتاں

آج میں آپ کو پتے کی بات بتانا چاہتی ہوں کہ اگر آپ رشتے داریوں میں گوڈے، گوڈے پھنسی ہوئی ہیں...... سسرال والوں کی بھی نورِ نظر بنی ہوئی ہیں اور دوست احباب کے دلوں میں بھی اے ون گریڈ حاصل کررہی ہیں...... تو پھر آپ جو بھی بزنس چلانا چاہیں وہ ہر صورت میں فیل ہو کر ہی رہے گا۔ حالانکہ کسی بھی بزنس کا پتا نہیں ہوتا کہ کوئی کب اور کیسے اس کا پتا صاف کردے۔

مگر میرا بزنس تو اپنوں نے ہی لوٹا...... جن کے پتے، پتے اور بوٹے بوٹے سے میں واقف تھی مگر پھر بھی میرے پاس کوئی ایسا پتا نہیں تھا جو اُن کا پتا کاٹ کر بازی الٹ سکتا۔

بات صرف اتنی سی ہے کہ لوگوں کی دیکھا دیکھی میں نے بھی ایک میرج بیورو اس لیے کھول لیا تھا کہ لڑکیوں کی شادی کا مسئلہ مجھے ہوا، پانی اور غذا سے بڑا دکھائی دے رہا تھا۔ ایک پوش علاقے میں بیورو کھولا...... تو سب سے پہلے ایک ڈاکٹر کا رشتہ آیا...... اس کو دیکھ کر چھوٹی خالہ کی رال ٹپکی۔

''اے گڈو...... میری شادی کرادینا اس سے......'' اور میں اپنے بزنس کی داغ بیل ڈالنے کے بجائے چھوٹی خالہ سے شادی کرواکے ان کو اپنا خالو بنا بیٹھی...... دوسرا رشتہ وکیل کا آیا...... تو اس پر نند نے اپنے دانت گاڑلیے...... اور تیسرا رشتہ ایک ایکٹر کا آیا...... تو میں نے بھی اپنے بچپن کے منگیتر کو لات مار کر اس سے شادی کرلی اور اب ظاہر ہے ایک تو میرا بزنس مسلسل خسارے میں جارہا تھا...... اور جو باقی بچ رہا تھا۔ وہ شوہر کی اداؤں کا شکار ہورہا تھا...... اپنے اداکار میاں کو لے کر اپنے آفس میں بیٹھ ہی نہیں سکتی تھی...... کہ وہ ہر اچھی لڑکی کو دیکھ کر اسے ڈرامے میں کام دلانے کا جھانسا دے کر اپنے ساتھ لے کر چلتے بنتے تھے...... اور میں ان کو نہ روک سکتی تھی اور نہ ٹوک سکتی تھی...... انسان کو مروت جتنا نقصان دیتی ہے اتنی شاید کوئی بیماری بھی نہیں دیتی...... ایک دن کا احوال بتانا چاہتی ہوں...... میاں جی ایک ساتھ آنے والی دو خوب صورت سہیلیوں کو ٹی وی میں کام دلوانے کا جھانسا دے کر اپنے ساتھ لے کر چلتے بنے تھے...... کہ ایک لڑکی نما لڑکا میرے آفس میں داخل ہوا...... اس نے خوب صورت جدید لباس اور میچنگ جیولری پہنی ہوئی تھی ہاں میک اپ کچھ زیادہ ڈارک تھا اس نے آتے ہی مجھ سے پانی مانگا۔

''لگتا ہے آپ بہت دور سے آرہی ہیں، تھکن کی وجہ سے آپ پسینے میں بھی شرابور ہیں۔'' میں نے اسے دیکھ کر کہا۔

''میں چنن چی میں ڈرائیور کے برابر بیٹھ کر آئی ہوں بس اس کی کہنیاں کھا کھا کر میری طبیعت خراب ہوگئی ہے۔ ہر موڑ پر اس کمینے نے مجھے مارا ہے، میں تو بس اسے مارتے مارتے رہ گئی۔''

''آپ یقیناً چنن چی...... ڈرائیور کی بیوی ہیں...... وہ غصے میں آپ کو مارتا ہوا لایا ہوگا......'' میں جو بھی سمجھی تھی...... کہہ دیا۔

''اس کے دائیں جانب بھی ایک سواری اور تھی...... وہ بھی کہنیاں کھاتی ہوئی آئی ہے، وہ بھی کوئی اس کی کوئی بیوی تھوڑی تھی......'' لڑکی نے ہنس کر بتایا۔

''تو پھر وہ کون تھی......؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''تھی نہیں تھا...... کوئی آئس کریم بیچنے والا۔ ڈرائیور کی ہر کہنی پر وہ غصے سے سی سی کررہا تھا بے چارہ......''

''آپ کو ڈرائیور کی بدتمیزی پر غصہ نہیں آیا۔''

''بہت آیا...... اور میں نے اس کا سیدھا ہاتھ اپنے ہاتھ میں سختی سے دبالیا اور کہا...... اب ایک ہاتھ سے چنن چی چلا کر دکھا مجھے...... تب وہ بولا...... بے شک تم میرے دونوں ہاتھ پکڑلو...... مگر میری چنن چی جہاز کی طرح چلے گی۔''

''مگر غلطی تو آپ کی ہی ہے ناں، ڈرائیور کے ساتھ کیوں بیٹھی تھیں آپ؟''

''وہ ناں...... پیچھے گھٹن زیادہ ہوتی ہے اس لیے میں فرنٹ سیٹ پر بیٹھنا زیادہ پسند کرتی ہوں...... وہاں بیٹھ کر ٹیپ میں چلنے والے گانے بھی صاف سنائی دیتے ہیں......'' وہ بے ہودگی سے ہنس کر بولی۔

''یہ بالکل غلط بات ہے، آپ کو کسی دوسری چنن چی کا انتظار کرنا چاہیے تھا۔''

''آج کہاں چنن چی ملنی تھی...... جب سی این جی کی ہڑتال ہوتی ہے تو شوقیہ پیدل چلنے والے بھی چنن چی میں بیٹھ کر خوش ہوتے ہیں جب ہی تو آپ نے ایسے مسافر بھی دیکھے ہوں گے جو اپنا صرف ایک پیر...... چنن چی میں...... اور دوسرا ہوا میں رکھ کر سفر کرتے ہیں...... کیوٹ کہیں کے......'' اس کی نازیبا سی باتیں سن کر میں نے اس کی اپنے آفس میں آنے کی وجہ پوچھی۔

''موٹی کیا تم میرے آنے کا پورا احوال بھی نہیں سن سکتیں ہو'' وہ ہنس کر میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر بولی۔

''یہ تم نے موٹی کس کو کہا ہے؟'' میرا غصہ برحق تھا۔

''میں ہر بات الٹ بولتی ہوں خاص کر پیار کی بات...... تم دبلی بہت ہو ناں اس لیے پیار سے موٹی کہہ رہی ہوں۔''

''چلو...... تم اپنا سفر نامہ ذرا شارٹ کرکے سنادو...... ورنہ میرے کلائنٹ آگئے تو تمہاری بات ادھوری رہ جائے گی۔''

''میں بھی تو کلائنٹ ہوں...... تو میری بات پوری تو سن لو۔''

''کہو......'' اب میں نے بے دلی سے کہا۔

''آج سی این جی کی ہڑتال تھی ناں...... ڈرائیور سب سے منہ مانگا کرایہ مانگ رہا تھا۔ کسی سے بیس، کسی سے تیس اور جب مجھ سے کرایہ مانگا تو کہنے لگا پروین بتا غا...... تجھے تو آج پچاس روپے دینے ہوں گے۔ میں نے کہا...... آج تو میں تجھے ایک پیسہ نہیں دوں گی، تو پتا ہے اس کمینے نے مجھ سے کیا کہا۔''

''کیا کہا......؟''

''میں بتا نہیں سکتی۔''

''اسے بتادو۔''

''نہیں ناں...... کیسے کہوں......؟''

''پلیز...... مجھے ڈپریشن ہورہا ہے، تمہاری باتوں سے۔''

''اللہ میں کیسے بتاؤں۔۔ اس نے کہا...... کہ اگر تم کرایہ نہیں دے سکتیں تو پھر...... یا پھر...... تم مجھے...... اللہ کیسے بتاؤں، وہ کمینہ مجھ سے کتنا بھاری کرایہ مانگ رہا تھا، میری جان ہی تو جل کر رہ گئی۔''

''بدتمیز، پاگل، جنگلی، بے غیرت۔'' اس کی پوری بات سن کر میرے منہ سے بے اختیار نکلا۔

''ہاں، ہاں یہی سب کہا میں نے بلکہ مادری فادری بھی اے سے زیڈ تک اسے سنا ڈالی......'' اس نے اب میرا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر طمانیت سے دبا کر کہا...... جیسے مجھے اطمینان دلانا چاہتی ہو۔

''تمہیں تو اس کا منہ توڑ دینا چاہیے تھا۔''

اس وقت میرا غصہ کسی صورت ختم ہی نہیں ہورہا تھا۔

''آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں......'' میں نے

WWW.PAKSOCIETY.COM

اسے خوب سنائیں اور کہا...... تم جو اتنا زیادہ کرایہ مانگ رہے ہو، یہ تو کورنگی سے چورنگی تک کا بنتا ہے اور تم اتنے بے ایمان ہو۔"

"کیا کہا......؟ اس نے جو کرایہ مانگا تھا...... وہ لمبے روٹ کا ہونا چاہیے تھا...... لیکن تم پاگل تو نہیں ہو...... تمہیں اس کی خباثت پر غصہ نہیں آیا...... ایسے ڈرائیور کو تو سرِعام جوتے لگنے چاہیے تھے۔"

"ارے وہ ڈرائیور پاگل تھا...... میں نے اسے غصے سے کہا کہ ایسا کرایہ تو گندی عورتیں دیتی ہیں۔ شریف عورتیں نہیں دیتیں اور تمہیں شریف اور بدمعاش لوگوں میں واضح فرق نظر نہیں آتا کیا......؟"

"اوہ...... میرے خدایا...... اتنی واہیات گفتگو......" میں نے پھر اپنا سر تھام لیا۔

"بعد میں ڈرائیور نے مجھ سے ایکسکیوز بھی کیا اور کہا کہ اس کی آئی سائیٹ بہت کمزور ہے، چشمہ اس نے بنوایا نہیں... اس لیے نہ کبھی رستہ سمجھ میں آیا ہے اور نہ کوئی فرق......" اب وہ لڑکی بے اختیار ہنس رہی تھی...... کھی کھی...... اور ہاہا...... اور جب میں نے اس کی ہنسی اور قہقہے کی مکس چاٹ پر غور کیا تو غصے سے پوچھا۔

"اے مسٹر...... اپنا نام تو بتاؤ؟"

"میرا نام تو پرویز ہے مگر میں پروین پٹاخا کے نام سے مشہور ہوں۔"

"یہ حلیہ کیا بنا رکھا ہے تم نے، مرد ہو کر عورت کیوں بنے ہوئے ہو؟"

"یہ سب تو میں نے اپنے پروفیشن کی وجہ سے کر رکھا ہے اور آپ کے پاس شادی کے لیے رجسٹریشن کے لیے آیا ہوں۔"

"کیا کرتے ہو......؟" میں نے اپنی فائل نکال کر پوچھا۔

"ہوائی روزی کماتا ہوں، کبھی مل جاتی ہے اور کبھی نہیں ملتی۔"

"میں سمجھی نہیں۔"

"دراصل ہمارے پروفیشن میں زبردست مقابلہ چل رہا ہے، ایک سے بڑھ کر ایک فنکار اس پروفیشن میں داخل ہو رہے ہیں۔"

"میں اب بھی نہیں سمجھی...... ذرا کھل کر بتاؤ کہ کرتے کیا ہو......؟"

"مغرب کے بعد میں خوب میک اپ کر کے پروین پٹاخا کا روپ دھار کر سگنلز پر بھیک مانگتا ہوں......" اب اس کی آواز رُندھی ہوئی تھی۔

"ساری ساری رات تم بھیک مانگتے ہو... تو پھر پورا دن سویا کرتے ہو گے؟"

"ظاہر ہے...... اور پھر عصر کے بعد میرے جانے کی تیاری شروع ہو جاتی ہیں۔"

"اے لڑکے تمہارے پاس نہ شادی کے لیے وقت ہوگا اور نہ بیوی کے لیے...... تو تم شادی کیوں کرنا چاہتے ہو؟"

"ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ...... میں نے اپنی ماں کو بھی منع کیا تھا کہ جب تک میں اچھی طرح سیٹ نہ ہو جاؤں، شادی نہیں کرنا چاہتا۔"

"تو پھر......؟"

"میری ماں نے کہا اپ سیٹ پروفیشن کے لوگ کبھی سیٹ نہیں ہوا کرتے۔"

"یہ بات تو ہے......" مجھے اس کی آنکھوں کی نمی دیکھ کر ہمدردی سی ہوئی، ٹھیک اسی لمحے میرے شوہر آفس میں داخل ہوئے اور پروین پٹاخا کو دیکھ کر بولے

"ارے میرا دوست پروڈیوسر کہہ رہا تھا کسی چھمک چھلو ٹائپ لڑکی کی ضرورت ہے۔ کیا تم ٹی وی پلے میں کام کرو گی؟"

"ہاں...... ہاں...... یہ ضرور کام کرے گی۔ پلیز تم اسے اپنے ساتھ لے جاؤ۔" اس کے جواب دینے سے پہلے میں نے کہا۔

اور ان دونوں کے جانے کے بعد میں خود ہی مسکرائے چلی جا رہی ہوں، پتا نہیں کیوں......!

☆☆☆

میں اکثر گنگناتی ہوں

صغریٰ زیدی

☆ راحیلہ...... کراچی

تم بھی شاید وہیں سے آئے ہو
اچھے موسم جہاں سے آتے ہیں

☆ پروین افضل شاہین...... بہاول نگر

ڈوبنا تیرا مقدر نہیں مغرب کو نہ جائے مسلم
بن کے سورج تجھے مشرق سے ابھرنا ہوگا

☆ ارم کمال...... فیصل آباد

زہر آلود سہی لب پہ تبسم تو سجا
کچھ بچھڑنے کے بھی آداب ہُوا کرتے ہیں

☆ نزہت جبیں ضیا...... کراچی

تری آرزو تری جستجو میں بھٹک رہا تھا گلی گلی
مری داستاں، تری زلف ہے جو بکھر بکھر کے سنور گئی
میں سنہرے پتوں کا پیڑ ہوں، میں خزاں کا حسن و وقار ہوں
مرے بال چاندی کے ہو گئے، میرے سر پہ دھوپ ٹھہر گئی

☆ غزالہ شاہد...... کراچی

نہیں کرتے کھیتی میں جو جانفشانی
نہ ہل جوتتے ہیں نہ دیتے ہیں پانی
نہیں لیتے کچھ کام تدبیر سے وہ
سدا لڑتے رہتے ہیں تقدیر سے وہ

☆ عنبر وسیم...... گوجرانوالہ

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زورِ بازو کا
نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

☆ ممتاز خانم...... کراچی

مرے ہاتھ میں قلم ہے مرے ذہن میں اجالا
مجھے کیا دبا سکے گا کوئی ظلمتوں کا پالا
مجھے فکرِ امنِ عالم تجھے اپنی ذات کا غم
میں طلوع ہو رہا ہوں تو غروب ہونے والا

☆ مسز تسنیم...... ضلع جہلم

حیرت سی برستی ہے در و بام پہ ہر سو
روتی ہوئی گلیاں ہیں سسکتے ہوئے گھر ہیں
بِک جائیں جو ہر شخص کے ہاتھوں سرِ بازار
ہم یوسفِ کنعاں ہیں نہ ہم لعل و گہر ہیں

☆ ماہ نور قیصر...... راول پنڈی

محبت گولیوں سے بو رہے ہو
وطن کا چہرہ خوں سے دھو رہے ہو
گماں تم کو کہ رستہ کٹ رہا ہے
یقیں مجھ کو کہ منزل کھو رہے ہو

☆ جبیں نیاز...... ملتان

میں تابِ حسن لا نہ سکوں اس سے کیا غرض
اپنی تجلیوں کو تو ہونے دے بے نقاب
ہاں یاد ہیں مجھے وہ تیری سحر کاریاں
اندازِ التفات میں اِک رنگِ اجتناب

☆ نفیسہ آرا...... راس الخیمہ

کھلی آنکھوں میں سپنا جھانکتا ہے
وہ سویا ہے کہ کچھ کچھ جاگتا ہے
کسی کے دھیان میں ڈوبا ہوا دل
بہانے سے مجھے بھی ٹالتا ہے

☆ عرشیہ جنید...... کراچی

اس اسیری میں بھی ہر سانس کے ساتھ آتی ہے
صحنِ زنداں میں انہیں دشتِ وطن کی خوشبو

WWW.PAKSOCIETY.COM

☆ نگہت زیدی...... اسلام آباد

جس طرح خواب مرے ہو گئے ریزہ ریزہ
اس طرح سے نہ کبھی ٹوٹ کے بکھرے کوئی
میں تو اس دن سے ہراساں ہوں کہ جب حکم ملے
خشک پھولوں کو کتابوں میں نہ رکھے کوئی

☆ فضہ بتول...... بہارہ کہو

جس کو دیکھو مرے ماتھے کی طرف دیکھے ہے
درد ہوتا ہے کہاں اور کہاں روشن ہے
جیسے دریاؤں میں خاموش چراغوں کا سفر
ایسا نس نس میں مرے دردِ رواں روشن ہے

☆ کائنات عبدالحلیم...... میرپور خاص

غم کے سانچے میں ڈھل سکو تو چلو
تم مرے ساتھ چل سکو تو چلو
دور تک تیرگی میں چلنا ہے
صورتِ شمع جل سکو تو چلو

☆ ثوبیہ ظہور...... ضلع اٹک

سینے پہ پاؤں رکھ کر دنیا گزر رہی ہے
گلرنگ خاکِ دل ہے گلنار یہ چمن ہے

☆ رعنا حسین...... اوکاڑہ

بارشیں چھت پہ، کھلی جگہوں پہ ہوتی ہیں مگر
غم وہ ساون ہے جو اُن کمروں کے اندر برسے
کون کہتا ہے کہ رنگوں کے فرشتے اتریں
کچھ بھی برسے مگر اس بار تو گھر گھر برسے

☆ فاطمہ بلال...... کینیڈا

کیا یہاں دشتِ تمنا میں کوئی پھول کھلا
اب اِدھر روز کئی بار صبا آتی ہے

☆ فصیحہ آصف خان...... ملتان

جس طرح تمام سال تیرا انتظار کیا
گزر ہی جائے گی دسمبر کی یہ آخری شب بھی

☆ کوثر اعجاز...... ضلع قصور

میں مستقل مزاج رہی اور وہ رستے بدل گیا
بس یہی تو ایک فرق تھا میری اور اس کی ذات میں

☆ فرحت احمد...... گلشن حدید

پھولوں کی نمائش میں اگر وہ بھی ہُوا
اِک بار تو گلابوں کو بڑی آگ لگے گی

☆ مسز زرین زبیر...... کراچی

ہمارے عہد میں شاعر کے نرخ کیوں نہ بڑھیں
امیرِ شہر کو لاحق ہوئی سخن فہمی

☆ نگہت غفار...... کراچی

تمہارے شہر کی ہر چھاؤں مہرباں تھی مگر
جہاں پہ دھوپ کڑی تھی وہاں شجر ہی نہ تھا
سمیٹ لیتی شکستہ گلاب کی خوشبو
ہوا کے ہاتھ میں ایسا کوئی ہنر ہی نہ تھا

☆ امینہ مشیر...... نئی دہلی

موجۂ خواب ہے وہ، اس کے ٹھکانے معلوم
اب گیا ہے تو یہ سمجھو کہ پلٹنا مشکل
جن درختوں کی جڑیں دل میں اتر جاتی ہیں
ان کا آندھی کی درانتی سے بھی کٹنا مشکل

☆ غزالہ طارق...... سرگودھا

عشق تو خیر تھا اندھا لڑکا
حسن کو کون سی مجبوری تھی

☆ آمنہ خان...... نواب شاہ

ہر مصیبت کا دیا ایک تبسم سے جواب
اس طرح گردشِ دوراں کو رُلایا میں نے

☆ لبنیٰ حیات...... جھنگ

وہاں تک لے گئی مجھ کو میری انا محسن
جہاں جا کر مقدر کے ستارے ٹوٹ جاتے ہیں

☆☆☆

خوش ذائقہ

پاکیزہ بہنیں

مزیدار سادے تکے

اشیا: گوشت بغیر ہڈی پسندے کے جیسے پارچے آدھا کلو۔ (مرغی یا بیف) ادرک، لہسن (پسا ہوا) ایک ایک چائے کا چمچ، ہلدی، آدھا چائے کا چمچ۔ پسا ہوا گرم مسالا، ایک چائے کا چمچ۔ زیرہ سفید، ایک چائے کا چمچ (پسا ہوا) ٹماٹر، ایک پاؤ۔ پیاز ایک پاؤ۔ آلو، چار عدد درمیانے۔ نمک، سرخ مرچ، حسبِ ذائقہ۔ دہی، ایک پیالی۔

ترکیب: کسی بڑے برتن میں دہی میں نمک، مرچ، لہسن، ادرک، گرم مسالا اور ہلدی مکس کریں اور یہ مسالا گوشت کے پارچوں پر لگا کر گھنٹے بھر کے لیے رکھ دیں۔ (بیف کو دو سے تین گھنٹے) اب ایک پھیلے ہوئے برتن میں تیل گرم کر کے گوشت کے پارچے بچھا دیں اور اس پر تہ در تہ آلو، ٹماٹر اور پیاز گول گول کاٹ کر اور دو کپ پانی ڈال کر ہلکی آنچ پر پکائیں۔ گوشت گل جائے اور پانی بالکل خشک ہو جائے تو اوپر سے ہری مرچ، ہرا دھنیا اور باریک کٹی ادرک چھڑک کر پیش کریں۔

مہ نور قیصر، راولپنڈی

کچے گوشت کی چکن بریانی

اشیا: چکن، ایک کلو۔ چاول، ایک کلو۔ پیاز، درمیانی چار عدد۔ ادرک، لہسن (پیسٹ) چار چار کھانے کے چمچ۔ دہی، ایک سے ڈیڑھ پیالی۔ کُٹی لال مرچ، نمک، حسبِ ذائقہ۔ کالا سفید زیرہ، آدھا، آدھا چمچ۔ ثابت گرم مسالا، ایک کھانے کا چمچ۔ (جس میں سب اجزا شامل ہوں) زرد رنگ، آدھا چائے کا چمچ۔ ہرا دھنیا، پودینہ، ہری مرچ سرکہ اور کیوڑہ، حسبِ منشا۔ مرغی کو نمک، زرد رنگ اور سرکے میں ڈبو کر نکال لیں۔ تیل گرم کر کے دو پیاز فرائی کریں پھر اس میں لہسن، ادرک، گرم مسالا، نمک، مرچ ڈال کر بھونیں پھر اس میں نمک اور سرکے میں ڈوبی ہوئی چکن ڈال کر پکائیں۔ اب الگ دیگچی میں باقی کی دو پیاز فرائی کریں، اس میں دہی پھینٹ کر ڈالیں...... پکی ہوئی چکن ڈال دیں اور اس کے اوپر پہلے سے ابلے چاول ڈال دیں۔ سب سے اوپر زردے کا رنگ، کیوڑہ اور ہرا مسالا ڈال کر ہلکی آنچ پر رکھ دیں۔ مزیدار بریانی تیار ہے۔

کلثوم عباس، کراچی

رنگ برنگی زردہ

اشیا: سیلا چاول، 1/2 کلو۔ چینی، تین پاؤ۔ گھی، آدھی پیالی۔ سبز الائچی اور لونگ، چند دانے۔ گلابی، زرد اور سبز فوڈ کلر، دو، دو چٹکی۔ اشرفی تین رنگ میں۔ پھیکا کھویا، پستہ، بادام، اخروٹ، کاجو، کشمش، کٹا ہوا ناریل یہ سب کچھ حسبِ ضرورت چاہیں تو چھوٹی گلاب جامن اور چم چم بھی اوپر سے ڈال دیں۔

ترکیب: چاول، دو گھنٹے بھگوئیں پھر بالکل سادے ابال لیں، ابلے ہوئے چاول چھنّے میں ڈال کر پا لیں۔ اب پتیلی میں ابلے چاول ڈالیں۔ اس کے اوپر چینی بکھیر دیں۔ ایک فرائنگ پین میں گھی میں سبز الائچی اور لونگ کڑکڑا کر چاول اور چینی پر ڈال دیں۔ اب چٹکی سے تینوں فوڈ کلر باری باری دیگچی میں ڈالیں اور ڈھکن بند کر کے ہلکی آنچ پر رکھ دیں پہلے چینی پگھلے گی۔ شیرہ خود بخود بن جائے گا (گھبرائیں نہیں) جب شیرہ سوکھ جائے تو چاول پر میوہ، مٹھائی، کھویا ڈال کر دم پر لگا دیں۔ مزیدار زردہ تیار ہے۔ اگر زرد رنگ کا زردہ بنانا ہے تو چاول ابالتے ہوئے زردے کا رنگ ڈالا جاتا ہے اور رنگین زردے میں چاول پکا کر رنگ چھڑکے جاتے ہیں۔ نوٹ: (میوہ ہلکا سا فرائی کر کے ڈالیں مگر ناریل کو الگ فرائی کر کے مکس کریں)

نفیسہ آرا، یو اے ای

●

WWW.PAKSOCIETY.COM

سندیسے
پاکیزہ بہنیں

ہنستے، روتے چہرے دیکھے
ہیں رنگ کئی اُن کے پر پختہ نہیں ہوتے
یہ لوگ بھی کیا شے ہیں شرمندہ نہیں ہوتے
گل کے رخِ رنگیں پہ بھی آنسو ہیں صبحِ دم
یہ کس نے کہا ہنستے ہوئے چہرے نہیں روتے
شاعرہ: عالیہ بشیر، اسلام آباد

یقین کی راہ
جو یقین کی راہ پر چل پڑے
انہیں منزلوں نے پناہ دی
جنہیں وسوسوں نے ڈرایا
وہ قدم قدم پر بہک گئے
مرسلہ: سدرہ کلثوم، ضلع لکی مروت

قبولیت کی گھڑی
وہ لمحہ جب اس نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر مجھ کو یہ دعا دی تھی کہ اللہ تعالیٰ تمہاری زندگی شمع کے مانند روشن کر دے۔ میں پگلی اس سے ہولے سے مسکرا دی تھی وہ قبولیت کی گھڑی تھی شاید جبھی تو وہ لمحہ اور آج کا دن میری زندگی شمع کے مانند روشن ہے، وہ شمع جو دوسروں کو راہ دکھاتی ہے پر خود وہ جلتی رہتی ہے۔
تحریر: مہر و میر، کشمیر

ویری بیڈ
لڑکے والوں نے لڑکی کی والدہ سے پوچھا۔
"لڑکی اپنے ہاتھوں سے کام کاج بھی کرتی ہوگی؟"
"جزاک اللہ! بچی کے ہاتھوں میں اتنی مہارت ہے اور ان کی انگلیوں میں طاقت پورے دن میں ایک ہزار روپے کا موبائل بیلنس ختم کر دیتی ہے۔" لڑکی کی والدہ نے فخریہ بتایا۔
مرسلہ: سیما ممتاز عباسی، لاڑکانہ

پھوپی نامہ
کہتے ہیں کہ دنیا میں ہیں سخن ور اور بھی اچھے
پھوپا کا گھر ہے انداز بیاں اور (معذرت کے ساتھ)
پھوپا ایک ہو دو ہو یا دس، سو پر بھاری ہیں۔
ایک پھوپھی پورے تالاب کو گندا کر سکتی ہے
اس لیے تالاب
کو خالی کر کے صفائی کروالیں
اگر گھر میں امن اور شانتی چاہیے تو پھوپیوں کی آمد پر کنٹرول کیا جائے۔
اگر پھوپی اچھی ہے تو زندگی اچھی ہے ورنہ خار دار تار ہے۔
میکے اور سسرال کی تاریخ میں ایسا کوئی سخن ور نہیں جس نے پھوپیوں کو سدھارا ہو۔
محترم قارئین اگر آپ بھی کسی کی پھوپی ہیں تو اپنے اعمال درست کر لیں اس سے پہلے کہ کوئی بھتیجی آپ پر قلم اٹھانے پر مجبور ہو جائے۔
از: صائمہ سجاد بنگش، کوہاٹ

لڑکی
میں وہ لڑکی ہوں

جسے ہر شخص سراہتا تو ہے
مگر اپناتا نہیں
شاعرہ: قرۃ العین سکندر، لاہور

رائگاں
اسے بھول جانے کی
جہدِ مسلسل
رائگاں ٹھہری کیونکہ......
ہر بار میں......
ہاری......
اور دل جیتا......
شاعرہ: مونا سکندر، لاہور

امید
تُو کیا جانے
جب وقت کی ندی بہتے بہتے
سست پڑ جاتی ہے
اور
امید ساتھ چھوڑ دیتی ہے
تو کیا ہوتا ہے
فریحہ اجمل

سن لو بہنو!
☆ باتوں میں ایسی تاثیر پیدا کرو کہ دلوں میں اتر جائے ورنہ چپ رہو۔
☆ ندامت کا اظہار محض لفظوں کا محتاج نہیں، یہ رویوں سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔
مرسلہ: سیدہ علیشاہ، بہاول پور

دوست سے خوب صورت اظہارِ محبت
میں نے تمہیں اس طرح چاہا ہے جس طرح بستر مرگ پر لیٹا ہوا انسان موت کی آخری ہچکیوں کے درمیان زندگی کو چاہتا ہے۔
از: راحت وفا راجپوت، بھاٹی گیٹ، لاہور

وعدہ چاند کا
رات کا آخری پہر تھا
مجھ سے چاند نے کہا
ہم نشیں الوداع
مجھ کو نیند آ رہی ہے
کل ملیں گے اسی جگہ
سن کر میں مسکرا دی
اس کو بتلا دیا
جانے والے لوٹتے نہیں
تم نہیں آؤ گے
مجھے ہے یقین
میری بات سن کر وہ رک گیا
اور کہنے لگا......
تم سے وعدہ کروں
پھر نہ پورا کروں
ایسا ممکن نہیں
سن مرے......
ہم نشیں، میں تو انساں نہیں
کاوش: صدیقہ خان، باغ آزاد کشمیر

مسکراہٹ
☆ مسکراہٹ کثرتِ غم کو چھپا دیتی ہے۔
☆ مسکراہٹ پتھر دل کو موم کر دیتی ہے۔
☆ مسکراہٹ دلوں کو جیتنے کا پُراثر ذریعہ ہے۔
☆ مسکراہٹ وہ گلاب ہے جس کی مہک سے پورا ماحول مہک اٹھتا ہے۔
☆ مسکراہٹ زندہ دلی کا نام ہے اور یہ لوگوں کو جینا سکھاتی ہے۔
☆ مسکراہٹ گاڑی میں لگا وہ اسپرنگ ہے جو غم کے دھچکے محسوس نہیں ہونے دیتا۔
☆ مسکراہٹ چہرے کو خوب صورت بنا دیتی ہے۔
مرسلہ: پروین افضل شاہین، بہاول نگر

WWW.PAKSOCIETY.COM

روحانی مشورے

ادارہ

کھانے سے پہلے کی دعا

☆بِسمِ اللّٰہِ وَبَرَکَتِو اللّٰہِ

ترجمہ: ”اللہ کے نام سے اور اللہ کی برکت کے ساتھ“ (ہم یہ کھانا کھاتے ہیں)

کھانے کے درمیان کی دعا

☆بِسمِ اللّٰہِ اَوَّلَہٗ وَ آخِرَہٗ ط

ترجمہ: اللہ کے نام کے ساتھ کھانے کے شروع میں بھی اور آخر میں بھی۔“

کھانے کے بعد کی دعا

اَلحَمدُ لِلّٰہِ الَّذِیَ اَطعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلنَا مُسلِمِینَ

ترجمہ: سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے ہمیں کھلایا، پلایا اور مسلمان بنایا۔

حضرت کعبؓ فرماتے ہیں: حضرت داؤدؑ ہر صبح کو یہ درج ذیل دعا مانگتے تھے تین مرتبہ اس کی تکرار فرماتے تھے۔

☆اَللّٰھُمَّ عَالِمَ الغَیبِ وَالشَّھَادَۃِ اِعصِمنِی فِی ھٰذَا الیَومِ مِن شَرِّ کُلِّ مُصِیبَۃٍ نَزَلَت مِنَ السَّمَآءِ وَاجعَلنِی فِی کُلِّ خَیرٍ یَنزِلُ مِنَ السَّمَآءِ

ترجمہ: ”اے اللہ! چھپی اور کھلی چیزوں کے جاننے والے، آج کے دن آسمان سے جو مصیبت نازل ہو اس کے شر سے میری حفاظت فرما اور جو خیر (بھلائی) آسمان سے نازل ہو وہ مجھے عطا فرما۔“

حضرت حسن بصریؒ بیان کرتے ہیں کہ حضرت سمرہ بن جندبؓ نے فرمایا۔ میں تم سے ایک حدیث نہ بیان کروں جو میں نے حضور پاک ﷺ سے متعدد مرتبہ سنی ہے، اسی طرح حضرت ابو بکر صدیقؓ سے متعدد مرتبہ سنی، اسی طرح حضرت عمرؓ سے متعدد بار سنی ہے؟ میں نے کہا۔ ہاں، انہوں نے فرمایا، صبح شام جو شخص اسے پڑھے گا کوئی دعا نہیں کرے گا مگر یہ کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اس کی دعا کو قبول فرمائے گا۔ راوی (سمرہ) نے کہا۔ میں نے عبداللہ بن سلامؓ سے ملاقات کی، میں نے کہا۔ تم کو ایک حدیث نہ سناؤں جسے میں نے حضور پاک ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمر فاروقؓ سے متعدد مرتبہ سنی ہے؟ انہوں نے کہا۔ ہاں، (سنائیے) میں نے حدیث (مذکورہ) بیان کی۔ انہوں نے کہا۔ قسم خدا کی! میرے ماں باپ قربان جائیں اللہ کے رسولؐ پر...... یہ وہ کلمات ہیں جو اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو عطا کیے تھے، وہ ہر دن سات مرتبہ اسے پڑھتے تھے پھر جو بھی سوال کرتے تو اللہ تبارک و تعالیٰ اسے پورا فرماتا، وہ کلمات یہ ہیں۔

اَللّٰھُمَّ اَنتَ خَلَقتَنِی وَاَنتَ تَھدِینِی وَاَنتَ تُطعِمُنِی وَاَنتَ تَسقِینِی وَاَنتَ تُمِیتُنِی وَاَنتَ تُحیِینِی

ترجمہ: ”اے اللہ! تو نے مجھے پیدا کیا اور تو نے مجھے ہدایت دی اور تو ہی مجھے کھلاتا ہے اور تو ہی مجھے پلاتا ہے اور تو ہی مجھے موت دے گا اور تو ہی مجھے (دوبارہ) زندگی دے گا۔“

ہر جائز مراد پوری ہوجائے

☆نماز کی باقاعدگی کریں...... درود شریف (جو نماز میں پڑھا جاتا ہے) کثرت سے پڑھیں اور نیت کرلیں کہ میں درود تحینا ایک ہزار مرتبہ پڑھوں گی...... بلکہ روزانہ پڑھنا شروع کردیں...... تعداد آپ اپنے حساب سے بھی معین کرسکتی ہیں...... اس کے اول و آخر درودِ ابراہیمیؑ گیارہ گیارہ مرتبہ پڑھیں۔ مراد پوری ہوجانے کی صورت میں بھی مطلوبہ تعداد یعنی ایک ہزار لازمی پوری کرنی ہے۔ شکرانے کے نفل بھی پڑھیں اور کسی غریب کی حسبِ استطاعت مدد بھی ضرور کریں۔

ہر قسم کے کینسر کو ختم کرنے کے لیے

بہت آسان علاج...... مریض کا روزانہ حسبِ استطاعت صدقہ دیں...... سورۂ فاتحہ ۴۱ مرتبہ اول و آخر درودِ ابراہیمیؑ کے ساتھ پڑھ کر پانی پر دم کر کے یہ پانی مریض کو پلائیں اور اس کے کمرے کے چاروں کونوں میں بھی چھڑکیں۔ اس کے ساتھ ساتھ روزانہ صرف ایک مرتبہ سورۂ مریم بلند آواز میں مریض کے کمرے میں بیٹھ کر پڑھنی ہے۔ اول و آخر درود شریف کے ساتھ اسے پڑھ کر پانی پر دم کر کے مریض کو پلانا ہے اور مریض پر دم بھی کرنا ہے۔ صرف ۴۱ دن تک یہ عمل کریں، سورۂ رحمان کا کیسٹ بھی مستقل کمرے میں چلتا رہے یا کوئی فرد خود بھی تلاوت کرسکتا ہے اسی کمرے میں بیٹھ کر پھر ۴۱ دن کے بعد ٹیسٹ کروالیں مریض کو خود بھی اندازہ ہوجائے گا کہ وہ بہتری کی طرف جارہا ہے۔ یہ عمل جب تک کریں جب تک یہ بیماری جڑ سے نہ اکھڑ جائے۔ انشاء اللہ مریض صحت اور زندگی کی جانب لوٹ آئے گا۔

جادو ٹونا اور آسیب کے اثرات سے بچنے کے لیے

☆فجر کی نماز کے بعد گیارہ مرتبہ درود پاک، ایک مرتبہ منزل گیارہ مرتبہ درود پاک۔

☆بسم اللہ الرحمن الرحیم...... ایک ہزار مرتبہ پڑھیں۔

☆بعد نمازِ ظہر...... گیارہ مرتبہ درود پاک اور یا منعمُ دو سو گیارہ مرتبہ پڑھیں اس کے بعد پھر گیارہ مرتبہ درود پاک پڑھنا ہوگا۔

☆چلتے پھرتے پڑھنے کے لیے (یہ روزانہ کا معمول بنالیں جو ہر مشکل سے نجات دلائے گا)

☆پہلا کلمہ...... سو مرتبہ، تیسرا کلمہ...... سو مرتبہ...... استغفر اللہ سو مرتبہ، سبحان اللہ وبحمدہ وسبحان اللہ العظیم بھی سو مرتبہ پڑھنا ہے۔

نوٹ: صرف ۴۱ دن تک باقاعدگی سے پڑھنے سے گھر کے اوپر کے بھی بد اثرات ختم ہوجائیں گے اور ہر بیماری اور پریشانی سے نجات ملے گی۔ اس لیے کیا ہی اچھا ہو کہ ہم سب یہ دعائیں روزانہ پڑھنا شروع کردیں...... خود بھی پڑھیں اور اپنے دیگر مسلمان، بہنوں، بھائیوں کو بھی بتائیں تاکہ نیکی کے سفر میں سب شریک ہوجائیں۔ یا مجیبُ۔

دشمنوں اور حاسدین سے بچنے کے لیے

☆ہر نماز کے بعد صرف تین بار پڑھ لیا کریں

اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَجعَلُکَ فِی نُحُورِھِم وَنَعُوذُبِکَ مِن شُرُورِھِم ؕ

ترجمہ: اے اللہ! ہم تجھے ان کے مقابلے میں کرتے ہیں اور ان کی شرارتوں سے تیری پناہ میں آتے ہیں۔

☆☆☆

جب کسی مسلمان مریض کی عیادت کو جائیں تو یہ کلمہ پڑھیں۔ لَا بَأسَ طَھُورٌ اِن شَآءَ اللّٰہُ ؕ

ترجمہ: کچھ ڈر نہیں انشاء اللہ یہ بیماری گناہوں سے پاک کرنے والی ہے۔

☆☆☆

WWW.PAKSOCIETY.COM

شوابے ہومیو کلینک

From Nature. For Health.

اس بات کی ضرورت کافی عرصے سے محسوس کرائی جارہی تھی کہ کسی مستند ادارے کے تحت ماہر تجربہ کار ہومیو پیتھک ڈاکٹروں کا بورڈ ہو جو لوگوں کی صحت کے مسائل کو اپنی ماہرانہ رائے اور تجربے کی روشنی میں نہ صرف حل کرے بلکہ ان کی رہنمائی بھی کرے۔ لہٰذا اس سلسلے کے تحت ہماری کوشش ہوگی کہ ہم آپ کو مختلف امراض کے متعلق آگاہی بھی فراہم کریں اور آپ کے جو صحت کے مسائل ہوں اس کو بورڈ کے ماہر و تجربہ کار ڈاکٹرز کے ذریعے حل کرائیں تاکہ آپ کا معیارِ صحت بلند ہو لہٰذا آپ کے جو بھی صحت کے مسائل ہیں انہیں ہمیں اس پتے پر لکھ بھیجیں پوسٹ بکس نمبر 733 کراچی۔ ہم ماہنامہ پاکیزہ کے ذریعے آپ کی بیماری کے متعلق آپ کی رہنمائی کریں گے لیکن اس کے لیے اپنا مکمل نام، عمر، پتا اور جو کام کرتے ہیں اس کے متعلق ازدواجی حیثیت، بیماری کے متعلق، کب سے ہوئی، کیا علاج کیا؟ کسی قسم کی کوئی رپورٹس ہوں تو اس کی فوٹو کاپی جو پڑھنے کے قابل ہوں ساتھ بھیجیں تاکہ صحیح تشخیص کی جاسکے اور دوا بھی صحیح تجویز ہو۔

خاندانی بگاڑ

والدہ محمد داؤد ...... ضلع لیہ

میں پاکیزہ اپنے بچپن ہی سے گھر میں پڑھ رہی ہوں۔ آج میں نے سوچا کہ شاید اسی رسالے میں میری پریشانی کا کوئی حل نکل آئے۔ ڈاکٹر صاحب دن رات بہت پریشانی میں گزر رہے ہیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ میرا ساڑھے تین سال کا بیٹا ہے اور سخت الرجی کا مریض ہے۔ اب بھی میں خط لکھ رہی ہوں تو اس کو کھانسی کا دورہ پڑ گیا ہے۔ یہ جب سے پیدا ہوا ہے تب سے بیماریوں اور تکلیفوں کا شکار ہے۔ 3-4 ماہ کی عمر سے اس کو نزلہ زکام کھانسی کا اٹیک ہر پندرہ دن بعد ہوتا تھا۔ ہر قسم کی دوائی انگریزی دیسی استعمال کی لیکن کچھ فرق نہیں پڑا۔ اب تقریباً ڈیڑھ سال کا ہوگیا ہے، کھانسی بہت شدید شروع ہوجاتی ہے اور کچا ریشہ بنتا ہے کبھی الٹی کرتا ہے تو سفید کچا جھاگ سا نکلتا ہے، کھانسی کا دورہ گھنٹا گھنٹا رہتا ہے جب تک نیبولائز نہ کرلیں آرام نہیں آتا۔ دن میں کبھی رات میں 4، 3 دفعہ دورہ پڑ جاتا ہے اور سانس کا مسئلہ بن جاتا ہے۔ جب کچا ریشہ سانس کی نالیوں میں جاتا ہے تو چھاتی سے سیٹیوں کی آوازیں آتی ہیں، کبھی چھینکیں بھی آتی ہیں اور کبھی ناک بھی بند ہوجاتی ہے۔ بہت تھک گئی ہوں علاج کرواکرواکے، معصوم بچہ کڑوی دوائیاں کھا کھا کے تنگ آچکا ہے۔ بہت ہی زیادہ کمزور ہوگیا ہے سارے جسم کی ہڈیاں نکل آئی ہیں اور رنگ بھی بہت پیلا ہوگیا ہے دانت بھی پیلے اور سفید دھبوں والے ہوگئے ہیں۔ کھانا بھی ٹھیک کھاتا ہے کبھی بھوک بالکل کم ہوجاتی ہے، وہ چڑچڑا ہوگیا ہے سب کو مارتا ہے اس کے ساتھ کے سب بچے پڑھ رہے ہیں لیکن یہ بیماری کی وجہ سے گھر میں بیٹھا ہے۔

جب بھی کسی دوائی سے کھانسی اور سانس کا مسئلہ ٹھیک ہوتا ہے تو ناک بند ہوجاتی ہے اور خوراک اس کو لگتی نہیں کیونکہ خون کی بجائے ریشہ بنتا ہے اور کیا اس کو دودھ مکھن وغیرہ کھلاسکتی ہوں۔

ڈاکٹر صاحب میرا ایک چھوٹا بیٹا بھی ہے ایک سال اس کی عمر ہے۔ وہ بھی بڑے کے نقشِ قدم پہ چل رہا ہے۔ اس میں کیلشیم کی بھی بہت کمی ہے۔ اس کو ہر پندرہ دن بعد نزلہ زکام کھانسی ہوجاتا ہے اور الٹی کرتا ہے تو کچا ریشہ نکلتا ہے۔ ناک میں سے کبھی کچا بلغم نکلتا ہے کبھی پک کے آنے لگتا ہے اور آرام جلدی نہیں آتا۔ مجھے ڈر ہے کہ چھوٹا بچہ بھی زیادہ سیریس کیس نہ بن جائے۔ میرے دونوں بچے کمزور اور سوکھے ہوئے ہیں، لوگ رشتہ دار باتیں کرتے ہیں کہ اس کے دونوں بچے ہی بیمار ہیں۔ اصل میں میرے شوہر بھی الرجی کے مریض ہیں اور مجھے بھی بہت عرصہ الرجی رہی ہے جس کی وجہ سے میرے دونوں کانوں کی سماعت ختم ہوگئی ہے۔ میں آلۂ سماعت استعمال کرتی ہوں کیا اس کا بھی کوئی علاج ہومیو پیتھی میں ہے۔ ڈاکٹر صاحب پلیز کوئی اچھی دوائی تجویز کریں تاکہ میرے بچے دوسرے بچوں کی طرح صحت مند ہوجائیں۔ بہت دکھی ہوں ان کی وجہ سے رات دن کا سکون ختم ہوگیا ہے۔

جواب: خاندانی بیماریاں ہماری آنے والی نسلوں کو بھی خراب کرتی ہیں لہٰذا ضروری ہے کہ شادی سے پہلے یا بچہ پیدا کرنے سے پہلے ہم اس سے نجات حاصل کرلیں بصورت دیگر ہمارے بچے ان ہی جیسی اور بعض ان سے زیادہ شدت والی بیماریوں سے دوچار رہتے ہیں اور آپ لوگ کلینک اور ہسپتالوں کے چکر پہ چکر لگا رہے ہوتے ہیں۔ آپ سب لوگ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات استعمال کریں۔

Tuberculinum - IM کے 3 قطرے کھانے کے چمچے کے برابر پانی میں صبح نہار منہ پی لیں، پھر 2 دن کے وقفہ کے بعد .Arsenicum Alb، Antimonium 30، Calc.Carb 30 30 دن میں 3 مرتبہ 1/2 کپ پانی میں ڈال کر استعمال کریں۔ KALOBA کے 5 قطرے بچے آدھا کپ پانی میں اور بڑے 10 قطرے 1/2 کپ پانی میں 3 مرتبہ لیں۔ آپ Verbascum-Q کا ایک قطرہ صبح وشام کان میں ڈالیں۔ ایک ماہ بعد طبیعت سے مطلع کریں۔

رحم کی رسولی

نصرت مفتی ...... خوشاب

ڈاکٹر صاحب! میں نے آپ کی بہت تعریف سنی ہے، آپ کو آخری امید کے طور پر خط لکھ رہی ہوں۔ ڈاکٹر صاحب میری شادی کو اڑھائی سال ہوگئے ہیں اس دوران میرا دوبار حمل ابتدائی ماہ میں ہی ضائع ہوگیا۔ رپورٹ میں حمل Positive ہوتا تھا اور ماہواری سے چند دن اوپر ہوکر ضائع ہوجاتا تھا۔

ٹوکن
برائے شوابے ہومیو کلینک
جنوری 2014
اپنا مسئلہ اس ٹوکن کے ساتھ روانہ کریں۔ ٹوکن کے بغیر آئے ہوئے مسئلوں پر توجہ نہیں دی جائے گی۔ اپنا مسئلہ جس مہینے بھیجیں اسی مہینے کا ٹوکن استعمال کریں۔
نام: ________
پتا: ________

WWW.PAKSOCIETY.COM

میری فیملی ڈاکٹر نے میری بلڈ رپورٹ لاہور بھیجی جس کی کاپی آپ کو بھی روانہ کررہی ہوں، اس میں Cylomegalovirus, Rubella, Herpes اور T o x o p l a s a m Simplex Virus پوزیٹیو آئے ہیں۔ ڈاکٹر نے ہرماہ کا ایک انجکشن دیا ہے جو چھ ماہ تک لگوانے ہیں۔ وہ کہتی ہیں کہ میرے خون میں زہر اور جرمن خسرہ (سرخ بخار) کے جراثیم موجود ہیں اس سے بچے پیدائشی معذور ہوتے ہیں سو پہلے میں علاج مکمل کروں۔

ڈاکٹر صاحب! میری آپ سے گزارش ہے کہ آپ میری رپورٹ کی روشنی میں مجھے دوا بتائیں۔ نیز کیا میں انجکشن Benzebiotic جو کہ تین لگوا چکی ہوں وہ بھی ساتھ لگوالوں تو کوئی نقصان تو نہیں ہوگا۔ ڈاکٹر صاحب آپ ان امراض پر پاکیزہ میں تفصیلاً لکھیں مجھ جیسی بہت سی بہنوں کا بھلا ہوگا۔

جواب:۔ ان امراض پر ضرور لکھیں گے... فی الحال اس مسئلے سے آپ کا ٹھیک ہونا ضروری ہے۔ سب سے پہلے ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی Pulsatilla -1M کی ایک خوراک لیجئے کے ایک دن بعد Kali Iod 30 کے 5,5 قطرے 1/2 کپ پانی میں دن میں 3 مرتبہ استعمال کریں۔ 2 ماہ استعمال کے بعد U/S Virology کی اور رپورٹ کے ہمراہ اپنا احوال بتائیں۔ جب انجکشن لگوانے شروع کردیے ہیں تو ان کو پورا کریں۔

غلطی انسان سے ہوتی ہے

ثروت حمید.........کوئٹہ

ڈاکٹر صاحب یہ مسئلہ مجھے پچھلے 2,3 سال سے شروع ہوا پہلے نہیں تھا۔ بدقسمتی سے کچھ سال پہلے میں غلط قسم کے ذہنی خیالات کا شکار ہوگئی، اللہ کے فضل اور مدد سے اس مصیبت سے تو نجات مل گئی لیکن جسمانی ساخت سخت متاثر ہوئی۔ ماہانہ ایام میں بے قاعدگی پیدا ہوگئی اور پہلے کی نسبت کم آنے لگے۔ اب دو دن آتے ہیں پھر 2,3 دن بالکل نہیں ہوتے اور آخری دن معمولی سی مقدار میں ہوتے ہیں۔ نسوانی حسن بھی نہ ہونے کے برابر رہ گیا حالانکہ پہلے میں متناسب جسم کی مالک تھی۔ عمر 29 سال ہے۔ شادی ہوئی جو چند ماہ سے زیادہ نہ چل سکی۔ اس دوران شوہر کے کہنے پر مانع حمل کی گولیاں بھی کھاتی رہی۔ برائے مہربانی میرے دونوں مسئلوں کا مناسب علاج تجویز فرمائیں۔

جواب:۔ اللہ تعالیٰ نے عورت کو مرد کے لیے پیدا کیا یا یوں کہیں کہ دونوں کو ایک دوسرے کے لیے پیدا کیا تو بے جا نہ ہوگا۔ اسلام نے اسی لیے بالغ ہوجانے پر لڑکی اور لڑکے کی شادی کا حکم دیا ہے تاکہ دونوں برائی میں مبتلا نہ ہوں..... غلطی انسان سے ہی ہوتی ہے لہٰذا اس کو ذہن پر طاری نہ کریں بلکہ توبہ کرکے اچھائیوں کی طرف توجہ دیں۔ مانع حمل کی گولیاں مضرِ صحت ہوتی ہیں ان کو استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ آپ کی شادی کیوں نہ چلی اس کا ذکر بھی کریں آئندہ خط میں۔ 2 ماہ تک ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات استعمال کریں۔

Iodium 30, Pulsatilla 30 .... کے 5,5 قطرے 1/2 کپ پانی میں دن میں 3 مرتبہ اور Laikan کی دو گولیاں رات کو

سونے سے ایک گھنٹا قبل تھوڑے سے پانی کے ساتھ نگلیں۔

نیند کا مسئلہ

عفت سلطان.........راولپنڈی

میں مقامی اسکول میں بچوں کو پڑھاتی ہوں اور .... بیماری کی وجہ سے میری عادت ہر ٹائم چڑچڑا رہنے اور اپنے خیالات میں کھویا رہنے کی ہے۔ مجھے بچپن سے نیند نہ آنے کا مسئلہ ہے۔ اس کی وجہ سے مجھے لگتا ہے کہ میرا دماغ خود کو Refresh نہیں کرتا۔ دماغ میں جو بات ایک دفعہ آجائے وہ نکلتی نہیں بلکہ خود بخود آگے بڑھتی جاتی ہے۔ شکل سے ہر وقت پریشان دکھائی دیتی ہوں۔ لوگ اکثر مجھے دیکھ کر پوچھتے ہیں کہ آپ کو کوئی پریشانی ہے ہر وقت احساسِ شرمندگی رہتی ہے۔ کسی سے اونچی آواز میں بات کرلوں تو یوں لگتا ہے کہ میرا دماغ پھٹ جائے گا۔ میرا رنگ بدلتا رہتا ہے۔ میں ہر وقت خود کو مصروف رکھتی ہوں تاکہ نیند آجائے مگر اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ دماغ کی جلد کو ہاتھ لگاؤں تو ہر وقت درد کرتی محسوس ہوتی ہے۔ بعض اوقات سر میں درد ہوتا ہے، سر پر اکثر بے تحاشا دباؤ پڑتا محسوس ہوتا ہے۔ خاص طور پر آنکھوں کے اردگرد۔ آنکھیں پھٹتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں جبکہ حقیقت میں ایسا نہیں ہوتا۔ پورے جسم میں شدید درد.... محسوس ہوتا ہے۔ جسم سارا سوکھ کر ہڈیوں کا ڈھانچا بن گیا ہے۔ سر کی دو نسیں بائیں جانب اکثر مجھے پھڑکتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں۔ یوں لگتا ہے کہ جیسے میرے سر کی نسیں پھٹنے لگی ہیں۔ جس دن کبھی میں سونے کے لیے لیٹوں اور ذہن تھوڑا بہت غنودگی میں چلا جائے، اس دن میری طبیعت بہتر رہتی ہے۔

SCHWABE

وقتی طور پر نیند کے ٹائم آنکھیں بند ہوجاتی ہیں مگر دماغ جاگتا رہتا ہے۔ مجھے کچھ خبر نہیں ہوتی کہ میرے آس پاس کیا ہورہا ہے۔ اس کے علاوہ اس قسم کی سوچیں میرے دماغ میں آتی ہیں کہ جیسے میں شادی شدہ ہوں۔ میرا شوہر اور بچے ہیں۔ میاں بیوی میں جنسی تعلقات وغیرہ جس قسم کے ہوتے ہیں، وہ سب باتیں میرے دماغ میں آتی ہیں اور مجھے وہ سب کچھ حقیقت میں اپنے ساتھ ہوتا محسوس ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی مجھ میں تبدیلی آتی محسوس ہوتی ہے۔ جس وجہ سے مجھے بہت ٹینشن ہوتی ہے اور ساتھ ہی لیکوریا شروع ہوجاتا ہے۔ میں اس مسئلے کے حل کے لیے سائیکاٹرسٹ کے پاس گئی تو اس نے مجھے کچھ ادویات دیں۔ ان ادویات سے مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ الٹا یہ دوائیاں کھا کھا کر مجھے چکر آنا شروع ہوجاتے ہیں اور ساتھ ہی پاخانہ سخت تکلیف کے ساتھ آتا ہے۔ جس کی وجہ سے مجھے بہت پریشانی ہوتی ہے۔ آج سے تقریباً ایک سال پہلے ڈاکٹر نے مجھے ادویات کے ساتھ کچھ ورزشیں بتائی تھیں جو یوگا ٹائپ تھیں۔ اس کے کرنے سے میں وقتی طور پر ٹھیک ہوگئی۔ مگر ٹھیک ہونے کے بعد پھر وہی حال ہوگیا کہ ادویات اور ورزش سے میری بیماری پر کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ الٹا ادویات کھانے سے مجھے ہر وقت متلی کی کیفیت رہنے لگی تھی۔ جس کی وجہ سے مجھے ادویات چھوڑنی پڑیں۔ اس مسئلے کی وجہ سے میں کسی سے بات نہیں کرسکتی کیونکہ مجھے اپنی

WWW.PAKSOCIETY.COM

آواز اپنے ہی دماغ میں لگتی محسوس ہوتی ہے۔ ذہن میں ہر وقت منفی خیالات آتے ہیں۔ کوئی پریشانی والی بات سن لو تو اور زیادہ پریشان ہو جاتی ہوں اس لیے میری کوشش ہوتی ہے کہ میں ٹی وی پر خبریں وغیرہ نہ دیکھوں۔ کسی ڈرامے کا کوئی سین دیکھ لوں تو دماغ میں وہی چلتا رہتا ہے۔ خاص طور پر سیکسی سین۔ کوئی مجھ سے اونچی آواز میں بات کرے تو میں اندر سے ڈر جاتی ہوں۔ پہلے تو میں اس چیز کو زیادہ سیریس نہیں لیتی تھی مگر اب اپنی بیماری کی تنگی کی وجہ سے میرے منہ سے بددعائیں نکلتی ہیں جو اکثر قبول بھی ہو جاتی ہیں۔ اس وجہ سے مجھے اب اس بیماری سے زیادہ ڈر لگتا ہے۔ جب طبیعت زیادہ خراب ہو تو ایک جگہ بیٹھ نہیں سکتی بلکہ پورے گھر میں گھومتی رہتی ہوں۔ طبیعت میں بے چینی بہت زیادہ ہے۔ بیٹھتی بھی کہیں ہوں تو ہر وقت ٹانگ کو ہلاتی رہتی ہوں۔ جب طبیعت بہت زیادہ خراب ہو جاتی ہے تو دل کرتا ہے کہ گھر سے بھاگ جاؤں۔

جواب:۔ نیند کا نہ آنا یا نیند لینے کے بعد فریش نہ ہونا دونوں میں فرق ہے۔ سر کا بھاری پن یا درد کی شکایت ظاہر کرتی ہے کہ آپ کو نیند تو آتی ہے لیکن خیالات کی یلغار کی وجہ سے آپ فریش ہو کر نہیں اٹھتیں۔ بلڈ پریشر چیک کرائیں اس کے لیے ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Laikan اور Velaxan کی ایک گولی تھوڑے پانی کے ساتھ دن میں 3 مرتبہ لیں۔

جن جذباتی خیالات کا ذکر آپ نے کیا یہ یقیناً عمر کا تقاضا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مرد و عورت کو ایک دوسرے کے لیے پیدا کیا ہے۔ لہٰذا اس قسم کے خیالات آنا کوئی بری بات نہیں۔ شادی کرنے کی کوشش کریں بصورت دیگر جذبات کو قابو رکھنے کی کوشش کریں۔ اس کے لیے ولمار شوابے جرمنی 30 - Staphisagria اور Bufo 30 کے 5,5 قطرے دن میں تین مرتبہ 1/2 کپ پانی میں ڈال کر پئیں۔ ایک ماہ بعد مکمل کیفیت و بلڈ پریشر سے آگاہ کریں۔

دمہ

زیتون بیگم............بہاولپور

(۱) میں دمہ کی مریض ہوں۔ سانس کی نالیوں میں ریشہ پیدا ہوتا ہے جب تک نالیوں میں ریشہ پیدا ہوتا ہے گا میں ٹھیک نہیں ہو سکتی۔

(۲) ماہواری شروع سے 15 دن کے وقفہ سے آتی ہے۔ اب دو سال سے مسلسل آ رہی ہے کبھی کوئی دوائی فائدہ کرتی ہے تو 2 ماہ تک یا ایک ماہ تک۔

جواب:۔ خط آپ کا نامکمل ہے۔ سانس کی نالیوں میں تنگی بلغم کی وجہ سے ہوتی ہے۔ ٹھنڈی، کھٹی، مصالحے والی اشیا استعمال نہ کریں اور نہ ہی بہت زیادہ میٹھی اشیا اور میدے سے بنی ہوئی چیزوں کا استعمال کریں۔ ایک ماہ تک ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات کا استعمال کریں Arsenic Alb 30 اور Antimonium Tart 30 کے 5,5 قطرے 1/2 کپ پانی میں... دن میں 4 مرتبہ استعمال کریں۔

***

Dr. Willmar Schwabe , Germany.
Available at All Leading Medical & Homoeopathic Stores
WWW.PAKSOCIETY.COM